بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

اور اللہ کی رضا سب سے بڑی چیز ہے یہی بڑی کامیابی ہے (توبہ: ۷۲)

باقیاتِ جانِ امامِ ربانی

مجددِ الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

جلد دوم

زیرِ سرپرستی: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ترتیب

صاحبزادہ ابوالسرور محمد مسرور احمد

[illegible]

ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

نظرثانی

محمد عالم مختار حق

امام ربانی فاؤنڈیشن کراچی

اسلامی جمہوریہ پاکستان

۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ أَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ

اور اللہ کی رضا سب سے بڑی، یہی ہے بڑی مراد پانی (توبہ ۷۲)

باقیاتِ جہانِ امامِ ربّانی

قدس سرہ

مجدد الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی رضی اللہ عنہ

جلد دوم

زیرِ سرپرستی: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

مرتبین

صاحبزادہ ابو السرور محمد مسرور احمد

مولانا جاوید اقبال مظہری

ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

نظرِ ثانی

محمد عالم مختار حق

امامِ ربانی فاؤنڈیشن، کراچی
اسلامی جمہوریہ پاکستان
۱۴۲۹-/۲۰۰۸ء

(جملہ حقوق طباعت بحق ناشر محفوظ ہیں)

نام ………… باقیات جہان امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)
مرتبین ………… صاحب زادہ ابوالسرور محمد مسرور احمد
مولانا جاوید اقبال مظہری
ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری
نظر ثانی ………… محمد عالم مختار حق
جلد ………… دوم
حروف ساز ………… سید شعیب افتخار مسعودی، قاری محمد شریف کمبوہ
طابع ………… جاوید اقبال مظہری
مطبع ………… برکت پریس
طباعت ………… ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء
اشاعت ………… اول (بارہ سو)
ناشر ………… امام ربانی فاؤنڈیشن، کراچی
ہدیہ …………

ناشر

امام ربانی فاؤنڈیشن، کراچی

فلیٹ نمبر اے۔۵، پلاٹ نمبر سی۔۷، اسٹیڈیم لین نمبر ۱، فیز ۷، خیابان شمشیر ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی، کراچی،
فون ۰۱۲_۵۸۴۰۳۹۵ (اسلامی جمہوریہ پاکستان)

ملنے کے پتے

☆☆

☆ ادارۂ مسعودیہ......۴/۲،۵۔ای، ناظم آباد، کراچی فون: ۶۶۱۴۷۴۷-۰۲۱

☆ ضیاء الاسلام پبلی کیشنز......ضیاء منزل (شوگن مینشن) محمد بن قاسم روڈ آف ایم۔اے۔ جناح روڈ، کراچی
فون: ۲۲۱۳۹۷۲-۰۲۱

☆ ضیاء القرآن پبلی کیشنز......اردو بازار، کراچی فون: ۲۶۳۰۴۱۱-۰۲۱

☆ مکتبہ غوثیہ ہول سیل......پرانی سبزی منڈی، یونیورسٹی روڈ، نزد پولیس چوکی محلہ فرقان آباد، کراچی فون: ۴۹۲۶۱۱۰-۰۲۱

☆ فرید بک اسٹال......۳۸۔اردو بازار، لاہور فون: ۷۲۲۴۸۹۹-۰۴۲

☆ مکتبہ نبویہ......گنج بخش روڈ، لاہور

☆ مکتبہ جامعہ نقشبندیہ بستان العلوم......کنڈہالہ (مجاہد آباد)، براستہ گجرات، آزاد کشمیر، اسلامی جمہوریہ پاکستان

☆ Khalifa Muhammad Sadique Raza, Roza Shareef, Sirhind,
District Fategharh, Pin code-140406 (INDIA) Ph. 01763-30144.

☆ Dr. Mufti Muhammad Mukarram Ahmad, Nusratul Islam
Educational Society, Masjid Fatehpuri, Delhi-6,(INDIA)

☆ Mr. Masood Ahmad Ashrafi, Chairman, Global Islamic Mission,
335, Walnut Street # 2, Yonkers, New York-10701(U.S.A)

☆ Mr. Munir Hussain Masoodi, 46-Holly Lane Smethwich,
West Midlnds B67 7JD. (U.K)

☆ Hafiz Muhammad Qamaruddin Rizvi, Maktaba-i-Razvia
423-Matia Mahel, Jama Masjid Delhi-110006. (INDIA)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

انتساب

صحابیٔ رسول بابا رتن برھمن ہندی

کے نام

◆

☆ …… جنہوں نے لڑکپن میں مکہ معظمہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور اپنے کندھے پر سوار کر کے بارش کے نالے کو عبور کرایا

☆ …… جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار درازی عمر کی دعائیں دیں

"بارک اللہ فی عمرک"

☆ …… جن کو بعثت کے بعد ہندوستان کے راجہ نے تحائف دے کر پھر زیارت کے لیے بھیجا

☆ …… جو مدینہ منورہ میں خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہچان گئے، زبان ہندی میں فرمایا "بیٹھ جاؤ" اور خود بخود تحائف طلب فرمائے، پھر اپنے دست مبارک سے چھ کھجوریں کھلائیں، بابا رتن ہندی فوراً مشرف باسلام ہو گئے

☆ …… جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرف باسلام ہونے کے بعد خوش ہو کر تین بار درازی عمر کی پھر دعائیں دیں

"بارک اللہ فی عمرک"

اور ہندوستان واپس جانے کا حکم دیا

☆...... جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پے در پے چھے دعاؤں کے طفیل چھے سو برس کی عمر پائی

☆...... جن کی زیارت کے لیے بھٹنڈا شہر (مشرقی پنجاب، بھارت) میں دور دراز سے زائرین جوق در جوق آتے تھے اور احادیث شریفہ سنتے اور فیض پاتے تھے......

(مرتبین)

☆......☆......☆

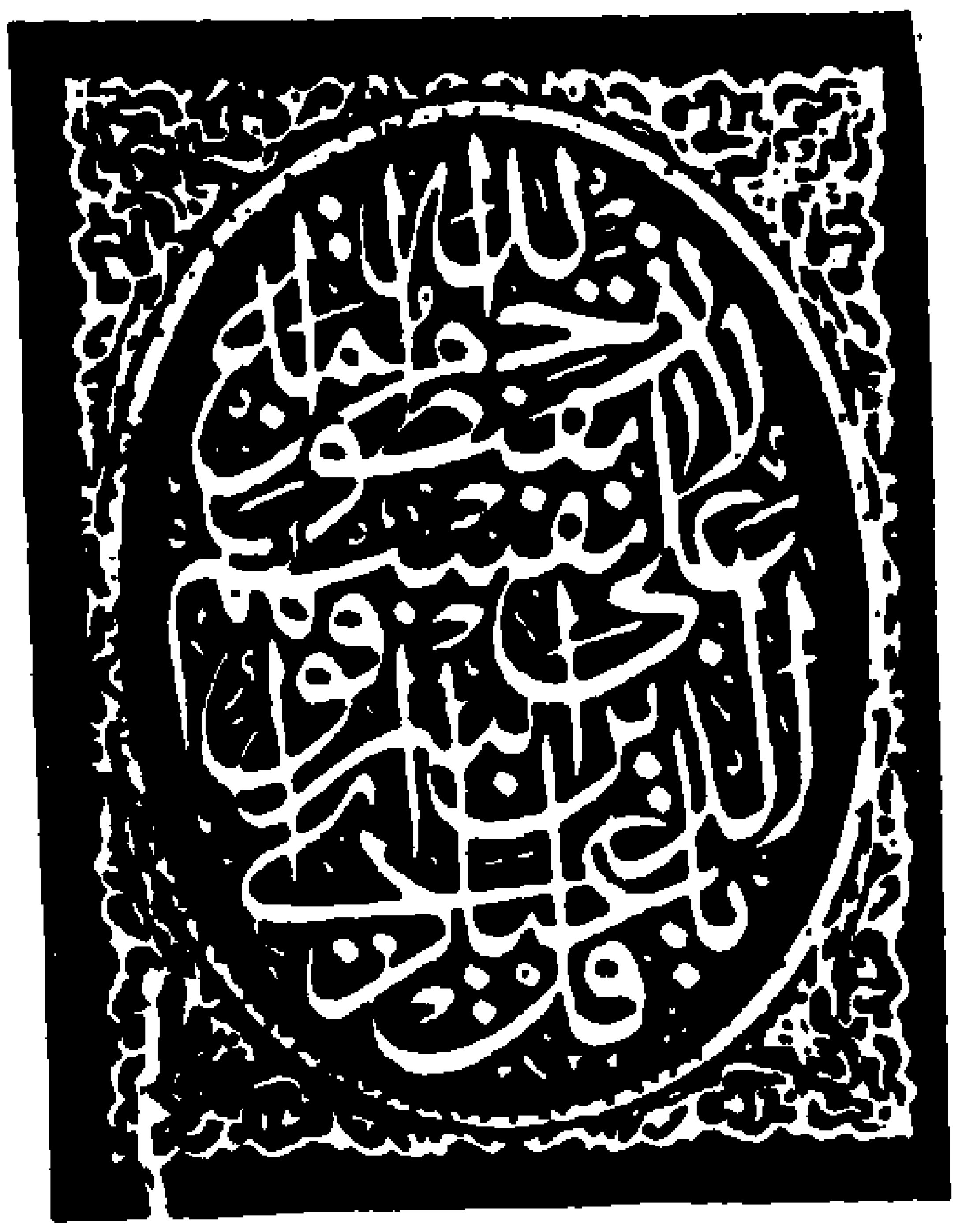

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باقیاتِ جہان امام ربانی

جلد دوم

☆

والی سرہند تو اور وارثِ بغداد تو
الفِ ثانی میں خدا کے دین کی امداد کی
(غلام مصطفیٰ)

وقل رب اغفر وارحم وأنت خير الراحمين

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

باقیات جہان امام ربانی

جلد دوم

☆☆

نعت شریف …… امام احمد رضا محدث بریلوی ۱۱
مناقب …… خالد محمود نقشبندی، لیلیٰ مرحومہ نقشبندی ۱۳
ابتدائیہ …… ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری ۱۹
تأثرات …… سید علی آفندی، الشیخ قاسم الحلی، میاں جمیل احمد شرقپوری ۲۱

باب اول

ذکر مجدد …… محمد عظیم نقشبندی فیروز پوری ۲۵
علم الکلام میں حضرت مجدد کے اجتہادات …… پروفیسر غلام مصطفیٰ مجددی ۱۲۵

باب دوم

عہد اکبری مکتوبات امام ربانی کے آئینہ میں …… پروفیسر پیر نثار احمد جان سرہندی ۳۱۵
نفاذ شریعت مکتوبات امام ربانی کے آئینہ میں …… پروفیسر محمد عامر بیگ ۳۳۹

۞...... فتنہ دور اکبری و جہانگیری اور مجدد الف ثانی (منظوم) — افتخار ضمیری ۳۴۹

باب سوم

۞...... خواجہ محمد یعقوب چرخی (حالات وارشادات) — محبوب احمد بھٹی ۳۵۵
۞...... خواجہ شمس الدین سید امیر کلال (حالات وارشادات) — ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری ۳۷۲
۞...... ملفوظات شریف (خواجہ محمد عارف ریوگری) — محبوب احمد بھٹی ۳۷۷
۞...... صد سالہ و ہزار سالہ مجدد — میاں فضل احمد حبیبی ۳۸۳

باب چہارم

۞...... الجنات الثمانیۃ (مبیضہ) (مخطوطہ لٹن لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) — مصنف: خواجہ عبدالاحد بن خواجہ محمد سعید، مرتبہ: صاحبزادہ بدر الاسلام صدیقی ۴۰۹

باب پنجم

۞...... جنات الثمانیۃ (اردو) — مصنف: خواجہ عبدالاحد بن خواجہ محمد سعید، مترجم: مفتی محمد علیم الدین نقشبندی ۵۰۳
۞...... مرقعات ۵۸۹

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

نعتِ رسول مقبول

(صلی اللہ علیہ وسلم)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی

☆☆

نظر اِک چمن سے دوچار ہے، نہ چمن، چمن بھی نثار ہے
عجب اُس کے گُل کی بہار ہے کہ بہار بُلبُل زار ہے

نہ دلِ بشر ہی فگار ہے کہ ملک بھی اُس کا شکار ہے
یہ جہاں کہ ہژدہ ہزار ہے، جسے دیکھو اُس کا ہزار ہے

نہیں سر کہ سجدہ کناں نہ ہو، نہ زباں کہ زمزمہ خواں نہ ہو
نہ وہ دل کہ اُس پہ تپاں نہ ہو، نہ وہ سینہ جس کو قرار ہے

وہ ہے بھینی بھینی وہاں مہک کہ بسا ہے عرش سے فرش تک
وہ ہے پیاری پیاری وہاں چمک کہ وہاں کی شب بھی نہار ہے

وہی آنکھ، اُن کا جو مُنہ تکے، وہی لب کہ محو ہوں نعت کے
وہی سر جو اُن کے لیے جُھکے، وہی دل جو اُن پہ نثار ہے

وہی نذرِ شہ میں زرِ نکو، جو ہو اُن کے عشق میں زرد رُو
گلِ خلد اس سے ہو رنگ جُو، یہ خزاں وہ تازہ بہار ہے

وہ اُنھیں چمک کے تجلیاں کہ مٹا دیں سب کی تعلیاں
دل و جاں کو بخشیں تسلیاں، ترا نُور بارِد وحار ہے

رُسل و مَلَک پہ دُرود ہو، وہی جانے اُن کے شمار کو
مگر ایک ایسا دکھا تو دو، جو شفیعِ روزِ شمار ہے

وہ تری تجلّی دل نشیں کہ جھلک رہے ہیں فلک زمیں
ترے صدقے میرے مہِ مُبیں! مری رات کیوں ابھی تار ہے!

گنہِ رضاؔ کا حساب کیا! وہ اگرچہ لاکھوں سے ہیں سوا
مگر اے عفُوّ، ترے عفو کا، تو حساب ہے نہ شمار ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

درشان امام ربانی مجدد الف ثانی

خالد محمود خالؔد نقشبندی مجددی

(بین الاقوامی شہرت یافتہ نعت گوشاعر)

☆☆

اے مظہرِ خیر البشر   اے مظہرِ خیر البشر
قربان تیرے حسن پر   تابانیِ شمس و قمر
جانِ مرادِ مصطفیٰ ﷺ   جامہ ہے فاروقی ترا
جد ہیں تیرے حضرت عمرؓ   اے مظہرِ خیر البشر

آئینۂ غوثِ جلی   ہیں شمۂ کمالِ کیتھلی
خلعت ہے جن کی قادری   اُن کی خلافت بھی ملی
ہر رنگ کا ہے آئینہ   ترا جمالِ حق نما
اے حق جمال و حق نگر   اے مظہرِ خیرالبشر

نسبت تری ناز آفریں   ہستی سراپا ناز ہے
صدیقیت کی شان کا   چہرا ترا غمّاز ہے
تو باقی باللہ کی ادا   اورنقشبندی ہے قبا
ہر رنگ ہے تیرا امر   اے مظہرِ خیر البشر

سارے کرم کے سلسلے   اک تیرے ملنے سے ملے
غوث و قطب حلقہ بگوش   طالب ترے سارے ولی
تو جادۂ اسلام ہے   تو کشورِ عین الیقیں
جنت ہے تیری رہگزر   اے مظہرِ خیر البشر

تیری نظر کے فیض سے   بدلی مقدر کی لکیر
ہیں تاجور تیرے فقیر   اے مرشدِ روشن ضمیر
مدنی تری پوشاک ہے   تیرے قدم کی خاک ہے
اے نازنیں کحل البصر   اے مظہرِ خیرالبشر

تو نے ملایا خاک میں   سب دین اکبر کا غرور
جب تیرہ بختی کو دیا   اسلام کا تو نے شعور
تیرے تدبر سے جلے   بجھتے ہوئے سارے دیے
پھر کھل گئے حرمت کے در   اے مظہرِ خیر البشر

پیارے نبی کے جسم پر   جو نوری مٹی تھی لگی
جو بچ گئی زینت بنی   جسمِ مجدد پاک کی
یہ شان تیری شان ہے   تیرے مجدد ہونے کی
سرکار نے دی خود خبر   اے مظہرِ خیر البشر

صدقہ رسولِ پاک کا   جھولی میں میری ڈال دے
بن جاؤں تصویرِ کرم   مجھ کو وہ خدوخال دے

نورِ دلِ عبدالاحد مشکل میں ہے مشکل کشا
تیرا وسیلۂ ظفر اے مظہرِ خیرالبشر

لفظوں کی ارزانی ہوئی جوہر کھلے تحریر کے
مسعودِ ملت نے لکھی سیرت الف ثانی تری
ہے خوب انداز بیاں تحریر ہے گوہر فشاں
یہ ہے محبت کا ثمر اے مظہرِ خیر البشر

پھوٹی ترے ادراک سے علم و عمل کی روشنی
سب کر گئی نکتے بیاں تیری نظر جس پر پڑی
خالد کو اپنا گیان دے کچھ صدقۂ فیضان دے
ہے کیمیا تیری نظر اے مظہرِ خیرالبشر

☆……☆……☆

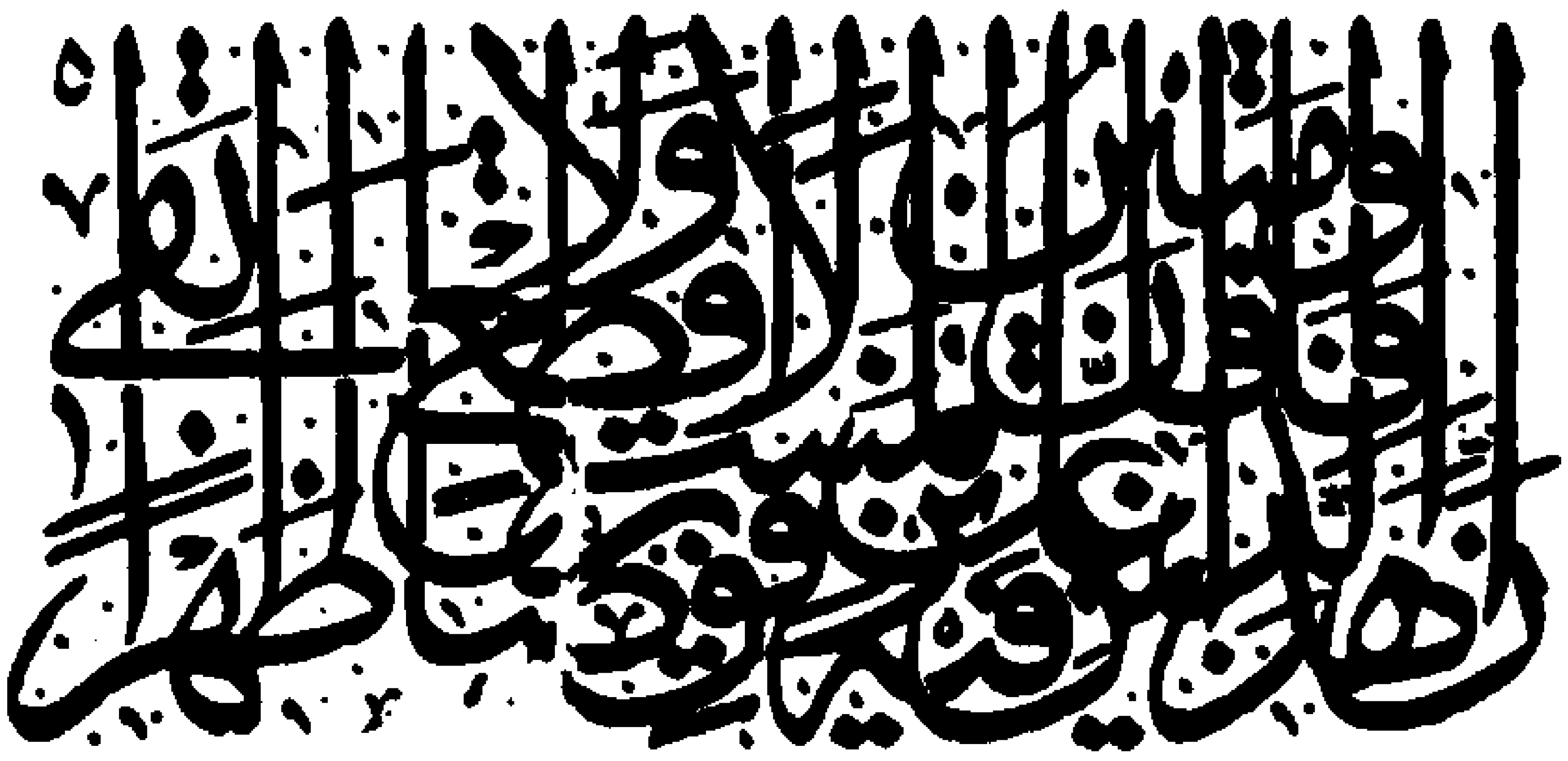

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدهٗ و نصلی علٰی رسوله الکریم

دربار مجدد میں معروض

لیلیٰ مرحومہ نقشبندی مجددی

(مالیرکوٹلہ، بھارت)

☆☆

اُن کا قاصد شادماں اے دل نظر آتا تو ہے
غالباً پیغام ان کا کچھ نہ کچھ لایا تو ہے
یہ مجدد الف ثانی کا ہی فیض عام ہے
جن کے در پر جا کے ہر اک کچھ نہ کچھ پاتا تو ہے
اُس در اقدس کی بھی کتنی نرالی شان ہے
جھولیاں بھرتا ہے سب کی آخرش داتا تو ہے
بے خبر ہے راہ سے یہ دل مگر دربار تک
پا ہی لے گا راستہ خود راہبر اپنا تو ہے
تابش خورشیدِ محشر کا ہو کیوں کھٹکا ہمیں
سر پہ اپنے اُس مجدد پیر کا سایہ تو ہے
اُن کے روضہ کو تو دیکھو سر سے پا تک نور ہے
ذات میں جس کی خدا ہم کو نظر آتا تو ہے

حاضری دی میں نے جاکر بصد عجز و نیاز
سن کر حالِ زار میرا رحم فرمایا تو ہے
پاس اُن کے جاتے ہی سب کام اپنے بن گئے
کیوں ترس کھاتا نہ وہ مشکل کشا اپنا تو ہے
لوٹ آئی میں تو جاکر ان کی بزم ناز سے
میں وہاں حاضر نہیں مگر میرا چرچا تو ہے
وہ مجدد الف ثانی کتنا اچھا پیر ہے
جب پکاریں ہم اسے وہ پاس آجاتا تو ہے
دور کر دیتا ہے سب بیماریاں ، امراض سب
سنتا ہے فریاد سب کی مہرباں اپنا تو ہے
یا مجدد المجدد ، محبوب سبحان المجدد
دیکھیے ہم کو پریشانی نے آگھیرا تو ہے
مشکلیں جتنی ہیں اپنی دور سب ہوجائیں گی
کرنے حل مشکل کو وہ مشکل کشا آیا تو ہے
زندہ باد اسم مجدد ، کام میرا کر دیا
بیاز کی صحت کی خوشخبری کو لے آیا تو ہے
اسم اعظم ہے بھرا قدرت نے نام پاک میں
جب لیا نام مبارک کام بن جاتا تو ہے

۱۸

ان کے فیض عام کی جاکر وہیں لوٹو بہار
بخششوں کا ان کی بہتا رات دن دریا تو ہے
خود وہ آجائیں گے اپنے پاس اک دن دیکھنا
ہم نے لیلی بارہا اس دل کو سمجھایا تو ہے

(انوالصوفیہ، قصور، شمارہ نومبر و دسمبر ۱۹۶۴ء، ص ۱۳، ۱۴، بحوالہ: تذکرہ شعرائے جماعتیہ، مطبوعہ قصور ۲۰۰۶ء، ص ۱۵۹۔۱۶۰)

☆……☆……☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ابتدائیہ

ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

☆☆

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ (م ۱۰۳۴ھ/ ۱۶۲۴ء) نے اکبر بادشاہ کے دور آخر (۹۹۰ھ...... ۱۰۱۴ء) میں تجدیدی مہم کا آغاز کیا جبکہ اسلام کے حق میں حالات بد سے بدتر ہو چکے تھے اور اکبر بادشاہ نئے مذہب "دین الٰہی" کی بنیاد رکھ چکا تھا...... حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کے مطابق اس دور میں اکبر بادشاہ نے رسالت اور پھر خدائی کا دعویٰ بھی کیا...... اکبر بادشاہ کو اسلام سے بیر ہو گیا تھا جس کی خاص وجہ علماء سوء کی بداعمالیاں تھیں...... ان حالات میں حضرت مجدد الف ثانی نے اپنی انقلابی و تجدیدی مہم کا آغاز کیا جو کہ آخری دم تک جاری رہی...... آپ نے اصلاح حال کے لیے بادشاہ، وزراء و امراء اور علماء و صوفیہ سب ہی کو مکتوبات شریف ارسال فرمائے اور عام مسلمانوں کی اصلاح کے لیے مختلف علاقوں اور ممالک میں وفود بھیجے......

آپ کی مصنفات و مکتوبات بڑے فکر خیز اور انقلاب آفریں ہیں، جو غلاموں کو جہانگیری، جہاں بانی اور جہاں آرائی کا سلیقہ سکھاتے ہیں...... چار سو سال گزر جانے کے باوجود آج بھی ہم آپ کی تعلیمات سے ہدایت پا سکتے ہیں...... مکتوبات شریف کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ مکہ معظمہ سے اس کا عربی ترجمہ شائع ہوا جو بعد میں بیروت سے بھی چھپا...... پھر اس کے منتخبات کا انگریزی ترجمہ ترکی، پاکستان، بنگلہ دیش وغیرہ سے شائع ہوا اور اب نیوزی لینڈ سے شائع ہونے والا ہے...... علامہ حسن علی رضوی بریلوی مدظلہ العالی (میلسی، پنجاب) نے سچ فرمایا:

وہ میکدہ سرہند کا ہے تین صدیوں سے آباد
فیض جاری ہے مجدد کا مسلسل صبح و شام

(مجلہ المظہر کراچی، اپریل ۲۰۰۵ء، ص: ۴۰)

''باقیات جہان امام ربانی'' کی جلد دوم آپ کے پیش نظر ہے جس کی فہرست شروع میں دے دی گئی ہے...... اس سے قبل جلد میں پیش کیے گئے مقالات کی تفصیل کچھ یوں ہے......

جلد اول میں حمد رب جلیل ونعت شریف اور مناقب کے بعد افتتاحیہ ابتدائیہ اور تأثرات پھر باب اول میں مجدد دوراں، امام ربانی کے تجدیدی کارنامے اور عصر حاضر، مرشد کریم کے نام مکتوبات شریف میں نجی زندگی کی جھلکیاں، وجود و عدم وجود اور امکان (مکتوبات کی روشنی میں)...... باب دوم میں تفردات مجدد الف ثانی، جواہر مکتوبات مقدسہ، سرمایہ ملت کا نگہبان، مجدد الف ثانی کا نظام تبلیغ، نشان وحدتِ ملت اسلامی، اشاعت مسلک اہل سنت اور حضرت مجدد کی اولاد و احفاد...... باب سوم میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی اور حضرت مجدد الف ثانی کے فلسفہ کا تنقیدی جائزہ (انگریزی) اور جہان امام ربانی کا تنقیدی جائزہ...... باب چہارم میں حضرت مجدد الف ثانی اور علامہ آلوسی، تصانیف رضا میں اذکار امام ربانی اور فتاویٰ رضویہ میں افکار مجدد الف ثانی...... باب پنجم چودہویں صدی ہجری کے عرب مشائخ نقشبندیہ مجددیہ، وسط ایشیاء میں سلسلۂ نقشبندیہ کا عروج، کردستان میں سلسلۂ نقشبندیہ کے آخری تاجدار شیخ محمد معصوم، انگلستان کے مشائخ نقشبندیہ مجددیہ، لاہور کے مشائخ نقشبندیہ مجددیہ، سلسلۂ نقشبندیہ اور اقبال کے علاوہ حافظ سید وزیر علی شاہ نقشبندی، خواجہ سید محبوب عالم توکلی اور حضرت میاں شیر محمد شرقپوری کے تذکرے، مشائخ نقشبندیہ (بخارا، ازبکستان) کے مزارات کی فلموں اور مرقعات پر مشتمل ہے......

امید ہے جلد اول کی طرح جلد دوم بھی قارئین کے علمی وروحانی ذوق کا سامان کرنے میں کامیاب رہے گی......

عجب رنگ پر ہے جہان مجدد، فروغ قمر ہے جہان مجدد
یہ شیخ احمد کی روشن کہانی، کمال بشر ہے جہان مجدد

۱۷ رمحرم الحرام ۱۴۲۹ھ
۲۷ رجنوری ۲۰۰۸ء

احقر
ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری
(کراچی، پاکستان)

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

تأثرات

☆☆

سید علی آفندی

☆☆

شمس فلک الارشاد و بدراوج الطریقة والحقیقة والسواد ومحور دائرة الفضائل والکمالات والرشاد والقطب الربانی والغوث الصمدانی المرحوم المقدس المبرار الاوحدی العارف باللہ الشیخ احمد سرہندی الفاروقی النقشبندی قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز

(مخطوطہ عطیۃ الوہاب الفاصلہ بین الخطاء والصواب (۱۰۹۴ھ/۱۶۸۳ء) مرتبہ: محمد بیگ انجلی (۱۱۹۴ھ/۱۷۸۰ء) مخزونہ بیت الحکمت ہمدرد یونیورسٹی، کراچی، ص ۱۰۷)

الشیخ قاسم الحلبی

☆☆

مولانا وشیخنا وبرکتنا وعمدتنا الشیخ احمد

(مخطوطہ عطیۃ الوہاب الفاصلہ بین الخطاء، والصواب (۱۰۹۴ھ/۱۶۸۳ء) مرتبہ: محمد بیگ انجلی (۱۱۹۴ھ/۱۷۸۰ء) مخزونہ بیت الحکمت ہمدرد یونیورسٹی، کراچی، ص ۱۰۵)

میاں جمیل احمد شرقپوری نقشبندی مجددی

(سجادہ نشین آستانہ عالیہ شیر ربانی شرقپور شریف ضلع شیخوپورہ)

☆☆

عہد اکبری میں مسلمان غیر اسلامی رنگ میں اس قدر رنگ گئے تھے کہ کفر و اسلام میں امتیاز مشکل تھا۔ مسلمانوں میں سیکڑوں مشرکانہ رسوم رائج ہوگئی تھیں جس کا اثر عہد جہانگیری تک رہا۔ حضرت مجدد الف ثانی نے پوری قوت کے ساتھ اصلاح کی کوشش کی اور اس ماحول میں جہاں آواز حق بلند کرنا اپنے سر کو تلوار پر رکھنے کے مترادف تھا، حضرت مجدد نے پوری اسلامی حمیت اور غیرت حق کے ساتھ بڑے مدبرانہ انداز میں اعلاء کلمۃ الحق ادا کیا۔ اکبر بادشاہ نے ابوالفضل فیضی کے کہنے پر ۱۵۷۹ء میں اپنے دین الٰہی کا اعلان کر دیا۔ یہ دین الٰہی کیا تھا، اسلام کے خلاف ایک بغاوت تھی مگر وقت کے علماء اس کے خلاف کوئی آواز بلند نہ کر سکے۔ علماء میں جرأت نہ تھی نہ حوصلہ، وہ اس قدر بے بس تھے کہ اس کی ساری شقیں تسلیم کرنے پر سراپا نیاز بن گئے۔

وہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی علیہ الرحمۃ تھے جنھوں نے ببانگ دہل اس کی مخالفت کی۔ آپ نے دین الٰہی کی جزئیات کو دیکھا تو اسے سراپا اسلام کے خلاف پایا گویا اس کے تحت ایک مسلمان کو اسلام کے گہوارے سے نکال کر کفر کی جھولی میں ڈالنا تھا۔ اس دین کے لیے یہ فارمولا وضع کیا گیا تھا کہ تمام مذاہب سے ان کی اچھی باتیں نئے دین میں شامل کر لی جائیں لیکن اسلام سے کوئی چیز نہ لی جائے۔ گویا اکبر کے نزدیک اسلام میں کوئی بھی اچھی چیز نہیں تھی۔ آپ نے اس کے خلاف قلمی جہاد کیا اور اکبر کے بعد جہانگیر کے دور میں خود جہانگیر نے اس کی تنسیخ کروائی اور اکبر کا دین الٰہی اکبر کی موت کے ساتھ ہی اپنی موت مر گیا اور آصف جاہ وغیرہ کے باعث جسد ملت میں جو روافض کے جراثیم سرایت کرتے جا رہے تھے ان سے شاہی لشکر بڑی حد تک پاک ہو گیا۔ آپ چار برس شاہی لشکر میں بھی رہے۔ آپ نے بیرون ملک تبلیغی وفود بھی بھیجے جن کے ذریعے لاکھوں بندگان خدا کو راہ ہدایت نصیب ہوئی اور اس کے ساتھ ساتھ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کو بھی خوب فروغ ہوا۔ آپ بلاشبہ مجدد الف ثانی ہیں آپ کے وجود مسعود سے ملت اسلامیہ کو حرارت ملی، جذبہ جہاد ملا اور ایک انقلاب برپا ہوا۔ مستقبل میں آنے والے اسلامی انقلابات میں آپ کا خون جگر شامل رہے گا۔

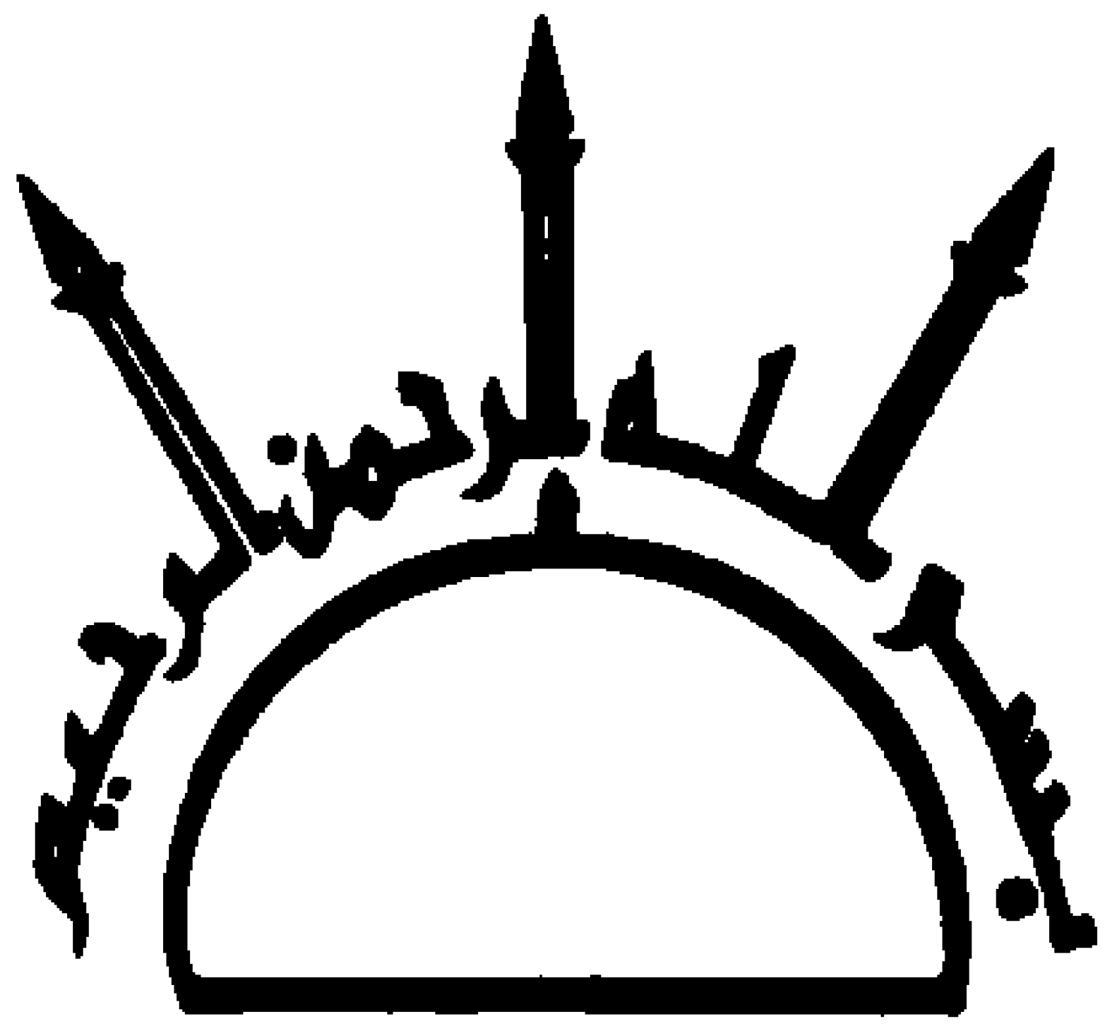
بسم اللہ الرحمن الرحیم

باقیاتِ جہان امام ربانی

جلد دوم......باب اول

☆

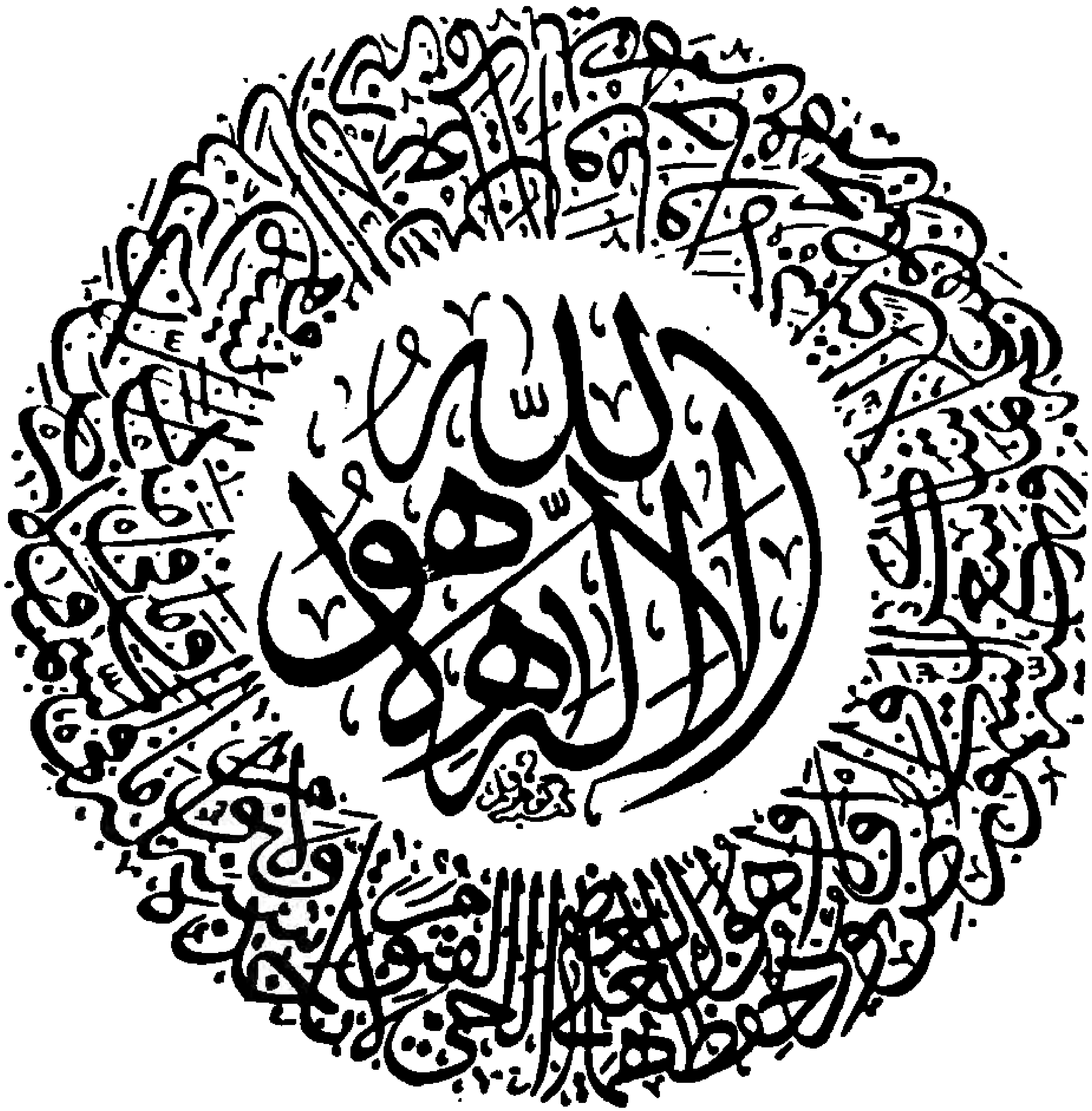
الله لا إله إلا هو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

ذکرِ مجدد

محمد عظیم نقشبندی مجددی فیروز پوری

(مدرس اسلامیہ اسکول، لاہور)

☆☆

نوٹ: پیش نظر مقالہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ پر ایک صدی قبل ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء میں اردو زبان میں شائع ہونے والی کتاب ''ذکر مجدد'' کا متن ہے۔ جو کہ ۱۳۲۵ھ میں حمیدیہ سٹیم پریس لاہور سے طبع ہو کر شائع ہوئی تھی۔ فاضل مصنف نے اگرچہ تفصیلی حوالوں کا اہتمام نہیں رکھا لیکن انھوں نے بالعموم مستند کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ مثلاً مبداء ومعاد، مکتوبات امام ربانی، مکتوبات معصومی، زبدۃ المقامات، حضرات القدس، جمع الجوامع، نفحات الانس۔ روضۃ القیومیہ سے بھی استفادہ کیا ہے جو محققین کے نزدیک مستند نہیں سمجھی جاتی...... مجموعی طور پر یہ کتاب یادگار اور قابل مطالعہ ہے۔ (مرتبین)

میری کیا زبان ہے کہ میں اس خورشید طریقت ومہتاب حقیقت وسراج شریعت کی شان میں کچھ بیان کرو۔ عیاں راچہ بیاں آفتاب آمد دلیل آفتاب

امام ربانی محبوب سبحانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات کچھ ایسے نہیں جو زمانے کی آنکھوں سے پوشیدہ ہوں۔ بلکہ ایک عالم آنحضرت کے فیض وبرکات کا خوشہ چین ہے۔ اور ایک بات جہاں حضور کے فضائل وکمالات کا مداح ہے۔ یہاں مجھے ایک بات یاد آگئی یعنی ایک دن مجھے حضرت مولانا شرف الدین صاحب مرحوم فیروز پوری خلیفہ خواجہ اللہ بخش علیہما الرحمۃ کی زیارت کا اتفاق ہوا۔ آپ نے اپنا سفر حج بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حج کے موقع پر مجھ کو ایک شامی قافلہ سے اتفاق ملاقات ہوا۔ ان میں سے ایک بزرگ نے اثنائے گفتگو میں مجھ سے سکونت کے متعلق دریافت کیا تو میں نے جواب دیا کہ میں ہندی ہوں اس پر انھوں نے کہا اس ہند کے رہنے والے جہاں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز گزرے ہیں۔ میں نے کہا جواب دیا ہاں۔

اس سے ظاہر ہوا کہ اس شامی قافلے کے بزرگ کو سرزمین ہند کی واقفیت بھی حضرت مجدد الف ثانی

علیہ الرحمۃ کے وجود کی شہرت سے حاصل ہوئی تھی۔ سبحان اللہ کیا عالی شان ہے آپ کی۔

پیشتر اس کے کہ آنحضرت والا صفات کے مختصر حالات ہدیہء ناظرین کیے جائیں یہ ضروری ہے کہ سرہند شریف کے متعلق کچھ لکھا جائے تا کہ خطہء مبارکہ سرہند کی عظمت وشرافت ناظرین با تمکین پر واضح ہو جائے۔

سرہند شریف:

سہ شیر کو کہتے ہیں، رند بمعنی جنگل یعنی شیر کا جنگل۔ جہاں شہر آباد وہاں قدیم زمانہ میں ایک وحشتناک جنگل تھا جو شیروں کا وطن ہو رہا تھا اسی۔۔۔ نام پر شہر کا نام سہرند رکھا گیا اور سکوں مین بھی یہی نام مستعمل ہوا اس شہر کے قریب ایک فرسنگ کے فاصلہ پر ایک گاؤں بروس نام تھا اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز پر ظاہر کیا گیا تھا کہ یہاں انبیاء علیہم السلام کی قبریں ہیں اس سبب سے یہی اس شہر کو فضیلت ہے۔

سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد میں پنجاب کا خزانہ پایہء تخت دہلی کو لیے جا رہے تھے جب خزانہ اس وحشتناک جنگل میں جہاں اب سرہند ہے پہنچا خزانہ کے ہمراہیوں میں ایک صاحبدل تھے ان کو کشف سے معلوم ہوا کہ ہجرت پیغمبر علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام سے ہزار سال گزرنے پر اس جگہ ایک شخص پیدا ہوا جو وحید امت ہوگا۔

خزانے کے سب ہمراہی ان کے معتقد تھے اس بزرگ نے اس جگہ کی بنیاد رکھنے کی خواہش ظاہر فرمائی سب نے مل کر التجاء کی کہ یہ کام شاہی امداد کے سواء مشکل ہے۔ حضرت جلال الدین مخدوم جہانیاں سلطان فیروز شاہ کے پیر ہیں وہ فرمائیں تو بادشاہ اس کام کو بخوشی سرانجام دے گا۔

چنانچہ سب نے سید مخدوم کی خدمت میں اس بارے میں درخواست کی اور ان سب صاحب دل کا مکاشفہ بھی عرض کیا حضرت مخدوم جہانیاں علیہ الرحمۃ نے سلطان کو وہاں شہر آباد کرنے کو فرمایا۔ سلطان نے اپنے پیر کا حکم مان لیا اور امام رفیع الدین کے بڑے بھائی خواجہ فتح اللہ کو جو وزیر اعظم تھے اس کام پر متعین کیا۔ خواجہ صاحب دو ہزار سوار ہمراہ لے کر اس جگہ پہنچے۔ اور جنگل میں ایک بلند جگہ دیکھ کر بنیاد ڈالی تمام دن قلعہ کی کی دیوار تیار ہوتی اور رات کو گر جاتی کچھ عرصہ اسی طرح ہوتا رہا۔ خواجہ فتح اللہ نے حیران ہو کر بادشاہ کو اطلاع دی۔ بادشاہ نے حضرت مخدوم جہانیاں کی خدمت میں درخواست کی۔ حضرت مخدوم

علیہ الرحمۃ نے امام رفیع الدین کو جو حضرت کے خلیفہ اعظم تھے اس خدمت پر مقرر فرمایا۔ اور اس شہر کی امامت وقطبیت بھی ان کی سپرد فرمائی اور فرمایا کہ غالب امید ہے جس وحید امت نے پیدا ہونا ہے وہ آپ ہی کی نسبت سے پیدا ہوگا۔ حضرت امام نے وہاں پہنچ کر حقیقت حال کا معائنہ فرمایا اور مکاشفہ میں معلوم ہوا کہ شاہی آدمیوں نے زبردستی حضرت شاہ شرف بوعلی قلندر کو پکڑ کر مزدوروں میں لگا رکھا ہے۔ وہ رات کے وقت توجہ سے دیوار کو ہلا دیتے ہیں۔ حضرت امام صاحب نے شاہ صاحب کی خدمت میں معذرت کی۔ شاہ صاحب نے فرمایا آپ کی نسبت سے ایک عزیز پیدا ہوگا۔ اس کی خاطر ہم کو خدا نے مزدوری عمارت میں لگایا ہے۔ حضرت امام نے عرض کی کہ اگر صورت یہ ہے تو پھر ہر روز دیوار کیوں گراتے رہے ہو۔۔۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ صرف تمہارے منگوانے کی خاطر ایسا کرتے رہے۔ اب آپ آگئے ہیں بفراغ خاطر قلعہ بنوایئے۔

پس دونوں صاحبوں نے بسم اللہ شریف پڑھ کر ایک اینٹ اٹھائی اور غربی دروازہ سے بنیاد قلعہ رکھی۔ اور شہر کی تعمیر حضرت امام کی توجہ سے انجام کو پہنچی۔ قرآن شریف میں اسی قسم کا قصہ مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کو ایک صالح کے یتیم فرزندوں کی دیوار بنانے کا حکم ہوا اور ہر دو صاحب بزرگوار نے معمار اور مزدور کا کام کر کے دیوار کو سرانجام دیا۔

یہ شہر دار الخلافہ شاہجہاں آباد سے ۲۷ فرسنگ جانب شمال واقع ہے اور لاہور سے ۳۲ فرسنگ مشرق کی طرف، کابل سے سرہند کا فاصلہ ۱۲۵ فرسنگ ہے۔

حضرت امام کے ساتھ تین اور بزرگوں نے اس شہر میں آ کر اقامت فرمائی۔ حضرت امام کی اولاد کابلی کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت امام کا مزار مبارک وہیں ہے۔ سرہند روئے زمین کی اقلیم ثالث میں مرکز عالم پر واقع ہے اور حرمین شریفین بھی اقلیم ثالث میں۔ اس لیے سرہند شریف کو حرمین شریفین سے مناسب تامہ ہے۔ حضرت سرہند کی بزرگی میں مکتوبات میں تحریر فرماتے ہیں:

> "الحمد للہ والسلام علی عبادہ الذین اصطفی بعنایت اللہ سبحانہ وبصدقہ حبیبہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام۔ بلدۂ سرہند گویا زمین احیائے من است کہ برائے من چاہ عمیق تاریک راپُر کردہ۔ صفہ بلند ساختہ اند و بر اکثر بلاد و بقاع انرا ارتفاع دادہ ونورے دراں زمین ودیعت

گشتہ است کہ مقتبس از نورے بے صفتی و بے کیف است و در لو رنگ نورے کہ از زمین مقدسہ بیت اللہ ساطع ولامع است پیش از ارتحال فرزندی اعظمی مرحومی بہ چند ماہ ایں نور را بر من درویش ظاہر ساختہ بودند و درزاویہ زمین مسکنہائے فقیراں نشان دادہ نوری نمودند ساطع کہ گردی از صفت وشان بوئے راہ نیافتہ بود از کیفیات منزہ ومبرہ آرزوے آں شد کہ آن زمین مدفن من شود وآں نور برسر قبر من ثابت بود ایں معنی بر فرزندی اعظم کہ صاحب سر بود۔ ظاہر ساختم و از اں نور و ازاں آرزو مطلع گردانیدم اتفاقاً فرزندی مرحومی بایں دولت سبقت کردو در پردۂ خاک و دریائے نور مستغرق گشت

ھنیا لارباب النعیم نعیمھا
وللعاشق المسکین ماتیجرع

از شرافت ایں بلدہ معظم است کہ مثل فرزندی اعظمی کہ از اکابر اولیاء اللہ است درآنجا آسودہ است و بعد از مدتے ظاہر شد کہ آں نور مودع لمعہ ایست از انوار قلبیہ ایں فقیر کہ ازیں جا اقتباس نمودہ درآں زمیں افروختہ اند دررنگ آنکہ چراغے از مشعلہ برافروزند۔ **قل کل من عند اللہ نور السمٰوٰت والارض سبحان اللہ ربک رب العزت عما یصفون وسلام علیٰ المرسلین والحمد للہ رب العالمین** (اللہ کی عنایت اور اس کے حبیب پاک کے صدقہ شہر سرہند گویا میری زندگی کی جگہ ہے۔ میرے لیے ایک گہرا کنواں تاریک راستہ میں تھا اس کو پُر کیا گیا اور اس کو بلند کر کے اکثر شہروں سے اونچا کیا گیا اور اس میں ایک نور امانت رکھا گیا ہے جو بے صفتی و بے کیفی سے بہرہ یاب ہے جیسا کہ بیت اللہ کی زمین میں نور چمک دمک رہا ہے۔ فرزند اعظمی (خواجہ محمد صادق اکابر اولیا)

کے وصال سے چند ماہ پیشتر اس نور کو اس فقیر پر ظاہر کیا اور اس زمین کے گوشہ میں فقیروں کے مسکن دکھائے گئے۔

اور ایک چمک دار نور دکھایا گیا جو کیفیات سے منزہ تھا۔ یہ آرزو ہوئی کہ یہ زمین میری مدفن ہو اور وہ نور میری قبر میں چمکے۔ اور اس بات کو فرزندی اعظم پر جو کہ صاحب اسرار تھا ظاہر کیا۔ اور اس نور اور اپنی آرزو سے آگاہ کیا۔ اتفاقاً فرزندی مرحومی اس دولت پر سبقت لے گیا اور خاک کے پردہ میں چھپ کر دریائے نور میں مستغرق ہوا۔

اس شہر معظم کی شرافت میں سے ہے کہ مثل فرزند اعظمی جو کہ اکابر اولیاء اللہ میں سے ہے اس جگہ آرام فرما رہے تھے مدت کے بعد ظاہر ہوا کہ وہ نور امانت کردہ فقیر کے انوار قلبیہ کی ایک چمک ہے جس سے وہ جگہ روشن کی گئی ہے جیسے کہ ایک چراغ جو کہ مشعل سے روشن کیا جاتا ہے **قل کل من عند اللہ**۔ کہہ دے کہ ہر ایک نور ذات باری کی طرف سے ہے۔ جو آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے)''

سرہند شریف کے متعلق حضرت ایک اور جگہ مکتوبات میں فرماتے ہیں کہ:

''تخم بخارا اور سمرقند سے لاکر ہندوستان کے اس خطہ میں بویا جس کا مایہ یثرب اور بطحا کی مٹی سے ہے اور فضل کے پانی سے مرتب کیا جب کشتکاری ہو چکی تو اس کے گرد حد معارف کا پھل دیا''

خواجہ محمد صادق عروۃ الوثقی جلد اول میں فرماتے ہیں:

''آج سرہند بباعث کثرت فیوض وانوار وظہور اسرار کی بہتات کے ہند اور غیر ہند کا رشک بن رہا ہے اس کو ہند میں سے نہیں سمجھنا چاہیے وہ ولایت کا دریچہ ہے ولایت کی جمع کی ہوئی خاک ہے۔ اور محبت کا مادہ اس کی طبیعت میں افسوں کے ساتھ ملا دیا گیا ہے۔ کیا اچھا کہا ہے:

ازاں افسوں کہ ساقی در مے افگند
حریفاں را ز سرماند و نہ دستار

اس سب کیفیت کے علاوہ جمع الجمع کے شربت سے سرشار اور صحو کے سبو سے ہوشیار دعوت یہاں کی ہدایت اور ارشاد ہے۔ اور یہ سب کچھ اسی کا اثر ہے کہ یہاں محبت و درد نظر آ رہا ہے۔ اس سرزمین کی لطافت طیبہ کا بیان کہاں تک کیا جائے ہوش مند طالبوں اور باانصاف سعادت مندوں پر پوشیدہ نہیں ہے۔ وہاں سے اسرار کے موتی حاصل کرنے چاہییں۔ اور جگہ کمیاب ہے:

"بس کنم خود زیر کاں را ایں بس است
بانگ دو کردم اگر درده کس است"

جو زمین آنجناب کی مسجد سے شمال کی طرف واقع ہے اس کی نسبت حضرت قیوم اول علیہ الرحمۃ نے بہشت کی زمین ہونے کی بشارت دی ہے۔ حضرت قیوم ثانی خوجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ مکتوبات کی پہلی جلد میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ سے نقل فرماتے ہیں:

> "اور حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ متبرکہ کی زمین بہشت کی زمین میں سے ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ میرے منبر اور قبر کے درمیان جنت ریاض میں سے ایک روضہ ہے"

فرماتے ہیں کہ:

> "حضرت مجدد الف ثانی حضرت ایشاں از غایت اتباع سرور دین و دنیا علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات نیز مبشر شدہ بودند کہ روضہ متبرکہ کہ قبر آنحضرت در آن ست و صحن قدیم آن روضہ مقدسہ روضہ ایست از ریاض جنت میفرمودند کہ مبشر شدہ ام باآنکہ اگر یک مشتے از خاک آں روضہ مبشر در قبر شخصے باندازند امیدوارہائے عظیم فکیف من دفن فیہا

یعنی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت متابعت سے

> ہمارے روضہ کی زمین کو بھی بہشتی روضوں میں اللہ کے فضل سے داخل کیا گیا ہے۔ اگر ہمارے مقبرہ کی مٹی میں سے ایک مشت خاک کسی قبر میں ڈالی جائے تو اس سے بڑی امیدیں ہو سکتی ہیں''

چنانچہ اورنگ زیب نے یہ بشارتیں سن کر روضہ مبارک کی خاک پاک کا ایک ٹکڑا منگوا کر اپنے پاس نہایت تعظیم کے ساتھ محفوظ رکھا۔ اس کے بعد جب اعظم شاہ تخت نشین ہوا تو اس مٹکے کی تحقیر کی اور کہا کہ یہ خاک کس کام کی ہے پھینک دو شاہی خزانے میں رہنے کے قابل نہیں۔ دونوں بھائیوں میں جنگ چھڑی تو محمد معظم کے جرار لشکر کے سامنے اعظم شاہی عظمت کے چھکے چھوٹ گئے اور شکست فاش کھائی۔

اس وقت غیب سے آواز آئی کہ تیرے سر پر وہی خاک پڑ رہی ہے جو امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے مزار پر ہے۔

مبشرہ زمین طول میں چالیس گز اور عرض میں ۳۰ گز ہے۔ روضہ مبارک سے شروع ہوتی ہے اور قبہ مبارک کے عقب میں شمال کی طرف ۶ گز چلی گئی ہے اور عرض میں دولت سرائے کی دیوار سے غرب کی جانب کو کنوئیں تک ہے۔ کنوئیں کے لیے بھی بشارت ہے کہ جنت کی زمین میں واقع ہے اور اس مبشرہ کے گرد حد کی ہوئی ہے۔

خواجہ محمد صادق علیہ الرحمۃ کے مزار پر ایک گنبد تعمیر فرمایا جب حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ کا وصال ہوا تو حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم و خواجہ محمد سعید علیہما الرحمۃ نے آنجناب کا جنازہ وصیت کے مطابق گنبد کے اندر لا کر چاہا کہ موقع وصیتی جانب غرب میں دفن کریں جب زمین پر کسی لگائی گئی تو حضرت خواجہ محمد صادق علیہ الرحمۃ کی قبر مبارک بپاس ادب ایک گز مشرق کو ہٹ گئی۔ آنجناب کو اسی قبر میں دفن کیا گیا۔ حضرت خواجہ محمد سعید خازن علیہ الرحمۃ نے ارتحال فرمایا۔ حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا کہ ان کو بھی گنبد کے اندر دفن کیا جائے۔ لوگوں نے عرض کی کہ اب اور قبر کی اس میں گنجائش نہیں رہی۔ آپ نے پھر تاکید سے یہ حکم دیا۔ لوگوں نے حکم کی تعمیل کی۔ جب زمین پر کسی لگائی گئی تو فی الفور روضہ مبارکہ کی دیوار میں وسعت ہو گئی اور زمین کا فرش دیواروں سے پیچھے رہ گیا اور قبر کی جگہ نکل آئی۔ اس وقت حضرت قیوم اول امام ربانی قدس سرہ العزیز کے روضہ مطہرہ میں حضرت خاتم الرسل علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کے

مطابق تین قبور مبارکہ ہیں۔

(۱) خواجہ محمد صادق اکابر اولیاء فرزند اعظم
(۲) خواجہ محمد سعید خازن الرحمت فرزند دوم
(۳) وجود باجود حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ

چنانچہ حضرت خواجہ شاہ عبد الغنی حضرت کے روضہ مطہرہ کی شان ان ابیات میں بیان فرماتے ہوئے اخیری بیت سے پہلے میں ہر سہ قبور متبرکہ کی جانب اشارہ فرماتے ہیں:

شیرے بخواب ناز بہ پہلوے دو شبل
یارب چہ راز است کہ ایں جانہفتہ اند

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ فاروقی نسب تھے۔ حضرت کا نسب اٹھائیس واسطوں سے حضرت امیر المؤمنین عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

شجرہ نسب:

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی بن خواجہ شیخ عبد الاحد بن شیخ زین العابدین بن شیخ عبد الحی بن شیخ محمد بن شیخ حبیب اللہ بن امام رفیع الدین بن شیخ نصیر الدین بن خواجہ سلیمان بن خواجہ یوسف بن خواجہ اسحٰق بن خواجہ عبد اللہ بن خواجہ شعیب بن خواجہ احمد بن خواجہ یوسف بن فرخ شاہ بن خواجہ نصیر الدین بن خواجہ مسعود بن خواجہ محمود بن خواجہ سلمان بن خواجہ مسعود بن خواجہ عبد اللہ بن خواجہ ابوالفتح بن خواجہ اسحٰق بن خواجہ ابراہیم بن خواجہ ناصر الدین بن عبد اللہ بن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ضرورت امام ربانی مجدد الف ثانی:

حضرت رسول مقبول علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی ہجرت سے دسویں صدی میں سلطان جلال الدین اکبر شہنشاہ ہند دین اسلام میں نہایت سست ہو گیا اور بغرض تالیف قلوبی ہنود عقائد میں ان سے متفق ہوا۔ چنانچہ سجدہ کرانا جو رأس العبادت ہے وہ بھی اس نے اپنے واسطے رائج کر لیا۔ اور بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ گیا کہ اس کے اقوال و دعوات سے ادعائے نبوت کاذبہ کی بو آنے لگی۔ ابو الفضل و فیضی اس کے مصاحب تھے جو مذہباً شیعہ تھے۔ مہر خاص کا سجع تھا جل جلالہ اکبر بادشاہ پشت پر تھا اکبر شانہ تعالیٰ۔

غرض کہ دین کی حالت ابتر تھی۔ اکبر کی وفات کے بعد جہانگیر کے عہد میں نور جہاں بیگم جو شیعہ ملت کی تھی اس کے اور اس کے بھائی آصف الدولہ وزیر اعظم ہر دو کے اقتدار سے شیعہ مذہب کو ترقی ہوئی اور اہل سنت و جماعت جو دین حقہ تھا اس کو غایت درجہ کا تنزل۔

تقریباً ہزار سال نبوت کے گزر چکے تھے خدا تعالیٰ کی سنت جاریہ کے مطابق وہی وقت امت محمدیہ پر آ گیا تھا جو ہر ایک نبوت کے بعد آتا رہا۔ اگر ختم نبوت کا فرمان بارگاہ ایزدی سے صادر نہ ہوا ہوتا تو بمقتضائے وقت ایک اولوالعزم نبی کی ضرورت تھی مگر حکمت الٰہیہ نے ایک اولوالعزم نبی کا کام ایک عزیز الوجود مقبول سے لینا تھا اور وقت آ پہنچا تھا کہ وہ عزیز ایک اولوالعزم نبی کا قایم مقام ہو کر دین اسلام کی تجدید کرے اور اس میں نئی روح پھونکے۔ اس لیے بہ مشیت ایزدی بشارات کے مطابق عین وقت پر وجود پاک مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ظہور پذیر ہوا۔

پہلے زمانہ میں ایک اولوالعزم رسول کے بعد وقتاً فوقتاً انبیاء پیدا ہو کر اولوالعزم پیغمبر کی متابعت میں اس کے دین کی تقویت فرماتے رہتے تھے۔ چونکہ نبوت کا منصب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مطہر پر ختم ہو چکا تھا اس لیے امت مرحومہ کے علماء کو انبیاء بنی اسرائیل کا رتبہ عطا ہوا اور وہ تقویت دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے چلے آئے اور چونکہ حضور علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کو ہزار سال گزر چکے تھے اور بدعات شنیعہ رائج ہو گئے تھے اس لیے ختم نبوت نہ ہوتی تو سنت اللہ کے مطابق ایک نبی مبعوث ہوتا جس کی ہمت ظاہری و باطنی کے ساتھ دین حق کو تازہ رونق اور قوت حاصل ہوتی۔ پاس ہزار سال کے ختم ہونے پر ایک مظہر اتم اور وارث اکمل کی ضرورت ہوئی جو تمام فرائض اولوالعزم پیغمبر کے سرانجام دے پس اس ضرورت حقہ پر وجود مسعود حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ ظہور پذیر ہوا اور تمام کارخانہ دینی و دنیاوی امت کا حضرت کے وجود باجود سے منسوب و مربوط ہوا۔

احادیث جو آنجناب کے وجود باجود پر دال ہیں:

ملا جلال الدین سیوطی جمع الجوامع میں یہ حدیث نقل فرماتے ہیں:

"قال النبي صلى الله عليه وسلم يكون رجلٌ في امتي يقال صلة يدخل الجنة بشفاعته كذا و كذا.

فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت میں ایک شخص پیدا
ہوگا جس کو صلہ کہیں گے (صلہ دو چیزوں کو ملا دینے والا)''
جس کی شفاعت سے اتنے اتنے لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔

چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ مکتوب ششم جلد دویم میں ارقام فرماتے ہیں:

''الحمد للہ الذی جعلنی صلة بین البحرین و مصلحا بین القسمین''

خدا کا شکر ہے کہ جس نے مجھے دو سمندروں کو ملانے والا اور قسموں کو اصلاح دینے والا بنایا۔

شریعت و طریقت جو بسبب رائے عموم کے جدا جدا سمجھی گئی تھی آپ نے اس کی تشریح مکتوبات میں بالبداہت بیان فرمادی کہ ایک کا انحصار دوسری پر ایسے ہے جیسے بدن کا روح پر اور نیز فرماتے ہیں کہ:

''شریعت کے تین جزو ہیں علم و عمل و اخلاص۔ جب تک یہ تینوں متحقق نہ ہوں شریعت متحقق نہیں ہوتی'' (مکتوب ۳۶، جلد اول)

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل''

میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کے مشابہ ہیں۔

یہ حدیث کامل طور پر حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے وجود مسعود پر دلالت کرتی ہے کیونکہ آپ ہزار سال کے بعد اولوالعزم نبی کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے مبعوث ہوئے۔

اولیائے سلف کی خبریں:

(۱) مقامات میں شیخ احمد جام علیہ الرحمۃ ارقام فرماتے ہیں کہ:

''میرے بعد سترہ آدمی احمد نام کے پیدا ہوں گے اور ان میں سب سے پچھلا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہزار سال بعد پیدا ہوگا وہ امت محمدیہ کے تمام اولیاء میں صحابہ کے بعد افضل ہوگا''

شیخ ظہور الدین فرزند شیخ احمد جام علیہ الرحمۃ کتاب رموز العاشقین میں لکھتے ہیں کہ:

> ''اخیر عمر تک اس کے باپ کے ہاتھ پر چھ لاکھ آدمی نے بیعت کی میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ ہم نے مشایخ کرام کے مقامات کئی اور کتابوں میں دیکھے ہیں لیکن جو حالات آپ پر ظاہر ہوئے ہیں کسی پر ہوتے نہیں سنے۔
>
> انھوں نے فرمایا میں نے جس قسم کی ریاضت کسی ولی کی سنی یا دیکھی وہ کی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو کچھ ان اولیا کو عطا فرمایا وہ سب مجھ کو عنایت فرمایا۔ آج سے چار سو سال بعد ایک شخص احمد نام کا پیدا ہوگا کہ جس میں عنایات الٰہی کے آثار آیات اولین جیسے ہوں گے۔ سب خلقت دیکھے گی (هذا من فضل ربی) اولیائے اولین وآخرین کے کمالات اس کو دیے جائیں گے''

یہی نقل مولوی جامی قدس سرہ العزیز نے نفحات الانس میں لکھی ہے۔ شیخ احمد جام علیہ الرحمۃ نے سنہ ۶۰۰ھ میں وفات پائی اور ولادت باسعادت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ دسویں صدی میں آغاز پذیر ہوئی۔

(۲) داؤد قیصری فصوص الحکم شارح مقدمہ قیصری کی دوسرے فصل میں لکھتے ہیں کہ:

> '' ہر ایک اسم اور کواکب کا دورہ ہزار سال کے ساتھ ہے اور اولوالعزم نبیوں کی شریعتوں کا دورہ بھی ہزار سال کا ہے۔ پس اس امت میں ہزار سال کے بعد ایک شخص پیدا ہوگا جو دین کی تجدید کرے گا اور انبیاء اولوالعزم کا قایم مقام ہوگا''

(۳) مقامات شیخ خلیل اللہ بدخشی میں مذکور ہے کہ ایک دن شیخ نے فرمایا کہ:

> ''سبحان اللہ سلسلہ خواجگان نقشبندیہ میں ایک عزیز ہند میں پیدا ہوگا جو امت کے کل اولیاء سے افضل ہوگا۔ مگر افسوس کہ اس وقت ہم نہ ہوں گے۔ پھر ایک خط نیازمندانہ دعا کی التجا سے لکھا اور اپنے خلیفہ کے سپرد کیا کہ حضرت کو پیش کریں چنانچہ خواجہ عبد الرحمٰن بدخشی نے آنحضرت کی تجدید و قیومیت کی خلعت ہونے کے دسویں سال

گزرنے پر وہ خط خدمت میں پیش کیا۔ حضرت نے فرمایا شیخ خلیل اللہ امت کے مشائخ کبار میں نظر آتے ہیں''

(۴) ایک دن سید الجن والانس حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کسی جنگل میں مراقبہ فرمابیٹھے تھے ناگہاں آسمان سے ایک نور عظیم ظاہر ہوا۔ جس سے تمام عالم نورانی ہوگیا۔ یہ نور ساعۃً بساعۃً بڑھتا گیا۔ حضرت نے تامل فرمایا کہ اس مثال میں کس صاحب کمال کا وجود مشاہدہ کرایا گیا ہے۔ القا ہوا کہ اس نور کا صاحب وہ عزیز امت ہے جو پانچ سو سال بعد ظہور فرما کر ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کی تجدید کرے گا۔ جو اس کی صحبت سے فیض یاب ہوگا وہ سعادت مند ہوگا اور اس کے فرزند و خلفاء بارگاہ احدیت کے صدر نشینوں میں سے ہیں۔

اس واقعہ کے مشاہدہ کے بعد حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے اپنا خاص خرقہ اتارا اور اس میں نسبت خاصہ القا فرما کر اپنے خلیفہ اکبر کو امانتاً سپرد فرما کر ہدایت فرمائی کہ یہ خرقہ بہ حفاظت رکھا جائے اور دست بدست وقتاً فوقتاً امانتاً سپرد ہوتا رہے۔ تاوقتیکہ اس کا اصلی وارث ظاہر ہو اور اس کے سپرد کیا جائے۔ سپرد دار جس شخص کی نوبت وہاں تک پہنچی وہ اس سے استفاضہ کرے، اس کی عزت کرے اور ہماری طرف سے یہ تحفہ سلام پیش کرے۔ یہ خرقہ مطابق وصیت امانتاً چلا آیا اور حضرت شاہ کمال کیتھلی پیر شاہ سکندر کیتھلی نے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی تجدید کے دوسرے سال آپ کے سپرد کیا اور وصیت کا پورا عمل درآمد فرمایا۔

صاحب روضۂ قیومیہ لکھتے ہیں کہ:

> ''حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کے والد ماجد مخدوم عبدالاحد جو حضرت خواجہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور قطب سرہند تھے اوائل میں حضرت خواجہ کی خدمت میں بہ نیت استفادہ حاضر ہوئے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ آپ علوم متداولہ سے فارغ ہوآئیں۔ حضرت مخدوم نے عرض کیا کہ اگر اس وقت حضرت جامۂ حیات کو اتار چکے ہوں تو کیا کروں؟ حضرت نے اپنے فرزند کی طرف اشارہ فرمایا کہ اگر میں نہ ہوں گا تو ان کی خدمت میں آنا۔

حضرت مخدوم کے دل میں خطرہ پیدا ہوا کہ اگر تحصیل علوم تک خود میری زندگی نے وفا نہ کی۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے یہ خطرہ معلوم فرما کر فرمایا کہ آپ اپنے دل میں خطرہ کو راہ نہ دیں۔ جائیں اور جلدی تحصیل علوم سے فارغ ہوں۔ آپ سلوک باطنی کریں گے۔ ہمیں آپ کی پیشانی میں ایک نور دکھائی دے رہا ہے۔ اور مکشوف ہو رہا ہے کہ عنقریب تمہیں ایک فرزند عطا ہوگا۔ جس کے نور سے تمام مشرق سے مغرب تک منور ہوگا۔ اور بدعت اور ضلالت اس کے نور سے مٹے گی۔ اور اس کی اولاد و خلفاء کے ذریعے قیام قیامت تک کمالات باطنی قایم رہیں گے۔ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو اس کی خدمت کو وسیلہ قرب پروردگار شمار کروں گا''

اسی قسم کی پیشین گوئیاں شیخ سلیم چشتی حضرت شیخ نظام نارنولی حضرت شیخ عبد اللہ علاء الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہم سے منقول ہیں جو بخوف طوالت چھوڑ دی گئی ہیں۔ سلطان ہند یعنی اکبر کی تعدی کفر و بدعت کے باعث مسلمان لوگ تنگ آ کر وقت کے مشایخ شیخ سلیم اور شیخ عبد اللہ علاء الدین سہروردی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور دعا اور امداد باطنی کی درخواست کی۔ حضرت شیخ متوجہ باطن ہوئے اور لوگوں کو بشارت دی کہ اللہ جل شانہ نے خبر دی ہے کہ عنقریب ایک شخص مبعوث ہونے والا ہے جو اولیاء زمان سے افضل ہوگا۔ اور اس کی توجہ سے دنیا کی نکبت فرحت میں بدل جائے گی۔ دین اسلام میں رونق تازہ پیدا ہوگی اور اس کی ہدایت و ارشاد کے نور سے زمین و آسمان منور ہو جائیں گے اور وہ نور قیامت تک قایم رہے گا۔

اختر شناسوں اور نجومیوں کی پیشین گوئیاں:

خان اعظم نے جو اکبر کے خاص ارکان سلطنت میں سے تھا اکبر کے جور و اذیت سے تنگ آ کر نجومیوں اور اختر شناسوں کو جمع کیا اور مضطرب ہو کر واقعات آئندہ کی نسبت دریافت کیا۔ انھوں نے چالیس روز کی مہلت چاہی اور مہلت گزرنے کے بعد سب نے متفق ہو کر بیان کیا کہ ہم نے اپنے علم میں خوب غور کیا اوضاع فلکی سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ:

''عنقریب ایک مرد خدا پیدا ہونے والا ہے جس کی توجہ کی برکت سے دین اسلام تازگی پائے گا اور کفر نیچا دیکھے گا۔ ملحد لوگ نگوں سار ہوں گے۔ اس کا طریق مثل اصحاب حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوگا۔ اور ہزار سال کے بعد دین اسلام کو رونق تازہ دے گا۔ ایک نجومی نے بیان کیا کہ تین دن سے ایک ایسا ستارہ نکلا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے آج تک نہیں نکلا تھا۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے نکلتا تو اس سے ایک نبی اولوالعزم صاحب شرع کی بعثت کا استدلال کیا جاتا۔ چونکہ اس امت میں بعد ختم رسالت پیغمبر کا پیدا ہونا محال ہے اس لیے اس ستارہ کے خواص یہ معلوم ہوتے ہیں کہ اب ایک شخص پیدا ہوگا جو ترویج دین کے خواص میں نائب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو۔ اولوالعزم نبی کا قایم مقام ہوکر باطل مذاہب وطرق کی بیخ کنی کرے اور شریعت مصطفویہ کو تازگی بخشے اس کی ہیبت لوگوں کے دلوں میں قایم ہو اور اس کا طریقہ سنت نبویہ کے مطابق ہو۔ اس دن سے خان اعظم حضرت مجدد الف ثانی کا معتقد ہوا اور اس کے عہد مسعود کا منتظر تھا۔ چنانچہ بعد میں خود ایک واقعہ دیکھنے کے بعد تجدید کے دوسرے سال خدمت سعادت میں مشرف ہوا۔ شیخ سلطان جو ارکین سلنت میں سے تھا اور خان اعظم وسیّد صدر جہاں جو ایک صحیح النسب سید سلطان ہند کا مدرا المہام تھا ان میں سے ہر ایک نے رؤیا دیکھا جو بخوف طوالت چھوڑے جاتے ہیں۔

سید صدر جہاں کے رویا کی تعبیر میں حضرت شیخ جلال خلیفہ حضرت خواجہ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بعد تامل فرمایا کہ:

'' بگولوں سے مراد موجودہ بدعت وضلالت ہے اور بچھوؤں سے

مراد فتنہ پردازوں کے گروہ ہیں جو مومنین کے ایمان کو ہلاک کر رہے ہیں اور جو نور سرہند کی زمین سے نکلا دیکھا ہے اس سے وہ بزرگ مراد ہیں جو سرہند میں پیدا ہونے والے ہیں ان کی توجہ کے نور سے تمام عالم منور ہونے والا ہے۔ مرغان خوش الحان جو دیکھے ہیں وہ ان کے خلفاء اور مرید ہیں جن کا شیوہ مرضیہ یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر ہوگا'' الخ

چنانچہ خان اعظم، شیخ سلطان، سید صدر جہاں اور شیخ جلال نے تجدید قیومیت کے دوسرے سال خدمت اقدس میں مشرف ہو کر فخر بیعت وارادت حاصل کیا۔

ولادت:

حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی فاروقی سرہندی کابلی قدس سرہ العزیز علمائے راسخین سے ہیں۔ غوث العالمین، قطب الاقطاب، عالی جناب، مظہر خوارق و کرامات، جامع درجات ولایت، دافع بدعات و ضلالت، عامل کتاب اللہ وسنت رسول اللہ، وارث کمالات نبویہ، عارج معارج ولایت، امام طریقت، مقتدائے حقیقت، پیشوائے شریعت تھے۔

طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کے آفتاب عالم تاب تھے۔ آپ کی ولادت ۱۴؍ شوال المکرم بروز جمعہ نصف شب ۹۷۱ھ بمقام سرہند ہوئی۔ اسم مبارک شیخ احمد، لقب بدر الدین، کنیت ابوالبرکات۔ مادہ تاریخ خاشع ۹۷۱ھ، احمد رفیع المنزلت ۹۷۱ھ، وصال مجدد الف ثانی ۱۰۳۴ھ۔

واقعات بوقت ولادت وقبل از ولادت:

آپ کی ولادت سے پہلے آپ کے والد ماجد نے مراقبہ میں دیکھا تھا کہ تمام جہاں پُر از ظلمت ہے اور خوک و بندر اور ریچھ جہاں میں لوگوں کو ہلاک کرتے ہیں اسی اثناء میں میرے سینے سے ایک نور نکلا ہے جس سے یک بیک تمام عالم نورانی ہو گیا اور ایک بجلی اس نور سے نکلی کہ اس نے تمام خوک وخرس جلا دیے۔ اور اس نور سے ایک تخت ظاہر ہوا کہ اس پر ایک نورانی شخص تکیہ لگائے بیٹھا ہے اور ہزاروں آدمی نورانی وفرشتہ ہائے آسمانی اس کے سامنے باادب تمام کھڑے ہیں اور سارے جہان کے ظالم اور زندیق وملحد پکڑ کر اس کے سامنے لا کر بکریوں کی مثل ذبح کرتے ہیں اور کوئی شخص باآواز بلند کہتا ہے 'قل جآء الحق زھق الباطل

ان الباطل کان زھوقا"

حضرت کے والد ماجد نے یہ واقعہ دیکھ کر حضرت شاہ کمال کیتھلی کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے بعد توجہ باطنی فرمایا کہ تم سے ایک فرزند ہوگا جس سے تمام ظلمت و بدعت دور ہوگی اور سنت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم جہان میں بطریق احسن قایم ہوگی۔ پس جیسا انھوں نے فرمایا ویسا ہی ظہور میں آیا۔

شہ ملک ولایت شیخ احمد
بہ مثلش مادر ایام کم زاد

خواجہ ہاشم کشمی صاحب زبدۃ المقامات نقل فرماتے ہیں کہ:

> ''حضرت مجدد الف ثانی کے والد مخدوم عبد الاحد رحمۃ اللہ علیہ کا اتفاق قیام قصبہ سکندرہ (دہلی سے ۲۵ کوس) برائے تحصیل علوم ہوا۔ وہاں ایک صحیح النسب شریف خاندان میں سے ایک صالحہ خاتون رہتی تھی اس نے حضرت مخدوم کے کمال زہد وتقوی کو دیکھ کر فراست صادقہ سے مخدوم کے جبین مبین پر معرفت کے آثار اور صلاحیت کے انوار مشاہدہ کیے اور درخواست کی کہ میرے زیر تربیت میری ہمشیرہ ہے جو نہایت ہی نیک سیرت اور بہت صالحہ ترین زمن ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ حضور کے حبالہء عقد میں لاؤں۔ اور امیدوار ہوں کہ یہ التماس قبول ہوگی۔ مخدوم پر چونکہ تجرید و تفرید غالب تھے فوراً قبولیت میں التوا ہوا۔ بعد میں بمقتضائے مشیت ایزدی و رضائے خداوندی مخدوم نے منظور فرمایا اور کچھ عرصہ وہاں قیام پذیر رہے۔ چنانچہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کا نور انھیں کے بطن مبارک سے جلوہ افروز ہوا۔

واقعات بوقت ولادت:

حضرت کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ جب میرے فرزند ارجمند شیخ احمد پیدا ہوئے ایک دن میں مستغرق الحال تھی کیا دیکھتی ہوں کہ میرے گھر میں تمام اولیاء امت جمع ہیں۔۔ ان میں سے ایک نے کہا دوستو

شیخ احمد کی زیارت کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اولیائے اولین و آخرین کے کمالات ان میں جمع کیے ہیں اور اپنا خزینۃ الرحمت بنایا ہے اور حکم دیا ہے کہ جو ان کی زیارت کرے گا میں اس کے گناہ بخش دوں گا۔ اور قیامت کو مقربین خاص میں جگہ دوں گا۔

حضرت مخدوم نقل فرماتے ہیں کہ:

> "ہمارے فرزند سعادت مند کے پیدائش کے دن میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں رونق افروز ہوئے۔ کل انبیاء و رسل و ملائکہ ہم رکاب تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خوشی خوشی فرزند کو گود میں لے کر داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر فرمائی۔ اور فرمایا کہ یہ فرزند ہمارے تمام کمالات کا وارث اور قایم مقام ہو کر ہماری امت کے دینی و دنیاوی کارخانے کو دوش ہمت سے اٹھائے گا"

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ:

> "ہمارے فرزند کی ولادت کے دن انبیاء و مرسلین و ملائکہ و ارواح اولیائے کرام نے اس قدر ہجوم گرد سرہند کیا ہوا تھا کہ شہر و نواح شہر بھر گیا تھا" الخ

شیخ عبد العزیز خلیفہ حضرت خواجہ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت کی ولادت باسعادت کے وقت سرہند میں موجود تھے۔ وہ فرماتے تھے:

> "ہم نے اس دن عجیب کیفیت دیکھی فرشتوں کی فوجیں آسمان سے کعبہ معظمہ میں اتر رہی ہیں اور اس بقعہ نور متبرکہ سے جانب سرہند متوجہ ہیں۔ ہزاروں نورانی علم کعبہ پر نصب ہیں اور غیب سے آواز آئی کہ ایھا الناس آج رات سرہند میں ایک مرد خدا پیدا ہوا ہے جس کی برکت سے دین اسلام و سنت مصطفویہ کو تازگی و ترقی حاصل ہوگی۔

ہزاروں قسم کی کاریگری جب حق نے دکھلائی
تو بزم دہر میں تیری عجب صورت نظر آئی

حضرت خواجہ ابوالحسن چشتی علیہ الرحمۃ جو وقت کے مشائخ کبار میں سے گزرے ہیں فرماتے ہیں کہ:

> ''میں وقت ولادت آنحضرت سرہند میں موجود تھا۔ میں نے واقعہ میں دیکھا کہ شہر میں امت کے تمام اولیاء جمع ہوئے ان میں سے ایک بزرگ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ لوگو تم کو مبارک ہو آج رات ایک ایسا شخص پیدا ہوا جس کی روح کو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہزار سال تک اپنی کنار عاطفت میں پرورش فرمایا ہے اور ان کو اولیائے امت کے کمالات کا مظہر اتم بنایا ہے''

ہزار سال جو باغ یقین پہ ہو جائے
تو پھول آپ سا ہمت کی شاخ پر آئے
قرن بھی گزریں مگر تجھ سا خوشنما ناپید
زمانہ گزرے تو تجھ سا عزیز مل جائے

ایام طفولیت:

امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ قیوم اول سنت حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق مختون پیدا ہوئے۔ آپ ایام طفولیت میں کبھی برہنہ نہیں ہوئے اگر بمقتضائے ضرورت ننگے کیے جاتے تو بعد از فراغت جلد کپڑا لے لیتے۔ آپ سے کبھی بدن یا کپڑا نجاست آلود نہیں ہوا۔

آپ نے عام بچوں کی طرح کبھی گریہ زاری نہیں کیا۔ ہر وقت خندہ پیشانی رہتے۔ ایک دفعہ مرض صبیان سے بیمار ہوئے اس وقت حضرت شاہ کمال کیتھلی قادری علیہ الرحمۃ موجود تھے آپ کے والد ماجد آپ کو اٹھا کر شاہ صاحب کی خدمت میں لائے اور دعائے صحت کی درخواست کی۔ شاہ صاحب نے کمال جذبہ سے فرمایا کہ:

> ''خاطر جمع رکھو اس بچے کی عمر دراز ہوگی اور عالم و عارف کامل ہوگا

> اور میرے تیرے جیسے اس کے دامن تربیت سے بہت ظاہر ہوں گے اور اس کی ہدایت وارشاد کی چمک تا قیام قیامت قایم وروشن رہے گی۔ یہی لڑکا ہے جس کے وجود مسعود کی خبریں اولیاء وصلحاء عظام دیتے چلے آئے ہیں اور باخبر لوگ اس کی بعثت کے منتظر اور چشم براہ ہیں''

یہ فرما کر حضرت شاہ صاحب نے اپنی زبان حضرت کے دہن مبارک میں دی۔ آپ نے شاہ صاحبؒ کی زبان زور سے چوسی۔ جب حضرت نے شاہ صاحب کی زبان چھوڑی تو شاہ صاحب نے مخدوم صاحب سے فرمایا کہ فرزند نے طریق قادری کی تمام نعمت حاصل کر لی۔

تحصیل علوم ظاہری:

جب حضرت کو مکتب میں بٹھایا گیا تو حضرت نے تھوڑے ہی دنوں میں قرآن شریف حفظ کر لیا۔ اور اپنے والد ماجد کی خدمت میں رہ کر تحصیل علم میں مشغول ہوئے۔ چنانچہ بہت کم عرصہ میں علوم متداولہ کی تحصیل سے فارغ ہو گئے اور بڑے بڑے دقیق مسائل کے حل بعض کتب کے حاشیہ پر دل کشا عبارت سے لکھے اور پھر سیالکوٹ تشریف لے گئے اور مولانا محقق مولانا کمال کشمیری علیہ الرحمۃ جو نہایت بزرگ ومتورع عالم باعمل تھے ان کی خدمت میں رہ کر بعض کتب مثلاً عضدی وامثلہ کی تعلیم حاصل کی اور بعض کتب احادیث حضرت شیخ یعقوب کشمیری علیہ الرحمۃ (جو کہ شیخ معظم قطب مکرم شیخ حسین خوارزمی کبروی کے خلیفہ بزرگ تھے اور حرمین شریفین میں رہ کر کبائر محدثین سے تصحیح حدیث کر چکے تھے) کی خدمت میں رہ کر سنائیں اور سند حاصل کی۔ اور پھر تفسیر واجدی کی اجازت بمعہ اس کی تمام مؤلفات مثلاً بسیط وسیط اور اسباب نزول اور نیز تفسیر بیضاوی کی اجازت بمعہ اس کے تمام مصنفات کے مثلاً منہاج الوصول وغایۃ القصوٰی وغیرہم وصحیح بخاری کی اجازت بمعہ اس کے تمام مؤلفات مثلاً ثلاثیات وادب مفرد وافعال العباد وتاریخ وغیرہ ذٰلک اور مشکوٰۃ وترمذی وشمائل ترمذی وجامع صغیر وسیوطی وقصیدہ بردہ شیخ بوصیری اور حدیث مسلسل کی علام ربانی قاضی بہلول بدخشانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت واجازت حاصل کی۔ اور قاضی بہلول کو ان تمام مذکورہ کتب کی اجازت حضرت شیخ عبدالرحمٰن بن فہد سے پہنچی تھی جن کے آباء اجداد مشہور محدثین سے گزرے ہیں۔

اور مشکوٰۃ المصابیح کی سند اجازت حضرت شیخ عزیز الدین سے حاصل فرمائی ان اجازتوں کے حاصل

کرنے کے بعد حضرت نے فرمایا کہ:

''مجھے محسوس ہوا کہ مجھ کو طبقہ محدثین میں داخل فرمایا گیا ہے''

سترہ سال کی عمر میں حضرت علوم معقول ومنقول وفرع واصول سے فارغ التحصیل ہو گئے۔ پھر وطن واپس تشریف لا کر اقامت فرمائی اور اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں رہ کر تدریس میں مشغول ہوئے اور بعض رسائل تازی وفارسی میں تصنیف فرمائے۔ منجملہ ان کے رسالہ تہلیلیہ ورسالہ رد مذہب شیعہ شنیعہ مشہور ہیں۔ حضرت کے شاگرد پایۂ اجتہاد کو پہنچے۔

انہی ایام میں آپ کو آگرہ میں تشریف لے جانے کا اتفاق ہوا۔ اس سفر میں آپ کی ابوالفضل سے بھی ملاقات ہوئی مگر آپ کا اور اس کا مناظرہ ہو گیا۔ اثنائے گفتگو میں ابوالفضل نے کہا کہ ''چونکہ خرق التیام محال ہے اس لیے فرشتہ آسمان سے اتر نہیں سکتا'' اور نبوت آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی انکار کیا۔ آپ نے عقلی ونقلی دلائل؛ سے ثابت کیا اور ایک مستقل رسالہ اثبات النبوۃ میں تصنیف فرمایا۔ لیکن غیرت کی تلوار کام کر چکی تھی اور ابوالفضل شاہ زادہ جہانگیر کی سازش سے قتل ہوا کسی نے مادہ تاریخ لکھا ہے

تیغ اعجازِ رسول اللہ سر باغی برید

سفر سے واپس تشریف لائے اور اپنے والد بزرگوار کی صحبت میں التزام فرمایا اور اخذ فوائد باطنیہ کر کے اجازت سلسلہ شریفہ چشتیہ اور سلسلہ سہروردیہ کبرویہ قادریہ کی حاصل کی اور مخدوم نے حضرت کو جانشین اور قایم مقام مقرر فرمایا۔

چنانچہ حضرت علیہ الرحمۃ رسالہ مبداء ومعاد میں فرماتے ہیں:

''اس درویش کو نسبت فردیت اپنے والد بزرگوار سے ملی اور ان کو ایک صاحب جذب قوی مشہور بخوارق عظیم سے''

جس میں حضرت شاہ کمال کیتھلی کی طرف اشارہ ہے۔ اور اسی جگہ فرماتے ہیں کہ:

''فقیر کو عبادات نافلہ کی توفیق اور خصوصاً نماز نوافل کا ادا کرنا والد بزرگوار کی مدد سے نصیب ہوا اور ان کو اپنے پیر طریقت سے جس سے حضرت خواجہ شیخ عبدالاحد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں''

حدیث مصافحہ:

حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص میرے ساتھ سات واسطے سے مصافحہ کرے اس کے لیے جنت واجب ہے۔ ملا بدر الدین حضرات القدس میں لکھتے ہیں کہ:

> ”آپ کو چار واسطوں سے حضرت رسول اکرم علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام سے مصافحہ کا فخر حاصل ہے۔ آپ نے حاجی عبدالرحمٰن بدخشی کابلی المعروف حاجی رمزی کے ساتھ مصافحہ کیا انھوں حافظ سلطان ادہمی کے ساتھ جن کی عمر ایک سو دس سال کی تھی انھوں شیخ محمود اشعری کے ساتھ انھوں شیخ سعید“

حضرت قیوم رابعہ خواجہ محمد زبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان چار عزیز درمیانی میں سے ایک صاحب جن ہیں۔

خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ سے شرف ملاقات وبیعت:

حضرت ہمیشہ شوق طواف بیت اللہ وزیارت روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے بیقرار و مضطرب رہتے تھے۔ مگر والد بزرگوار کی کبرسنی مانع تھی۔ حضرت کو والد ماجد سے ایسی حالت میں جدا ہونا گوارا نہ تھا۔ یہاں تک کہ مخدوم کے ارتحال کا وقت آپہنچا اور ۱۰۰۷ھ میں خواجہ مخدوم عبدالاحد اس دارفنا سے رحلت فرما کر واصل محبوب حقیقی ہوے۔ اس واقعہ کے بعد حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ ۱۰۰۸ھ میں متوجہ سفر سعادت اثر یثرب وبطحا ہے۔ جب دارالاولیاء دہلی میں پہنچے تو فاضل عصر مولانا حسن کشمیری جو کہ حضرت کے آشناؤں اور حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کے مخلصوں میں سے تھے ان سے حضرت کو اتفاق ملاقات ہوا۔ مولانا موصوف سے حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کی تعریف وتوصیف سنی۔ چونکہ حضرت نے والد ماجد سے سلسلہ شریفہ نقشبندیہ اور اس طریق کے صاحب دلوں کے اوصاف سنے ہوے تھے اور والد بزرگ وار کے شوق کو جو اس طریق اور اس کے اہل کی طرف تھا دیکھا ہوا تھا اور خود بھی کتب ورسائل میں ان دلدادگان حق کے اوصاف پڑھے ہوے تھے نیز آنحضرت کی مناسبت طبعی بھی اس طریقت کی نسبت کے ساتھ تھی اور علو استعداد وقابلیت بھی اکمل طور سے موجود تھی ان وجوہات کے باعث حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا از حد شوق دامن گیر ہوا۔ چنانچہ حضرت متوجہ زیارت حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ

ہوے اور فرمایا کہ راہ حجاز کا توشہ اس سے بہتر کیا ہوسکتا ہے کہ اس مقتدائے زمان سے ان عزیزوں کا طریق ذکر و مراقبہ حاصل کر کے اس پر استقامت کی جائے۔

بگیریم زاد راہ ایں ساغ
ز شورابہ اشک و زقرص داغ

بلاشک و لاریب وصول محبوب حقیقی کے سب طریق نورٌ علیٰ نور ہیں۔ لیکں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ جنہوں نے طرق چشتیہ قادریہ سہروردیہ کے خوانوں کی چاشنی سے لطف اٹھایا ہوا تھا اس طائفہ عالیہ نقشبندیہ کے طریق سنیہ کے متعلق اس طریق عالیہ کی تحصیل و تکمیل کے بعد مکتوب (صد و شصت ہشتم جلد اول) میں ارقام فرماتے ہیں:

> ''معلوم شریف مخدوم زادگی باد کہ علو ایں طریقہ عالیہ و رفعت طبقہ نقشبندیہ بواسطہ التزام سنت است و اجتناب (پرہیز کرنا) از بدعت لہٰذا اکابر ایں طریقہ علیہ از ذکر جہر اجتناب فرمودہ بذکر قلبی دلالت نمودہ اند و از سماع و رقص و وجد و تواجد کہ در زمان آں سرور علیہ و آلہ الصلوٰۃ والسلام و در زمان خلفاء راشدین نبودہ علیہم الرضوان منع فرمودہ و خلوت و اربعین کہ در صدر اول نبودہ۔ بجائے آں خلوت در انجمن اختیار کردہ لاجرم نتائج عظیمہ بریں التزام مترتب گشتہ است و ثمرات کثیرہ بر آں اجتناب متفرع شدہ از ینجا است کہ نہایت دیگراں در بدایت ایں بزرگواراں مندرج است۔ و نسبت ایشاں فوق ہمہ نسبتہا آمدہ و کلام ایشاں دوائے امراض قلبیہ است و نظر شان شفائے علل معنویہ۔
>
> و توجہ وجیہہ ایشاں طالباں را از گرفتاری کونین نجات می بخشد
>
> نقشبندیہ عجب قافلہ سالار اند
> کہ برند از رہ پنہاں بہ حرم قافلہ را از دل سالک رہ جاذبہ از صحبت
> شاں می برد وسوسہ خلوت و فکر چلہ را۔

خلاصہ اس مکتوب کا یہ ہے کہ:

> طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی شان سنت پر عمل کرنے اور بدعت سے پرہیز کی وجہ سے اعلیٰ ہے۔ لہذا اس طریق کے اکابر طالبوں کو ذکر قلبی بتاتے ہیں اور رقص و سماع جو حضرت رسول کریم علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے زمانہ میں نہ تھا۔ اس سے منع فرماتے ہیں اور خلوت و چلہ کی بجائے خلوت در انجمن (یعنی مجمع و جماعت میں دل کو خدا کی طرف لگانا) اختیار کرتے ہیں اور اسی وجہ سے بڑے بڑے نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ اسی باعث سے وہ برکات و انوار و حالات جو دوسرے طرق کے بزرگوں کو انتہائے طریق میں حاصل ہوتے ہیں اس طریق کے سالکوں پر ابتداء میں وارد ہونے لگتے ہیں۔ ان بزرگوں کی نسبت سب نسبتوں پر فائق ہے۔ ان کا کلام امراض قلبی کی دوا ہے اور ان کی نظر باطنی بیماریوں کی شفا ہے اور توجہ عالیہ طالب کو دونوں جہان کی گرفتاری سے نجات بخشتی ہے۔''

الیٰ آخر الکلام۔ اس کے علاوہ اور مکاتیب میں بھی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی تفصیل فرمائی ہے کہ یہ طریق سب طریقوں سے اعلیٰ و اقرب و افضل و اکمل و موصل تر ہے۔ چنانچہ مکتوب ۲۴۳ میں ان بزرگوں کے حق میں فرماتے ہیں:

> ''**رجال لا تلھیھم تجارۃ و لا بیع عن ذکر اللہ** بیان حال شانست مع ذلک طریق ایشاں اقرب طرق است والبتہ موصل است ونہایت دیگراں در بدایت ایں بزرگواراں مندرج است ونسبت ایشاں بحضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ منسوب است وفوق ہمہ نسبتہائے مشائخ است اما فہم ہر کس بہ مذاق ایں اکابر نرسد نزدیک است کہ قاصران این طریقہ علیہ نیز از بعضے کمالات ایشاں انکار نمائید

قاصری گر کند ایں طائفہ را طعن قصور
حاشا للہ کہ بر آرم بزباں ایں کلمہ را

اگر دفاتر در بیان خصائص و کمالات ایں برگزیدگاں ثبت نمود آید۔ حکم قطرہ باشد از دریائے بے نہایت۔

دادیم تراز گنج مقصود نشاں

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ والتزام متابعۃ المصطفیٰ علیہ علی وآلہ من الصلوٰۃ وافضلھا ومن التسلیمات اکملھا''

یہ دو ایک مکتوب نمونے کے طور پر یہاں درج کیے گئے جو آنحضرت نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے علو شان کے متعلق بیان فرمائے۔ ورنہ اور بھی بہت سے مکاتیب اسی بارے میں ہیں جو بخوف طوالت چھوڑ دیے گئے ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھو مکتوبات امام ربانی جلد اول مکتوب ۱۳۱، ۱۶۸، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۲۱، ۲۴۳ وغیرہم)

مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ ان صاحب قرانوں کے حق میں فرماتے ہیں:

نقشبندیہ عجب طائفہ پرکارند
کہ چو پرکار دریں دائرہ سرکارند
نقشبندند ولے بند ہر نقش نیند
ہر دم از بوالعجبی نقش دگر مے آرند
ہر زماں بوقلموں وار برنگ دگرند
زیں عجب ترکہ ز رنگ دو جہاں بیزارند
گرچہ در ظاہر عام اند بباطن خاص اند
گرچہ در صورت خصمند بمعنی یار اند
آب نیل اند ولے برلب قبطی خون اند

روح محض اندولے بر خر عیسیٰ بار اند
گرچہ مرأت صیقل اند حبش را زنگ اند
گرچہ گلزار خلیل اند حطب رانارانند
پاسِ انفاس بود خصلت ایں شاہ شہاں
پاسبانند ولے بادشہ اخبارند
دم نگہ داشتہ چوں نافہ مشک اند دگر
لب کشانند رواں بردر عطارند
انجم آسا ہمہ راخلوت در انجمن است
شمع ہر انجمن و رونق ہر بازارند
چومہ ہالہ نشیں شاں سفر اندر وطن است
بتن استادہ بدل در سفر و رفتار ند
اہل دل قافلہء کعبہ عشق اندولے
ایں گرو را قافلہ سالار اند
در سیہ خانہ صحرائے فنا کردہ نزول
خیمہ برتر زدہ زیں نہ تتق زنگار رند
برلب تشنہ لباں روح فزا یا قوتند
درکف وسوسہ کیشاں زرمشت فشارند
دیدہ پاکند بلے روشنی دیدۂ پاک
سردیں وارے بلے بر سردیں دستارند
خاشانند ولے وقت سخن طوطی وار
ہمہ شیریں حرکات و شکریں گفتار ند

میرسد شاں رطب معرفت از نخل وجود
بارے از بخت خود ایں قوم چہ برخوردارند

الغرض جب حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ خواجہ علیہ الرحمۃ کی زیارت سے مشرف ہوے تو خواجہ علیہ الرحمۃ بغیر معمول کے کمال عنایت و بشاشت سے پیش آئے اور قصد سفر دریافت فرمایا۔ حضرت نے اپنا ارادہ بیت اللہ شریف ظاہر فرمایا۔ حضرت خواجہ نے اس شاہ باز بلند پرواز کی جبین مبین پر قابلیت ارجمند دیکھ کر اپنی عادت کے برخلاف فرمایا کہ:

> ''ہر چند ارادہ بہت مبارک ہے لیکن اگر چند روز اس جگہ فقراء کے پاس ٹھہرو یعنی ایک ماہ یا ایک ہفتہ تو کیا مضائقہ ہے''

حضرت نے منظور فرمایا۔ اور ایک دن نہیں گزرا تھا کہ حضرت نے بے اختیار ہو کر حضرت خواجہ سے اخذ طریق خواجگان علیہم الرضوان کی درخواست خدمت عالی میں پیش کی۔ چنانچہ حضرت خواجہ نے خلوت میں لے جا کر حضرت کو بیعت ذکر و طریق خواجگان نقشبندیہ سے مشرف فرمایا اس وقت حضرت کا دل گویا ہوا اور سکینت و اطمینان والتذاذ اور حلاوت ذکر ظاہر ہوئی اور یوما فیوماً ترقیات عالیہ و عروجات متعالیہ پر فائز ہوتے گئے تا آنکہ دیکھا جو کچھ دیکھا اور پایا جو کچھ پایا۔

شوق طوالن بیت الحرام کیا تھا۔ پیام وصال صاحب بیت الحرام تھا اور اشتیاق زیارت روضہ منورہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیا تھا۔ بلکہ مکین مکان متبرکہ کے نور مطہرہ نے جس نے ہزار سال تک اس در یکتا کو حضرت عمر کے بحر معرفت کے ۲۸ بحروں میں تربیت فرمایا تھا (۲۸ واسطوں سے شجرہ نسب حضرت عمر تک پہنچتا ہے) اب بمقتضائے مشیت ایزدی بنفس نفیس حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے سینہ مبارک میں جلوہ افروز ہو کر اپنی نسبت خاصہ کمالات نبوت و کمالات الوالعزم سے مشرف فرمایا اور شرح صدر کی امانت سپرد فرما کر تمام کارخانہ دین و دنیا کا اہتمام تا قیام عالم حضرت کو سونپا۔ اور جہان و اہل جہان کا قبلہ و قدوۃ بنا کر قیومیت عالم و تجدید الف ثانی کی خلعت خاصہ سے ممتاز فرما کر مورد رحمت الٰہیہ نامتناہیہ کرنا تھا تاکہ ہژدہ ہزار عالم کے لیے سرچشمہ فیوض و برکات کا تا ابد قایم رہے۔ چنانچہ انجام حال میں بیت اللہ شریف کا ورود سرہند شریف میں ہوا۔ جیسا کہ ارقام فرمایا کہ زمین متبرکہ روضہ مطہرہ و مسجد حضرت مجدد کو زمین مطہرہ بیت الحرام و مسجد نبوی میں فنائے اتم حاصل ہوا اور سرزمین روضہ متبرکہ و مسجد حضرت مجدد کو خاص

بشارت کا حصہ ملا۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے۔

اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جس کی ذرا بھی چشم بصیرت وا ہو اس کو سرہند شریف میں پہنچ کر مدینہ منورہ کے انوار محسوس ہوتے ہیں۔ لیکن جس کو ابو جہل کے قلب سے حصہ ملا ہو وہ خواہ خدا کے محبوب مقبول علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ہی کیوں نہ بیٹھا ہو اس کو سوائے انکار کیا سوجھتا ہے (عیاذ نا اللہ تعالیٰ سبحانہ) اور سوائے تاریکی کے جو اس کے قلب ہی کا عکس ہے۔ مرأت نبوی میں اور کیا نظر آتا ہے۔ (اللہ ہم کو بچائے اور ان محبوبوں کے چشموں سے حصہ بخشے۔ آمین یارب الکریم)

الغرض حضرت کو بہت کم عرصہ میں خواجہ علیہ الرحمۃ کی صحبت میں وہ کمالات حاصل ہوئے جو احاطۂ تحریر سے باہر ہیں۔ چند ہی روز میں تمام نسبت نقشبندیہ بالتفصیل حضرت کو حاصل ہوگئی۔ اور حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے بشارت حصول دولت و کمال و تکمیل عطا فرما کر سرہند شریف کو رخصت فرمایا۔ کچھ عرصہ قیام فرما کر حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو پھر اشتیاق زیارت خواجہ علیہ الرحمۃ دامن گیر ہوا۔ چنانچہ اس دفعہ حضرت خواجہ نے آپ کو اجازت خلعت خلافت عطا فرما کر رخصت فرمایا۔ حضرت سرہند شریف پہنچ کر تربیت طلاب میں مشغول ہوگئے۔ اور اثر عظیم ظاہر ہوا۔ اور بہت کم عرصہ میں کمالات و عجائبات بسیار ظہور پذیر ہوئے جس کا حد و شمار نہیں۔

چنانچہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے حضرت مولانا کمال (جو حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کے ساتھ شرف زیارت و بیعت کا باعث ہوئے تھے) ان کا شکریہ بعد از حصول کمال مندرجہ ذیل مکتوب میں اظہار فرمایا ہے۔

> ''فقیر در ادائے شکر نعمت دلالت شما اعتراف بقصور دارد و در مکافات آں احسان شما معترف بعجز۔ ایں ہمہ کاروبار مبنی بر آں نعمت است و ایں۔۔۔ مربوط بآں احسان۔ بحسن توسط شما آں دادہ اند کہ کم کسے دیدہ است۔ بہ یمن توسل آں بخشیدہ اند کہ کم کسے چشیدہ از خواص عطایا دآں عطا فرمودہ اند کہ اکثرے را از عموم عطایا آن مقدار میسر نشدہ است احوال و مقامات و اذواق و مواجید و علوم و معارف و تجلیات و ظہورات ہمہ را زینہ ہائے عروج ساختہ بمنازل وصول

رسانیدہ اند لفظ قرب وصول از تنگی میدان عبارت اختیار کردہ است **والا فلا قرب ثم لا وصول ولا عبارۃ ولا مکان ولا اشارۃ ولا شھود ولا حصول ولا اتحادہ لا کیف ولا جھل ولا صبر**

چگویم من ازاں مرغے نشانہ
کہ با عنقا بودہم آشیانہ
ز عنقا ہست نامے پیش مردم
ز مرغے من بود آں نام ہم گم

چوں اظہار ایں احسانہائے خداوندی جل سلطانہ کہ در عالم اسباب ظہور آں مرتب براں نعمت شمار بودہ است در ضمن چند فقرہ مندرج ساختہ تقید کتابت در آوردہ بود کہ شکر از شکر آن نعمت شما ادا یابد۔

حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے پیر روشن ضمیر کے چند کلمات متبرکات جو مختصراً درج ذیل ہیں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے کمالات کے شاہد ہیں۔

بشارات حضرت خواجہ باقی باللہ در بارہ حضرت مجدد:

حضرت خواجہ نے فرمایا کہ جب مجھے حضرت خواجہ امکنگی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ:

''تم ہندوستان جاؤ وہاں تم سے یہ طریقہ جاری ہوگا''

میں نے اپنے میں اس کی قابلیت نہ پا کر عذر کیا۔ آپ نے استخارہ کے واسطے فرمایا۔ استخارہ میں میں نے دیکھا کہ ایک طوطی اُڑ کر میرے ہاتھ پر بیٹھی ہے بیٹھ جائے تو مجھے سفرِ ہندوستان میں کشائش حاصل ہوگی۔ بمجرد اس خیال کے وہ طوطی اڑ کر میرے ہاتھ پر بیٹھ گئی۔ میں نے اپنا لعاب دہن اس کے دہن میں ڈالا۔ اور اس طوطی نے میرے منہ میں شکر ڈالی۔ میں نے یہ واقعہ حضرت خواجہ امکنگی کی خدمت میں عرض کیا۔ حضور نے فرمایا:

''اس طوطی سے مراد ایک شخص ہے جس کا ظہور تم سے ہندوستان میں

ہوگا کہ جہان اس سے منور ہوگا۔ اور تم بھی اس سے فیض یاب ہو گے“

حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جب میں سرہند پہنچا، مجھے واقعہ میں معلوم ہوا کہ کوئی شخص کہتا ہے کہ تم قطب کے پڑوس میں ہو اور اس قطب کا حلیہ بھی دکھایا۔ صبح اٹھ کر میں اس جگہ کے درویشوں کو ملنے گیا مگر کسی میں وہ قابلیت نہ پائی۔ جب میں نے شیخ احمد کو دیکھا تو وہی حلیہ پایا اور نشان قابلیت بھی موجود تھے۔

ایک روز دیکھا کہ میں نے ایک بڑا چراغ جلایا ہے اور لحظہ بلحظہ اس کی روشنی بڑھتی جاتی ہے۔ اور لوگ اس چراغ سے بہت سے چراغ روشن کر رہے ہیں۔ جب میں سرہند کے قرب وجوار میں پہنچا تو وہاں کے دشت وصحرا کو چراغوں سے بھرا ہوا پایا۔ اس بات کو بھی میں تمہارے ہی معاملہ میں اشارہ سمجھا۔ فرمایا:

”شیخ احمد مردی است از سرہند کثیر العلم وقوی العمل روزے چند فقیر
باونشست و برخاست کرد عجائب بسیار از روزگار اوقات او مشاہدہ
نمودہ بآن ماند کہ چراغے شود کہ عالمہا ازو روشن گردد“

جب حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ دوسری دفعہ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کی زیارت کو دہلی تشریف لے گئے تو حضرت خواجہ مع خدام کابلی دروازہ تک پاپیادہ استقبال کے لیے تشریف لائے اور حضرت کو باعزاز تمام لے گئے اور اپنے ساتھ سرحلقہ بنا کر اپنے اصحاب کو تاکید کی کہ ان کے روبرو نہ کوئی میری جانب متوجہ ہو اور نہ کوئی میری تعظیم کرے۔ بلکہ سب انھیں کی طرف متوجہ رہا کریں۔ اس حکم کی تعمیل میں جو بعض کو متامل پایا تو فرمایا کہ میاں شیخ احمد آفتاب ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے ان کی روشنی میں گم ہیں اور خود بھی مثل دیگر مریدوں کے داخل حلقہ ہوا کرتے تھے۔ جب حلقہ سے اٹھ کر باہر تشریف لے جاتے تو حضرت کی جانب پشت نہ کرتے بلکہ چند قدم برجعت قہقری تشریف لے جاتے۔

جب حضرت دہلی سے سرہند شریف واپس تشریف لائے تو حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ اکثر مکاتیب میں اپنے اصحاب کا حال ومقام حضرت سے دریافت فرمایا کرتے اور ان کے واسطے دعا وتوجہ کے لیے بھی عرض کرتے۔ اور ان میں عزیز متوقف کے اشارہ سے بھی کسی کا حال دریافت فرماتے اور اس کے واسطے بھی توجہ وہمت طلب فرماتے۔ حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی صاحب زبدۃ المقامات وخلیفہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے شیخ تاج وغیرہ سے حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کی زبانی لکھا ہے کہ عزیز موقوف سے خود حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ مراد

ہیں۔

حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ:

''ہم حضرت شیخ احمد کی توجہ سے جان گئے کہ توحید ایک تنگ کوچہ ہے اور اس سے آگے شاہراہ وسیع ہے''

فرمایا کہ:

''میاں احمد اکمل مرادوں اور محبوبوں سے ہیں''

فرمایا:

''ان کی مانند آج زیر فلک کوئی نہیں ہے''

فرمایا:

''بعد از صحابہ و کمال تابعین و مجتہدین ان کی مانند گنتی ہی کے اخص الخواص گزرے ہیں''

فرمایا کہ:

''میں نے ان تین چار سالوں مین پیری نہیں بلکہ کھیل کیا ہے مگر الحمد للہ! کہ میرا کھیل اور دکانداری ضائع نہیں گئی کہ ایک ایسا شخص ظاہر ہوا''

فرمایا کہ:

''یہ تخم بخاراا اور سمرقند سے لا کر ہند میں بویا''

تیسری دفعہ جب حضرت سرہند سے حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ:

''ضعف بدن بہت ہے امید حیات منقطع ہے''

آپ نے دونوں صاحبزادوں خواجہ عبد اللہ و خواجہ عبید اللہ شیر خواران کو طلب فرما کر اپنے روبرو توجہ کرائی۔

آپ کے آداب شیخ کی جناب میں:

حضرت خواجہ ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ بیاض حضرت خواجہ معصوم قیوم ثانی میں لکھتے ہیں:

> ''ہر چند آپ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ سے عرض کرتے کہ ایسے سلوکوں سے غلام کو کیوں شرمسار فرمایا جاتا ہے۔ حضرت خواجہ فرماتے ہم خدا کے لیے ایسے سلوک کرتے ہیں بلکہ ہم ایسا کرنے پر مامور ہیں۔ باوجود ان خاص الطاف وعنایات کے حضرت کے ادب واعتقاد کی کچھ انتہا نہ تھی''

حضرت خواجہ حسام الدین سے منقول ہے کہ:

> ''ایک روز مجھ کو حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے کسی ضرورت سے حضرت کے بلانے کو بھیجا جونہی میں نے جا کر کہا کہ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ آپ کو طلب فرماتے ہیں حضرت کا چہرہ مبارک مارے خوف کے متغیر ہو گیا اور تمام بدن میں اضطراب ورعشہ پیدا ہو گیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ سنا کرتے تھے ''نزدیکاں را بیش بود حیرانی'' آج دیکھ بھی لیا''

حضرت نے خود رسالہ مبداء و معاد میں لکھا ہے کہ:

> ''ہم چار آدمی جملہ مریدوں میں ممتاز طور حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں رہا کرتے تھے ہر شخص کا حضرت خواجہ کے ساتھ تعلق اور اعتقاد علیحدہ علیحدہ تھا میرا عقیدہ یہ تھا کہ ایسی صحبت اور ایسی تربیت و ارشاد (بعد زمانہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم) ہرگز پیدا نہیں ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتا تھا کہ اگر حضرت خیر البشر علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت سے مشرف نہیں ہوا بارے ہزار ہزار شکر کہ اس سعادت سے محروم نہیں رہا''

حضرت خواجہ کے وصال کے بعد آپ کے خلفاء کا حضرت مجدد سے انحراف اور پھر متنبہ

ہوکر رجوع لانا:

حضرت خواجہ ہاشم کشمی اور ملا بدرالدین برکات الاحمدیہ اور حضرات القدس میں لکھتے ہیں کہ:

> ''حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کی وفات کی خبر وحشت اثر سن کر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کمال اضطراب سے دہلی تشریف لائے تو حضرت خواجہ کے کل غلاموں نے حضرت کا استقبال کیا۔ اور حضور کے وصایا کی تکمیل میں حضرت کے حلقہء مراقبہ میں حاضر ہوئے۔ اور ویسے ہی آداب کے ساتھ پیش آئے۔ مگر عین سرگرمی افاضہ میں بعض حاسدوں نے حضرت خواجہ کے حضرت سے استفاضے کو طرح طرح کے رنگ میں دل پر جمایا جو باعث کشیدگی ہوا۔ چنانچہ اکثر اصحاب حضرت کی قیومیت و مجددیت سے منحرف ہوگئے۔ اول اول حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے پند ونصائح فرمائے مگر وہ باز نہ آئے تو حضرت نے بعض کی نسبت سلب فرمالی مگر پھر بھی ان کا اصرار کم نہ ہوا اور حضرت نے وطن مراجعت فرمائی''

شیخ تاج خلیفہ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ منحرف جماعت کے سرگروہ تھے۔ اس کے بعد ایک دن سب لوگ ختم میں مشغول تھے ان میں سے ایک شخص صاحب کشف نے واقعہ دیکھا کہ کل درویشوں نے ایک ایک چراغ جلایا ہے ناگاہ تند ہوا کا جھونکا بجلی کی طرح آیا اور یکلخت سب کے چراغ بجھ گئے۔ اتنے میں کسی نے غیب سے آواز دی کہ یہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے مخالف درویشوں کی توجہ کے چراغ ہیں اور بجلی کی جھپٹ آنحضرت کی توجہ۔ شیخ تاج کا حال بھی سلب ہوگیا۔ نہایت متحیر ہوئے اور اس کے باعث کی طرف متوجہ ہوئے۔ واقعہ میں دیکھا کہ ایک بہت بڑی مجلس منعقد ہے اور اُمت کے تمام کملا حاضر ہیں اور حضرت امام ربانی صدر نشین ہیں۔ ایک بزرگ نے شیخ تاج سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ تمہاری نسبت سلب ہونے کا باعث حضرت مجدد کی مخالفت ہے۔ ایسے ہی واقعات اور یاران طریقت نے بھی دیکھے اور شیخ تاج نے مولانا محمد بلخ اور مرزا حسام الدین کو ان کی غلطی اور اپنے اس واقعہ سے آگاہ کیا (اور لکھا کہ حضرت سے سب یار معافی کی درخواست کریں) اسی اثناء میں حضرت خواجہ حسام الدین نے بھی مراقبہ میں دیکھا کہ

حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہیں اور خطبے میں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی تعریف وتوصیف بیان فرما رہے ہیں اور آپ کی مجددیت کی تصدیق فرما رہے ہیں۔ یہ واقعات دیکھ کر سب منحرف یاروں نے توبہ واستغفار کر کے رجوع کیا اور شیخ تاج نے ایک درخواست اپنے گناہ کی معافی اور سب دوستوں کی سفارش میں لکھی اور جب حضرت خواجہ کے عرس کی تقریب پر حضرت مجدد علیہ الرحمہ دلی تشریف لائے تو کل یاران طریقت جو منحرف ہو گئے تھے ننگے سر دستاریں گلے میں ڈال کر استقبال کے لیے حاضر ہوے۔ شیخ تاج کی سفارش پر آپ نے سب کا قصور معاف فرمایا۔

حضرت کا ارشاد وخلفاء کا جمیع ممالک کی طرف روانہ کرنا:

اکبر بادشاہ کی بے دینی اور از حد گمراہی سے سلطنت کے اکثر حلیم الطبع اراکین مثل خانخاناں، سید صدر جہان، خان اعظم وغیرہم (جن کو حضرت کے ساتھ ارادت وبیعت سے شرف حاصل تھا) سلطان کی ان حرکات سے سخت ناراض تھے۔ چنانچہ جب سلطان کا ارتداد حد سے بڑھ گیا اور اسلام کے اصول پر کھلم کھلا حملے شروع ہو گئے اور اپنے نئے دین کی بنیاد ڈالی جس کا نام دین الٰہی رکھا گیا۔ اور ابوالفضل اور فیضی جیسے مصاحبوں کی مدد سے اپنے آپ کو نبی ظاہر کرنے لگا اور دعاوی میں ایک من گھڑت قرآن بھی پیش کیا تو بعض نیک اندیش وپاک طینت امراء حضرت کی خدمت میں جمع ہوے اور نہایت ادب سے گزارش کی کہ ہم کو بلائے عظیم سے نجات بخشیں۔ حضرت حمیت دین کی وجہ سے بادشاہ پر نہایت آشفتہ خاطر ہوے اور کھلم کھلا پیغام بھیجا کہ:

> ”تم اس دعوے سے توبہ کرو اور از سرنو اسلام کی تجدید کرو ورنہ غضب الٰہی کا انتظار کرو“

سلطان کو اختر شناسوں اور نجومیوں سے اپنے زوال سلطنت کی خبر مل چکی تھی اور بزرگوں نے بھی خبریں دے رکھی تھیں جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے اور خود بھی ایک وحشتناک خواب دیکھ چکا تھا (بادشاہ نے حضرت کی ولادت کے وقت خواب دیکھا کہ شمال کی جانب سے (سرہند پایہ تخت سلطان سے شمال کی جانب ہے) ایک ایسی تیز ہوا چلی ہے جس سے وہ بمع تخت اوندھا گرا ہے) اس خواب کی ہیبت سے ایسا بیمار ہوا کہ سات روز تک زبان بند رہی۔ آخر ہفتہ کے بعد زبان کھلی تو اس نے حکماء سے کہا کہ بیماری تو مجھے کوئی نہیں لیکن میں نے خواب دیکھا ہے جس کا خوف میرے دل پر غالب آ گیا اور میرا یہ حال ہوا۔ اختر شناسوں اور

معبروں نے اس واقعہ سے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے وجود مسعود کی خبر دی۔ ان تمام واقعات سے بادشاہ کے دل میں خوف چھایا ہوا تھا۔ ان وجوہات سے اس نے بپاس خاطر امراء آئین اکبری میں صرف اس قدر نرمی کردی کہ سجدہ زبردستی کرانا بند ہوگیا اور مذہبی آزادی ہوگئی کہ جو شخص چاہے دین محمدی پر قایم رہے اور جو چاہے دین الٰہی (اکبر کا نیا دین) میں داخل ہو۔ اور ایک دن مقرر کیا گیا جب لوگ اپنے فریق کو بخوشی قبول کریں۔ اور اس مقررہ دن پر دو وسیع ڈیرے نصب کیے گئے ایک کا نام بارگاہ محمدی اور دوسرے کا نام بارگاہ اکبری رکھا گیا اور دونوں فریقوں کے لوگ ہر ڈیرہ میں جمع ہونے لگے۔

جب حضرت مجدد کو یہ خبر پہنچی، حضرت نے فرمایا غضب الٰہی بادشاہ پہ نازل ہونے والا ہے۔ چنانچہ جب دونوں طرف کے لوگ جمع ہو چکے اور کھانے میں مصروف ہو گئے حضرت نے ایک آدمی بھیجا جس نے آنحضرت کے ارشاد سے بارگاہ محمدی کے گرد ایک لکیر کھینچ دی اور بارگاہ اکبری کی طرف حضرت کی دی ہوئی مشک خاک پھینک دی جس سے ''ومارمیت از رمیت'' کی شان ظاہر ہوئی۔ اور اس وقت ایک طوفان گرم ہوا کا ایسا نمودار ہوا جس سے بارگاہ اکبری کا سب کارخانہ درہم برہم ہوگیا اور قناتیں اور شامیانے گر پڑے۔ دریچہ کے تختے ٹوٹ گئے آن کی آن میں ڈیرہ کی میخیں اکھڑ گئیں۔ بادشاہ کے سر میں ایک تختہ ایسا کاری لگا جس سے سات زخم آئے۔ اکبر بادشاہ بیہوش ہو کر نیچے گر پڑا۔ غرض ایک ہفتہ تک طوفان رہا۔ اور مرتدین سب ہلاک ہوگئے۔ بارگاہ محمدی حضرت کی دعا و توجہ کی برکت سے بالکل محفوظ رہا۔ بادشاہ اس طوفان کے دنوں میں راہی ملک بقاء ہوا۔ اور ہزاروں لاکھوں آدمی حضرت کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ چنانچہ خان جہاں، لودھی سکندر خاں، دریا خاں، مرتضٰی خاں، بہادر خاں، دلیر خاں وغیرہم و دیگر امراء و اراکین انہی ایام میں داخل طریق ہو کر فیض یاب ہوئے تھے۔ اب حضرت کے کمالات و قیومیت کا شہرہ آفاق ہوا۔ اور جوق در جوق و گروہ در گروہ حضرت کے حلقہ غلامی سے سرفراز ہونے لگے۔ ہند، سندھ، خراسان، ماوراء النہر، بدخشاں، بخارا، شام وغیرہ جہاں کے کل جانب سے علماء و مشائخ حضرت کے آستان فیض نشان کی طرف متوجہ ہوئے۔

سلطان بدخشاں کے مقرب حضرت شیخ طاہر نے واقعہ میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بمعہ خلفائے راشدین دیکھا۔ آنحضرت علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:

''تجھ کو بادشاہ کے ساتھ رہنا مناسب نہیں حضرت مجدد الف ثانی کی

خدمت میں حاضر ہو‘‘

چنانچہ وہ سرہند شریف کو روانہ ہوئے۔ اور راستہ میں مولانا صالح کولابی اور علاقہ طائقاں سے مولانا یار محمد جو علماء میں سے تھے۔ رفیق طریق بنے اور شادیان شیخ عبدالحق اور علاقہ برک سے شیخ احمد برکی جن کو حضرت کے مکتوبات وعلوم ومعارف خاصہ سے واقفیت حاصل تھی ان کے ہمراہ ہوئے۔ اور سب اکٹھے مل کر حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی زیارت سے فیض یاب ہوئے۔ شیخ احمد برکی کو حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے ایک ہفتہ خدمت میں رکھ کر خلافت وقطبیت سے مشرف فرمایا۔ وطن میں پہنچ کر ان کو قبولیت عظیم ہوئی اور ہزاروں لاکھوں حلقہ غلامی میں داخل ہو کر سعادت دارین سے بہرہ یاب ہوئے۔ شیخ حسن جو وہاں کے اکابر میں سے تھے ان کے مرید ہو کر سرہند شریف حاضر ہوئے اور حضرت سے خلافت پا کر واپس گئے۔

شیخ یوسف برکی مولانا صالح کولابی اور مولانا یار محمد الطائقانی کو بھی حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے کچھ عرصہ رکھ کر خلافت سے مشرف فرمایا اور ان کے اوطان، خراسان و بدخشاں والطائقان کو بھیج دیا۔ جہاں ہزاروں ان کے شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ مولانا قاسم علی منصب خلافت پا کر علاقہ ماوراء النہر بھیجے گئے۔ اس جگہ کے ہزاروں لوگ مولانا سے فیض یاب ہوئے۔ توران کا بادشاد عبداللہ خاں ازبک حضرت کے خلفاء کا ازحد معتقد تھا اور کوئی کام ان کے حکم کے بغیر نہیں کرتا تھا۔ حضرت کی خدمت میں عرائض غلامانہ بھیجتا اور سب خانقاہوں کے مصارف عبداللہ خاں کی سرکار سے ملتے تھے۔

اسی سال حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے خلیفہ میر محمد نعمان کو خلافت عطا فرما کر علاقہ دکن میں بھیجا۔ جہاں ان کو قبول عظیم ہوا۔ ان کے حلقہ مراقبہ میں اس قدر انبوہ ہوتا تھا کہ چار چار سو سوار ہوتے تھے اور پیادوں کا شمار نہ تھا۔ لوگ میر صاحب پر ایسے گرویدہ تھے کہ سلطان ہند کو اپنی سلطنت کا خوف پیدا ہو گیا تھا۔ اسی سال حضرت شیخ طاہر بدخشی خلافت پا کر بدخشاں کو گئے۔ حضرت مجدد نے پھر ستر خاص خاص اہل ارادت ملک قپچاق میں بھیجے۔ جن کے سردار مولانا یار محمد قدیم طائقانی تھے اور چالیس ایسے خاص خاص بزرگ ملک یمن، شام، روم کو روانہ فرمائے جن کا سردار مولا محمد صادق کو مقرر فرما کر براہ کاشغر روانہ کیا۔ یہ اپنے اپنے ملکوں میں پہنچ کر مرجع خلائق ہوئے اور ہدایت و رشد کا نور ایک عالم پر محیط ہو گیا اور حضرت مجدد کے کمالات وارشاد کا شہرہ پوری دنیا میں پھیل گیا۔ اسی اثناء میں حضرت نے شیخ بدرالدین کو منصب خلافت عطا فرما کر سلطانی لشکر کی ہدایت کے لیے بھیجا۔

اکبر کے بعد سلطان جہانگیر تخت نشین ہوا۔ لیکن اس نے باپ کی طرح لوگوں سے سجدہ کرایا اور باپ کے رسوم و آئین کو رواج دینا شروع کیا۔ اس کا وزیر اور مدار المہام دین متین کے دشمن تھے۔ نور جہان بیگم جو شیعہ ملت کی تھی اور بادشاہ کی چہیتی بیوی تھی۔ اس کے رعب سے شیعہ ملت کو ترقی ہوگئی تھی۔ اس وجہ سے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے شیخ بدیع الدین کو خلافت بخش کر نہایت تاکید فرمائی کہ تمہارا فوج میں پہنچ کر ٹھہرنا بہت ضروری ہے۔ تم کو وہاں بڑی قبولیت ہوگی اور اگر کوئی تکلیف پہنچے تو استقامت رکھیں۔ شیخ کو لشکر میں پہنچ کر قبولیت عظیم ہوئی۔ ہزارہا لوگ فیض یاب ہوے اور حلقہ و مراقبہ ذکر کا بازار گرم ہوا۔ ہجوم اس قدر ہونے لگا کہ امراء کو بھی شیخ کی زیارت مشکل سے ہوتی تھی۔ اس وجہ سے شیخؒ کے حاسد و دشمن پیدا ہو گئے اور مختلف کی قسم کی باتیں مشہور ہوئیں۔

اسی اثناء میں وزیر اعظم آصف الدولہ کے پدر نواب اعتماد الدولہ کی جانب سے شیخ نے ایک محتاج کے لیے سفارشی چٹھی لکھی۔ اس چٹھی میں القاب ایسا خفیف لکھا جیسے کم تر درجے کے مکتوب الیہ کو لکھا جاتا ہے۔ نواب نے وہ کام تو کر دیا اور اس بات کا خیال نہ کیا لیکن اس چٹھی پر وزیر اعظم کی نظر پڑ گئی۔ وہ دیکھ کر آگ بگولہ ہو گیا اور در پردہ شیخ کا دشمن بن گیا اور ہمیشہ در پے آزار رہتا تھا۔ چنانچہ ایک دن موقع پا کر اس نے بادشاہ سے اس طرح سلسلہ سخن کا ہلایا۔ اور کہا۔

> ''سرہند میں شیخ احمد نام دعوای تجدید ہزار سال کرتا ہے اور اس کے پاس ایک لاکھ سوار زرہ پوش موجود ہیں۔ ایران، توران، بدخشاں وغیرہ ولایتوں کے فرمانرواؤں نے اس کی مریدی اختیار کر لی ہے۔ اس کے خلفاء دنیا ہیں تمام ممالک محروسہ میں پہنچ گئے ہیں۔ ہر ایک نے ہزاروں مرید جمع کر لیے ہیں۔ چنانچہ اس کے ایک خلیفہ نے یہاں شاہی لشکر میں بھی اپنا سکہ جمالیا ہے۔ کل ارکان سلطنت نے اس کی طرف رجوع کر لیا ہے۔ ظاہر ہے کہ شیخ کے دل میں ہوس دولت و داعیہ سلطنت ہے''

بادشاہ کی توجہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی جانب:

پس شہنشاہ کے حکم سے ہندوستان کے تمام علاقوں میں جاسوس مقرر کیے گئے تا کہ امام ربانی مجدد

الف ثانی علیہ الرحمۃ کے حالات کی اطلاع ہر وقت جہانگیر کو پہنچتی رہے۔ ان ہی ایام میں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے رفض وروافض کی رد میں مکاتیب ورسالے لکھ کر جابجا مشتہر کیے تھے اور چونکہ نور جہاں کا اختیار تھا اور وہ شیعہ تھی اور وزیر و دیگر اراکین بھی شیعہ تھے اس لیے بھی وہ حضرت مجدد کے جان وآبرو کے دشمن ہو گئے۔ چنانچہ انھوں نے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کا ایک مکتوب بادشاہ کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ شیخ احمد اپنے آپ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے افضل بتاتا ہے۔ وہ مکتوب یہ ہے (حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کو اس طرح لکھا تھا):

> ''ثانیاً معروض آنکہ در اثنائے ملاحظہ آں مقام مرۃ ثانیہ مقامات دیگر بعض فوق بعض ظاہر شدند از توجہ بہ نیاز شکستگی چوں بمقام فوق آں مقام سابق رسیدہ شد معلوم شد کہ ایں مقام ذوالنورین است و خلفاء دیگر راہم درآں مقام عبورے واقع شدہ است وایں مقام ہم مقام تکمیل وارشاد است۔ وہم چنیں در مقام فوق ہم کہ اکنوں مذکور می شوند وبالائے آں مقام بمقام دیگر در نظر آمد چوں بآں مقام رسیدہ شد معلوم گشت کہ آں مقام حضرت فاروق است و خلفاء دیگر راہم در انجا عبوری واقع شدہ است وفوق آں مقام مقام صدیق اکبر ظاہر شد رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بآں مقام نیز رسیدہ شد وانہ مشائخ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ العزیز وارد ہر مقام باخود ہمراہ می یافت و خلفاء دیگر راہم درآں مقام عبوری واقع شدہ است تفاوت نیست الا در عبور ومقام مرور وثبات وبالائے آنمقام ہیچ مقامے مفہوم نمی شود الا مقام حضرت رسالت خاتمیت علیہ من الصلوٰۃ والسلام اتمہا ومن التحیات اکملہا ومحاذی مقام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مقامی دیگر نورانی بس شگرف کہ ہرگز مثل آں در نظر نیامدہ بود ظاہر شد واند کے از آنمقام ارتفاع داشت۔ چنانکہ صفہ را از روئے زمین بلندی سازند ومعلوم شد کہ آنمقام مقام محبوبیت است وآں مقام رنگین و

منقش بود وخود را ہم بانعکاس آں مقام رنگین ومنقش یافت وبعد ازاں بہماں کیفیت خود را لطیف یافت و در رنگ ہوا یا قطعہ ابر در افق منتشر دید و بعضے اطراف را واگرفت حضرت خواجہ بزرگ (خواجہ بہاء الدین قدس سرہ العزیز) در مقام صدیق اند رضی اللہ عنہما وخود را در مقام محاذی آں می یابد۔ الیٰ آخرہ الکلام۔ (مکتوبات امام ربانی، جلد اول، مکتوب یازدہم)

جہانگیر کا حضرت مجدد کو بلانا اور گفتگو کرنا:

اپنے واقعہ جس سے پہلے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

''اب تک میری تربیت جمالی طور پر ہوئی ہے اب خدا تعالیٰ کی مرضی مبارک جلالی طور سے کرنے کی ہے''

حضرت کو القا ہوا کہ:

''جب تک آپ اپنے نفس پر تکلیف گوارا نہ کریں گے دین متین کی تجدید اور کفر و بدعت کا سنت نبویہ سے تبدیل ہونا اور اسلام کا رونق پانا ممکن نہیں۔ خلق خدا نعمتِ ہدایت سے محروم رہے گی۔ انبیاء علیہم السلام کی سنت کے مطابق دین کی خاطر تکلیفیں اور اذیتیں برداشت کرو۔ اولوالعزم نبی جو ہزار سال کے بعد مبعوث ہوتے رہے ان کے لیے کفار سے جہاد کرنا اور اس کے ہاتھ سے ضرر اٹھانا لازمی تھا''

آپ نے اس القاء کے بعد اپنی خواہش کو خدا تعالیٰ کے سپرد کیا اور تکلیف اٹھانے پر کمر ہمت باندھ لی۔

الغرض جب حضرت کا ارشاد اس قدر وسعت پذیر ہوا اور حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے خلفاء جا بجا ملکوں میں پھیل گئے اور امراء واراکین جوق در جوق حضرت کے خلفاء کی غلامی سے مشرف ہونے لگے اور فوج کے ہزاروں آدمی حضرت کے خلیفہ شیخ بدیع الدین کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور حضرت نے خود اہل تشیع وروافض کی مخالفت میں رسائل لکھے تو وزیر اور اکثر اراکین حضرت کے درپے آزار ہوئے اور سلطان کو

اپنی سلطنت کا اندیشہ ہوا۔ پس وزیر نے موقع پا کر حضرت کا یہ مکتوب سلطان کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ شیخ احمد اپنے آپ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے افضل بتاتا ہے۔ اور اپنا مقام ان کے مقام و برتر کہتا ہے۔ سلطان نے امراء وارکین سلطنت کو جمع کیا اور مشورہ کیا۔ مختلف راؤں کے بعد وزیر کی رائے پر اتفاق ہوا کہ جو جو امراء حضرت کے مرید ہیں ان کو بے خبر دور دور علاقوں میں تنخواہیں بڑھا کر تبدیل کیا جائے۔ اس کے بعد حضرت کو ظاہری دلاسہ و مدارات سے بادشاہ کے حضور بلالیا جائے۔ جب یہاں پہنچیں تو شاہ اکبر کے رسوم و آئین کی اطاعت کا حکم کیا جائے۔ مثل سجدہ وغیرہ۔ اگر منظور کریں تو بہتر ورنہ نظر بند رکھا جائے۔ اگر حضرت کے مرید ان کے نظر بند ہونے پر شورش کریں تو ہم ان کو حضرت کے قتل کی دھمکی دیں گے اور اگر وہ مخالفت پر کمر باندھیں تو ہم ان کے پیر کو بمع خلفاء کے قتل کر ڈالیں گے اور جب تک بیرونی ولایتوں کے خلفاء اپنی کمکوں کے ساتھ ہند پہنچیں تب تک ہمارا انتظام ٹھیک ہو جائے گا۔ ہم باہر سے آنے والوں کے واسطے حضرت مقتول کے نام پر مدارات و مہمان داری کا سامان مہیا رکھیں گے۔ اور چند واجب القتل آدمیوں کو تیار رکھیں گے اور ان پر حضرت کے قتل کے الزام لگا کر قصاص میں قتل کر ڈالیں گے۔ وزیر کی یہ تجویز بادشاہ نے پسند کی اور دوسرے دن علی الصبح امراء کو دربار میں طلب کیا جو آنجناب کے مرید تھے۔ مثلاً خانخاناں، خان اعظم، خان جہاں لودھی، ترتیب خاں، سید صدر جہاں، اسلام خاں، قاسم خاں، سکندر خاں لودھی، جباری خاں، مہابت خاں، دریا خاں، مرتضیٰ خاں وغیرہ وغیرہ۔ خانخاناں ملک دکن پر اور سید صدر جہاں کو مشرقی ممالک پر۔ خان جہاں لودھی مالوہ اور مہابت خاں کو کابل پر۔ غرضیکہ ہر ایک کو الگ الگ علاقے کی گورنری پر مقرر کر کے روانگی کا حکم دیا۔

جب ان سب امراء کی اپنے اپنے علاقوں میں پہنچنے کی رپورٹیں دربار میں موصول ہوگئیں۔ تو سلطان نے ایک اشتیاقی خط حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے نام اس مضمون سے لکھا کہ ہم کو زیارت کا شوق ہے۔ حضور تشریف لائیں اور حاکم سرہند کے نام حکم بھیجا کہ خود حاضر ہو کر ہمارا حکم پہنچاؤ اور حضرت کو شاہی دربار میں پہنچاؤ۔ حکم سلطانی تھا کہ حضرت کے متعلقین کے کل مرد کیا خلیفے کیا مخدوم زادے سب کے سب ساتھ آئیں ایک بھی پیچھے نہ رہے۔ حضرت مجدد نے بحکم شاہی سفر کی تیاری فرمائی اور مخدوم زادگان عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم، خواجہ محمد سعید خازن الرحمت رحمۃ اللہ علیہما کو کوہستان کی طرف روانہ فرمایا اور ساتھ لے جانا مصلحت نہیں خیال فرمایا۔ رخصت کے وقت کل خاندان کو دلاسہ اور تسلی دیتے رہے اور صبر و تحمل کی وصیت

فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ہم پر ایک سال کی تکلیف رہے گی۔ اس کے بعد مشقت راحت سے بدل جائے گی اور عسر یسر کا رنگ لائے گی۔

آپ کے ہمراہ پانچ ہزار مخلص یار تھے اور ایک ہزار چھے سو خلیفے تھے۔ جب قریب لشکر کے پہنچے تو بادشاہ نے اپنے تمام امراء دولت کو استقبال کا حکم دیا اور آپ کے لیے ایک خیمہ خاص مخلصین وخلفاء کے لیے بھی بہت سے الگ الگ خیمے لگوائے۔ وزیر نے بادشاہ کی ملاقات کا وقت ایسا مقرر کرایا جس میں علی العموم بادشاہ غضبناک ہوا کرتا تھا۔ کیونکہ بادشاہ کے خارجی اوقات کے دو حصے تھے۔ ایک شراب خوری اور عیش ونشاط کا اور دوسرا غضب و غصے کا۔ جس میں مخلوق خدا پر طرح طرح کے ظلم وستم ہوا کرتے تھے۔ ملاقات کے وقت حضرت سیدھے تشریف لے گئے۔ سجدہ تو کرنا ہی نہ تھا۔ آپ نے لفظ سلام بھی زبان مبارک سے نہ نکالا۔ بادشاہ نے تو حضرت کی اس وضع پر خیال نہ کیا لیکن وزیر نے بگڑ کر بادشاہ سے کہا کہ حضور یہ شخص اپنے آپ کو کل انبیاء علیہم السلام سے اور علی المرتضیٰ سے افضل بتاتا ہے اور اپنے مقام کو حضرت صدیق اکبر کے مقام سے برتر کہتا ہے۔

حضرت نے جواب میں فرمایا کہ جو شخص حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے جو افضل الناس بعد الانبیاء ہیں افضل جانے وہ دائرہ اہل سنت والجماعت سے خارج سمجھا جاتا ہے۔ (وزیر شیعہ تھا) چہ جائیکہ کہ کوئی اپنے تئیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ فقیر کتاب اور سنت کی مخالفت کرے اور اپنے آپ کو انبیاء کے برابر یا ان سے بہتر کہے۔ حالانکہ اصول صوفیہ سے ہے کہ جو شخص اپنے تئیں سگ فرنگ سے بہتر جانے اس پر خدا کی معرفت حرام ہے اور جس عبارت سے لوگ یہ مطلب سمجھے ہیں وہ سیر عروج کا حال ہے کہ اکثر صوفیہ کو ابتداء حال میں مقامات اکابر میں واقع ہوتی ہے اور پھر اپنے اصلی مقام پر آجاتے ہیں۔ مثلاً دربار شاہی میں کہ ہر امیر ووزیر کی اپنی جگہ مقرر ہے۔ اگر سلطان کسی شخص کو مصلحتاً اپنے پاس ذرا سی دیر کے واسطے طلب فرمائے اور اس سے سرگوشی کر کے پھر اس کو واپس کردے چونکہ وہ شخص تمام اراکین سلطنت کے مقام پر ہوتا ہوا آئے گا تو اس سے یہ ضرور نہیں کہ وہ شخص ان کا ہم رتبہ وہم درجہ ہوگیا۔ یہی حال اس عروج باطنی کا بھی ہے۔ علاوہ ازیں اس مکتوب میں لکھا ہے کہ میں نے اس مقام کے عکس سے رنگین پایا۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ اگر کوئی چیز عکس آفتاب سے روشن ہوجائے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ آفتاب ہوگیا۔ زمین ہر روز آفتاب سے روشن ہوتی ہے مگر یہ نہیں

کہا جاسکتا کہ زمین آفتاب ہوگئی۔

غرضیکہ حضرت نے جوابات معقول سے بادشاہ کی تسلی کردی۔ روافض نے جب دیکھا کہ ان کی چال نہ چلی تو بادشاہ کو حضرت کے آداب سجدہ و آداب شاہانہ بجانہ لانے کی طرف متوجہ کیا۔ بادشاہ نے برافروختہ ہوکر کہا کہ آپ آداب سلطنت کیوں بجا نہیں لائے اور سجدہ کیوں نہیں کیا۔ آنجناب نے فرمایا کہ میں نے اب تک خداورسول کے سوائے کسی کے سامنے اس قسم کے آداب نہیں کیے جو شریعت کے مخالف ہوں اور چونکہ سجدہ کی مستحق سوائے خدائے وحدہ لاشریک کے کوئی اور ذات نہیں اور اسی لیے مخلوق کو سجدہ حرام ہے۔ لہٰذا وہ بھی ترک کیا گیا اور سلام اس لیے نہیں کیا کہ میں جانتا تھا کہ آپ جواب نہیں دیں گے اور ترک جواب سے خاطی ٹھہریں گے۔

بادشاہ نے سجدہ کرنے پر مجبور کیا اور ملا عبدالرحمٰن سے فتویٰ طلب کیا۔ ملا عبدالرحمٰن نے کہا کہ حفاظت جان کے لیے سجدہ کرنا جائز ہے۔ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ ملا یہ فتویٰ تم لوگوں کے لیے ہے نہ ہمارے لیے اور فرمایا انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے اصحاب عظام نے راہ حق میں جانیں دے دی ہیں۔ میں بھی جان دینے پر تیار ہوں۔ تاکہ ان کی سنت پوری ہو۔ جب بادشاہ کو یقین ہوگیا کہ سجدہ نہیں کریں گے تو حکم دیا کہ مجھے آپ سے شرم آتی ہے لیکن میری زبان سے نکل چکا ہے اور میرا حکم کبھی ضائع نہیں ہوا میں پورے سجدے کی تکلیف آپ سے اُٹھاتا ہوں۔ صرف سر کو خم کردیں۔ حضرت نے سر کو خم کرنے سے بھی انکار فرمایا۔ بادشہ نے دو تین خاص مقربوں کو حکم دیا کہ آپ کا سر پکڑ کر خم کردیں تاکہ جلدی رخصت کیا جائے۔ انھوں نے تمام زور لگایا لیکن حضرت کے سر مبارک میں ذرا بھی حرکت نہ آئی اور روئے توجہ آسمان کی طرف رہا۔ اسی وقت بادشاہ نے حکم دیا کہ حضرت کو چھوٹے دروازے سے گزار دو تاکہ اندر داخل ہوتے وقت جھکیں گے تو وہی رسم آداب شاہی شمار کی جائے گی۔

لیکن آپ نے اندر آتے وقت پہلے پاؤں مبارک نکالے اور سر پیچھے کی طرف جھکا کر داخل ہوئے۔ وزیر نے بادشاہ سے کہا کہ دیکھا حضرت کا مدعا ہے کہ تیرے تاج و تخت کو پامال کروں گا۔ جب بادشاہ کے روبرو یہ حال ہے تو باہر جاکر خدا جانے کس قدر فتنہ کا باعث ہوں گے۔ اس سے بہتر کوئی موقع نہیں ہے کہ فوراً ان کو قید کرلیا جائے۔

بادشاہ نہایت برانگیختہ ہوا اور قید کا حکم دے کر آپ کو اہل دربار سے بہت بڑے امیر کے سپرد کیا۔ مگر

اس امیر کے دل میں آپ کے استقلال سے عقیدت پیدا ہوگئی تھی۔ اس نے عرصہ قید میں حضرت کی عزت وحرمت کا خیال رکھا اور حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے غلاموں اور خلفاء کو کسی قسم کی اذیت نہ پہنچنے دی۔ خود بیعت سے مشرف ہوکر صبح وشام سالکوں کے ساتھ حلقہ توجہ ومراقبہ میں شامل ہوتا رہا۔ باعقیدت لوگ کھلم کھلا حضرت مجدد کی خدمت میں حاضر ہوتے اور شرف صحبت سے سعادت دارین حاصل کرتے یہ حال دیکھ کر بادشاہ نے بمشورۂ وزیر حضرت کو گوالیار کے مضبوط قلعے میں بھجوادیا اور داروغہ وافسروں کو بتاکید حکم دیا کہ جس قسم کی سختی پہنچاسکیں حضرت مجدد کو اور ان کے ہمراہیوں کو پہنچائیں۔

ایام حبس میں حضرت کا تحمل واخلاق:

جب حضرت مجدد علیہ الرحمۃ بحکم شاہی بمع اپنے تمام ہمراہیوں اور خلفاء کے قلعہ گوالیار میں بھیجے گئے اور افسر و داروغے حضرت مجدد کے ہمراہیوں پر سختی کرنے لگے اور آپ کو تکلیف دینے لگے تو آنحضرت کے خلفاء غضبناک ہوئے اور ان سے کہہ دیا کہ ہم بادشاہ کی قید میں نہیں ہیں۔ بادشاہ کون ہے جو ہم کو قید کرے۔ ہم اپنے شہنشاہ مطلق کے حکم سے کسی خدمت کے لیے یہاں بھیجے گئے ہیں اگر ایسا کروگے تو ہم اینٹ پر اینٹ مار کر قلعہ کی دیواریں پھاند جائیں گے اور تمہارے شاہی کارخانے کو درہم برہم کردیں گے اور ایسے ہی دیگر خوارق وکرامات ظاہر کرنے لگے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو یہ امور ناگوار گزرے اور ناراض ہوکر فرمایا کہ:

> ’’کیا فقیر میں ان کرامات کے اظہار کرنے کی طاقت نہیں ہے ہم تو
> اس جگہ ظلم واذیت پر صبر کرنے پر مامور ہیں‘‘

اسی قسم کے کریمانہ اخلاق نے افسروں کے دلوں پر تاثیر کی اور حضرت مجدد کے طریق معاشرت اور مہربانہ سلوک اور مالک حقیقی کی رضا پر راضی ہونے کی صفات سے گرویدہ ہوکر داروغے اور قلعہ کے سب چوکیدار وغیرہم نے حضرت سے عفو تقصیرات کی معافی چاہی اور داخل طریق ہوکر ذکر اور مراقبہ کے حلقوں سے فیضیاب ہونے لگے۔

آپ کے انکسار کا یہ حال تھا کہ انہی ایام میں قلعہ کے محافظ افسروں میں سے ایک نے آپ کی قید کا سبب پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ:

’’ہمارے بدعمل اس کا سبب ہوئے اور پڑھا ’’ما اصابکم من

مصيبة فبما كسبت ايديكم"

ہمراہیوں کو بھی اس امر کی ہدایت فرماتے تھے کہ:

''عُجب عمل صالح کو ایسے نابود کر دیتا ہے جیسے لکڑی آگ کو''

ان ہی ایام کے مکاتیب جو حضرت نے غلاموں کو تحریر فرمائے ہیں عجیب وغریب نصائح کا نمونہ ہیں۔

چنانچہ آنجناب نے اپنے خلیفہ اجل میر محمد نعمان کو جو مکتوب ارقام فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے:

> پہلے بتقاضائے بشریت رنج وغم پیدا ہو۔ لیکن خدائے تعالیٰ کے فضل سے پھر جلدی وہ تنگی ورنج فرحت وکشادگی سے بدل گئی اور یقین ہو گیا کہ اس جماعت کا ارادہ جو کہ درپے آزار ہیں عین خداوند تعالیٰ کے ارادہ کے مطابق ہے۔
>
> تو کراہت اور رنج دعویٰ محبت کے خلاف ہے کیونکہ محبوب کی سختی عاشق صادق کے لیے ایک نعمت ہے اور نہایت پسندیدہ خاطر ہوتی ہے۔ کیونکہ عاشق جیسے کہ محبوب کے انعام سے لذت اٹھاتا ہے ویسے ہی سختی سے خوش ہوتا ہے۔ بلکہ سختی محبوب کی نظروں میں زیادہ اچھی معلوم ہوتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ

نیز میر محمد نعمان کو تحریر فرماتے ہیں کہ:

> اللہ کی حمد اور اس کے برگزیدوں پر سلام۔ مخفی نہ رہے کہ جب سے اللہ جل شانہ کی اس عنایت جو بصورت غضب متجلی نہ ہوا میں قفس زنداں میں قید نہیں ہوا ایمان شہودی کے تنگ کوچہ سے نہ نکلا...... اور شاہ راہ ایمان بالغیب میں مطلق العنان نہیں چلا اور اپنے ہنر کو عیب اور دوسروں کے عیوب کو ہنر ذوق کامل اور وجدان بالغ سے نہ پایا...... اور مردہ بدست زندہ ہو کر بالکلیہ ارادہ اور اختیار کو نہ چھوڑا اور پورے طور پر تضرع والتجا وانابت واستغفار بہ دل وانکسار کی حقیقت پر قبضہ نہ کیا...... اور اپنے آپ کو خوار وزار وذلیل وبے اعتبار

بے ہنر و بے اقتدار و کمال محتاج اور فقیر معلوم نہ کیا۔ وما ابری نفسی ان النفس لامارة بالسوء الا مارحم ربی ان ربی لغفور الرحیم۔ اگر محض خدائے تعالیٰ کے فضل سے متواتر فیوض و بے نہایت عطیات و انعامات اس مسکین شکستہ بال کے شامل حال نہ ہوتے تو نزدیک تھا کہ معاملہ ناامیدی تک پہنچ جاتا اور امید کی طناب ٹوٹ جاتی۔ الحمد للہ الذی عافانی فی عین البلاء و کرمنی فی نفس الجفاء واحسن لی فی حالة الفناء ووفقنی علی الشکر فی السراء والضراء وجعلنی من متابعی الانبیاء ومن مقتضی آثار الاولیاء ومحبی الصلحاء وصلوٰة اللہ سبحانہ وتسلیماتہ علی الانبیاء۔

(حمد ہے اس ذات پاک کے لیے جس نے مجھ کو بلا سے بچایا اور جفاء کی صفت میں مجھ پر اپنا کرم کیا اور فنا کی حالت میں مجھ پر احسان کیا اور رنج و راحت میں مجھے شکر کی توفیق بخشی اور مجھے اپنے نبیوں کے تابعین میں بنایا۔ اپنے اولیاء کے نشانوں کا خواہشمند کیا اور صالحین کی محبت بخشی اور اس کی صلوٰۃ اور تسلیمات نبیوں پر ہو)''

ایک اور غلام کے مکتوب کے جواب میں لکھتے ہیں:

''جب فقیر پہلے پہل اس قلعے میں پہنچا تو مخلوق کی ملامت کو شہروں اور قصبوں سے نورانی بادلوں کے رنگ میں پے درپے نکلتے دیکھا جس سے مقام بلند ہوئے۔ سالوں تک تو جمالی تربیت کے منازل طے کیے اب جلالی منزلوں کو طے کر رہا ہوں مقام رضا میں رہنا اور جمال و جلال محبوب حقیقی کو مساوی سمجھنا چاہیے۔ محبوب کی جفا اس کی وفا کی نسبت زیادہ لذت بخش ہے کیونکہ جمال اور آرام میں ہماری

مراد اور ہمارے محبوب کی مراد ملی جلی ہے اور جلال اور تکلیف میں خالصتاً اسی کی مراد ہے''

سبحان اللہ کیسا عالی پایہ کا کلام ہے۔

حضرت کی قید کی خبر سن کر امراء ہند کا بادشاہ سے سرکش ہونا:

جب خانخاناں، خان اعظم، سید صدر جہاں، مہابت خاں، اسلام خاں، خان جہاں لودھی، سکندر خاں وغیرہ دیگر امراء نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کی قید کی خبر سنی، نہایت بے قرار ہوئے اور بغاوت پر تیار ہو گئے۔ آپس میں خط و کتابت کی اور سب نے متفق ہو کر مہابت خاں کو جو کابل کی گورنری پر متعین تھے اپنا سرگروہ تسلیم کیا اور اس کو فوج و خزانے سے امداد دی۔ مہابت خاں نے بادشاہ ہند کی اطاعت سے سر پھیر لیا اور بادشاہان بدخشاں، خراسان اور توران سے امداد لے کر اس پر فوج کشی کی اور خطبہ و سکہ سے بادشاہ کا نام نکال ڈالا۔

بادشاہ نے یہ خبر پا کر بمشورہ وزیر ایک ہزار معتمد افسر وزیر کے بھائی کے ماتحت قلعہ گوالیار پر متعین کیے اور پہلے قلعہ دار کو بھی تاکیدی حکم بھیجا کہ احتیاط قید میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھے۔ پہلا قلعہ دار تو بمع اپنے محافظوں کے حضرت کی غلامی سے شرفیاب ہو چکا تھا۔ وزیر کا بھائی مع اپنے ماتحتوں کے یہاں پہنچ کر حضرت کے اخلاق کریمانہ سے منجذب و متاثر ہوا اور مقلب حقیقی نے ان کے دلوں کو حضرت کی طرف پھیرا اور ان کی چشم بصیرت وا ہوئی اور سعادت ازلی نے ان کا دامن پکڑ کر ان کو حضرت کریم کے آستان فیض نشان سے حصہ بخشا اور وہ سب کے سب ایسے فریفتہ ہوئے کہ حضرت کے در اقدس کی غلامی سے مشرف ہونے کو ایک غیبی عطیہ جانا اور بادشاہ کو کہلا بھیجا کہ سرکار خاطر جمع رکھیں، ہم حفاظت میں احتیاط بلیغ کام میں لائیں گے۔

ادھر بادشاہ نے امراء کو کہلا بھیجا کہ بغاوت سے باز آؤ ورنہ ہم تمہارے پیر کو قتل کرتے ہیں۔ باغی امراء کو حضرت کی زبانی معلوم ہو چکا تھا کہ بادشاہ حضرت پر قید سے زیادہ ظلم نہیں کر سکے گا۔ ادھر حضرت کے تصرف سے قلعہ کے کل کارپرداز حضرت کے مرید ہو چکے تھے۔ امراء کو بھی اس امر کی خبر پہنچ چکی تھی اس لیے انھوں نے بادشاہ کی دھمکی کی کچھ بھی پروا نہ کی۔ بادشاہ ایک لشکر عظیم لے کر مہابت خاں کے مقابلہ میں عازم کابل ہوا۔ بادشاہ کی مہابت خاں کے ساتھ جنگ کی مصروفیت دیکھ کر ہند کے کل امراء نے اتفاق کر

کے انحراف کیا اور ملک پر قبضہ کر لیا اور شاہی طرف داروں کو برطرف کر دیا اور حضرت قیوم اول امام ربانی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں استدعا کی کہ حضرت ہماری شاہی مسند کو قبولیت سے شرف بخشیں۔ حضرت نے امراء کی درخواست کے جواب میں ارشاد فرمایا:

> ''مجھے سلطنت کی ہوس نہیں ہے اور میں تمہارے فتنہ وفساد کو پسند نہیں کرتا میں نے جو قید کی تکلیف اٹھائی وہ اور کام کے لیے ہے جب وہ کام پورا ہو جائے گا میں خود بخود تمہاری کوشش کے سوا ہی قید سے رہا ہو جاؤں گا۔ یہ فساد میرے کام کا حارج ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم بغاوت سے باز آؤ اور فوراً اپنے بادشاہ کی اطاعت قبول کرو۔ میں بھی ان شاء اللہ جلد ہی قید سے آزاد ہو جاؤں گا''

ادھر مہابت خاں بادشاہ کے ساتھ مقابلے پر تھا اور دونوں فوجیں دریائے جہلم کے کنارے پر خیمہ زن تھیں۔ مقابلہ کے وقت مہابت خاں نے ایسی ہیئت بنائی کہ گویا وہ ہیبت زدہ ہو کر فرار ہو رہا ہے۔ بادشاہی لشکر میں جو لوگ حضرت کے مرید تھے انھوں نے مہابت خاں کی زیارت کرنے کے لیے اس پر حملہ کیا۔

مہابت خاں نے چکر لگا کر اپنی پراگندہ فوج کو جمع کیا اور حملہ کرنے والا لشکر مہابت خاں کی فوج کے ساتھ مل گیا اور بادشاہ محصور ہو گیا۔ وزیر دریا کے دوسری طرف آراستگی فوج میں مصروف تھا۔ بادشاہ کے قید ہونے کی خبر پا کر مہابت خاں سے عذر معذرت کرنے لگا۔ مہابت خاں نے ایک نہ سنی اور وزیر کو بھی گرفتار کر لیا اور اس کے منہ پر نجاست کا بھرا توبرہ باندھا اور کہا کہ اے شریر النفس تیری ہی خباثت کی وجہ سے ہمارے حضرت کو تکلیف پہنچی۔ یہ سب تیری ہی شرارتوں کا نتیجہ ہے۔

اس نے اور بادشاہ نے ہر چند منت سماجت کی لیکن مہابت خاں نے نہ مانا۔ نور جہاں بیگم بھی بلائی گئی مہابت خاں نے اس کو بھی قید کر لیا اور چاہتا تھا کہ تینوں کو قتل کر دے لیکن قادر مطلق نے ابھی بادشاہ کو اس کی نیک نصیبی کی وجہ سے خم خانہ عشق کے ساقی سے جام پلانا تھا یعنی اس نے بھی حضرت کی غلامی سے فیضیاب ہونا تھا اسی وقت حضرت کا وہ مراسلہ جو آنحضرت علیہ الرحمۃ نے امراء ہند کو لکھا تھا مہابت خاں کو بھی پہنچا اور امراء ہند کی طرف سے بھی خطوط پہنچے جس میں حضرت کے فرمان کا مضمون مندرج تھا۔ مہابت خاں نے جونہی حضرت کا فرمان پڑھا بادشاہ کے پاس آیا اور حضرت کا ارشاد سنا کر کہا کہ میں حضرت کے حکم کی تعمیل

میں آپ کو رہا کرتا ہوں اور بادشاہ کو تخت سلطنت پر بٹھا کر خود اس کے آگے غلامانہ وار دست بستہ کھڑا ہوا اور سوائے سجدہ کے تمام آداب سلطنت بجالایا۔ اس واقعہ کی مختلف روایات ہیں لیکن صحیح واقعہ یہ ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ بادشاہ مہابت خاں کی قید میں تین دن رہا۔

اگر ایسے نازک وقت پر حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کا حکم نہ پہنچتا تو خدا جانے مہابت خاں کیا کر بیٹھتا اور سلطنت کا رنگ آناً فاناً کیا کا کیا ہو جاتا۔ کیونکہ جہانگیر، نور جہاں اور آصف جاہ وزیر تینوں اس وقت مہابت خاں کے پنجہ میں تھے اور کل فوج پر اس کا پورا تسلط ہو چکا تھا۔ بادشاہ نے مہابت خاں سے رہائی پا کر اس کے قصور معاف کر دیے اور اس پر شاہانہ عنایتیں کیں اور کشمیر کی طرف کوچ کیا۔ شاہزادہ شاہجہاں اور نور جہاں بیگم ہر روز حضرت کے آزاد کرنے کے لیے بادشاہ کو تاکید کراتے اور شاہی حکم ہر روز اس امر میں صادر ہوتا لیکن وزیر بے تدبیر اس حکم میں توقف کرتا رہا۔ شہزادہ کہتا تھا کہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ برگزیدہ اور ممتاز اولیاء عظام میں سے ہیں ان کی قید کی تکلیف سے بالضرور سلطنت پر کوئی بلائے عظیم نازل ہوگی اور وزیر ایک منحوس اور نامبارک آدمی ہے حضرت کے معاملہ میں اس کی بات نہیں سننی چاہیے۔

توقف کا اصلی موجب یہ تھا کہ حضرت کی سیر اسماء صفات جلالت کی ابھی تکمیل نہیں ہوئی تھی اور ان اہم امور دین کی ترویج نہیں ہو چکی تھی۔ جن کے سبب آپ نے قید کا گراں بوجھ قبول فرمایا تھا۔ یہی وجہ ہوئی کہ شہزادہ اپنی کوشش میں فی الفور کامیاب نہیں ہوا۔ شاہزادہ کو حضرت کی غلامی کا فخر حاصل تھا اور حضرت محمد معصوم عروۃ الوثقیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:

> ''ہم شاہجہاں کا حق ادا نہیں کر سکتے اس کے سارے حقوق سلسلہ عالیہ مجددیہ پر ہیں''

حضرت کا قید سے رہائی پانا:

غرض جب حضرت امام ربانی کی تربیت جلالی پوری ہوگئی اور وہ وقت آپہنچا کہ اللہ جل شانہ سنت مصطفویہ کو روشن کرے اور ملت حنفیہ کو زینت دے اور دین اسلام ترقی پکڑے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کو کہا گیا کہ:

> ''جن اہم امور کے لیے تمہیں قید میں رکھا گیا تھا وہ ہم نے اب اپنے فضل و کرم سے پورے کر دیے اب زنداں سے نکلنے کا وقت آپہنچا''

ماہ کنعان من مسند مصر آن تو شد
وقت آنست کہ پدرود کنی زنداں را

آپ نے نماز شکرانہ ادا فرمائی اور اپنے غلاموں کو یہ بشارت سنا کر مسرت بخشی۔

اسی رات کا ذکر ہے کہ بادشاہ تخت پر بیٹھا تھا اور عیش و نشاط کی محفل گرم تھی کہ یکا یک سامنے کو نظر کر کے بول اٹھا ''شیخ احمد مجدد سرہندی آ نکلا'' لوگ متعجب ہوئے اور کہا کہ حضور وہ تو قلعہ گوالیار میں ہے اور حضور کشمیر میں۔ سیکڑوں کوس کی مسافت ہے۔ بادشاہ کہا کہ یہ دیکھو آپہنچا۔ کہ اتنے میں حضرت مجلس میں آگئے اہل مجلس گھبرا کر حیران رہ گئے۔ آپ نے بادشاہ کو مع تخت اٹھا کر زور سے زمین پر اوندھا ڈال دیا اور فی الفور آپ غائب ہو گئے۔ اہل مجلس نے بادشاہ کو اٹھایا۔ بادشاہ دیر تک غشی میں رہا۔ بعد ازاں آرام ہوا تو حبس بول و دیگر کئی امراض میں مبتلا ہو گیا۔

انہی ایام میں حضرت کے ایک مخلص نے واقعہ میں دیکھا کہ لشکری ہر طرف سے دوڑے جا رہے ہیں۔ دریافت کرنے پر جواب ملا کہ حضرت شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ اس قلعہ میں ہیں۔ حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم مع اصحاب کرام علیہم الرضوان عیادت قید کے لیے تشریف لائے ہیں۔ میں بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد شور اٹھا کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو قید سے چھوڑ دیا۔ جس کام کے لیے آپ نے قید اٹھائی تھی وہ پورا ہو گیا۔ اتنے میں میری نظر ایک سوار پر پڑی۔ لوگ کہہ رہے ہیں کہ یہ حضرت عثمان غنی ہیں۔ میں نے قدم بوسی کی۔ اور گریہ و بکا غالب ہوا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا جب تم بلاؤ گے میں آؤں گا۔ اتنے میں میری آنکھ کھل گئی، دیکھا تو آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ بادشاہ کی بیماری دیکھ کر شاہزادہ شاہجہاں نے باپ کو ملامت کی کہ میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ آپ کسی سخت مصیبت میں گرفتار ہوں گے۔ بادشاہ نے نہایت نادم ہو کر ایک عرضی حضرت امام ربانی قیوم اول علیہ الرحمۃ کی خدمت میں لکھی۔ جس میں اپنی تقصیرات کی معافی کی درخواست کی اور لشکر سلطانی میں رونق افروزی کی خواہش درج کی۔ اور وہاں کے کارپردازوں کے نام احکام جاری کیے کہ فوراً باعزاز تمام حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو قلعہ سے رہا کیا جائے۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے بادشاہ کی درخواست کے جواب میں ارقام فرمایا کہ میرا یہاں سے نکلنا چند شرطوں پر مشروط ہے۔

۱...... بادشاہ کا سجدہ کرنا بالکل بند کیا جائے۔
۲...... گاؤکشی کی اجازت عام ملک میں دی جائے اور بادشاہ اپنے ہاتھ سے ایک گائے ذبح کرے۔
۳...... ملک بھر میں جہاں جہاں مساجد شہید کی گئی ہیں وہ از سر نو تعمیر ہوں۔
۴...... ایک مسجد جامع دربار عام کے مقابل بنائی جائے جس میں عام مسلمان نماز پڑھیں۔
۵...... حکام مثل قاضی مفتی محتسب شرعی قواعد کے مطابق مقرر ہوں۔
۶...... کفار بموجب شریعت غرا جزیہ لیا جائے۔
۷...... ہر ایک خلاف شرع قانون منسوخ کیا جائے اور شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام رواج پذیر ہوں۔
۸...... بدعت کے کل کام مسدود کیے جائیں۔
۹...... ہندوستان بھر کے کل قیدی رہا کیے جائیں۔

اگر یہ شرطیں بادشاہ کو منظور ہیں تو ہم قلعہ سے نکل سکتے ہیں۔

بادشاہ کو اسی اثنا میں خواب آیا کہ تیری مرضیں حضرت قیوم اول علیہ الرحمۃ کی دعا کے سوا دور نہیں ہوسکتیں اور تیری سلطنت کو سوا آپ کی توجہ کے قرار نہیں رہ سکتا۔

بادشاہ نے کل شرائط منظور کر کے اپنے مقربوں کی ایک خاص جماعت حضرت علیہ الرحمۃ کو لینے کے لیے روانہ کی۔ جب سرکاری ہلکاروں نے قلعہ پہنچ کر قیدیوں کو رہائی دی تو انھوں نے زاری سے عرض کی کہ ہم حضرت کا آستانہ چھوڑ کر کہاں جاسکتے ہیں پس ان کو ہمراہ رہنے کی اجازت دی گئی اور اب تک ان کی اولاد سرہند میں موجود ہے۔

تمام ہند کے کل قیدی اس دن چھوڑے گئے حضرت قلعہ سے باہر تشریف لائے اور براہ سرہند عازم لشکر سلطانی ہوئے۔ راستہ میں جو مقام آیا وہاں مسجدیں بنوانے کا حکم دیا۔ شرعی خدمات پر لائق دوستوں کو مقرر فرمایا۔ گاؤ ذبح کرنے کے لیے کئی قصاب مقرر فرمائے۔ جب حضرت مجدد علیہ الرحمۃ سرہند شریف پہنچے تو استقبال کے لیے سب اہل شہر نکلے اور مدحیہ قصائد تہنیتی مبارکباد دی۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ تین یا اس سے زیادہ دن سرہند شریف میں قیام پذیر رہے۔ بعد اس کے کشمیر روانہ ہوئے۔ جب کشمیر پہنچے بادشاہ بستر بیماری پر تھا۔ وزیر اور ولی عہد شاہجہاں کو استقبال کے لیے بھیجا۔ وہ حضرت کو باعزاز تمام لشکر میں لائے۔

بادشاہ نے حضرت کی خدمت میں دعائے صحت کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا ''تیری شفا اجرائے قانون شرعیہ پر وابستہ ہے'' بادشاہ نے کہا میں تو آپ کی سب شرطیں قبول کر چکا ہوں۔ حضرت علیہ الرحمۃ نے تجدید وضو کے لیے لوٹا منگوایا۔ خدمتگار آپ کے لیے طلائی لوٹا لایا۔ آپ نے فرمایا سونے کے برتن استعمال کرنے حرام ہیں۔ بادشاہ کو شرعی احکام سے اس قدر بے خبری تھی کہ حرام وحلال کی تمیز نہ تھی۔ پوچھا کہ حرام کس کو کہتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا:

''جس کام یا چیز سے خدا اور رسول نے منع کیا ہو اسے حرام کہتے ہیں''

نور جہاں پردے کے پیچھے بیٹھی تھی۔ اس نے بلوریں لوٹا چلپچی بھیج دی۔ آپ نے نماز پڑھ کر بادشاہ کے لیے دعائے شفاء کی اور فرمایا میں دعا کرتا ہوں اور تو رو۔ شاید اللہ تعالیٰ رحم فرمادے۔ بادشاہ نے کہا مجھے رونا تو نہیں آتا میں اپنا سر عاجزی کے اظہار میں ننگا کر دیتا ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ آپ کی دعا سے بادشاہ اچھا ہو گیا اور روبرو اٹھ کر باادب بیٹھ گیا اور اپنے گناہوں کی معافی کا خواستگار ہوا اور تائب ہو کر مرید ہونے کی خواہش پیش کی۔ آپ نے معاف فرما کر غلامی سے سرفراز فرمایا۔ اس بادشاہ نے کل ممالک محروسہ میں تاکیدی احکام جاری کیے کہ ہر ایک گاؤں اور شہر میں مسجدیں اور مکتب تعمیر کیے جائیں۔ ہر ہر شہر میں قاضی ومحتسب شرعی مقرر کیے۔ حکم دیا کہ سر بازار گائے کا گوشت بکے۔ ہر قسم کی بدعتیں اٹھادی جائیں اور کفار پر جزیہ مقرر کیا۔ اپنے آپ کو سجدہ کرانے کا دستور بالکل ترک کر دیا اور توبہ واستغفار کی۔ پھر ایک گائے منگوا کر بادشاہ نے خود اپنے ہاتھ سے ذبح کی اور امراء نے بھی دربار عام کے دروازہ پر گائیں ذبح کیں اور کباب تیار کرا کر بادشاہ نے کل امراء سے مل کر نوش کیے اور دربار عام کے روبرو مسجد بنوائی اور اس میں خود بادشاہ معہ امراء حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے پیچھے نماز پڑھنے لگے۔ مسلمانوں میں خوشی کے آثار ظاہر ہوئے۔ اسلام نے رونق پائی اور شریعت غرا کو رواج ہوا۔ سنت نبویہ از سر نو چمکی، بدعت کی تاریکی نابود ہوئی۔

بسیط روئے زمین باز گشتہ آباداں
بلُطف و خارق آں قطب مصدر عرفاں
زبازوئے تو قوی گشت بازوئے اسلام
کہ از تصادم کفار گشتہ بُد ویراں

تمثیل:

معارج النبوۃ و دیگر تواریخ نبوی میں مذکور ہے کہ جناب رسالتمآب علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام بہ مقتضائے رب جلیل بمع اپنے یاروں کے ایک پہاڑی بنام شعب ابی طالب میں تین سال تک محصور رہے یعنی نبوت کے ساتویں سال سے لے کر دسویں سال تک اور تمام اہل عرب نے ایک عہد نامہ قطع رحم کا لکھ کر کعبہ میں حسب دستور آویزاں کر دیا۔ اس عرصہ میں ابو طالب ابو سفیان حضرت رسول کریم علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں سعی کرتے رہے۔ جب عرصہ تین سال کا گزر چکا اور حکم ربی پورا ہو چکا تو ابو طالب نے ان کو جمع کر کے کہا کہ حضرت رسول کریم علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کے خدا نے ان کو خبر دی ہے کہ وہ عہد نامہ قطع رحم کا جو تم نے لکھا تھا اس پر خدا نے ایک کیڑا مسلط کیا تھا اس کو اس نے خدا کے نام کے سوا سب کھا لیا۔ کاغذ کو دیکھ لو اگر یہ خبر صحیح ہے تو ان کو پہاڑی سے آزاد کر دو۔ جب دیکھا گیا تو واقعی ایسا ہی نکلا۔ قریش نے حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو آزاد کر دیا۔

اللہ جل شانہ نے حکیم ابن حزام وابوسفیان وغیرہ جنہوں نے مسلمانوں کے آزاد کرنے میں سعی کی تھی اس کے صلہ میں ان کو نعمت اسلام سے بہرہ ور فرمایا۔ حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر شدید اذیت برداشت کرنے کے بعد دین متین مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پھیل گیا۔ معراج شریف بھی اس کے بعد ہوا جو قرب پروردگار کا منتہا ہے اور کل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر فضیلت کا موجب ہے۔ ایسا ہی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب اتم اور وارث خاص حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سنیہ کی پیروی میں اپنے نفس پر اس قدر تکلیف منظور فرمائی تو آپ کے دست مبارک سے دین متین محمدی کا ضعف قوت سے بدل گیا اور بدعت کی ظلمت دور ہوئی۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو جو خصوصیت اور امتیاز سے علوم و معارف عطا ہوئے یہ خاص انبیاء کے علوم و معارف ہیں۔ ان علوم و معارف کا خاصہ یہ ہے کہ جس پر عطا ہوں اس پر حقیقت اور شریعت کے کمالات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ جس طرح انبیاء پر ظہور پذیر ہوتے رہے۔ فرق یہ ہے کہ انبیاء تو شریعت پر مبعوث ہوئے اور آنجناب نے انہیں معارف وعلوم کے ذریعہ دوسرے الف (ہزار سال) کے شروع میں حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو از سر نو تازہ کیا۔ اس وجہ سے آپ کو بھی انبیاء عظام کی سنت کی پیروی میں وہی تکالیف نفس پر گوارا کرنی پڑیں جو بزرگواروں نے کیں۔ اللہ جل شانہ نے اپنے فضل

وکرم سے جماعت اولیاء میں آپ کو ہی کمالات بخشے جو کمالات انبیاء اولوالعزم کو دیے جاتے تھے۔ اور حضرت مجدد بحکم ''علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل'' وہی کمالات باتباع خاتم الرسل لے کر اس امت مرحوم کے ہزار سال گزرنے پر تشریف لائے اور یہ اللہ کے فضل وکمال سے ہے۔ اس وجہ سے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ افضل کل اولیاء ہیں۔

الغرض جب بادشاہ نے حضرت کی دعا سے شفا پائی تو حضرت کی جدائی گوارا نہ کی اور کمال زاری کی کہ حضرت لشکر کے ہمراہ رہیں۔ کیونکہ بادشاہ از حد خوف زدہ تھا اور اس کو یقین ہوگیا تھا کہ اگر حضرت سے علیحدہ ہوا تو زندہ نہ رہوں گا۔ آپ کو بھی امر ربی ایسا ہی تھا اس لیے مجبور تھے۔ ہدایت کے لیے لشکر میں اشد ضرورت تھی آپ بہر کیف لشکر شاہی میں اقامت پذیر رہے۔

بادشاہ سے جو گستاخیاں ہو چکی تھیں ان پر اسے بہت ندامت اور شرمساری تھی۔ ہر روز حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر خیریت خاتمہ کی دعا چاہتا تھا۔ آپ فرماتے:

> ''خاطر جمع رکھو جب تک تجھے ساتھ نہ لے لیں گے ہم بہشت میں جانا
> قبول نہیں کریں گے''

حضرت کے اقامت لشکر کے بعض واقعات:

وزیر اعظم آصف جاہ نے وزیر اعظم کو گمراہ کرنے کے لیے نور اللہ شستری سرآمد علماء روافض کو ایران سے بلوایا مگر وہ بادشاہ کے حکم سے بمع اپنے ہمراہیوں کے قتل ہوا اور وزیر اس منصوبے میں ناکام رہا۔

اس کے بعد وزیر کی وساطت سے چند شعبدہ باز فرنگیوں کو دربار میں رسائی ہوئی اور بادشاہ کا میلان طبع ان کی طرف ہوگیا۔ حضرت قیوم اول علیہ الرحمۃ نے بادشاہ سے فرمایا:

> ''ہم تو جناب باری سے تمہارے پہلے گناہوں کی بخشش کی التجا کر
> رہے ہیں اور تم ایسی بھاری مصیبت کے واسطے تیاری کر رہے ہو جس
> کا دور ہونا ہی محال ہے''

بادشاہ نے کہا ان کے فوق العادت شعبدوں سے میرے دل پر ان کا اثر ہوگیا ہے۔ چنانچہ وہ بلائے گئے اور حضرت نے اولیاء کی کرامات اور جوگیوں وکاہنوں کے استدراج میں فرق بیان فرمایا اور فرنگیوں کو سامنے بلا کر ان سے مناظرہ فرمایا۔ وہ سب ساکت ہوگئے۔ پھر پادریوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے

ہمارے پیغمبر کو یہ معجزہ عطا کیا تھا کہ وہ مردوں کو زندہ کر لیتے تھے حضرت نے جواب دیا کہ ہمارے پیغمبر کو عالم ظاہر سے رحلت فرمائے ہزار سال کے قریب گزر گئے ہیں اب ان کے امت کے غلاموں کو خدا نے یہ قدرت بخشی ہے کہ اگر تم کہو ہم آسمان سے ایک ٹکڑے کو اشارہ کر کے زمین پر گرا دیں۔ جب حضرت نے یہ فرمایا بادشاہ حضرت کے جلال و ہیبت قیومی سے اس قدر دہشت زدہ ہوا اور دست بستہ عرض کی خدا کے لیے ایسا نہ کیجیے۔ مبادا ہم پر اور مصیبتیں نازل ہو جائیں۔ اس کے بعد آپ نے نصف پادریوں کو بلا کر ان پر نظر غضب ڈالی وہ بے حس و بے حرکت ہو گئے اور مر گئے۔ باقی ماندہ پادریوں سے کہا کہ دیکھو زندہ ہیں یا مردہ؟ انھوں نے دیکھ کر کہا کہ ان میں جان باقی نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا قُم باذن اللہ۔ سب کے سب زندہ ہو گئے۔ لیکن سب کے سب شقی ازلی تھے۔ ہدایت یاب نہ ہو سکے۔ آخر وہ اصرار کفر کی وجہ سے شاہی حکم سے قتل کیے گئے۔ اسی اثناء میں شہزادہ شاہجہاں بادشاہ سے باغی ہو گیا اور بے اندازہ لشکر فراہم کر کے آمادہ فساد ہوا۔ اکثر امراء بھی اس کے ساتھ مل گئے۔ بادشاہ نے گھبرا کر حضرت سے درخواست کی کہ فتح کے لیے دعا و توجہ بلیغ کی جائے۔

حضرت نے فرمایا کہ یہ مصیبت اسی معصیت کی شامت سے ہے۔ تم خاطر جمع رکھو ہم نے شہنشاہ حقیقی سے عہد لے لیا ہے کہ تیرے سوا ہم کسی کو سلطنت نہیں دیں گے۔ تم فتح یاب ہو گے۔ چنانچہ بادشاہ کو فتح نصیب ہوئی اور شہزادہ خرم ناکام رہا۔ ملا بدر الدین حضرات القدس میں نقل کرتے ہیں کہ شہزادہ خرم نے شکست کھا کر ایک بزرگ صاحب کشف سے دریافت کیا کہ باوجود اس قدر جلیل القدر سامان اور امراء کے ہمارے ساتھ سازش کرنے کے ہمیں فتح کیوں نہیں ہوئی۔ انھوں نے فراست باطنی سے دریافت کر کے کہا کہ اس زمانہ میں سلطنت کا مدار چار صاحبوں کی رائے پر منحصر ہے۔ ان کے صدر شیخ احمد مجدد الف ثانی ہیں۔ تین تو تمہاری جانب ہیں لیکن حضرت مجدد الف ثانی ابھی تمہاری سلطنت پر راضی نہیں ہیں۔

یہ سن کر شہزادہ خفیہ شاہی لشکر میں حضرت قیوم اول علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھ کو قدیم سے حضرت کی خدمت میں غلامی کا شرف حاصل ہے اور حضور کی حالت قید میں بھی میں حضور کی خاطر بادشاہ سے آزردہ ہو کر مخالف ہو گیا تھا پھر عجب بات ہے کہ حضرت میری سلطنت پر راضی نہیں۔ حضرت نے جواب دیا کہ میں خدا سے عہد کر چکا ہوں کہ سلطنت تیرے باپ کے پاس رہے۔ مگر اب میری عمر کا آخری وقت ہے اور دنیا چھوڑنے والا ہوں۔ میں منصب قیومیت اور قطبیت عالم خواجہ محمد معصوم کو دوں

گا اور سلطنت تمہارے باپ سے تمہاری طرف منتقل کی جائے گی۔ چنانچہ حضرت نے اپنی دستار خاص تبرکاً عنایت فرمائی اور فرمایا کہ ہم نے تمہارا نام شاہجہاں رکھ دیا۔ چنانچہ شہزادہ خرم سے شاہجہاں مشہور ہوا۔

حضرت کا بادشاہ کے ہمراہ دیہات میں سفر:

خواجہ ہاشم کشمی مصنف زبدۃ المقامات لکھتے ہیں کہ:

> ''جہانگیر بادشاہ ہند کے ساتھ حضرت کا گزر بعض بلاد و دیہات میں ہوا۔ اس میں احکم الحاکمین کی پوشیدہ حکمتیں تھیں۔ ان دیہات و شہروں کے باشندے حاضر ہو کر فیضیاب ہوتے رہے۔ چنانچہ ایک سفر میں بندہ بھی ہمرکاب تھا۔ ایک دن شاہی لشکر دریائے چناب کے کنارے ایک بڑے گاؤں میں پہنچا۔ آپ کے خادم آبادی کے نزدیک مناسب جگہ دیکھ کر خیمہ نصب کرنے لگے۔ میں نے حضرت کو دیکھا تنہا پیادہ پا گاؤں کی ایک گلی میں تشریف لے گئے۔ بندہ بھی حضرت کے پیچھے دوڑا۔ آپ نے مجھے فرمایا دل میں آتا ہے کہ اس گاؤں کی مسجد میں وضو کر کے نماز ادا کریں۔ مسجد میں جا کر آنجناب تجدید وضو فرما کر نماز میں مصروف ہو گئے۔ گاؤں کے ایک فقیر نے مجھ سے آپ کا حال پوچھا۔ میں نے آپ کا نام نامی ظاہر کیا۔ وہ سنتے ہی شوق سے دوڑا گیا۔ اتنے میں ایک بڈھا بزرگوار جو گاؤں کا پیشوا تھا آیا وہ حضرت کے کمالات سن کر مشتاق زیارت تھا۔ مگر بڑھاپے اور کئی اور باعثوں سے خدمت شریف میں نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس نے قدمبوسی کی اور نہایت آرزو کے ساتھ آپ کی ضیافت کی اور بمع جمیع متعلقین کے دست بیعت سے مشرف ہوا۔ اس گاؤں میں آپ کی توجہ کی برکت سے سو آدمی صاحب حضوری ہوئے۔

جناب آنجناب لاہور پہنچے تو یہاں قطبیت خواجہ محمد طاہر کو عطا ہوئی۔ لاہور سے سلطانی لشکر سرہند شریف پہنچا۔ ایک دن بادشاہ حضرت کے دولت خانہ سے نکل کر شاہی لشکر کو جا رہا تھا راستہ میں لوگوں کے

گھر دیکھ کر حکم دیا کہ ہمارے پیر کو آنے جانے میں تکلیف ہوتی ہوگی سب لوگوں کے گھر جو راستہ میں پڑتے ہیں ان کو مسمار کیا جائے۔ بجردِ حکم سب گھر گرا دیے گئے۔ آنجناب کو خبر لگی تو بادشاہ پر خفا ہوے اور فرمایا کہ ہم غریب درویش لوگوں کو آنے جانے میں کیا تکلیف تھی؟ لوگوں کو ناحق برباد کیا۔ بادشاہوں کو ایسے جبر زیبا نہیں۔ بادشاہ نے حضرت کی دلداری کے لیے ان لوگوں کو بہت سا روپیہ دیا کہ وہ اور جگہ گھر بنالیں۔

جب بادشاہ نے سرہند شریف سے دہلی کی طرف کوچ کا ارادہ کیا تو حضرت نے سرہند شریف میں ٹھہرنے کی خواہش ظاہر فرمائی۔ بادشاہ نے کہا کہ میں آپ سے جدا ہونا نہیں چاہتا۔ جب تک آپ یہاں ٹھہریں گے میں بھی اس جگہ ٹھہرا رہوں گا۔ چنانچہ چار ماہ تک حضرت مقیم رہے۔ شاہی لشکر بھی اسی جگہ ٹھہرا رہا۔ اس کے بعد دہلی، بنارس اور اجمیر شریف میں دورہ رہا۔ حضرت اجمیر شریف پہنچ کر سلطانی لشکر سے رخصت ہوے۔ (باقی واقعات بخوف طوالت چھوڑ دیے گئے ہیں)

اس وقت حضرت کا سن مبارک ۶۲ سال کو پہنچ چکا تھا اور آپ نے لوگوں سے ظاہر فرما دیا تھا کہ میری عمر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق تریسٹھ سال کی ہے۔

حضرت کے خواص جن کے باعث آپ دیگر اولیاء اللہ سے ممتاز ہیں:

حضرت کے کل خواص خارج از بحث ہیں مگر بفوائے **مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ** مشتے نمونہ از خروارو قطرہ از بحر زخار یہاں چند مشہور خواص کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کا خمیر طینت اس مٹی سے بنا جو جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق و تکمیل سے باقی رہی تھی۔ چنانچہ اس کا اشارہ حضرت نے مکتوب صد جلد سوم میں کیا ہے اور یہ بات کچھ عقلاً و نقلاً بعید بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وان من شئی الا عندنا خزائنہ"

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اور ابوبکر اور عمر ایک ہی طینت سے پیدا ہوے ہیں اور عبداللہ بن جعفر کو فرمایا کہ تو میری طینت سے پیدا ہوا ہے۔

(۲) آپ کو اللہ تعالیٰ نے منصب قیومیت عطا فرمایا۔ حضرت نے فرمایا کہ:

> "ایک روز بعد نماز ظہر مراقب بیٹھا تھا اور حافظ قرآن شریف پڑھتا تھا کہ ناگاہ میں نے اپنے اوپر ایک خلعت عالی نورانی پایا۔ ایسا معلوم

ہوا کہ یہ خلعت قیومیت تمام ممکنات ہے کہ بوراثت وتبعیت خاتم الرسل عطا ہوا ہے کہ اتنے میں حضرت سید المرسلین و رحمۃ للعالمین تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے میرے سر پر دستار باندھی اور مبارک باد منصب قیومیت دی''

قیوم کی مفصل کیفیت مکتوب ۷۹، ۸۰ جلد سوم میں درج ہے بباعث طوالت چھوڑ دی جاتی ہے۔ بلکہ مکتوبات معصومیہ کے مکتوب جلد اول کا خلاصہ مطلب لکھا جاتا ہے:

''قیوم زماں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اکمل اور نائب ہوتا ہے۔ کل دنیا کی توجہ کا قبلہ۔ خواہ اہل دنیا جانیں یا نہ جانیں۔ کل غوث وقطب وابدال و اوتاد ونجبا وغیرہ اس کے خدم وحشم ہیں اور کل عالم کو اسی کی وساطت سے تمام دین ودنیا کے فیوض وبرکات پہنچتے ہیں''

(۳) آپ کو حق تعالیٰ نے الف ثانی (یعنی دوسرے ہزار) کا مجدد کیا۔ چنانچہ مکتوب چہارم جلد دوم میں فرماتے ہیں:

''از عین الیقین وحق الیقین چہ گوید واگر گوید کہ فہم کند۔۔۔ وبدانند کہ برسر ہر مائۃ مجدد گزشتہ است اما مجدد مائۃ دیگر است ومجدد الف دیگر چنانچہ درمیان مائۃ والف فرق است درمجدد اینہا نیز ہمہ قدر فرق است بلکہ زیادہ ازاں ومجدد آن است کہ ہرچہ دراں مدت از فیوض بامتاں برسد بتوسط او برسد اگرچہ اقطاب واوتاد آں وقت بوند وبدلا ونجبا باشند خاص کند بندۂ مصلحت عام را والسلام انتہی۔

ہر صدی پر ایک مجدد ہوتا ہے اس طرح ہر ہزار پر ایک مجدد ہوتا ہے مگر ان دو مجددوں کے رتبے میں وہی فرق ہے جو صدی اور ہزار میں فرق ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ اس عرصہ میں جو فیوض خلق اللہ کو (خواہ و قطب واوتاد وابدال ونجبا ہی ہوں) پہنچتا ہے اسی کی وساطت سے پہنچتا ہے''

اور ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''اے فرزند ایں آں وقت است کہ در امم سابقہ دریں طور وقتے کہ پر از ظلمت است پیغمبر اولوالعزم مبعوث میگشت۔۔۔ الخ

یعنی اگلی امتوں میں ایسے پُر ظلمت وقت پر ایک اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوا کرتا تھا۔ مگر چونکہ رسالت آنحضرت خاتم النبین والمرسلین پر ختم ہو چکی ہے اور اس امت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کے مثل ہیں اس واسطے اس امت میں احیائے شریعت و تجدید دین متین کے لیے ایک اولوالعزم پیغمبر کا قایم مقام ایک اولوالعزم ولی عالم عارف تام المعرفت مبعوث فرمایا گیا''

ایک اور مکتوب میں اسی قسم کے مضمون کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''مقصود ازیں گفتگو اظہار نعمت حق است سبحانہ و ترغیب طالبان طریقت نہ تفضیل خود بر دیگراں۔ معرفت خدائے عزوجل وعلیٰ برآں کس حرام است کہ خود را از کافر فرنگ بہتر داند اندر فلیف از اکابر دین۔

یعنی اس گفتگو سے مقصود اظہار نعمت الٰہی اور ترغیب طالبان طریقت ہے نہ کہ دوسروں پر اپنی فضیلت جتلانا۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اس شخص پر حرام ہے جو اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بہتر سمجھے چہ جائیکہ اکابر دین سے''

ولے چوں شہ مرا برداشت از خاک
سزد گر بگذرانم سر ز افلاک
من آں خاکم کہ ابرِ نو بہاری
کند از لطف بر من قطرہ باری

اگر برروید از من صد زبانم
چو سوسن شکر لطفش کے توانم

(۴) حق تعالیٰ نے آپ کو محبوبیت ذاتی مرحمت فرمائی جو طینت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر موقوف ہے اور امت میں آپ سے پہلے کسی کو نہیں ملی۔ محبوبیت ذاتی حضرت خاتم الانبیاء کے خواص میں سے ہے یا بہ طفیل متابعت و تبعیت حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مجدد علیہ الرحمۃ اور آپ کے تین فرزندوں کو اس نعمت عظمیٰ کا شرف حاصل ہوا ہے۔ محبوبیت ذاتی کا حاصل ہونا بدوں طینت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں ہوسکتا اور طینت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سوائے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ اور آپ کے تینوں فرزندوں کے کسی اور کو میسر نہیں ہوئی۔ حضرت قیوم ثانی عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم فرماتے تھے کہ:

> ''سرور کائنات کی پیدائش سے کچھ بقیہ تھا۔ وہ امانت رہا اور امت کے طالع مند افراد میں سے ایک فرد کو عطا ہوا (یعنی مجدد الف ثانی کو) اس کا خمیر کیا گیا۔ اس کی وجہ سے اس طالع مند کو منصب اصالت سے سرفرازی بخشی گئی۔ اس فرد کے خمیر کرنے پر بھی کچھ بقیہ تھا کہ اس کی جاگ آگے چلی اس میں سے پورا حصہ میرے خمیر میں ڈالا گیا اس میں سے جو باقی رہا وہ قیوم ثالث و قیوم رابعہ مروج الشریعت کو دیا گیا۔ جو بقیہ اصالت مہدی موعود کے لیے ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصالت سے ہے''

(۵) خلت ابراہیمی آپ کو عنایت ہوئی۔ کعبہ شریف آپ کی زیارت کو سرہند میں آیا آپ کی خانقاہ میں ٹھہرا رہا اور زمین خانقاہ کی کعبہ کی زمین میں واحد الحقیقت ہوئی جس کی قبر میں آپ کی خانقاہ کی مشت خاک ڈالی جائے اس کے لیے بہشت کی بشارت ہے۔

(۶) حق تعالیٰ نے آپ کو خزینۃ الرحمت کا خطاب مرحمت فرمایا۔ یعنی بہ طفیل اپنے حبیب کے رحمت کے سب خزانے آپ کے حوالے کیے۔

آنجناب کو ہمیشہ کعبہ شریف کی زیارت کا شوق رہتا تھا مگر بعض موانع کے سبب تشریف نہیں لے جاسکتے تھے۔ تجدید الف و قیومیت کے سال اول میں یہ شوق ایسا مشتعل ہوا کہ آپ بے قرار ہو گئے۔ اسی

بے چینی میں آپ کیا مشاہدہ فرماتے ہیں کہ تمام عالم انسان فرشتے جن سب کی سب مخلوق نماز میں مشغول ہے اور سجدہ آپ کی طرف ہے۔ ظاہر ہوا کہ کعبہ معظمہ آپ کی ملاقات کو آیا اور آپ کے وجود باجود کو گھیرے ہوئے ہے اس واسطے سے نمازیوں کا سجدہ آپ کی طرف ہوتا ہے۔ الہام ہوا تم ہمیشہ کعبہ شریف کے مشتاق تھے ہم نے کعبہ کو تمہاری زیارت کے لیے بھیج دیا۔ کعبہ شریف نے خانقاہ مبارک میں حلول کیا اور دونوں کی زمین باہم جل مل گئی۔ اس زمین کو بیت اللہ کی زمین میں فنا اور بقا تم حاصل ہوئی۔ ندا آئی کہ مجدد کی مسجد روئے زمین کی مسجدوں سے سواء مسجد الحرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے اعلیٰ و افضل ہے۔ اس مشاہدہ کے بعد پروردگار عالم نے حضرت قیوم اول کو نہایت کرم وفضل سے خزینۃ الرحمۃ کا خطاب عطا فرمایا۔ یعنی رحمت کے تمام کمال وخزانے آپ کے سپرد ہوئے اور آپ نے دیکھا کہ رحمت کے تمام فرشتے آپ کی اطاعت پر مامور ہیں۔ اس کے تقسیم فرمانے والے حضرت رحمت للعالمین اور آپ کی کمال متابعت کی خدمت کے لیے رحمت کا خزانہ حضرت مجدد الف ثانی کے سپرد ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نیابتاً قیامت کے دن بہشت میں داخل کرنے کی خدمت صاحبزادہ ثانی حضرت خواجہ محمد سعید کو تفویض فرمائی۔ چنانچہ ان کو خازن الرحمت کے لقب سے یاد فرمایا کرتے اور رحمت کی باقی خدمتیں مثلاً دوزخ سے نکالنا، پل صراط سے اتارنا، بدعملیوں کا حساب وغیرہ حضرت عروۃ الوثقیٰ قیوم ثانی حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کے سپرد ہوا۔

(۷) حضرت محدث بفتح دال تھے چنانچہ مکتوب پنجاہ یکم جلد ثانی میں تحریر فرماتے ہیں:

> "ان کلامہ سبحانہ مع البشر قد یکون شفاھا ذالک الافراد من الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام وقد یکون ذالک لبعض اکمل من متابعہم بالتبعیۃ والورثۃ ایضا واذا اکثر ہذا القسم من الکلام مع واحد منہم سمی محدثا کما کان امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہذا غیر الہام وغیر القاء فی الروح وغیر الکلام الذی مع الملک الی آخر الکلامہ العزیز۔

یعنی تحقیق اللہ تعالیٰ کا کلام کبھی کبھی مشافہۃً ہوتا ہے اور یہ مخصوص ہے انبیاء علیہم السلام سے اور کبھی کبھی بعض کمل متبعین کو بھی بوجہ تبعیت وراثت کے ہوتا ہے۔ اور جس وقت کہ بہت ہو کلام کسی سے اس کو (محدث بفتح دال کہتے ہیں) جیسے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر

> رضی اللہ عنہ تھے اور یہ کلام الہام والقا سے علیحدہ اور کلام ملک سے بھی جدا ہے اس کلام سے انسان کامل جامع ہے بعد طے امر و خلق و روح ونفس وعقل وخیال مخاطب کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مخصوص کرتا ہے جس کو چاہتا ہے ساتھ رحمت کے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے اور مشافہۃً کلام کرنے سے سامع ومتکلم کا روبرو رہنا لازم نہیں آتا۔ نہ ہونے سامع ضعیف البصر کے کہ متحمل شعشان انوار نہ ہوگا، چنانچہ ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بجواب سوال باری تعالیٰ کے کہ اللہ تعالیٰ ایک نور ہے کہ میں تحقیق دیکھتا ہوں اس کو اور تحقیق مشافہت میں خرق حجب شہودی (شہودی حجاب کا ہٹنا) نہ وجودی فافہم''

یہ معرفت شریفہ ہے کہ بہت کم ایسی کسی نے بیان کی ہے۔ نیز خواجہ ہاشم کشمی قدس سرہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے خلیفہ اپنی کتاب زبدۃ المقامات میں لکھتے ہیں کہ:

> ''مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم مدظلہ در بیاض خاص رقم نمودہ اند کہ حضرت ایشاں را بوراثت جدمکرم ایشاں فاروق اعظم محدث بفتح دال گردانیدند''

(۸) حضرت بہ تبعیت ووراثت زمرہ سابقین سے تھے۔ (دیکھو مکتوبات امام ربانی جلد سوم مکتوب سی ونہم)

(۹) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو بشارت دی کہ قیامت کو ہزارہا آدمی تمہاری شفاعت سے بخشے جائیں گے۔

(۱۰) حضرت کو بکمال متابعت حضرت سید الانبیاء اللہ تعالیٰ نے بمقام فوق رضا مشرف فرمایا۔ چنانچہ جلد ثانی مکتوب ہفتم میں تحریر فرماتے ہیں کہ فوق مقام رضامندی قدمی نیست مگر خاتم الرسل علیہ وآلہ الصلوٰۃ والتسلیمات ازاں مقام خبر دادند کہ فرمود علیہ وآلہ الصلوٰہ والسلام **لی مع اللہ وقت لایسعنی فیہ ملک مقرب ولانبی مرسل**۔۔۔ جائز است کہ دراں موطن خاص کہ فوق رضا است خادمے را بوراثت و

تبعیت جائے دہند

از کریماں کارہا دشوار نیست

الیٰ آخر کلام۔

(۱۱) حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات کی جلد اول میں ارقام فرماتے کہ:

"ابتدائے حال میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ میں دیکھا آپ فرماتے ہیں کہ تم امت کے مجتہدوں میں سے ہو۔ تم پر اس امت کا ظاہری و باطنی اجتہاد ختم ہوا۔ جس دن فقیر نے یہ واقعہ دیکھا ہے اسی دن سے علم ظاہر میں فقر کی رائے علیحدہ ہے لیکن فقیر کی اکثر رائے حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کے موافق ہے"

حضرت قیوم ثانی عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ سے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے تھے کہ:

"جب ہم نے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے اجتہاد میں خوب سیر کی تو معلوم ہوا کہ حضرت ابوحنیفہ کو دو حصے اجتہاد کے ملے ہیں اور امام شافعی کو ایک حصہ"

آپ ان دونوں کے مسائل پر عمل فرماتے تھے۔ مکتوبات شریفہ۔ نمونہ کے طور پر ایک دو مسائل لکھے جاتے ہیں۔

مشرکین کے بچے دوزخی یا بہشتی:

حنفیہ ان کے لیے دوزخی ہونے کا حکم لگاتے ہیں دلیل یہ ہے کہ وہ دارالاسلام میں داخل نہیں ہیں۔ (رائے شافعیہ)

شافعیہ کہتے ہیں کہ وہ بہشت میں جائیں گے کیونکہ وہ معصوم ہیں مستوجب سزا نہیں۔ (رائے حنفیہ)

آپ کی رائے ہے کہ ان کو حشر کے دن بہائم کی طرح خاک کر دیا جائے گا کیونکہ وہ کسی نبی پر ایمان نہیں رکھتے تھے کہ بہشت میں جائیں اور رحمت الٰہی کا تقاضا نہیں کہ بغیر حکم سنانے کے نافرمانی کی علت میں سزا دی جائے۔ (رائے حضرت مجدد الف ثانی)

پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے والے ناجی ہیں یا نہیں؟:

حنفیہ کے رئیس ابو منصور ماتریدی کی رائے ہے کہ یہ لوگ ابدی دوزخی ہیں کیونکہ خدائے تعالیٰ کی ذات پہچاننے کے لیے عقل کافی ہے اور خدا تعالیٰ کے ارشاد ''ان اللّٰہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذٰلک لم یشآء'' کے مطابق مشرکین بخشے نہیں جائیں گے۔ (رائے حنفیہ)

ابوالحسن اشعری شافعیہ کے رئیس کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے ارشاد ''ماکنا معذبین حتی نبعث رسولا'' کے مطابق یہ لوگ جنتی ہیں۔ (رائے شافعیہ)

آپ کی رائے ہے کہ چونکہ کسی کو بغیر وسیلہ نبی جنت نصیب نہیں ہو سکتی اور رحمانی شفقت سے یہ بھی بعید ہے کہ بغیر حکم سنائے نافرمانی کے الزام میں گرفتار کر کے عذاب کیا جائے۔ لہٰذا ان پر بھی بہائم کا حکم لگایا جائے گا۔ یعنی ان کی طرح خاک ہو جائیں گے۔ (رائے حضرت مجدد الف ثانی)

آپ نے یہ مسئلہ بیان فرما کر ارقام فرمایا کہ:

> ''جب یہ مسئلہ انبیاء کے حضور پیش کیا گیا تو انھوں نے پسند فرمایا''

(۱۲) ایک روز حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو حلقہ مراقبہ میں دید قصور غالب ہوئی۔ اسی اثناء میں الہام ہوا:

> **''غفرت لک ولمن توسل بک بواسطۃ او بغیر واسطۃ الیٰ یوم القیمۃ''**
>
> یعنی بخشا تجھ کو اور جس شخص نے تیرا وسیلہ واسطہ یا بلا واسطہ قیامت تک پکڑا۔

(۱۳) حضرت نے فرمایا:

> ''جو کوئی میرے طریق میں بواسطہ یا بلا واسطہ مرد و عورت قیامت تک داخل ہوں گے سب کو میرے پیش نظر کیا اور ان کا نام ونسب ومولد ومسکن بتلایا گیا ہے اگر چاہوں تو تمام بیان کر دوں''

(۱۴) اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو طریقہ جدیدہ عطا فرمایا۔ آپ سے قبل سیر سالکین صرف ولایت صغریٰ یعنی قلب پر منحصر تھی اور شاذ و نادر کسی کو ولایت کبریٰ و ولایت ملاء اعلیٰ و کمالات نبوت و رسالت و اولوا العزم و حقیقت ابراہیمی و حقیقت موسوی حقیقت محمدی و حقیقت احمدی و حب صرفہ ولاتعین و نیز

حقیقت کعبہ و حقیقت قرآن و حقیقت صلوٰۃ و معبودیت مطلقہ منکشف فرمائیں اور ان مقامات کی یہ تفصیل حضرت نے اپنے صاحبزادگان خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہما کو سیر کرائی۔ چنانچہ مکتوبات میں شرح وبسط کے ساتھ ان مقامات کی تفصیل ہے۔ دیگر کتب میں مثلاً ایضاح الطریقت مصنفہ حضرت شاہ غلام علی رحمت اللہ علیہ میں سلوک و مقامات مجددیہ کی تفصیل درج ہے۔

(۱۵) فرمایا کہ:

> ''سوائے نبوت جو کمالات کہ نوع بشر میں ممکن ہیں وہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو عطا فرمائے''

(۱۶) آپ کے روضہ منورہ کی زمین بہشتی زمین بنائی جس کی قبر میں وہاں کی مشت خاک ڈالی جائے اس کے لیے بہشت کی بشارت ملی۔

(۱۷) آپ کے اہل طریق کو قیامت میں اللہ تعالیٰ نے بخشش کی بشارت دی۔ یعنی جو آپ کے سلسلہ میں داخل ہے وہ مغفور ہے۔

(۱۸) کعبہ آپ کی زیارت کے لیے آیا اور زمین خانقاہ کی کعبہ کی زمین میں واحد الحقیقت ہوئی۔

(۱۹) آنجناب کی نسبت خاصہ اور ارشاد کی قطبیت آپ کی اولاد میں تا قیامت قایم اور برقرار رہے گی۔

(۲۰) علم، صلاح، تقویٰ، ولایت معرفت اولیاء کے منصب مثلاً قطبیت، غوثیت، فردیت وغیرہ خاتمہ دنیا تک آنحضرت کے سلسلہ میں رہیں گے اور امام مہدی آپ کے سلسلہ میں مبعوث ہوں گے۔ اور حضرت کے خلفاء اعظم میں ہوں گے چنانچہ فرمایا کہ:

> ''امام مہدی موعود ہمارے عزیز الوجود نسبت پر مبعوث ہوں گے''

(۲۱) کل امت کے مشائخ نے آپس میں مناظرہ کر کے ہر ایک نے اپنے سلسلہ کی اشاعت کے لیے آپ کی ذات والاصفات سے خواہش کی اور اپنی نسبت خاصہ سے مشرف فرمایا۔

(۲۲) امت کے کل مجتہدین کا نور آپ میں داخل ہوا۔

(۲۳) حضرت کو جمیع سلاسل عالیہ کے اکابر سے نسبتیں پہنچیں۔۔۔ چنانچہ صاحب حضرات القدس اور خواجہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہما صاحب زبدۃ المقامات لکھتے ہیں:

''حضرت ایک روز صبح کی نماز کے بعد حلقہ میں مع یاران طریقت بیٹھے تھے کہ شاہ سکندر نبیرہ شاہ کمال کیتھلی قدس سرہما تشریف لائے اور ایک خرقہ آپ کے دوش مبارک پر ڈال دیا۔ حضرت نے جو آنکھ کھولی تو دیکھا کہ شاہ سکندر ہیں۔ جلدی سے اُٹھے اور بتواضع معانقہ فرمایا بعدہ حضرت شاہ سکندر نے فرمایا کہ میرے جد امجد نے اپنے وصال کے نزدیک وہ خرقہ جو حضرت غوث الاعظم سے پشت در پشت چلا آیا تھا میرے سپرد کیا اور فرمایا کہا امانتاً اپنے پاس رکھو جس کو میں کہوں اس کے حوالہ کرنا۔ اب چند مرتبہ جد امجد نے مجھے واقعہ میں فرمایا ہے کہ جبہ آپ کے سپرد کردوں۔ لیکن مجھے خرقہ کا جدا کرنا شاق گزرتا تھا۔ مگر بحکم تاکیدی یہ امانت صاحب امانت کو سونپنے پر مامور ہوں۔ حضرت نے وہ خرقہ زیب تن فرمایا اور طریق قادریہ میں متوجہ ہوے۔ نسبت قادریہ نے غلبہ کیا اور حضرت غوث الاعظم قدس سرہ العزیز مع اپنے تمام خلفاء تا حضرت شاہ کمال کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور اپنی نسبت خاصہ کے انوار سے منور فرمایا۔ حضرت کے دل میں خیال گزار کہ میں مشائخ نقشبندیہ علیہم الرحمۃ کا تربیت یافتہ ہوں بمجرد اس خیال کے سر حلقہ خواجگان نقشبندیہ خواجہ عبد الخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر تا حضرت خواجہ باقی باللہ علیہم الرحمۃ سب تشریف لائے۔ خواجہ محمد بہاء الدین المعروف خواجہ نقشبند قدس سرہ العزیز حضرت غوث الاعظم قدس سرہ العزیز کے برابر بیٹھے۔ اکابر نقشبندیہ نے فرمایا کہ شیخ احمد ہماری تربیت سے کمال وتکمیل کو پہنچے۔ اکابر قادریہ نے فرمایا کہ انھوں نے اول چاشنی ہمارے خوان سے کھائی ہے۔ (اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت شاہ کمال کیتھلی حضرت کے ایام شیر خوارگی میں تشریف

لائے اور حضرت اس زمانہ میں علیل تھے اور حضرت شاہ صاحب نے اپنی زبان مبارک حضرت کے دہن میں دی تھی اور آپ نے اسے چوسا تھا) اور بواسطہ شاہ کمال نعمت ہمارے سلسلہ کی لی ہے اور اب خرقہ بھی ہمارا ہی پہنا ہے۔ اسی اثناء میں مشائخان کرام علیہم الرحمۃ طریقہ چشتیہ کبرویہ سہروردیہ بھی تشریف لائے اور کمال عنایت و الطاف سے فرمایا کہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو نسبت چشتیہ کبرویہ سہروردیہ اپنے والد بزرگوار کے ذریعہ اکمل طور سے پہنچ چکی ہے۔ اس لیے ہمارا حق ہے کہ آپ ہمارے طریق کو رواج دیں’’

خواجہ ہاشم کشمی و مولانا بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہما لکھتے ہیں کہ:

‘‘اس قدر اولیاء عظام کے ارواح سرہند شریف میں جمع ہوئے کہ تمام مکان و گلی و کوچہ و دشت و صحرا پُر ہو گیا اور مناظرہ کو ظہر کا وقت آ گیا۔ آخر الامر معاملہ فیصلہ کے لیے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پیش ہوا۔ خورشید رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے بکمال کرم و نوازش سب اکابر دین کو تسلی و دلاسہ دے کر ارشاد فرمایا کہ سب بزرگوار اپنی اپنی نسبت بہ تمام و کمال اس بزرگ کے حوالہ کر دیں۔ مگر چونکہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی تکمیل طریق نقشبندیہ میں ہوئی ہے اور نسبت معہودہ بھی ان کو اسی سلسہ سے پہنچی ہے اور نیز اس سلسہ کے سردار خیر البشر بعد الانبیاء ہمارے خلیفہ اکبر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور بوجہ اس کے کہ اس سلسلہ میں اتباع سنت سنیہ زیادہ ملحوظ خاطر ہے۔ جو خاص خدمت تجدید سے تعلق رکھتا ہے اس لیے ان کے ہاتھ پر یہ طریقہ زیادہ رواج پذیر ہوگا۔ سلسلہ قادریہ کا بھی ان کے ہاتھ سے رواج ہوگا۔ اس ارشاد کی تعمیل میں جمیع اکابر مشائخ عظام علیہم الرحمۃ والرضوان نے اپنی اپنی نسبتیں پیش کر دیں۔

حضرت نے تمام نسبتوں کو اپنے طریق میں امتزاجاً شامل کیا اور ان کو اپنی نسبت خاصہ سے جو جناب باری سے بوساطت رسالت پناہی علیہ وآلہ الصلوٰۃ والتسلمات آپ کو عطا ہوئی تھی منور فرمایا۔ پس طریق مجددیہ تمام امت کے سلاسل کا مرکب وممتزج ہے اور اس طریق کے سالکوں کو ہر ایک سلسلہ اولیاء کے فیوض سے حصہ ملتا ہے۔ اسی وجہ سے اس طریقہ کو سلسلۃ الذہب بولتے ہیں۔ اسی فیصلہ پر سب بزرگواران دین نے فاتحہ پڑھا اور حضرت قیوم اول سے رخصت ہوئے۔ مشائخ کبار کا یہ فاتحہ ۱۱ شعبان ۱۱۰۱ھ المقدس روز شنبہ مابین ظہر وعصر وقوع میں آیا''

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدیؔ را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہم چناں باقی

حضرت کی بعض کرامات وتصرفات:

حضرت کے خوارق عادات وتصرفات بے حد و بے شمار ہیں۔ مگر یہاں چند ایک کرامات بطور نمونہ لکھے جاتے ہیں۔

(۱) آپ نے فرمایا:

''میں نے دیکھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں تجھ کو علم سماوات سکھانے آیا ہوں''

(۲) حضرت نے فرمایا کہ:

''میں نے ایک روز صبح کے وقت حلقہ میں دیکھا کہ حضرت الیاس اور حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والتسلیمات بصورت روحانیاں تشریف لائے وبہ تلقی روحانی حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم عالم ارواح سے ہیں۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے ہماری ارواح کو قدرت کاملہ عطا فرمائی ہے کہ بصورت اجسام متمثل ہو کر کار اجسام سرانجام

دیتے ہیں اور دنیاوی امور میں بہ اقتداء طب مدار جو غوث وقت ہوتا ہے اہتمام کرتے ہیں''

(۳) حضرت نے فرمایا کہ:

''طریقہ قادریہ میں بعد شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز مثل شاہ کمال کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ کے کوئی کم نظر آتا ہے''

(۴) حضرت نے فرمایا کہ:

''آفتاب کی جانب بفراغت دیکھ سکتے ہیں مگر شاہ سکند: رحمۃ اللہ علیہ کے قلب کی جانب بوجہ شعشان نگاہ نہیں کی جاتی''

(۵) حضرت نے فرمایا کہ:

''مجھ پر مکشوف ہوا ہے کہ ہندوستان میں انبیاء گزرے ہیں لیکن کسی کا ایک تابع ہوا کسی کے دو غرضیکہ تین سے زیادہ کسی کے نہیں پائے جاتے اور اگر چاہوں تو ان کا مکان وجگہ بعثت بتادوں بلکہ ان کی قبر بھی کہ ان کے انوار نظر آتے ہیں''

(۶) حضرت نے فرمایا کہ:

''ایک روز حافظ حلقہ میں قرآن شریف پڑھتا تھا کہ دفعتاً وساوس دربارہ قرآن شریف میرے دل میں آنے لگے خیال آیا کہ نفس مطمئنہ ہوگیا ولایت متحقق فنا وبقا حاصل ہوگئی۔ پھر یہ خطرات کہاں سے پیدا ہوے۔ چنانچہ اس راز کے انکشاف کے واسطے متوجہ ہوا بعد توجہ بسیار والتجا دیکھا کہ ایک مرغ عظیم الخلقت میرے سینہ سے نکل کر باہر ہوگیا ہے۔ غور کیا تو معلوم ہوا کہ سینے میں بھی خناس تھا کہ جو وسوسہ ڈالتا تھا اور حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی خناس کے شر سے بچنے کے واسطے حکم ہوا تھا **قل اعوذ برب الناس ملک الناس الہ الناس من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی**

صدور الناس من الجنة والناس۔ اور پھر الہام ہوا کہ اصل دین میں جو خطرہ گزرتا ہے اس کا منشاء یہی خناس ہے کہ سینہ میں آشیانہ رکھتا ہے اور ہر وقت نیش زنی کرتا رہتا ہے۔ پھر الہام ہوا کہ اس کے آشیانہ کو تیرے سینہ سے دور کر دیا''

حضرت نے فرمایا کہ:

''الحق بعد خروج اس خناس کے عجب شرح صدر حاصل ہوا''

(۷) حضرت نے فرمایا کہ:

''بلا شائبہ تکلف و تعصب کہا جاتا ہے کہ نورانیت مذہب حنفی نظر کشفی میں مثل دریائے عظیم کے معلوم ہوتی ہے اور دوسرے مذاہب مثل حوض کے''

(۹) حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ:

''ایک روز بعد نماز صبح میں نے دیکھا کہ جو خلعت میں پہنے ہوئے تھا وہ مجھ سے جدا ہو گیا اور اس کی جگہ ایک اور خلعت آ گیا۔ اس وقت میرے دل میں خیال گزرا کہ یہ خلعت زائلہ کسی کو دیں گے یا نہیں اور یہ آرزو ہوئی کہ فرزندی محمد معصوم کو عطا کریں بعد لحہ کے دیکھا کہ محمد معصوم کو عطا ہوا اور یہ خلعت زائلہ معاملہ قیومیت سے کہ تربیت و تکمیل سے متعلق ہے اشارہ ہے اور خلعت جدیدہ کا معاملہ جب انجام کو پہنچے امید ہے کہ براہ کرم اس کو فرزندی محمد سعید کو عطا فرمائیں''

(۹) نقل ہے کہ حضرت کے صاحبزادہ کلاں خواجہ محمد صادق کی ولایت موسوی تھی۔ حضرت نے اپنے تصرف سے ان کو ولایت محمدی پر پہنچایا۔ چنانچہ مکتوب ۲۳۶، جلد اول میں ان کو تحریر فرماتے ہیں:

''بعد الحمد والصلوٰۃ معلوم فرزندی ارشدی باد کہ از مکتوب شما کہ در شرح احوال نوشتہ بودند چناں مفہوم گشتہ کہ شمارا مناسبتی بولایت خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ پیداشدہ است ازیں معنی شکر

خداوندی جل سلطانہ بجا آوردہ کہ از مدتہا آرزوئے ایں دولت داشتہ کہ درحق شما بحصول پیوندو ایں زمان امید وار گشتہ متوجہ آں شد کہ شمارا بایں دولت جذب نماید اتفاقاً درین جستجو شمارا داخل ولایت موسوی یافت علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام واز انجا کشیدہ داخل دائرہ ولایت خاصہ ساخت للہ سبحانہ الحمد والمنۃ و چوں شمارا بہ قسر دریں ولایت درآوردہ اند زیادہ از بست روز است کہ درکنار خود نگاہداشتہ پرورش می نماید''

اور یہ اعظم تصرفات سے ہے۔

(۱۰) حضرت نے فرمایا کہ:

''ایک روز میں متوجہ یاراں تھا معلوم ہوا کہ شیخ طاہر لاہوری کا نام دفتر سعداں سے خارج کر کے دفتر اشقیا میں داخل کر دیا ہے۔ چنانچہ اسی وقت متوجہ دفع شقاوت مذکور ہوا۔ عین التجا و تضرع میں معلوم ہوا کہ یہ امر لوح محفوظ میں قضا معلق نہیں ہے اور شروط کی شرط کا نہیں ہے۔ اسی وقت کمال یاس اور نا امیدی ہوگئی۔ از سرنو پھر ملتجی و متضرع ہوا۔ اس وقت معلوم ہوا کہ ایک قسم کی قضا ہے کہ وہ لوح محفوظ میں مبرم ہوتی ہے اور عنداللہ معلق ہوتی ہے اور اس میں اخص الخواص کو دست تصرف ہوتا ہے اور یہ معاملہ اسی قسم آخر سے ہے''

چنانچہ جناب باری میں التجا منظور ہوئی اور شیخ محمد طاہر جو ایک ہندو عورت پر گرویدہ ہو کر اسلام سے برگشتہ ہو گئے تھے از سرنو حضرت کے دست مبارک پر تائب ہوئے اور حضرت نے کمال عنایت و شفقت فرما کر لاہور کی قطبیت و ولایت سپرد فرمائی۔ چنانچہ یہ قصہ ایک مکتوب میں مدرج ہے۔

اولیاء را ہست قدرت از الٰہ
تیر جستہ باز گردانند راہ

(۱۱) ایک عالم حضرت کے خادموں میں اثناء سلوک میں قریب بمرگ ہو گئے اس وقت حضرت ان

کے پاس تشریف لے گئے اور متوجہ اتمام سلوک ہوئے اور ان کو بھی اس بات سے آگاہ کر دیا۔ چنانچہ حضرت ان سے حال دریافت فرماتے جاتے اور وہ بیان کرتے جاتے تھے۔ جیسے ہی ان کا سلوک ختم ہوا ویسے ہی جاں بحق تسلیم کی۔

(۱۲) ایک شخص حضرت کی خدمت میں ابھی حاضر نہیں ہوا تھا کہ آپ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا اور اس میں عرض کیا کہ صحابہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جو ایک ہی صحبت میں اکمل اولیاء ہو جاتے تھے اس کی کیا وجہ تھی کیا اسی صحبت میں ایسی حالت ہو جاتی تھی کہ اولیاء مع جمیع حالات پر شرف لے جاتے تھے۔ حضرت نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ:

''اس سوال کا حل صحبت پر موقوف ہے''

چنانچہ وہ شخص حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اول صحبت میں وہ حالت پیدا ہوگئی کہ بیان نہیں ہو سکتی۔ اسی روز حضرت نے اس کو بلا کر فرمایا کہ:

''آج میں نے تیرا ورق پلٹ دیا تیری سمجھ میں آ گیا ہوگا''

اس نے حضرت کے قدموں میں سر رکھ دیا۔

(۱۳) ایک شخص حضرت سے طریقہء قادریہ میں مرید ہوا کہ اسی درمیان میں حضرت کے کوئی مہمان آ گئے انھوں نے اس شخص کی حضرت سے سفارش کی کہ اس کے باپ سے آشنائی تھی۔ اس کو آپ نے طریقہ قادریہ میں داخل کیا ہے۔ حضرت غوث الاعظم سے بھی ان کو ملا دیجیے۔ اس کے تھوڑی دیر بعد حضرت مکان سے باہر تشریف لائے اور اس شخص کو بلا کر فرمایا قطب تارہ کی جانب دیکھ۔ اس نے جو دیکھا اس سے ایک شخص سیاہ کمبل پہنے ہوئے تیر کی طرح اس جگہ آ گئے۔ حضرت نے فرمایا کہ غوث الثقلین ہیں۔ چنانچہ وہ شخص حضرت غوث الثقلین سے فی الفور قدمبوس ہوا۔ بعد ازاں حضرت غوث الاعظم رخصت ہوئے اور اسی ستارہ میں جا کر غائب ہو گئے۔

(۱۴) ایک شخص نے وصیت کی تھی کہ میرا انتقال ہو جائے تو میری نعش حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی خدمت میں لے جانا اور عرض کرنا کہ داخل طریق فرما لیں کیونکہ حضرت کا طریقہ تھا کہ اموات کو بھی عطائے نسبت فرمایا کرتے تھے، جب اس کا انتقال ہو گیا اس کا لڑکا جنازہ کو حضرت کی خدمت میں لایا۔ آپ نے فرمایا کل کو ان شاء اللہ تعالیٰ معلوم ہو جائے گا۔ دوسرے روز اس کے لڑکے نے حلقہ میں دیکھا کہ اس کا باپ

حضرت سے ایک آدمی کے فاصلہ پر بیٹھا ہوا سرگرم ذکر ہے۔

(١٥) عبد الرحمی خان خانخاناں صوبہ دار دکن بوجہ غمازی چند فتنہ انگیز مورد عتاب سلطانی ہو کر دار السلطنت میں طلب کیا گیا اور نوبت بایں جا رسید کہ اس کو اپنی جان کا اندیشہ ہو گیا۔ اسی حالت میں پریشانی میں حضرت کے خلیفہ جلیل القدر میر محمد نعمان سے طلب مدد کی۔ حضرت میر صاحب نے خانخاناں کی سفارش میں عریضہ لکھ کر حضرت کی خدمت میں روانہ کیا اور جواب نیاز نامہ طلب کیا۔ حضرت نے بعد ملاحظہ عریضہ میر نعمان قلمدان طلب کر کے اس طرح جواب تحریر فرمایا کہ:

> ''در وقت مطالعہ کتاب شما خانخاناں در نظر رفیع القدر در آمد خاطر
> شریف از معاملہ او جمع باشد''

میر صاحب نے وہ خط خان خاناں کے پاس بھیج دیا۔ اس کے چند روز بعد ہی بادشاہ خان خاناں سے راضی ہو گیا اور خلوت خاصہ عطا فرما کر اس کو پھر بحال کر دیا۔

(١٦) ایک امیر کو سلطان وقت نے بغضب تمام لاہور سے طلب کیا اور چونکہ اس سے خطائے عظیم سرزد ہوئی تھی لوگ گمان کرتے تھے کہ بمجرد پہنچنے کے وہ مجھے ہاتھی کے پیر سے بندھوا کر مروا ڈالے گا۔ دہلی جاتے وقت جب وہ سرہند پہنچا تو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور التماس حمایت کی۔ حضرت نے فرمایا اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں خاطر جمع رکھو۔ اس نے بکمال اضطرار عرض کی کہ حضرت زبان سے فرماتے ہیں وہ قلم سے لکھ دیں۔ حضرت نے مسکرا کر یہ کہہ دیا:

> ''چوں فلاں از خوف غضب سلطانی کہ نمونہ غضب الٰہی است بفقرا
> رجوع نمودہ فقراء او را در ضمن خود گرفتہ ازیں مہلکہ رہانیدند''

اس کے رخصت ہونے کے چند دن بعد کسی نے آ کر حضرت سے بیان کیا کہ اس امیر کو بادشاہ نے قید کر دیا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ خبر صحیح نہیں ہے۔ فقراء کو سلطان کی شفقت اس کے حق میں مثل روز روشن معلوم ہوئی تھی، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب بادشاہ کے پاس پہنچا بادشاہ اس کو دیکھ کر متبسم ہوا اور چند کلمات نصیحت آمیز کہہ کر خلعت دیا اور پھر اس کو اس جگہ واپس کر دیا۔

(١٧) ایک شخص سالہا سال سے بیمار چلا آتا تھا نہ کوئی دوا فائدہ دیتی تھی اور نہ ہی دعا۔ حضرت کی شہرت سن کر ایک عریضہ خدمت شریف میں بطلب دعاء صحت و جامہ تبرک روانہ کیا۔ حضرت نے اس کے

جواب میں یہ مکتوب مع جامہ تبرک بھیجا۔

’’مخدوما تا چند چوں مادر مہربان برخود باید لرزید وتا کے از غم وغصہ باید پیچید خودرا ہمہ را مردہ باید انگاشت و جماد چند بحس وحرکت باید پنداشت انک میت وانہم میتون نص قاطع است فکر ازالہ مرض قلبی دریں فرصت بسیر بذکر کثیر از اہم مہام است وعلاج علت معنوی دریں مہلت قلیل بیاد رب جلیل از اعاظم مقاصد دلی او کہ گرفتار غیر است از وچہ توقع خیر روحی کہ مائل بکہتر است نفس امارہ از و بہتر است آنجا ہمہ سلامتی قلب می طلبند وخلاصی روح می جویند و ما کوتہ اندیشاں ہمہ در فکر تحصیل اسباب گرفتاری روح ھیھات ھیھات چہ تواں کردو ما ظلمھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون دیگر از ضعف اندیشہ نکنند ان شاء اللہ تعالیٰ بصحت و عافیت تبدیل خواہد یافت خاطر اینجانب ازیں رہگذر جمع است جامہ فقراء کہ طلب داشہ بودند پیرہن فرستادہ شد خواہند پوشید ومترصد نتائج وثمرات آن خواہند بود کہ کثیر البرکات است:

ہر کس افسانہ بخواند افسانہ است
وانکہ دیدش نقد خود مردانہ است

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات‘‘

(۱۸) جس وقت کہ حضرت کا خط اور پیرہن شریف اس شخص کے پاس پہنچا اور اس نے اس کو پہنا فی الفور آرام ہوگیا۔

ایک شخص نے حضرت کی زبانی سنا کہ جس قدر کفر کی توہین کرے عند اللہ اجر عظیم وثواب غازیان فی سبیل اللہ کا مستحق ہوگا۔ ایک مرتبہ اس شخص کا معہ چند رفقاء ایک جگہ گزر ہوا وہاں ایک بت خانہ تھا وہ لوگ موقع پاکر بت شکنی میں مشغول ہوگئے۔ تھوڑی دیر میں دیکھا کہ گاؤں کے آدمی ان پر چڑھے آتے ہیں۔

اس سے نہایت پریشان ہوئے اس وقت حضرت کو یاد کیا ناگاہ آواز آئی کہ تیری مدد کو لشکر اسلام بھیجتا ہوں۔ چنانچہ اس نے رفیقوں کو تسلی دی کہ گھبراؤ نہیں میں نے اس طرح آواز سنی ہے۔ دشمن ایک تیر کے فاصلے پر رہ گئے ہوں گے کہ تیس چالیس سوار ایک بلندی پر سے گھوڑے دوڑاتے ہوئے آئے اور آتے ہی کفار کو ڈانٹ پلائی اور ان سب کو اپنی حمایت میں لے کر چل دیے۔ جب کفار نظر سے غائب ہو گئے سب کو رخصت کیا پھر جو دیکھا نہ تو لشکر تھا اور نہ سوار تھے۔ صرف حضرت کا تصرف ہی تھا۔

(۱۹) مولانا محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے دکن سے ایک عریضہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی خدمت میں قدمبوس ہونے سے قبل متضمن ذوق وشوق بھیجا حضرت نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ:

> "در وقت مطالعہ کتابت شما انبساط نورانیت شما در آں نواحی بسیار بنظر آمد وامیدوار ساخت اللہ سبحانہ الحمد والمنۃ"

اس بشارت پہنچنے کے بعد خواجہ رحمۃ اللہ علیہ حاضر ہوئے اور کچھ مدت خدمت شریف میں رہ کر اور خلافت حاصل کر کے دکن تشریف لے گئے اور مرجع خلائق ہوئے اور حضرت کی بشارت پوری ہوئی۔

(۲۰) صاحب زبدۃ المقامات لکھتے ہیں کہ:

> "حضرت خواجہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ نہایت متورع اور صاحب دل گزرے ہیں انھوں نے اس فقیر سے بیان کیا مجھے علمائے وقت میں سے ایک کی مجلس میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا اور حضرت فرماتے کہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ذکر آیا۔ اس عالم نے آنحضرت کی نسبت طعن وتشنیع کے کلمات زبان سے نکالے۔ میں نے ان سے کہا کہ فقیر کو حضرت کی خدمت میں رہنے کا موقع ملا ہے۔ میں نے بہت سے عرفاء اور اولیاء کی زیارت کی ہے اور ان کے سلوک سے واقف ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ عزیز مردان خدا میں سے ہیں۔ اس عالم نے اتفاق نہ کیا اور معاملہ طول پکڑ گیا۔ بالآخر یہ قرار پایا کہ ہم تازہ وضو کریں اور دوگانہ ادا کریں پھر نہایت عجز ونیاز وتوجہ سے قرآن مجید کھولیں جو کلمہ کے صحیفہ متبرکہ

شروع میں ہو اس کو اس مرد کے حال کا نشان سمجھیں اور اسی پر مشاجرت کو ختم کردیں۔ چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا اور مصحف مجید کو اس عالم نے بتوجہ وخضوع تمام کھولا۔ پہلی آیت متبرکہ کہ کھولنے پر سامنے آئی وہ یہ تھی۔ ''**رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر اللّٰه**'' وہ عالم نہایت حیران ہوا اور اپنی گفتگو سے نادم ہوا۔ اور میں نے حضرت کی اس کرامت سے خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور میرا اعتقاد حضرت کی نسبت بڑھ گیا''

(۲۱) حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ جو عالمگیر کے عہد میں قاضی القضاۃ تھے اور علامہ دہرو عارف کامل گزرے ہیں اور اپنے وقت کے محدث اور فقیہ اور شیخ الکل اور مرجع علماء وفضلاء تھے انھوں نے سب سے اول حضرت کی تجدید الف ثانی کی تصدیق فرمائی اور بعد میں خود حضرت کی ارادت وبیعت سے مشرف ہوئے۔

حضرت کی عبادات:

حضرت ہمیشہ گرما وسرما، سفر وحضر میں بعد نصف شب بیدار ہوتے اور یہ دعا پڑھتے

''**الحمد للّٰه الذی احیانا بعد ما اماتنا والیه البعث والنشور**''

اور یہ آیت بھی پڑھتے تھے:

''**اعوذ باللّٰه من الشیطٰن الرجیم الحمد لله خلق السمٰوٰت والارض وجعل الظلمات والنور ثم الذین کفروا ایدیهم یعدلون هوالذی خلقکم من طین ثم قضی اجل مسمی عنده ثم انتم تمترون وهو اللّٰه فی السمٰوٰت وفی الارض یعلم سرکم وجهرکم و یعلم ماتکسبون**''

بعدازاں بیت الخلاء کو تشریف لے جاتے پہلے بایاں پاؤں بیت الخلاء میں رکھتے اور بعد اس کے داہنا

اور یہ دعا پڑھتے:

"اللھم انی اعوذبک من الخبث والخبائث"

بعدازاں اس جگہ جب بیٹھتے تو بائیں پیر پر زور رکھتے بعد فراغت بکلوخ طاق استنجا کرتے اس کے بعد پانی سے استنجا فرماتے اور بیت الخلاء سے باہر نکلتے وقت داہنا پیر نکالتے۔

بعدازاں مستقبل بقبلہ وضو کو بیٹھتے اور بوقت وضو کسی سے مدد طلب نہ کرتے اور آفتابہ بدست چپ رکھتے اور ابتداء ہاتھ دھونے یہ دعا پڑھتے:

"بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم بسم العظیم والحمد للّٰہ
علیٰ دین الالسلام حق والکفر باطل"

پہلے داہنے ہاتھ پر پانی ڈالتے بعدازاں بائیں پر بعدازاں دونوں ہاتھ جمع کر کے دھوتے اور انگلیوں میں کف دست کی طرف سے خلال کرتے اور بوقت مضمضہ مسواک استعمال فرماتے۔ تین دفعہ داہنی طرف اور تین دفعہ بائیں طرف کرتے پھر زبان پر کرتے اور اگر زیادہ کرتے تو رعائے وتر کرتے اور پہلے داہنی طرف کے اوپر کے دانتوں میں پھر نیچے کے دانتوں بعدازاں بائیں طرف کے اوپر کے دانتوں میں پھر نیچے کے دانتوں میں اور ہر وضو میں التزام مسواک رکھتے تھے۔ بعد فراغ مسواک کو اکثر خادم کے سپرد کرتے اور آپ مضمضہ دور ڈالتے اور رعائے تثلیث رکھتے تھے۔ بوقت مضمضہ یہ دعا پڑھتے:

"اللھم اعنی علیٰ ذکرک وعلی تلاوۃ القراٰن وعلی
صلوٰۃ حبیبک علیہ الصلوٰۃ والسلام"

اور تین دفعہ استنشاق بھی تازہ پانی سے جدا جدا کرتے اور بوقت استنشاق یہ دعا پڑھتے:

"اللھم ارحمنی رائحۃ الجنۃ وانت عنی راض"

اور بعدہ روئے مبارک پر کمال آہستگی وسہولت سے بالائے پیشانی سے پانی ڈالتے اور داہنا ہاتھ داہنے رخسار پر اور بایاں ہاتھ بائیں رخسار پر گزارتے اور داہنے کو بائیں پر تقدم کرتے تاکہ ابتداء داہنے سے ہو اور منہ دھوتے وقت یہ دعا پڑھتے:

اللھم بیض وجھی بنورک یوم تبیض وجوہ اولیائک
ولاتسود وجھی تسود وجوہ اعدائک اشھد ان لا الہ

الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ“

بعدازاں داہنے ہاتھ کو کہنیوں تک تین مرتبہ دھوتے اور ہر مرتبہ اس پر ہاتھ پھیرتے تاکہ قطرہ نہ رہ جائے اور اسی طرح سے بایاں ہاتھ دھوتے اور انگلیوں کی جانب سے پانی ڈالتے اور داہنا ہاتھ دھوتے وقت یہ پڑھتے:

”اللھم اعطنی کتابی بیمینی وحاسبنی حسابا یسیرا واشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان محمد اعبدہ ورسولہ“

اور بایاں ہاتھ دھوتے وقت یہ دعا پڑھتے:

”اللھم انی اعوذ بک ان تعطینی کتابی بشمالی اومن وراء ظھری ولا تحاسبنی حسابا عسیرا اشھد ان لا الہ الا للّٰہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان محمد عبدہ ورسولہ“

بعدازاں داہنے چلو میں پانی لے کر بائیں کف دست اور انگلیوں پر ڈال کر اس طرح زمین پر ڈالتے کہ چھینٹیں نہ اڑتیں اور تمام سر کا مسح کرتے اور اطراف سر پر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں پیچھے سے آگے تک پھیر لاتے اور یہ دعا پڑھتے:

”اللھم غشنی برحمتک وانزل علی برکاتک واظلنی تحت ظل عرشک“

بعدازاں اسی پانی سے مسح گوش باطن شابہ اور پشت گوش زانگشت سے کرتے اور یہ دعا پڑھتے:

”اللھم اعتق رقبتی من النار ور قاب ابائی واغذنی من السلاسل والاغلال اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ“

بعدازاں داہنا پیر تین مرتبہ ٹخنوں سے اوپر تک دھوتے اور ہر مرتبہ اس پر اس طرح ہاتھ پھیرتے کہ قریب خشک کے ہوجاتا اور اسی طرح سے بایاں پیر دھوتے اور یہ دعا پڑھتے:

”اللھم انی اعوذ بک ان تزل قدمی وقدم والذی علیٰ صراط الستقیم یوم تزل اقدام النافقین والکافرین فی النار بحرمۃ النبی المختار اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ علیہ الصلوٰۃ“

اور بعد فراغت وضو یہ دعا پڑھتے:

"اللھم اجعلنی من العوابین واجعلنی من المتطھرین واجعلنی من ورثۃ الجنۃ النعیم واجعلنی من الذین لاخوف علیھم ولاھم یحزنون واجعلنی عبد الشکورا واجعلنی ان ذکرک کثیرا اویسبحک بکرۃ واصیلا اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم انا انزلناہ"

آخر یہ دعا پڑھتے:

"اللھم اشفنی بشفائک وداونی بدوائک وعافنی من البلاء واعصمنی من الاھوال والامراض والاوجاع"

آپ کی نماز:

بعدازاں پوشاک لطیف ونفیس پہنتے اور بہ تحمل ووقار تمام متوجہ نماز ہوتے اور دو رکعت خفیف گزارتے اوران رکعت میں قرأت بعد فاتحہ یہ دعا پڑھتے۔

"والذین اذا فعلو فاحشۃ اوظلموا انفسھم ذکرو اللہ فاستغفرو الذنوبھم ومن یغفر الذنوب الا اللہ ولم یصروا علی مافعلو وھم یعلمون اولئک جزاؤھم مغفرۃ من ربھم وجنات تجری من تحتھا الانھر خالدین فیھا ونعم اجر العاملین"

اور دوسری رکعت میں بعد قرأت فاتحہ یہ آیت پڑھتے:

"ولوانھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغرو اللہ واستغفرلھم الرسول لوجد و اللہ توابا رحیما ومن یعمل سوء او یظلم نفسہ ثم یستغفر اللہ یجد اللہ غفورا رحیما"

باقی نماز تہجد کو بطول قرأت ادا کرتے۔ غالباً دو تین پارہ قرآن مجید پڑھتے تھے اور گاہ گاہ حالت غلبہ حضور میں نصف شب سے صبح تک ایک ہی رکعت میں گزر جاتی اور جب خادم پکارتا کہ صبح ہوئی جاتی ہے تب دوسری رکعت میں بہ تخفیف ادا فرما کر سلام پھیرتے پس ازاں بعد دوسری دو رکعتیں بقرأت طویلہ لیکن اول سے کم ادا کرتے اور علیٰ ہذا القیاس بعد کی رکعتیں ایک دوسرے سے کم ادا فرماتے بعد ازاں اگر اول شب میں وتر نہ پڑھتے تو تین وتر پڑھتے اور بعد فاتحہ پہلی رکعت میں سبح اسم ربک اور دوسری میں قل یایھا الکفرون اور تیسری میں قل ھواللہ احد پڑھتے۔ سوم رکعت میں بعد قل ہو اللہ قنوت حنفی کو قنوت شافعی میں ضم کرتے جیسے کہ حنفیوں کی کتاب میں موجود ہے۔

"اللهم اهدنا من هديت وعا فنا من عافيت وتولنا فی من توليت وبارک لنا من اعطيت وقنا ربنا شرماقضيت انک نقضی ولا يقضی عليک انه لايذل من واليت ولا يعز من عاديت تبارکت ربنا وتعاليت نستغفرک ونتوب اليک وصلی اللّٰه علی النبی"

اوراگر وتر اول شب میں پڑھ لیا کرتے تو تو تہجد بارہ رکعت پڑھتے اور کبھی آٹھ اور کبھی دس پر بھی اکتفا فرماتے اور اکثر نماز تہجد میں سورۂ یسٰین پڑھتے اور فرماتے کہ اس کی قرأت میں نفع بسیار اور نتائج بے شمار ہیں۔ سورہ الم السجدہ اور ملک اور مزمل، سورۂ واقعہ اور چار قل پڑھتے۔ بعد نماز آخر سورۂ آل عمران اس جگہ سے پڑھتے **"ان فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف اليل والنهار "** الیٰ آخر سورۃ اور ستر دفعہ استغراللہ پڑھتے اور کبھی کبھی آیت کریمہ **"رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی فغفرله"** ستر مرتبہ پڑھتے۔ بعد صبح تک مراقبہ کرتے یا کلمہ طیبہ پڑھتے یا قبل از صبح موافق سنت سنیہ علیٰ مصدرہ الصلوٰہ والسلام سوجاتے تا کہ تہجد بین النومین واقع ہو اور قبل صبح بیدار ہوتے اور وضو جدیدہ فرما کر سنت گھر پر پڑھتے بعد ازاں بجانب قبلہ داہنا ہاتھ داہنے رخسار کے نیچے رکھ کر لیٹ جاتے پھر اٹھ کر متوجہ مسجد ہوتے لیکن آخر میں اضطجاع ترک کر دیا تھا بعد ازاں فرض فجر با جماعت کثیر اول وقت میں ادا کرتے۔ خود امامت فرماتے اور طوال مفصل پڑھتے اور بعد ادائے فرض اسی جلسہ میں دس مرتبہ **"لا اله الا اللّٰه وحده لاشريک له له الملک وله الحمد يحی ويميت بيده الخير وهو علی کل شئی قدير"** اور سات دفعہ **"اللهم اجرنی من النار"**۔ بعد ازاں یہ آیت کریمہ تلاوت فرماتے **"الهکم اله واحد لا اله الا هو الرحمن الرحيم وحٰم تنزيل الکتاب الی اليه المصير وآية الکرسی و کريمه فسبحن الله حين تمسون وحين تصبحون الی تخرجون"** پھر یمین و یسار قوم کی طرف رجوع ہو کر دعا کے واسطے ہاتھ اٹھاتے۔ بعد دعا دونوں ہاتھ منہ مبارک پر لاتے بعد ازاں مع اصحاب حلقہ ذکر فرماتے اور شغل باطنی میں، بلندی آفتاب بقدر نیزہ مشغول رہتے۔ حلقہ میں کبھی حافظ سے قرآن پاک بھی سنتے اور بعد فراغ حلقہ دو رکعت نماز پڑھتے اول رکعت میں بعد سورۃ فاتحہ آیۃ الکرسی اور سورۃ یٰسین تا **"نفخ فی الصور "** اور دوسری رکعت میں اس سورۃ سے تا آخر مذکور سورۃ الشمس پھر دو رکعت بہ نیت استخارہ پڑھتے۔ کبھی اول رکعت میں "قل یاایھا الکفرون" اور دوسری میں "قل ھو اللہ احد" اور کبھی پہلی میں "سبح اسم" و الم نشرح و قل یاایھا الکفرون اور دوسری میں قل ھو اللہ احد تین مرتبہ اور معوذتین ایک ایک بار پڑھتے اور بعد

تشہد درود واستغفار اس طرح پڑھتے۔

"اللھم انت ربی لا الٰہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عھدک ووعدک ما استطعت واعوذ بک من شر ما صنعت ابولک بنعمتک علی وابو ء بذنبی فاغفرلی فانہ لایغفر الذنوب الا انت بعدہ دعا استخارہ پڑھتے "اللھم انی استخیرک بعلمک واستقدرک بقدرتک واسئلک من فضلک العظیم فانک تقدر ولا اقدر وتعلم ولااعلم انک انت علام الغیوب اللھم ان کنت تعلم ان ما ارید من ای عمل خیرالی فی دینی و دنیائی و معاشی وعاقبۃ امری الیوم فاقدرہ لی ویسرہ لی ثم بارک لی فیہ اللھم ان کنت تعلم ان ماارید من ای عمل شرلی فی دینی و دنیائی و معاشی وعاقبۃ امری الیوم فاصرفہ عنی واصرفنی عنہ واقدر لی الخیر حیث کان ثم ارضنی بہ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین"

یوقت شام بعد اتمام اوابین یہی دعا استخارہ پڑھتے اور بجائے الیوم اللیل پڑھتے اور جب بعد نماز صبح سکوت فرماتے تو بعض دعوات یومی بعد اشراق پڑھتے۔ دعوات یہ ہیں:

"اصبحنا واصبح الملک و الحمد للہ لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر اللھم اسئلک خیر مافی ھذالیوم فتحہ ونصرہ ونرہ و برکتہ وھداہ واعوذ بک من شر ما ھذالیوم وشرما براہ اللھم مااصبح لی من نعمۃ او باحد من خلقک فمنک وحدک لا شریک لک فلک الحمدولک الشکر"

شام کے وقت بجائے الیوم واصبح امسی پڑھتے اور تین مرتبہ

اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق اور تین دفعہ بسم الذی لا یضرہ مع اسمہ شئی فی الارض ولا فی السمآء وھو السمیع العلیم اور سات دفعہ اللھم نبنی قبل ان ینی الموت اور سات دفعہ اللھم الھنی رشدی واعذی من شر نفسی اور سات دفعہ ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب.

سات دفعہ یامقلب القلوب قلب قلوبنا علی طاعتک اور سات دفعہ اللھم اغفر لامۃ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور سات دفعہ رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی اور سو دفعہ سبحان اللہ وبحمدہ اور تینتیس دفعہ سبحان اللہ اور تینتیس دفعہ الحمد للہ اور تینتیس دفعہ (اللہ اکبر) اور ایک دفعہ لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد بیدہ الخیر وھو علی کل شئی قدیر اور بعض ادعیہ کو بعد نماز اوّابین پڑھتے اور ان چہار کلمات کو ہر فرض نماز کے بعد موافق اعداد مذکورہ بالا پڑھتے اور بعد ازاں خلوت میں تشریف لے جاتے اور بمقتضائے حال کبھی قرآن شریف پڑھتے اور کبھی کبھی کلمہ طیبہ کی تکرار کرتے اور گاہ گاہ طالبان خدا کو جدا جدا طلب کر کے احوال پُرسی فرماتے اور ہر ایک کے حال کے موافق ارشاد فرماتے اور بسا اوقات ایسا ہوتا کہ ان کے احوال خفیہ اگلا و پچھلا خود بہ خود تفصیل شرح فرماتے اور مقامات وکیفیات سے آگاہ فرماتے اور کبھی کبھی خاص اصحاب کو طلب فرما کر اسرار خاصہ ومعارف مکشوفہ بیان فرماتے اور ان کے پوشیدہ رکھنے میں کوشش کرتے اور معارف بیان کرتے وقت محسوس ہوتا کہ گویا القاء واعطاء حال کر رہے ہیں۔ بارہا ایسا اتفاق ہوتا کہ جس وقت طالب کوئی معرفت حضرت کی زبانی سنتے بمجرد سننے کے اس معرفت سے بتوجہ حضرت متحقق ہو جاتے اور ہر ایک کو اس کے حال واستعداد کے موافق ذکر وفکر فرماتے اور تمام کی علو ہمت واتباع سنت ودوام ذکر وحضور ومراقبت و اخفائے حال کی تاکید فرماتے اور تکرار کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی نہایت ترغیب دلایا کرتے اور فرماتے کہ تمام عالم بمقابلہ اس کلمہ معظمہ کے مثل قطرہ کے ہے۔ بمقابلہ دریائے محیط کے فرماتے کہ یہ کلمہ طیبہ جامع کمالات ولایت ونبوت ہے اور فرماتے کہ فقیر کو معلوم ہوا ہے کہ اگر تمام جہان کو ایک مرتبہ کلمہ پڑھنے پر بخشدیں اور بہشت میں بھیج دیں تو بھی گنجائش رکھتا ہے۔

فرماتے کہ اس کے برابر کوئی آرزو دل میں نہیں ہے کہ ایک گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر اس کلمہ کی تکرار سے متلذذ ومحظوظ ہوں مگر کیا کیا جائے تمام آرزو میسر نہیں اور مریدوں کو کتب فقہ کے مطالعہ کی تاکید فرماتے تاکہ معلوم ہو کہ کون سا مسئلہ مفتی بہ اور کون سا مسنون ومعمول اور کون بدعت ومردود۔ حضرت کے اصحابوں سے خاموشی کی صحبت ہوتی اور اصحاب پر اس قدر دہشت وہیبت غالب تھی کہ مجال انبساط دم زدن نہ تھی اور حضرت کی تمکین اس درجہ کی تھی کہ باوجود تواتر وتکاثر واردات متنوعہ ومتلونہ ہر کبھی اثر تلوین ظاہر نہیں ہوا البتہ بسبیل ندرت چشم پُر آب ہو جاتی اور گاہ گاہ اثنائے بیان حقائق میں تلون رنگ رخسار ودیدہ ہو جاتا جب ضحوی کبریٰ ہو جاتا تو حضرت نماز ضحٰی کی آٹھ رکعت ادا کرتے۔

ہر چند کہ چار رکعت جو اول پڑھتے تھے داخل ضحٰی تھیں حاصل یہ کہ نماز ضحٰی بارہ رکعت پڑھتے تھے اور کبھی بسبب قلت انہیں چار رکعت پر جو کہ اول پڑھتے اکتفا فرماتے اور کبھی دو ہی اول پر اور قرأت نماز چاشت بعد فاتحہ سبح اسم ربک، والشمس والیل، والضحی اور چہار قل پڑھتے تھے۔ اوائل حال میں نماز تہجد و ضحٰی و فی زوال میں اکثر تکرار و قرأت سورۂ یٰسین فرماتے حتیٰ کہ گاہ گاہ اسی اسی مرتبہ اس سورۃ کا دن رات میں پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے جب ضحٰی کبرٰی ہو جاتا نماز ضحٰی خلوت میں ادا کر کے حرم سرا میں شریف لے جاتے اور کھانا تناول فرماتے اور کھاتے وقت فرزندوں اور درویشوں کو طعام تقسیم فرماتے اور جو کچھ پکتا سب میں حصہ رسد عطا فرماتے اور اگر اس وقت فرزندوں و درویشوں اور خادموں میں سے کوئی موجود نہ ہوتا اس کا حصہ رکھ چھوڑنے کے واسطے ارشاد فرمادیتے۔

آپ کی غذا:

حضرت کے گھر کا کھانا نہایت لذیذ ہوتا۔ کھانا کھاتے وقت حضرت داہنا زانو کھڑا کر لیتے اور بایاں لٹا دیتے اور گاہ گاہ دونوں زانو کھڑے کر لیتے اور بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرتے اور بعض اوقات یہ دعا پڑھتے "بسم الله الذی لا یضر مع اسمه شئی فی الارض ولا فی السمآء وهو السمیع العلیم. فالله خیرا حافظا وهو ارحم الرّحمین" اور سورۂ لایلاف پڑھتے اور کبھی یہ دعا پڑھتے "الحمد لله الذی اطعمنا وسقانا واشبعنا وجعلنا من المسلمین" اور اگر کسی کی دعوت نوش فرماتے تو یہ بھی پڑھتے "اللهم اغفر لا کله ولباذ له ولمن کان له شیئا فیه وصلی الله تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمد وآله واصحابه وسلم" اگر صاحب طعام موجود ہوتا تو فرماتے جزاکم الله ارزقنی کما تحب و ترضی اجعلها عوانا ما یحب. اور تین انگلیوں سے لقمہ لیتے۔ محض اس نیت سے کہ کھانا سنت ہے۔ تناول فرماتے آپ کی غذا نہایت قلیل تھی مع ذلک فرمایا کرتے کہ بحکم اقتضائے آخر زمانہ بھوک میں کمال اتباع آنسرور دین و دنیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میسر نہیں ہوتا اور کھانا نہایت خشوع وخضوع سے تناول فرماتے اور اس امر کی مریدوں کو بھی نہایت تاکید فرماتے۔ فرمایا کہ عارف کو کوئی چیز ملکیت سے بشریت کی جانب کھانے زیادہ نہیں کھینچتی۔

قیلولہ کے بعد کے اوقات:

بعد طعام کے تھوڑی دیر بحکم سنت قیلولہ فرماتے اور جیسے ہی سایہ پھرتا اور مؤذن اذان کہتا بجرد

استماع اللہ بے اختیار بقوت وعجلت تمام بستر سے زمین پر آتر آتے اور اس میں ناغہ نہ ہوتا۔ بوقت سننے اذان کے اعادہ کرتے مگر بوقت حیعلتین لاحول پڑھتے اور بعدازاں دعاء اذان پڑھ کر فی الفور ہی اٹھ کھڑے ہوتے اور وضو کر کے نفیس پوشاک پہن کر مسجد میں تشریف لے جاتے اول دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کرتے اور فرماتے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے زمان بعثت سے تا زمان رحلت سنت زوال ترک نہیں کیں اور اس میں طوال مفصل پڑھتے اور کبھی بمقتضائے گنجائش اختصار قرأت پر اکتفا فرماتے۔ بعدازاں چار رکعت سنت مؤکدہ ظہر کی پڑھتے اور بعد تکبیر اقامت خود امامت فرماتے اور فرض ظہر پڑھتے اور قرأت طوال پڑھتے اور بعد فراغ فرض یہ دعا "**اللهم انت السلام ومنک السلام تبارکت یاذالجلال والاکرام**" پڑھ کر کھڑے ہو جاتے۔ بعدازاں دو رکعت سنت مؤکدہ پڑھتے اور پھر چار رکعت سنت زائد پڑھتے بعدازاں وعورت کہ بعد ظہر ماثورہ وہیں پڑھتے اس کے بعد قوم کی جانب ہو بیٹھتے اور اصحاب حلقہ کرتے اور حافظ قرآن شریف پڑھتا اور حضرت یاروں کی طرف مراقب ومتوجہ بیٹھ جاتے۔ بعد فراغ از حلقہ دو ایک سبق دینی درس فرماتے اور جب وقت عصر ہو جاتا تو تجدید وضو کے واسطے اٹھتے اور چار رکعت سنت عصر ادا کرتے۔ بعدازاں خود امام ہوتے اور جماعت فرض عصر بجماعت کثیر ادا کرتے بعدازاں ادعیہ ماثورہ وقت عصر کو پڑھ کر قوم کی طرف پھر بیٹھتے اور اصحاب حلقہ کرتے اور حافظ قرآن مجید پڑھتا اور اصحاب مراقب بیٹھتے اور کبھی احوال پُرسی کا شغل کرتے اور متوجہ حال طالبان ہوتے اور ان کی ترقی کے واسطے ہمت فرماتے۔ کبھی کچھ اور عمل صالح کرتے بعدازاں اول وقت نماز مغرب پڑھتے اور بعد ادائے فرض دس مرتبہ **لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحی ویمیت بیدہ الخیر وھو علی کل شئی قدیر** پڑھتے اور سات دفعہ **اللھم اجرنی من النار** پڑھتے اور بعدازاں چار رکعت نماز اوابین پڑھتے اور اکثر اوقات اس میں سورہ واقعہ اور سورہ اخلاص اور گاہ چھے رکعت پڑھتے اور نماز عشاء کو بعد زوال بیاض افق کہ نزدیک امام اعظم شفق اسی سے مراد ہے وہ وقت متفق علیہ ہے مسجد میں تشریف لاتے اول دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھتے بعدازاں چار رکعت سنت یا دو رکعت گزارتے اور پھر فرض ادا کرتے اور بغیر اس کے کہ ادعیہ پڑھیں "اللھم انت السلام الخ" پڑھ کر اٹھ کھڑے ہوتے اور دو رکعت سنت مؤکدہ پڑھتے بعدازاں چار رکعت اور مستحب پڑھتے بعدازاں وتر پڑھتے

اور بعدازاں الم السجدہ پڑھتے اور کبھی بعد فرض چار رکعت میں سورہ سجدہ وتبارک وقل یاایھا الکفرون و قل ھواللہ پڑھتے اور دعاء قنوت حنفی وشافعی کہ حنفیوں نے جمع کیا جمع کرتے۔ بعدازاں دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے اول رکعت میں اذا زلزلت الارض پڑھتے اور دوسری رکعت میں قل یاایھا الکفرون پڑھتے اور آخر میں ان دو رکعت کو ترک کر دیا تھا اور فرماتے تھے کہ اس میں اختلاف ہے۔ بروقت نماز حضرت ہر دو ابہام کان کی لو تک لے جاتے اور ہاتھوں کی انگلیوں کو بغیر اس کے کہ کھلی ہوں یا جڑی رکھیں بلکہ متوجہ قبلہ رکھتے اور اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھوں کو نیچے لاتے اور زیر ناف داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر اس طرح رکھتے کہ داہنے ہاتھ کی خنصر اور ابہام سے حلقہ ہو جاتا اور تین انگلیاں کلائی پر لمبی لمبی رکھی جاتیں اور دونوں پیروں کے درمیان چار انگشت کا فاصلہ ہوتا اور دونوں پیروں پر برابر زور رکھتے اور ایک پیر پر زور دے کر دوسرے کو آرام نہ دیتے اور قیام سجدہ کی جگہ نگاہ رکھتے بعدازاں تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں جاتے اور قدموں پر نظر رکھتے اور سر پشت کے برابر کرتے اور زانو انگلیاں کھول کر بقوت پکڑتے اور زانو ٹیڑھا نہ ہونے دیتے اور بعدازاں قومہ بمقدار تسبیح جلسہ کرتے اور درحال انفراد سمع اللہ لمن حمدہ ربنالک الحمد پڑھتے اور دونوں سجدوں کے درمیان بقدر تسبیح جلسہ کرتے اور سجدہ میں ناک کی نرمہ پر نگاہ رکھتے اور پیٹ کو زانو سے اور زانو کو بازو سے جدا رکھتے اور بوقت سجدہ تمام اعضا پر برابر زور دیتے اور تشہد میں دونوں پیروں کی انگلیوں کو قبلہ کی جانب متوجہ رکھتے اور کنار پر نظر رکھتے اور حضرت کے تمام اصحاب نماز میں حضرت کی تقلید کرتے۔ بہت سے آدمی حضرت کو نماز پڑھتے دیکھ کر فریفتہ ہوتے بعد نماز عشاء اور قبل سونے کے حضرت سورۃ فاتحہ وآیۃ الکرسی وامن الرسول تا آخر وان ربکم اللہ خلق السموٰت والارض تا من المحسنین وقل ادعوا اللہ وادعوا الرحمن الخ اور چار قل پڑھتے اور جس وقت لیٹتے پہلوئے راست پر تکیہ کرتے اور داہنے ہاتھ کو رخسار مبارک کے نیچے رکھتے اور یہ دعا پڑھتے:

"اللھم باسمک ربی وضعت جنبی وبک ارفعہ ان امسکت نفسی فاغفرت وان ارشلتھا فاحفظھا بما تحفظ بہ عبادک الصلحین اللھم اسلمت وجھی الیک وفوضت امری الیک ومالجات ظھری الیک رغبۃ ورھبۃ الیک لا ملجا لا مجامنک الا الیک اللھم انی آمنت بکتابک الذی انزلت وبرسولک الذی ارسلت

و لحملهن اخر ما يتكلم به اللهم انی احمدک بکل لسان واستعيذ بک من البلايا ولا حول ولا قوة الا باللّٰه العلی العظيم“

اعوذ بكلمات اللّٰه التامات كلها من شر ما خلق تین مرتبہ اس کلمہ کی تکرار کرتے پھر تینتیس مرتبہ سبحان اللہ اور تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور تینتیس مرتبہ اللہ اکبر اور ایک مرتبہ **لا الـه الا اللّٰه وحده لاشريک له له الملک وله الحمد بيده الخير وهو حی لا يموت ابدا ابدا ذو الجلال والاكرام وهو علی كل شئی قدير** اور سو دفعہ سبحان اللہ وبحمدہ پڑھتے اور سو دفعہ بعد نماز تہجد کے بھی پڑھتے اور سو دفعہ ہر روز مواظبت رکھتے پھر خواب کرتے۔

نماز جمعہ کو جس طرح کہ علماء حنفیہ نے فرمایا ہے اس طرح ادا کرتے اور بعد فرض جمعہ سات دفعہ سورۃ اخلاص اور سات دفعہ معوذتین مع بسم اللہ پڑھتے اور صلوٰۃ ظہر کو قبل جمعہ نہ ادا کرتے بلکہ اس کو مکروہ جانتے لیکن بعد ادائے جمعہ پڑھتے اور فرماتے کہ شرائط جمعہ بقول بعض اس وقت پائی نہیں جاتیں اور اس طرح نیت کرتے **نويت ان صلی اللّٰه تعالیٰ اربعه ركعت آخر فرض ظهر ادركت وقته ولم اديه** اور ادائے نماز ظہر کو بجماعت نہ پڑھتے اور اگر کبھی کچھ بیماری وغیرہ ہوتی اور نماز جمعہ کو نہ پہنچتے تو تو مفرد ادا کرتے اور اسی طرح سفر میں طریقہ جاری رکھتے باوجود اس کے نماز باجماعت ادا کرنے کے نہایت حریص تھے اور فرماتے تھے کہ ہم تابع مجتہد ہیں انھوں نے جو فرمایا ہے وہ کرنا چاہیے اور جو منع کیا ہے اس کو نہ کرنا چاہیے اور آخر عشرۂ رمضان میں مسجد میں معتکف بیٹھتے اور عشرہ ذوالحجہ میں عزلت کرتے اور ان عشرات میں طاعات واذکار وصیام کے بہت حریص ہوتے اور درود پڑھتے اور شبہائے جمعہ کو مع اصحاب حلقہ کرکے درود شریف پڑھتے۔ عید الاضحیٰ کو راہ میں تکبیریں بلند کہتے جاتے اور عشرۂ ذی الحجہ کو حاجیوں کی مشابہت کر۔ کے سر اور ناخن نہ ترشواتے اور بعض ادعیہ ماثورہ پڑھا کرتے اور عشرۂ ذی الحجہ میں ہر روز نماز عشاء اور فجر کی دوسری رکعت میں سورۃ الفجر پڑھتے۔ نماز کسوف وخسوف پڑھتے اور نماز تراویح بیس رکعت ادا کرتے اور سفر وحضر میں بہ جمعیت تمام ادا کرتے اور تین قرآن شریف سے کم ایام صیام میں ختم نہ کرتے اور ہر چار رکعت تراویح کے بعد تین دفعہ ”**سبحان ذی الملک والملكوت سحان ذی العزة والعظمة والهيبة والقدرة والكبرياء والجبروت سبحان الملک الحی الذی لا ينام**

لایموت سبوح قدوس ربنا ورب الملئکة والروح اللهم اجرنا من النار یا مجیر یا مجیر یا مجیر" پڑھتے اور دیگر ایام میں چونکہ خود حافظ قرآن تھے بعد نماز ظہر ہمیشہ تلاوت فرماتے تھے اور حلقات استماع قرآن شریف ہمیشہ جاری تھا اور نماز وغیرہ میں اس طرح قرأت پڑھتے کہ گویا ادائے معنی ضمن الفاظ میں فرماتے جاتے تھے اور سامعین کو بدیہی طور سے معلوم ہوتا تھا کہ اسرار قرآنی اس مقرب سبحانی پر وارد ہو رہے ہیں بہت سے آدمی جو کہ مرید بھی نہ ہوتے تھے کہتے کہ حضرت قرآن اس طور سے پڑھتے ہیں گویا الفاظ ان کے دل سے نکلتے ہیں اور ہرگز آواز بنا بنا کر نہ پڑھتے تھے اور نماز تراویح میں اکثر سامعین کو غنودگی ہو جاتی تھی لیکن حضرت کو کبھی کچھ نہ ہوتی تھی اور اُسی طرح کھڑے کھڑے قرآن سنتے۔ ملا بدر الدین سرہندی نے لکھا ہے کہ ایک روز میں نے حضرت سے عرض کیا کہ کیا باعث ہے کہ آپ کو کبھی غنودگی نہیں ہوتی۔ فرمایا شناوری دریائے اسرار قرآنی فرصت نہیں دیتی کہ پلک جھپکاؤں۔ سفر میں منزل پر پہنچنے تک تلاوت قرآن فرماتے اور جس وقت آیت سجدہ آتی فی الفور سواری سے نیچے اتر کر زمین پر سجدہ کرتے اور حالت انفراد میں تسبیحات رکوع و سجود پانچ و سات بار بلکہ نو و گیارہ پڑھتے اور کبھی تین مرتبہ اختصار فرماتے حسب موقع فرماتے کہ شرم آتی ہے کہ باوجود قوت و استطاعت حالت انفراد میں اقل تسبیحات پر اقتصار کیا جائے اور حالت امامت میں اس قدر کہتے کہ مقتدی بفراغت تین مرتبہ کہہ سکیں اور جس طرح اسبات کی احتیاط کرتے کہ سنت میں نقصان نہ ہو اسی طرح اس میں بھی احتیاط کرتے کہ زیادتی بھی نہ ہو اور سوائے نماز تراویح و کسوف و خسوف اور کسی نفل کی جماعت نہ کرتے اور اس کو مکروہ جانتے اور ہر کام نماز استخارہ سے شروع کرتے اور کبھی صرف دعائے استخارہ پر اکتفا فرماتے اور تشہد میں انگشت سبابہ سے اشارہ نہ کرتے کہ مذہب حنفی میں مکروہ و حرام ہے۔ ہر چند کہ بہت سے علماء اس کی سنیت کے بھی قائل ہیں مگر بحکم آنکہ **اذا ورد الامر بین السنة والکراهة فرکه اولی معه ذلک**۔ کبھی کبھی بمقتضائے حدیث نوافل میں اشارہ بھی کرتے تاکہ یہ عمل متروک مطلق نہ ہو اور مریض کی عیادت کو جاتے اور ادعیہ ماثورہ مریض پر پڑھتے اور دفع امراض کے واسطے توجہ باطنی فرماتے اور قبروں کی زیارت کو جاتے اور بدعائے استغفار مدد فرماتے اور اموات سے استعانت کو جائز رکھتے بلکہ خود بھی کرتے اور باطن سے توجہ رفع اسباب و ترقی درجات کرتے۔ دعوت خاص قبول فرماتے اور دعوت عام میں

تشریف نہ لے جاتے۔ خواص بشر کو خواص فرشتوں پر فضل دیتے اور نبوت کو ولایت سے افضل جانتے اگرچہ ولایت اسی نبی کی کیوں نہ ہو۔ غلبہ صحو کو غلبہ سکر پر ترجیح دیتے اور صحو خالص نصیب عوام کالانعام کہتے اور اولیائے عشرت کو جو کہ خلائق کی ہدایت میں مشغول ہوتے ہیں اولیائے عزلت سے جو کہ جنگل و پہاڑوں میں بیٹھتے ہیں بہتر جانتے اور تمام اصحاب کو تمام اولیائے امت سے خواہ وہ قطب ہوں یا غوث افضل جانتے اور مشاجرات صحابہ کو اجتہاد پر محمول فرماتے اور ہوائے نفسانی سے مبرا سمجھتے۔ طریق مشائخ میں طریقہ نقشبندیہ کو افضل سمجھتے اور فرماتے کہ یہ طریقہ طریقہ اصحاب ہے۔

بعض کتب مثل بیضاوی و بخاری شریف و مشکوٰۃ شریف و ہدایہ و شرح موقف و بیضاء حاشیہ عضدی و عوارف کا درس بھی فرماتے۔ تحصیل علوم کو سلوک صوفیہ پر مقدم کرتے اور فرماتے کہ صوفی جاہل مسخرہ شیطان ہے اور اگر کبھی سفر پر جانے کا اتفاق ہوتا تو دوشنبہ و پنجشنبہ کو شروع کرتے اور باقی ایام کو سفر کے واسطے مبارک جانتے کہ مالایام ایام اللہ و العباد باللہ اور جب سفر پر متوجہ ہوتے تو دو رکعت نماز استخارہ پڑھتے اول رکعت میں قل یایھا الکفرون اور دوسری میں قل ہو اللہ احد بعد نماز دعائے استخارہ پڑھتے اور برآمد ہوتے وقت سورہ فاتحہ و آیۃ الکرسی اور چاروں قل پڑھتے اور جس وقت سوار ہوتے تکبیر کہتے اور یہ آیت پڑھتے "سبحٰن الذی سخرلنا ھذا و ما کنا لہ مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون" اور جب شہر یا قریہ میں داخل ہوتے تو یہ پڑھتے "اللھم اسئلک خیر ھا و خیر مافیھا واعوذ بک من شرھا وشرما فیھا" اور جب منزل پر نزول ہوتا تو یہ دعا پڑھتے "رب انزلنی منزلا مبارکا وانت خیر المنزلین" اور اثناء عبور راہ میں اتر پڑھتے اور تین مرتبہ یہ دعا پڑھتے " اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق " اور دو رکعت نماز بھی پڑھتے۔ سفر میں ہمراہیوں کو تلاوت سورۂ قریش کی ترغیب دیتے جب منزل پر پہنچتے واسطے خیریت منزل کے دعاء استخارہ پڑھتے اور بوقت تند ہوا چلنے کے یہ دعا پڑھتے "اللھم اجعلھا ریاحا ولا ریحا اللھم انی اسئلک خیرھا وخیر مافیھا وخیرنا ارسلت بہ اعوذ بک من شرھا وشر مافیھا و ما ارسلت بہ' اور بوقت رعد و ظہور صاعقہ یہ تسبیح پڑھتے "سبحان من یسبح الرعد بحمدہ والملائکۃ من خیفتہ" اور کسی کو بلا میں مبتلا دیکھتے تو یہ پڑھتے "الحمد للہ الذی عافانی ممابتلاہ بہ وفضلنی علی ممن خلقنا تفضیلا وجعلنی

من المسلمین" اور جب آئینہ دیکھتے تو یہ پڑھتے۔ "اللھم حسن خلقی کما احسنت خلقه و حرم وجهی علی النار" اور اگر اتفاقاً بازار میں گزر ہوتا تو کلمہ توحید پڑھتے لا اله الا الله وحده لا شریک له له الملک وله الحمد یحیی ویمیت وهو حی لا یموت وهو علی کل شئی قدیر ابدا ابدا ذو الجلال و الاکرام اور جس وقت مسجد میں آتے اگر مکروہ وقت نہ ہوتا تو دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھتے اور اس میں کبھی فرق نہ آتا بوقت داخل ہونے کے نیت اعتکاف فرماتے اور اس طرح نیت کرتے "اعتکف مادمت فی هذا المسجد" اور جب دولت خانے سے باہر تشریف لاتے تو یہ پڑھتے "توکلت علی الله واعتصمت بالله لا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم" اور جب ہلال دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے "اللهم اهله علینا بالامن و الامان" اور اگر مریض کی عیادت کو جاتے تو "عفاک الله" کہتے اور جب نیا لباس پہنتے تو پڑھتے الحمد لله الذی کسانی هذا الثواب بغیر حول منی ولا حول منی ولا حول قوة اور لباس کا نام بھی تعین کرتے۔ اگر عمامہ پہنتے تو ہذا العمامہ اور قمیص ہوتا تو ہذا القمیص فرماتے۔ غرض یہ کہ ہر ایک امر میں حضرت کمال رعایت سنت و مستحب رکھتے تھے اور اس امر کی خادموں کو بھی نہایت تاکید ہوتی تھی۔

طلاب کے لیے حضرت کے چند نصائح:

آپ نے فرمایا کہ:

> "طالب کو چاہیے کہ اپنے دل کو سب جانب سے خالی کر کے اپنے شیخ کی طرف متوجہ کرے"

فرمایا:

> "اپنے شیخ کی اجازت کے بغیر کوئی نفل نہ پڑھے یا دیگر عبادت نہ کرے"

فرمایا:

> "اس کے سامنے کسی کی طرف ملتفت نہ ہو اور بالکل اسی کی طرف متوجہ رہے یہاں تک کہ ذکر خدا بھی نہ کرے مگر کہ وہ حکم کرے اور

فرض و سنت موکدہ کے علاوہ اس کے سامنے کوئی نماز نہ پڑھے''

فرمایا:

''جہاں تک ہو سکے ایسی جگہ نہ کھڑا ہو کہ اس کا سایہ اس کے شیخ کے سایہ یا لباس پر پڑے''

فرمایا:

''اس کے مصلے پر پاؤں نہ رکھے اور اس کے وضو کرنے کی جگہ پر وضو نہ کرے''

فرمایا:

''اپنے شیخ کے خاص کیے ہوئے برتنوں کو استعمال نہ کرے''

فرمایا:

''اس کے سامنے نہ کھائے نہ پیے اور نہ کسی سے بات کرے اور نہ ہی کسی طرف متوجہ ہو''

فرمایا:

''اپنے شیخ کی غیر حاضری میں اس جگہ کی طرف جہاں کہ وہ بیٹھا ہو پاؤں دراز نہ کرے اور لعاب دہن بھی اس طرف نہ پھینکے''

فرمایا:

''جو کام پیر کرے اس کو صواب اور صحیح سمجھے اگرچہ ظاہر میں درست نہ معلوم ہوتا ہو کیونکہ وہ جو کچھ کرتا ہے الہام سے کرتا ہے اور خدا کی اجازت سے کرتا ہے اس پر اعتراض کی گنجائش نہیں۔ اگرچہ بعض صورتوں میں اس کے الہام میں بھی خطا ہو سکتی ہے اور وہ خطا اجتہادی غلطی کی مانند ہے اور اجتہادی غلطی پر ملامت و اعتراض جائز نہیں''

فرمایا:

''ہر بات میں پیر کی پیروی کرے۔ کھانے، پینے، پہننے، سونے،

عبادت کرنے میں اور نماز اس کی طرح ادا کرے اور علم فقہ کو اس کے اعمال سے سیکھے''

فرمایا:

''اپنے شیخ کی حرکات وسکنات میں کسی میں اعتراض کو داخل نہ ہونے دے اگرچہ بہت ہی کم اعتراض کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اعتراض کرنے والا نعمت سے محروم اور سعادت سے دور رہتا ہے۔ (خدا ہمیں اس بلائے عظیم یعنی اعتراض سے بچائے)''

فرمایا:

''اپنے پیر سے ہرگز کرامات کا طالب نہ ہو۔ کیونکہ کبھی سنا ہے کہ کسی مومن نے بھی پیغمبر سے معجزہ طلب کیا؟ معجزہ کفار طلب کرتے ہیں اور منکرین دین نہ کہ مومن۔ اگر کوئی شبہ پیدا ہو تو پیر کی جناب میں عرض کرے اگر پھر بھی حل نہ ہو تو سمجھے کہ میری کم عقلی کی وجہ سے ہے ورنہ کسی نقصان کو شیخ کی جانب عائد نہ کرے''

فرمایا:

''بلا اجازت و بلا ضرورت اپنے شیخ سے جدا نہ ہو۔ کیونکہ غیر کا اس پر اختیار کرنا ارادت کے منافی ہے''

فرمایا:

''اپنی آواز کو اس کی آواز پر بلند نہ کرے اور بلند آواز سے اس کے ساتھ بات نہ کرے کیونکہ یہ سوء ادب ہے''

فرمایا:

''جو فیض پہنچے اس کو اپنے شیخ کے توسل سے خیال کرے۔ اگر واقعہ میں دیکھے کہ کسی اور شیخ سے فیض پہنچا ہے۔ اس کو بھی اپنے شیخ سے سمجھے۔ کیونکہ شیخ جامع کمالات وفیوض ہے۔ وہ فیض خاص مرید کی

استعداد کے مطابق شیخ کے لطائف میں سے کسی لطیفہ کا ہے جو کہ دوسرے شیخ کی صورت میں ظاہر ہوا اور طالب نے اپنے شیخ کے لطیفہ کی صورت کو دوسرا شیخ خیال کیا ہے اس مغالطہ سے بچنا چاہیے''

فرمایا:

''پیر کے ذریعہ سے ہی خدا تک پہنچ سکتے ہیں۔ پیر اپنے قلب و روح سے طالب کی روح کو صاف کرتا ہے اور خدا تک پہنچاتا ہے''

فرمایا:

''اپنے پیر کے وسیلہ سے ہی نفس امارہ سے رہائی ملتی ہے اور نفس مطمئنہ حاصل ہوتا ہے اور کفر طبعی سے اسلام حقیقی ملتا ہے''

فرمایا:

''اپنی سعادت کو اپنے پیر کی قبولیت میں سمجھے اور اپنی شقاوت کو اس کے رد میں جانے (خدا تعالیٰ ہم کو ارتداد شیخ سے بچائے)''

فرمایا:

''جب تک مرید اپنے ارادوں کو اپنے پیر کے ارادوں میں فانی نہ کرے خدا تعالیٰ کی رضا کے مقام کی سیر نہیں کر سکتا''

حضرت کا ارتحال و آخری کلمات و وصایا:

چوں نقش کلک موج سرِ بحر بے ثبات
ہے رسم نقش ہستی انساں دمِ حیات
جب انبیاء بھی عالم ظاہر سے چل دیے
چکھی ہے اولیاء نے بھی جب لذت وفات
صدمہ ضرور ہوتا ہے شکوہ مگر نہیں
دیکھو بہ نگہ خاص کہ ہیں اولیاء حیات

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیسویں سال خلعت فاخرۂ ختم رسالت زیب تن فرمایا۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کو عین سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق چالیسویں سن خلعت تجدید الف وقیومیت عطا ہوا۔

اس خلعت کے عطا ہونے کے تیسویں سال کے آخر میں نماز عید الاضحیٰ سے فارغ ہو کر حضرت قیوم اول نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

> ''میں نے آپ لوگوں کو پہلے سے اطلاع کی ہوئی ہے کہ دنیا سے عنقریب سفر کرنے والا ہوں اور قضائے مبرم سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری عمر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق تریسٹھ سال کی ہوگی۔ اب تریسٹھواں سال آخر کو پہنچ گیا ہے۔ قریب ہے کہ تم سے جدا ہوں اور رفیق اعلیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں۔ اے بندگان خدا! جو کچھ مجھے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچا اور جو کچھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم خدا سے لائے تھے میں نے تم کو پہنچا دیا۔ تم جانتے ہو کہ اپنی خدمات تجدید الف اور ترویج ملت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں کس قدر کوششیں کیں اور دشمنان دین سے سختیاں سہیں۔ بادشاہ وقت کی قید میں مقید ہونے اور لشکر شاہی میں موجود رہنے کی پابندی قبول کی مگر اپنے فرض کو نہیں چھوڑا۔
>
> اب میں آپ سے جدا ہونے کو ہوں اور آپ کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ میری ملاقات آپ سے قیامت کے دن حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گاہ میں ہوگی۔ آپ گواہ رہیں کہ میں نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوئی تقصیر نہیں کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تم سے پوچھیں گے کہ مجدد الف ثانی تم نے کس طرح زندگی کاٹی؟''

سب نے بالاتفاق اس نائب اتم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ:

آپ نے ترویج شریعت وتجدید ملت میں پوری سعی فرمائی اور ہمیں سیدھی راہ دکھائی اور اس مقصد کی پیش رفت میں جو تکلیفیں اور سختیاں آپ پر وارد ہوئیں آپ نے صبر کے ساتھ جھیلیں۔ پروردگار کا شکر بجالا کر ہماری ہدایت میں مصروف رہے۔ دنیا بھر کو گمراہی سے نکال کر راہ راست پر لگایا اور شریعت وطریقت کو زیب وزینت دی اور مسلمانوں کے اوقات کو ٹھیک اصحاب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوقات کے مشابہ کر دیا۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے''

یہ کہہ کر سب نے عرض کیا کہ ہم یہی گواہی جناب خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور دیں گے۔ اس کے بعد حضرت مجدد نے ان کے حق میں دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تم کو نہایت کمال پر پہنچاوے اور دنیا کا عیش بھی فراخ کرے۔

فرمایا کہ:

''میں آپ سب کو وصیت کرتا ہوں کہ قرآن وسنت پر قایم رہو۔
مجتہدین کی تابعداری کرو۔ اس میں سر مو فرق نہ آئے کہ اس سے دین وایمان میں خلل ہوگا۔
غیر شرع پیروں سے پرہیز کرو۔۔۔۔

یہ وصایا بیان فرما کر فرمایا:

''اے یارو! اب میں تم سے وداع ہوتا ہوں''

یہ خبر سنتے ہی مخلوق میں شور برپا ہوا۔ بعدہ آپ خلوت خانے میں تشریف لے گئے۔ خلوت خانے میں آپ نے تھوڑی دیر قیلولہ فرما کر اپنے اہل حرم وفرزندوں کو فرمایا کہ:

''دو ماہ کے بعد جو سردی آنے والی ہے ہم اس وقت اس گھر میں نہ ہوں گے''

محرم کی بارہویں تاریخ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے یہ خبر دے دی کہ مجھ سے فرمایا گیا ہے کہ:

''اب چالیس پچاس دن میں اس جہان سے چل دینا چاہیے''

یہ خبر سن کر گھر والے رونے لگے۔ ان ایام میں آپ پر گریہ غالب تھا۔ حضرت سعید خازن الرحمت نے گریہ کی وجہ پوچھی۔ فرمایا:

''اشتیاق ذوالجلال غالب ہے''

پھر انھوں نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے آپ کو اس جہان کی زندگی کا اختیار دیا ہوا ہے فرمایا:

''ہم تم کو بعد ارتحال بہ نسبت اس زندگی کے زیادہ مدد دے سکیں گے''

انہی ایام میں حضرت اپنے والد ماجد کے مزار پر تشریف لے گئے اور بہت مدت تک دعا و استغفار فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ ناظرین کو اندوہ پیدا ہوا کہ وہ بھی اس قبرستان والوں میں ہوتے اور اس دعا سے حصہ پاتے۔ اس کے بعد امام رفیع الدین کے مزار پر تشریف لے گئے وہاں بھی ایسا ہی معاملہ ہوا۔ ماہ صفر کی بائیسویں تاریخ آپ نے سب اصحاب کو مجمع میں فرمایا کہ:

''اب چالیس دن پورے ہو گئے ہیں۔ دیکھیں ان آٹھ سات دن میں کیا ہوتا ہے''

آپ نے فرزندان عروۃ الوثقیٰ اور حضرت خازن الرحمت سے فرمایا:

''ان صحت کے دنوں میں جتنے کمال جو نوع بشر کے واسطے ممکن تھے مجھے عطا فرما دیے''

مخدوم زادوں کا دل بہت گھبرایا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت کریمہ **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا** نازل ہونے میں ایک رمز پوشیدہ تھی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دل گھبرایا تھا۔

جمعرات کے دن تئیسویں ماہ صفر کو آپ کو سخت بخار لاحق ہوا اور آنحضرت نے بدن کے کپڑے اتار کر تقسیم فرما دیے اور دوسرے دن جمعہ کو باوجود سخت ضعف و حرارت حضرت نماز جمعہ کے لیے تشریف لائے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''یہ ہمارا آخری جمعہ ہے''

اور پہلے وصایا کو پھر دہرایا۔ ذکر مراقبہ و اتباع شریعت والتزام سنت و اجتناب از بدعت کی تاکید فرمائی۔ فرمایا کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو دانتوں سے پکڑے رکھو''

اور فرمایا:

> ''میری تجہیز و تکفین مطابق سنت ہو، کسی کی نگاہ میرے ستر پر نہ پڑے۔ غسل پر میرے دو فرزندوں اور دو اعظم خلفاء کے سوا اور کوئی نہ ہو اور میری قبر کسی گمنام جگہ پر بناؤ''

فرزندوں نے عرض کی کہ آپ نے اس سے پیشتر اس روضہ کی شرافت بیان فرمائی ہے جو بڑے بھائی کی مزار پر بنایا گیا ہے اور یہ فرمایا تھا کہ میری قبر اس جگہ ہوگی اور دفن کی جگہ مقرر فرما دی تھی۔ فرمایا کہ ہاں ایسا ہی تھا لیکن اب شوق ایسا ہے کہ قبر گمنام جگہ پر ہو۔ جب مخدوم زادوں کی طرف سے اس امر کی قبولیت میں توقف دیکھا تو فرمایا کہ ایسا نہ کرو تو شہر کے باہر والد بزرگوار کے مزار کے پاس مجھے دفن کر دینا۔ یا شہر کے باہر قبر بنا دینا لیکن قبر کچی بنانا۔ تاکہ تھوڑے عرصے میں بے نام و نشان ہو جائے۔

خواجہ ہاشم کشمی زبدۃ المقامات میں نقل فرماتے ہیں کہ:

> ''آنجناب کا فرمانا اس امر کی دلیل ہے کہ آنجناب حضرت الوہیت بے نشاں کے مظہر اتم ہیں اور اس بات کا مؤید یہ واقعہ بھی ہے جو میں نے دیکھا۔ کہ آنجناب نے انتقال فرمایا ہے اور میں ہر طرف فریاد کرتا پھرتا ہوں۔ کبھی کہتا ہوں ''این احمد'' کبھی کہتا ہوں ''این اللہ'' اتنے میں کسی نے کہا حضرت کا مزار اس بڑی مسجد میں ہے۔ جب مسجد میں آیا تو ایک لکیر مسجد میں طولاً و عرضاً نظر پڑی۔ ملہم حقیقی کی طرف سے مجھے کہا گیا کہ حضرت کے سوائے اس قدر نشان کے اور کچھ نہیں رکھتی اور اس وقت میرے دل میں اس طائفہ علیہ کی نسبت فنائیہ و بقائیہ وارد ہوئی۔ جس کے متعلق حضرت نے آیہ کریمہ **''ھل اتٰی علی الانسا ن حین من الدھر لم یکن شیأ مذکورا''** کی تشریح میں تصریح فرمائی ہے اور میر عارف نے بھی ایسا ہی واقعہ دیکھا۔ نیز حضرت کے مخلصوں میں سے ایک درویش نے فقیر (خواجہ

ہاشم کشمی مؤلف برکات الاحمدیہ) سے بیان کیا کہ میں نے واقعہ میں دیکھا کہ ایک درخت بہت بلند آسمان تک پہنچا ہے، اور جہان کو ڈھانپے ہوے ہے۔ جس کے سایہ کے نیچے لاکھوں کروڑوں لوگ آرام کررہے ہیں۔ ناگہاں وہ درخت تند ہوا سے زمین پر گر پڑا ہے اوراس کے گرتے دنیا میں شور مچ گیا ہے۔

شور برخاست مگر دامن محفل بشکست
گریہ زد جوش مگر آبلۂ دل بشکست

فقیر دلریش اس درویش کے واقعہ سے ہراساں تھا کہ یکا یک حضرت کی وفات حسرت آیات کی خبر پہنچی۔ حضرت کا وجود باجود بحکم آیہ کریمہ "کشجرۃ اصلها ثابت و فرعها فی السمآء "تمامی شجر شریعت غرا تھا"

الغرض جب حضرت نے فرزندان گرامی کی طرف سے مزار شریف کی جگہ قبول کرنے میں توقف و حیرانی دیکھی تو مسکرا کر فرمایا تمہارا اختیار ہے جہاں چاہو دفن کر دینا۔

اس کے بعد مخدوم زادوں کی والدہ ماجدہ کو طلب فرما کر ارشاد فرمایا تم میرا کفن اپنے مہر کے روپوں میں سے بنانا۔ اتنا فرما کر رخصت کیا۔ اس کے بعد عورتوں کو پاس نہ آنے دیا۔ اس شدت مرض میں حضرت پر علوم حقائق و معارف کا کمال ظہور رہا۔ جو آپ نے بیان فرمائے ہیں۔ حضرت خواجہ محمد سعید خازن الرحمت نے عرض کیا کہ ضعف سے تکلیف ہوتی ہوگی۔ پھر بیان فرما دینا۔ آپ نے فرمایا بیٹا وقت کہاں ہے اور فرصت کس کو۔ ارتحال سے دو تین دن پیشتر آنجناب پر بیہوشی طاری ہونے لگی۔ حضرت خازن الرحمت نے عرض کی کہ حضرت یہ بے ہوشی ضعف سے ہے یا استغراق معارف سے۔ آپ نے فرمایا استغراق سے بعض معاملات درپیش ہیں۔ میں متوجہ ہوں کہ بعینہٖ منکشف ہوں۔ چنانچہ حضرت نے ان معاملات کو مخدوم زادوں پر ظاہر فرمایا۔ جن میں سے بعض حضرت قیوم ثانی عروۃ الوثقیٰ نے اپنے مکتوبات کی جلد اول دوسو تراسی مکتوب میں بھی ظاہر فرما دیا ہے۔

آپ کی استقامت:

آپ کی بیماری کے ایام میں آپ کی عبادت کے اوقات اور وظائف میں کوئی خلل نہیں پڑا۔ حسب معمول ذکر شغل وظائف مراقبہ اور دن رات کے اوراد ماثورہ اور نماز باجماعت ایام صحت کی طرح تا آخر دم ادا ہوتے رہے اور اتباع شریعت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ سہ شنبہ کی رات اٹھائیسویں صفر کو اس سے اگلا دن آپ کے وصال کا تھا۔ آپ نے اپنے خدمت گاروں کو فرمایا کہ اب آخری رات تمہاری تکالیف کی ہے۔ کل تم اس محنت سے سبکدوش ہو جاؤ گے۔ رات بھر تمام مسنون دعائیں جو صحیح بخاری و مسلم میں وارد ہیں پڑھتے رہے۔ ایک تہائی رات باقی تھی کہ اٹھ کر وضو فرمایا اور نماز تہجد کھڑے ہو کر پڑھی اور فرمایا یہ ہماری آخری تہجد ہے۔ جب صبح ہوئی۔ فجر کی نماز باجماعت ادا کر کے حسب معمول مراقبہ فرمایا اور اشراق کی نماز جمعیت سے پڑھی اور ادعیہ ماثورہ پڑھیں۔ پھر فرمایا پیشاب کے لیے چلمچی لاؤ۔ چلمچی لائی گئی۔ اس میں ریگ نہ تھی۔ پھر فرمایا کہ ریگ ڈال کر لاؤ کہ قطرات پیشاب بستر پر پڑنے کا احتمال ہے۔ جب ریگ ڈال کر لائے تو فرمایا اب وقت تنگ ہے۔ اس قدر فرصت نہیں ہے کہ پیشاب کر کے وضو کر سکوں، اٹھالو اور مجھ کو فرش پر لٹادو۔ ویسا ہی کیا گیا جب بستر پر تکیہ لگایا۔ تو مسنون طریقہ پر سر شمال کی طرف اور منہ قبلہ کی طرف داہنا ہاتھ تھوڑی مبارک کے نیچے داہنی طرف رکھ کر ذکر میں مصروف ہوئے۔ جب حضرت محمد سعید خازن الرحمت نے دم کی تیزی محسوس کی عرض کیا مزاج مبارک کیسا ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا ہے۔ جو دو رکعت نماز پڑھ چکے ہیں کافی ہے۔ یہ کلمہ آپ کا آخری کلام ہے۔ پھر سوائے ذکر الٰہی کے کسی سے بات نہیں کی اور ایک لمحہ کے بعد اللہ اللہ کہتے ہوئے جان جان آفریں کے سپرد کی اور واصل بحق ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

فریاد از گردشِ زمانہ
میداد ز جور دست ایام
قطب ارشاد شیخ احمد
گردید بخلق فیض او عام
در ماہ صفر بہ بست و ہشتم

بگذشت زو ہر بے سر انجام
از رفتن او ز بے دلاں رفت
یکبار قرار و صبر و آرام
شد روز وصال عاشقاں شب
شد صبح امید طالباں شام
تاریخ وصال او بر آمد
افسوس فتادہ برج اسلام

آپ کی عمر مبارک سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ۶۳ رسال تھی۔ مرض کے دن عمر مبارک کے سالوں کے برابر تھی۔ یعنی تریسٹھ اور بحکم حدیث شریف حمی یوم کفارہ ستہ۔ آپ کی بیماری عمر بھر کا کفارہ ہوئی۔ آپ کے انتقال کے دن آسمان کا اطراف سرخ تھا۔ شرح الصدر میں ہے آسمان و زمین مومن کی موت پر روتے ہیں۔ آسمان کا رونا اس کے اطراف کا سرخ ہونا ہے۔

تجہیز و تکفین:

جب آنحضرت کو تختہ غسل پر لایا گیا حاضرین نے معائنہ کیا کہ حضرت نے نماز کے طور پر ہاتھ باندھے ہوئے تھے۔ داہنے ہاتھ کا انگوٹھا اور خنصر سے بائیں ہاتھ کے گٹے پر حلقہ دیا ہوا تھا۔ حالانکہ حضرت عروۃ الوثقیٰ اور خازن الرحمت نے انتقال کے بعد آنجناب کے ہاتھ دراز کر دیے تھے۔ غسل کے وقت تختہ پر تبسم فرما رہے تھے۔ اور کچھ عرصہ تک ویسے ہی متبسم رہے۔ چنانچہ حاضرین سے فریاد اٹھی اور زبان حال سے یہ شعر پڑھنے لگے۔

یاد داری کہ وقت زادن تو ہمہ خنداں و بدند تو گریاں
آں چناں زی کہ وقت مردان تو ہمہ گریاں شوند تو خنداں

آپ کے دست مبارک کو کھول کر دائیں کو بائیں پر لٹا دیا۔ سیدھی طرف غسل دے کر بائیں طرف غسل دینے کے لیے وجود مبارک کو حرکت دی گئی تو پھر دونوں ہاتھ ویسے ہی ہو گئے۔ جیسے نمازی کے قیام میں ہوتے ہیں۔ پھر لوگوں نے کھول دیے پھر ویسے ہی ہو گئے۔ تین دفعہ ایسا ہی ہوا۔ پھر تیسری دفعہ کھولنے

لگے تو ہر چند زور لگایا مگر ہاتھ اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ لوگوں کو یقین ہوا اس میں کوئی راز ہے۔ حضرت عروۃ الوثقیٰ نے کھولنے سے روک دیا اور فرمایا حضرت کی مرضی مبارک ہاتھوں کو کھولنے کی نہیں ہے۔

کفن کے وقت حضرت کے دست مبارک بطریق سنت نماز اسی طرح تھے۔ کفن تین سفید کپڑوں کا دیا گیا۔ لفافہ، قمیص، ازار۔

قمیص بہ روایت متفق علیہ کے دونوں کندھوں پر سے چاک کیا گیا اور عمامہ نہ دیا گیا۔ اسی پر علماء امت کا اتفاق ہے۔ حضرت خواجہ محمد سعید نے نماز جنازہ کی امامت فرمائی اور نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے توقف نہیں کیا گیا۔ ایسا ہی مسنون ہے۔ جب جنازہ مبارک گنبد کے اندر پہنچا تو حضرت خواجہ محمد صادق اکابر اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی قبر اپنے پیر اور والد بزرگوار علیہ الرحمۃ کی تعظیم کے لیے ایک ہاتھ سے زیادہ مشرق کی طرف ہٹ گئی۔ چنانچہ مرقد انور کے لیے وہ ہی جگہ تجویز کی گئی۔ اس کے متعلق پہلے بھی مذکور ہو چکا ہے۔

حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مکی نے روضہ متبرکہ کی شان میں چند ابیات رقم فرمائے۔

اے خاک پاک روضہء عبیری و عنبری
کاہل جہان زبوے تو مدہوش گشتہ اند
ساقی فشاند بر تو خوش آبیکہ اہل دہر
عاقل بہ پیشت آمدہ مخمور رفتہ اند
سرّی زخاک خلد تو داری کہ اہل ارض
یک نفحہ از تو یافتہ بر چرخ رفتہ اند
نے نے تراز تربت یثرب گرفتہ اند
پنہاں زروم و شام بسرہند ہشتہ اند
ایں خاک احمدی است بذات احد نگر
نے یک کہ صد ہزار ازیں خاک جستہ اند
اہلاً و مرحبا پے زوّار تو بسے
اقفال بعد بر رخ اعدات بستہ اند

یارب مکن خلاص ازیں خاکِ در مرا
بدحال آنکساں کہ ازیں خاکِ رستہ اند
بشرے بخواب ناز بہ پہلوئے دو شبل
یارب چہ راز ہا است کہ اینجا نہفتہ اند
نہ نغمۂ مدح تو ساز کرد
کرّ وبیان عرش ہم اینگونہ گفتہ اند

حضرت کے یہ سوانح مختصراً پیش کیے گئے ورنہ مفصل دیکھنا مطلوب ہو تو ضخیم کتب ملاحظہ کی جائیں۔

انجام میں اس احقر کی دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بہ طفیل اپنے حبیب مقبول حضرت محمد رسول اللہ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام اس سعی کو جو اللہ جل جلالہ نے محض اپنے فضل وکرم سے سیدی ومولائی حضرت قبلہ عالم جنابشاہ صاحب مدظلہ علی پوری (پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری علیہ الرحمۃ) کی نظر کیمیا اثر کی برکت سے اس عاجز سے سرانجام فرمایا ہے اس کو قبول فرمائیں اور جملہ مؤمنین ومسلمین پر کرم کریں اور خصوصاً انگریزی خوان احباب وطلبہ کو جن میں سے اکثروں کی حالت نہایت خطرناک نظر آرہی ہے۔ فیوض دارین سے بہرہ ور فرمائیں۔ آمین یارب الکریم۔ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔

☆......☆......☆

مآخذ:

۱......حضرات القدس
۲......مکتوبات حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز
۳......زبدۃ المقامات مصنفہ مولانا ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ
۴......برکات الاحمدیہ مصنفہ مولانا ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ
۵......روضہ قیومیہ قلمی

۶......حدیقۂ محمودیہ

۷......تذکرۃ المشائخ نقشبندیہ

۸......حدیقۃ الاولیاء

۹......مکتوبات حضرت خواجہ عروۃ الوثقیٰ قیوم ثانی قدس سرہ العزیز

☆......☆......☆

لا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

علم الکلام میں حضرت مجدد الف ثانی کے اجتہادات

پروفیسر غلام مصطفیٰ مجددی نوری

(ایم۔ اے علوم اسلامیہ، پنجاب)

☆☆

پروفیسر غلام مصطفیٰ مجددی نے اس موضوع پر بڑی تحقیق وتدقیق سے سیر حاصل تحریر فرمایا ہے۔ اُن کا یہ تحقیقی مقالہ کمپوز ہو چکا تھا مگر صفحات کی تنگی کے سبب صرف اس کا اختصار "جہان امام ربانی" کی اقلیم یازدہم میں شائع کیا گیا تھا اور خیال تھا اسے الگ کتابی صورت میں شائع کیا جائے مگر "باقیات جہان امام ربانی" میں پورا مقالہ پیش کیا جا رہا ہے۔ پروفیسر موصوف نے اس مقالے میں ۲۵ ذیلی موضوعات پر اظہار خیال فرمایا ہے جن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) قضائے مبرم وقضائے معلق (۲) وحدۃ الشہود (۳) اللہ نور السموات والارض
(۴) فرشتے اور انسان (۵) ظلوماً جھولا کی تفسیر (۶) کعبے کی صورت وحقیقت
(۷) سیر فی اللہ (۸) حقیقت محمدی (۹) فضیلت نبوت بر ولایت (۱۰) مقام عبدیت
(۱۱) شیونات و اعتبارات (۱۲) رویت حق تعالیٰ (۱۳) نظریۂ قیومیت
(۱۴) تصور تجدید الف ثانی (۱۵) عرفانِ خدا کے دو راستے (۱۶) عالم مثال
(۱۷) من عرف نفسہٗ (۱۸) تنزلات (۱۹) علم کون ومکان (۲۰) ولایت کے تین
درجات (۲۱) جہاد اکبر (۲۲) تخلیق آدم وفلسفۂ روح (۲۳) قلب صنوبری
(۲۴) شاہق الجمل والمغال مشرکین (۲۵) اقوال اولیاء کی توجیہات۔۔ (مرتبین)

تمام اہل اسلام کے لیے بالعموم اور اسلامیانِ ہند کے لیے بالخصوص حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی، شیخ احمد فاروقی سرہندی علیہ الرحمۃ کی ذات کمال علم وعرفان کا ایک لازوال سرچشمہ

ہے، جس کے توسل سے آج بھی لاکھوں تشنہ کام سیراب اور شاداب ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر آشوب عہد میں پیدا فرمایا جب شریعت اور طریقت کے بنیادی اصولوں پر علمائے سوء، صوفیہ خام اور شاہان برصغیر اپنے اپنے انداز میں تیرزنی اور انگشت نمائی کا ارتکاب کر رہے تھے اب ضرورت تھی ایسے عظیم القدر انسان کی جو علم ظاہر کے ساتھ علم باطن کا بھی بحرِ زخائر ہوتا اور اپنی جولانی موجوں سے دلوں اور ذہنوں کی بنجر زمین کو فکر و آگہی کی ہریالیوں سے مالا مال کر دیتا۔ حضرت علامہ بدرالدین سرہندی علیہ الرحمۃ رقمطراز ہیں:

> ”حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہر صدی کے بعد قطبِ وقت کی صورت میں ظہور کرتا ہے اور ارشاد و ہدایت فرماتا ہے لیکن قطب الاقطاب کی صورت میں ظاہر ہونے کے لیے ایک ہزار سال تک اس کی طینت کی تخمیر کی جاتی ہے، مادرِ زمانہ اس کو تینتیس قرن (990 سال) اور دس سال تک اپنے شکم میں رکھتی ہے اور قضا و قدر کی دایہ اسے تین لاکھ اور سات ہزار دنوں تک تربیت دیتی ہے اور مشاطۂ ازل بارہ ہزار ماہ تک اس کے ظاہر و باطن کو آراستہ اور مزین کرتی ہے اور اسکی ظاہری اور روحانی زینت کرتی ہے اور آخر کو اول سے ملاتی ہے اس لیے اس کا ظہور بھرپور اور زیادہ سے زیادہ ہوتا ہے اور چونکہ یہ تجدید سراپا حقیقت و معنی (روحانیت) کا ظہور و بروز ہے اس لیے وہ سب کے لیے ہے اور سب کو شامل ہے یہی وجہ ہے کہ کارخانۂ رحمت اور خزانۂ فضل و احسان آپ کے حوالے کیا گیا اور وہ جو **وَمَا ارسلنک الا رحمۃ للعالمین** کا خطاب مستطاب اللہ پاک کی طرف سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا ہے تو ایک ہزار سال کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پرتو اس احمد (مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) پر ڈالا گیا۔ آپ کا ازلی نام عبدالرحمٰن ہے اور آپ زمانے کے لیے عجوبہ اور عطیاتِ الٰہی کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔
>
> (حضرات القدس ۲/ ۲۵ مطبوعہ مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ)

مظہریتِ محمدی کی اس سے بہتر دلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ قرآن حروفِ مقطعات کے اسرار جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے راز سبحانی تھے اور صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص تھے وہ آپ کے باطن پر ظاہر کیے گئے، ایسے خدیو کارخانۂ ہستی کی تعریف مجھ جیسے خود پرست سے کیا ہوسکتی ہے...... آپ کے اطوار، اسرار، مقامات اور کرامات کی تعداد بارش کے قطروں اور آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ ہے۔ (ایضا ۲۱/۲) بقول اقبال۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے جہاں اپنی کوشش پیہم سے نظام اسلام کو نافذ کروایا وہاں علم الکلام اور عرفان التصوف کی صدیوں پرانی الجھنوں کو دور فرمایا اور جسمانی و روحانی طور پر امت محمدیہ کی قیادت کا حق ادا کر دیا، آپ خود ارقام فرماتے ہیں:

> "وہ علوم جو مقام فنا فی اللہ اور بقا باللہ سے تعلق رکھتے ہیں، اللہ پاک نے محض اپنی عنایت سے مجھ پر منکشف فرما دیئے ہیں اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ ہر چیز کی خاص وجہ کیا ہے اور سیر فی اللہ کے کیا معنی ہیں، برقی تجلی کیا ہے، محمدی المشرب کون ہے، اسی طرح کی دوسری باتیں، اور ہر مقام میں اس کے لوازم اور ضروریات بتائی جاتی ہیں اور ان کو سیر کرائی جاتی ہے، بہت کم چیزیں ایسی ہوں گی جن کی نشاندہی اولیاء اللہ نے کی ہوگی اور وہ راستے میں چھوڑ دی گئی ہوں اور نہ دکھائی گئی ہوں، وہ شخص مقبول ہوگیا جس نے اسکو بلا چون و چرا تسلیم کرلیا۔ (بحوالہ حضرات القدس ۷۳/۲)

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ پر ولایت کے تین درجات منکشف فرمائے گئے، یعنی ولایتِ صغریٰ، ولایتِ کبریٰ اور ولایتِ علیا، ان تینوں کی تفصیل آپ نے مکتوبات شریفہ میں تحریر فرمائی ہے، (مکتوب ۲۶ دفتر ۱، مکتوب ۲۸۲ دفتر ۱، مکتوب ۳۰۲ دفتر ۱) اسی طرح آپ پر حقیقتِ قرآن، حقیقتِ کعبہ، حقیقتِ بیت المقدس کے اسرار منکشف فرمائے گئے اور یہ بھی ظاہر کیا گیا کہ ایک ہزار سال کے بعد حقیقتِ احمدی کے ساتھ حقیقت محمدی متحد کر دی گئی، اس کی تفصیل بھی آپ نے خود تحریر فرمائی ہے،

(مکتوب ۷۷ دفتر ۳، مکتوب ۱۲۴ دفتر ۳، مکتوب ۲۷ دفتر ۲) آپ کو قلوب خمسہ کے اسرار و علوم سے بھی نوازا گیا، مبداء معاد منھا ۱۲) آپ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سات درجہ متابعت سے نوازا گیا اور یہ آپ کی خصوصیات میں سے ہے، (مکتوب ۲۵ دفتر ۲) آپ پر تعین وجودی کہ جس کے متعلق آج تک کسی عارف نے لب کشائی نہیں کی تھی، ظاہر کیا گیا اور اس عالی مقام کے اسرار و برکات سے آپ کو ممتاز کیا گیا، (مکتوب ۸۹ دفتر ۳) آپ کی بلند استعداد کا یہ عالم ہے کہ دیگر صوفیہ کے نزدیک جو حق الیقین ہے وہ آپ کے نزدیک عین الیقین ہے، نیز فرمایا، یہ معارف احاطہ ولایت سے خارج ہیں اور علمائے ظاہر کی طرح ارباب ولایت بھی ان کو سمجھنے سے قاصر و عاجز ہیں، یہ علوم انوار نبوت کی مشکوٰۃ سے ماخوذ ہیں کہ دوسرے ہزار سال والی تجدید سے محض تبعیت اور وراثت کی وجہ سے تازہ ہوئے ہیں، (مکتوب ۴ دفتر ۲) آپ کو خزینہ دار رحمت کے بلند درجے پر فائز کیا گیا جیسا کہ دفتر اول کے مکتوب ۳۱۱ میں ہائے دوچشمی کی حقیقت کے سلسلے میں اشارہ فرمایا ہے آپ قیومیت کے وصفِ عظیم سے بھی متصف ہوئے (مکتوب ۱۱ دفتر ۲، مکتوب ۹۳ دفتر ۲، مکتوب ۸۰ دفتر ۳، مکتوب ۲۵۶ دفتر ۱) اس حقیقت کو مبداء و معاد کے ابتدائی حصے میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ الغرض جیسا وحشت ناک دور تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے تقاضوں کے مطابق کامل المعرفت انسان کو ہویدا کر دیا جو امم سابقہ والے اولوالعزم پیغمبر کا قائم مقام تھا اور جس نے علوم شرعیہ کو نظریہ استدلالیہ کے مطابق بدیہی اور کشفی بنایا اور نظریت سے ضرورت کی طرف قدم اٹھا کر پیاسی قوم کو راہنمائی عطا فرمائی۔

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

زیر نگاہ مضمون میں آپ کے لاتعداد کمالات میں سے صرف ایک کمال کو اجاگر کرنے کی مقدور بھر کوشش کی گئی ہے اور وہ ہے آپ کا کمال اجتہاد، اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم الکلام میں درجہ اجتہاد پر فائز فرمایا ہے، آپ خود ارقام فرماتے ہیں:

> مجھے توسطِ حال میں ایک رات جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم علم الکلام کے ایک مجتہد ہو، اس وقت سے لے کر مسائل کلامیہ میں میری رائے خاص اور میرا علم مخصوص ہے، اکثر مسائل

> خلافیہ میں ماتریدیہ اور اشاعرہ کا خلاف ہے، شروع مسئلہ میں اشاعرہ حق بجانب معلوم ہوتے ہیں لیکن نور فراست سے دیکھا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ ماتریدیہ حق بجانب ہیں، میری رائے ماتریدیہ کی رائے کے موافق ہے۔
>
> (مبداء و معاد منھا ۲۸) مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ علم الکلام کے ساتھ عرفان و سلوک کے بھی مجتہد اعظم ہوئے جیسا کہ حضرت علامہ اقبال نے اپنے ایک خطبہ یورپ میں ارشاد فرمایا ہے، (تشکیل جدید الٰہیات ص ۲۷۸ مطبوعہ لاہور) آپ کے صحیح مقام سے تو آپ کے شیخ کامل ہی آشنا تھے، انہوں نے آپ کے لیے کثیر العلم، قوی العلم، چراغے شود کہ عالم ہا از وے روشن گردند'' کے مبارک الفاظ استعمال کیے ہیں، (رقعات باقی باللہ ۶۵ بحوالہ حضرت مجدد اور ان کے ناقدین ص ۲۷ مطبوعہ دہلی) آپ کی اس شانِ اجتہاد کو اجاگر کرنے سے پہلے ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ''اجتہاد'' کے بارے میں علمی اور تحقیقی مواد فراہم کیا جائے، پھر آپ کے بیان کردہ ان مسائل اور افکار کی نشاندہی کی جائے جن سے آپ کی اجتہادی فراست کا ثبوت ملتا ہے، **وَمَا توفیقی الا باللّٰہِ القوی۔**

اجتہاد کا مفہوم:

لفظ اجتہاد کا لغوی معنیٰ ہے کوشش کرنا، اور اصطلاحی معنی ہے کسی شرعی مسئلے میں قرآن و حدیث سے استدلال کرنے کے لیے اپنی ذہنی اور فکری قوتوں کو استعمال کرنا، (کتاب التعریفات ص ۴، از علامہ میر سید شریف مطبوعہ ایران) اجتہاد کا مفہوم مندرجہ ذیل علماء کی تعریفات سے بھی بہت واضح ہو جاتا ہے۔

☆...... حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، کسی شرعی مسئلے میں کوشش کرکے اپنی ذاتی رائے کو قائم کرنے والا مجتہد کہلاتا ہے، (الرسالہ ص ۱۲۷ مطبوعہ قاہرہ مصر)

☆...... حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، شرعی احکام کو معلوم کرنے کے لیے کسی مجتہد کی از حد کوشش کا نام اجتہاد ہے اور مکمل اجتہاد یہ ہے کہ وہ کسی مسئلے میں اسقدر کوشش کرے کہ مزید غور و فکر کرنے سے اسکا نفس عاجز آ جائے، (المستصفیٰ ۲/۳۵۰ مطبوعہ قاہرہ مصر)

☆......حضرت امام ابن اثیر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، حاکم کا کسی مسئلہ کو قیاس کی روشنی میں قرآن وحدیث کی طرف لوٹانے کا نام اجتہاد ہے، (النہایہ ۱/۳۳۰ مطبوعہ ایران)

☆......حضرت امام ابن منظور افریقی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، کسی مسئلے کو کتاب وسنت کی طرف لوٹانے کا نام اجتہاد ہے، کتاب وسنت کی طرف لوٹائے بغیر اپنی ذاتی رائے کو اجتہاد نہیں کہا جا سکتا، (لسان العرب ۳/۱۳۵ مطبوعہ ایران)

اجتہاد کا ثبوت:۔

قرآن اور حدیث میں دینی مسائل کے متعلق غور وفکر سے کام لے کر کوئی ایسی رائے قائم کرنا جو ان کی بنیادی تعلیمات کے خلاف نہ ہو، بہت سے مقامات پر ثابت ہے، مثلاً ارشاد باری ہے۔

وداود وسليمان از يحكمان في الحرث اذ نفشت فيه غنم القوم وكنالحكمهم شٰهدينo ففهمنٰها سليمان وكلا اٰتينا حكماً وعلماًo

اور داود اور سلیمان کو یاد کرو جب کھیتی کا جھگڑا چکاتے تھے، جب رات کو اس میں کچھ بکریاں چھوٹیں اور ہم ان کے حکم کے وقت حاضر تھے، ہم نے وہ معاملہ سلیمان کو سمجھا دیا اور دونوں کو حکم اور علم کی دولت سے نوازا۔ (سورۃ الانبیاء آیت ۷۸،۷۹)

حضرت داود علیہ السلام کے روبرو ایک مسئلہ اٹھایا گیا کہ بکریاں چرانے والا موقع پر موجود نہیں تھا اور وہ کھیتی کھا گئیں تو اسکا کیا حل ہے، آپ نے تجویز کیا کہ بکریاں کھیتی کے مالک کو دے دی جائیں کیونکہ بکریوں کی قیمت کھیتی کے نقصان کے برابر تھی، حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر ابھی گیارہ سال تھی، آپ نے فرمایا، فریقین کے لیے اس سے زیادہ آسان صورت بھی ہوسکتی ہے، وہ یہ کہ بکری والا کاشت کرے اور جب تک کھیتی اس حالت کو پہنچے جس حالت میں بکریوں نے کھائی ہے، اس وقت تک کھیتی والا بکریوں کے دودھ وغیرہ سے نفع اٹھائے، بعد میں کھیتی والے کو کھیتی اور بکری والے کو اسکی بکریاں واپس کردی جائیں، یہ تجویز حضرت داؤد علیہ السلام نے پسند فرمائی، اس معاملے میں یہ دونوں حکم اجتہادی تھے اور اس شریعت کے مطابق تھے، ہماری شریعت میں حکم یہ ہے کہ اگر چرانے والا ساتھ نہ ہو تو جانور جو نقصانات کرے اس کا

ضمان لازم نہیں، حضرت مجاہد علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جو فیصلہ کیا وہ اس مسئلہ کا حکم تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو تجویز فرمائی یہ صورت صلح تھی، (خزائن العرفان ص ۳۹۴ مطبوعہ ضیاء القرآن لاہور) دونوں حضرات علیہما السلام کا اجتہاد اپنی اپنی جگہ درست تھا اس لیے دونوں کے حکم اور علم کو سراہا گیا، یہ بھی معلوم ہوا کہ جن علما کو اجتہاد کی اہلیت حاصل ہو انہیں ان امور میں اجتہاد کرنے کا حق ہے۔ جن میں کتاب وسنت کا حکم نہ پاسکیں۔ اگر اجتہاد میں خطا بھی ہو جائے تو بھی ان پر مواخذہ نہیں، (ایضاً) اسی طرح حدیث پاک سے بھی اجتہاد کا ثبوت ملتا ہے۔

> حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دو عورتیں اپنے بچوں کے ساتھ گامزن تھیں، ایک عورت کا بچہ بھیڑیا اٹھا کر لے گیا، دونوں میں تکرار ہوگئی ایک نے کہا کہ بھیڑیا تیرے بچے کو لے گیا ہے، دوسری نے کہا، نہیں تیرے بچے کو لے گیا ہے، حضرت داؤد علیہ السلام کے حضور مقدمہ دائر کیا گیا تو آپ نے فرمایا، یہ بچہ بڑی عورت کا ہے، وہ دونوں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئیں تو انہوں نے فرمایا، ایک چھری لاؤ تا کہ میں بچے کے دو ٹکڑے کر کے تم دونوں کو ایک ایک ٹکڑا عنایت کر دوں، چھوٹی عورت نے کہا، اللہ آپ پر رحم فرمائے، یہ بچہ اسی بڑی عورت کا بیٹا ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے بچہ چھوٹی عورت کو عطا کر دیا (کیونکہ اس سے ممتا کی مخصوص محبت کا اظہار ہوا تھا)
>
> (صحیح مسلم ۲/ ۷۷)

> ایک سرد رات میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر غسل فرض ہوا تو انہوں نے تیمم کیا اور یہ آیت تلاوت کی (ترجمہ) "اپنے آپ کو قتل نہ کرو، اللہ تعالیٰ تم پر مہربانی کرنے والا ہے" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا گیا تو آپ نے کوئی اعتراض نہ کیا،
>
> (صحیح بخاری ۱/ ۳۹ مطبوعہ کراچی)

حضرت امام بدرالدین عینی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: حضور اکرم ﷺ کے اعتراض نہ کرنے اور ان کے نماز نہ لوٹانے سے یہ معلوم ہوا کہ ایسی صورت میں بھی تیمم جائز ہوتا ہے، پھر اس سے یہ قاعدہ اخذ ہوا کہ جس آدمی کو پانی کے استعمال سے ہلاکت کا خطرہ ہو وہ تیمم کرسکتا ہے، یہ خطرہ سردی کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے آدمی مسافر ہو یا مقیم، جنبی ہو یا بے وضو، پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانِ ظاہر میں بھی اجتہاد ہوا کرتا تھا، (عمدۃ القاری شرح البخاری ۴/۳۴ مطبوعہ مصر)

> حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احزاب سے واپس ہوئے تو ہمیں حکم دیا کہ بنوقریظہ میں پہنچ کر نماز ادا کرنا، راستے میں نماز کا وقت ہو گیا، بعض صحابہ کرام نے کہا کہ ہم بنوقریظہ میں پہنچ کر ہی نماز ادا کریں گے، بعض صحابہ کرام نے کہا کہ ہم نماز ادا کریں گے کیونکہ آپ کی یہ منشا نہیں تھی، پھر رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا گیا تو آپ نے کسی فریق کو بھی مورد اعتراض نہیں ٹھہرایا، (صحیح بخاری ۱/۱۲۹ مطبوعہ کراچی)

حضرت علامہ بدرالدین عینی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں، اس مسئلہ میں صحابہ کرام کے نزدیک دلائل متعارض ہو گئے تھے، آپ کا ارشاد تھا، بنوقریظہ میں نماز ادا کرنا تو دوسری طرف نماز کو وقت مقرر پر ادا کرنے کا حکم موجود تھا، چنانچہ بعض صحابہ کرام نے یہ سمجھا کہ حدیث میں جلد پہنچنے کا حکم تھا اور انہوں نے نماز ادا کر لی جبکہ بعض صحابہ کرام نے ظاہر الفاظ پر عمل کیا اور نماز ادا نہ کی، چونکہ دونوں فریقوں نے اجتہاد کیا تھا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فریق پر بھی اعتراض نہ کیا، (عمدۃ القاری شرح البخاری ۶/۲۶۵ مطبوعہ مصر)

> حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قاضی یمن بنا کر بھیجا اور پوچھا، تم کیسے فیصلہ کرو گے، میں نے کہا، اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا، فرمایا اگر اللہ کی کتاب میں صراحت نہ ملے تو پھر کیا کرو گے، میں نے عرض کیا، میں رسول اللہ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا، فرمایا، اگر رسول اللہ کی

سنت میں بھی صراحت نہ ملے تو پھر کیا کرو گے، میں نے عرض کیا، میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا، فرمایا الحمدللہ الذی وفق رسول اللہ، اللہ تعالیٰ کے لیے تمام تعریف جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرستادہ کو یہ توفیق بخشی۔ (جامع ترمذی ص ۲۱۰ مطبوعہ کراچی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب کوئی حاکم اجتہاد سے فیصلہ کرے اور وہ صحیح ہو تو اس کو دو اجر نصیب ہوتے ہیں اور اگر وہ فیصلے میں خطا کر جائے تو اسکو ایک اجر نصیب ہوتا ہے، (ایضاً ص ۲۱۰)

ان تمام احادیث نبویہ میں اجتہاد کا ثبوت پایا جاتا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ اجتہاد کی شرائط کیا ہیں، حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

مجتہد کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ اسکا علم تمام شرعی علوم کا احاطہ کرتا ہو اور وہ اپنے فکرِ رسا سے شرعی حکم معلوم کر سکتا ہو اور وہ یہ بھی جانتا ہو کہ مسائل کو اخذ کرنے کے لیے کون سے علوم مقدم ہیں اور کون سے علوم موخر ہیں۔

مجتہد کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ وہ تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو اور ان گناہوں سے بچتا ہو جو اس کے تقویٰ کے خلاف ہوں۔

شرعی علوم میں کتاب وسنت اجماع اور عقلی علوم کی امداد سے استدلال کی قوت پیدا ہوتی ہے، علم کتاب سے مراد کتاب کی تمام آیتوں کا علم مراد نہیں بلکہ ان آیتوں کا علم مراد ہے جو احکام سے متعلق ہیں اور ان کی تعداد پانچ سو ہے، یہ ضروری نہیں کہ وہ پانچ سو آیتیں بھی حفظ ہوں بلکہ یہ ضروری ہے کہ مجتہد کو ان کے مقامات کا علم حاصل ہو تا کہ بوقتِ ضرورت ان کو تلاش کر سکے، علم سنت سے مراد تمام احادیث کا علم مراد نہیں بلکہ ان احادیث کا علم مراد ہے جو احکام سے متعلق ہیں،

مجتہد کو معلوم ہونا چاہیے کہ مثلاً سنن ابی داؤد اور سنن بیہقی میں کونسے احکامات کے بارے میں احادیث مروی ہیں تاکہ بوقتِ ضرورت انہیں تلاش کر سکے، علم اجماع سے مراد یہ ہے کہ مجتہد کو معلوم ہونا چاہیے، پہلے کن احکام و مسائل میں اجماع وارد ہو چکا ہے تاکہ اس کا اجتہاد اجماع امت کے خلاف نہ ہو جائے۔

کتاب و سنت کے علوم کو جاننے کے لیے مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ لغت، صرف، نحو، بلاغت کے علوم سے بہرہ مند ہو، یہ ضروری نہیں کہ اسے ان علوم میں زمخشری، اصمعی، خلیل اور سیبویہ کی طرح عبور ہو بلکہ اس قدر مہارت کی ضرورت ہے جس سے وہ عرب کے اسلوب کے مطابق احکام کو صحیح طریقے سے سمجھ سکے۔

مجتہد کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ وہ عقائد اسلام کے مضبوط دلائل سے مکمل آشنا ہو، یہاں تک کہ وہ عقلی دلائل سے عالم کے حدوث، باری تعالیٰ کے وجود، وجوب اور وحدانیت، نبوت کی ضرورت، قرآن کے اعجاز اور ختم نبوت کو ثابت کر سکے تاکہ علم الکلام میں اسکا مقام مقلد سے اعلیٰ ہو،

مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ اسے صریح، مجمل حقیقت، مجاز، عام، خاص، محکم، متشابہ، مطلق، مقید، ناسخ اور منسوخ کا علم حاصل ہو۔

مجتہد کو چاہیے کہ وہ سنت کے ساتھ مخصوص علوم کو بھی حاصل کرے تاکہ صحیح اور فاسد، مقبول اور مردود روایت میں پہچان کر سکے، اسے روایت کے راویوں کی معرفت حاصل ہو سکے، ہاں جن کتابوں کی روایات کی صحت پر اجماع امت ہے مثلاً صحیحین کی روایات تو ان میں اس کے لیے امام بخاری و مسلم کی تقلید کافی ہے، اس طرح راویوں کے ضعف و ثقاہت کے لیے جرح و تعدیل کے اماموں کی تقلید کافی

> ہے جبکہ وہ امام اس فن میں شہرت دوام کے حامل ہوں اور امت کو ان کی تحقیق پر اعتماد ہو۔
> علم الکلام کے تفصیل مباحث اور علم الفقہ کی تعریفات کو جاننا ضروری نہیں کیونکہ یہ دوسرے مجتہدین کے اجتہاد کا ثمر ہیں اور ایک مجتہد پر دوسرے مجتہد کی تقلید ضروری نہیں، (المستصفی ۲/۳۵۰ مطبوعہ قاہرہ مصر)

اسی طرح اجتہاد کے لیے ایک دائرہ کار متعین ہے، کسی شخص کو اجازت نہیں کہ جس دینی مسئلے پر چاہے اپنی فکری موشگافیوں سے رائے زنی کرتا رہے، قرآن کریم اور احادیث رسول عظیم سے جو عقائد ثابت ہیں ان میں اجتہاد جائز نہیں مثلاً توحید و رسالت، ملائکہ، تقدیر، حیات بعد الممات وغیرہ، اسی طرح جن مسائل میں اجماع امت واقع ہو چکا ہے ان میں بھی اجتہاد کی گنجائش نہیں، اجتہاد کے دائرے میں فرعی اور عملی مسائل داخل ہیں جن میں اختلاف کرنے والا گنہگار نہیں ہوتا، اگر ان مسائل میں کسی صاحب فکر کی تحقیق صحیح ہوئی تو اسے دو اجر نصیب ہوں گے، غلط ہوئی تو ایک اجر حاصل ہوگا، (المستصفی ۲/۳۵۴) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت و رسالت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے مگر اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے، اگرچہ ائمہ اربعہ کے بعد ان کی قابلیت علمی کے برابر کسی بھی شخص کا مقام نہیں لیکن جن مسائل میں ان سے کوئی روایت مروی نہیں ان میں ائمہ اربعہ کے قائم کردہ ضابطوں کی اتباع کرتے ہوئے اہل علم و فضل اجتہاد کر سکتے ہیں اور عصر حاضر کے نت نئے فتنوں اور آزمائشوں کا حل تلاش کر سکتے ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے عہد پر آشوب کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ قوم کو بہت سے مسائل نے الجھا رکھا تھا، کلام اور عرفان کے نام پر اسلام کے بنیادی عقائد پر تیشے چلائے جا رہے تھے، آپ نے عقلی اور کشفی طور پر بھی صوفیہ کے مقابلے میں علماء کے اقوال و افکار کو ترجیح دی اور خود اپنے مجتہد فی المسائل، صاحب التخریج اور صاحب الترجیح ہونے کا ثبوت فراہم کیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو کمال درجے کی ژرف نگاہی اور وسعتِ علمی سے سرفراز فرمایا جو اس دور کی راہنمائی کے لیے اشد ضروری تھی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہزارہ دوم کے جملہ مسائل کا حل آپ کے علمی و عملی کمالات میں پوشیدہ ہے، جناب ملک حسن علی جامعی غیر مقلد ہو کر تحریر کرتے ہیں:

> ''اگر اہلِ اسلام انصاف سے کام لے کر شیخ مجدد کی تعلیمات کو آویزہ گوش بنائیں تو مسلمانوں کی بہت سی تلخیاں دور ہو سکتی ہیں اور بہت

سے خانہ برانداز جھگڑے نمٹائے جا سکتے ہیں’’

(تعلیمات مجددیہ ص ۲۳)

آئیے اب حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے اجتہادات اور علمی کمالات کا نظارہ کیجیے جن سے ایک زمانے نے استفادہ کیا اور قیامت تک اہل علم وفکر جن کی خیرات سے مالا مال ہوتے رہیں گے۔

قضائے مبرم اور قضائے معلق

اللہ تعالیٰ کی قضا، قدر اور تقدیر کا معاملہ بہت ہی نازک ہے، جب تک قرآن وحدیث کا سہارا نصیب نہ ہو، انسانی تفکر وتدبر اسکی گہرائیوں کو نہیں پا سکتا، حضرت علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی لکھتے ہیں۔ امام تفتازانی نے تلویح میں لکھا ہے، قضا کا معنی حکم اور فعل ہے، حکم اس آیت سے ثابت ہے **وقضی ربک الاّتعبدو الاّ ایاہ** تمہارے رب نے حکم دیا کہ اسکے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے، اور فعل اس آیت سے ثابت ہے، **فقضاھن سبع سمٰوٰت**، پس ان کو مکمل سات آسمان بنایا، (حاشیہ علی الخیالی ص ۲۸۸ مطبوعہ کوئٹہ) آپ مزید فرماتے ہیں: قضا کے تین مطلب ہیں:

☆ ......لغوی طور پر حکم اور فعل کا نام قضا ہے۔

☆ ......اشاعرہ کی اصطلاح میں جتنی اشیا نفس الامر میں واقع ہیں، ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا جو ارادہ ازل سے متعلق تھا، اسکا نام قضا ہے۔

☆ ......فلاسفہ کی اصطلاح میں تمام موجودات کے بارے میں خدا تعالیٰ کے علم ازلی کا نام قضا ہے۔ اور یہی علم تمام موجودات کے لیے فیض کا مبداء ہے۔ اسکو حکما اشیاء کے وجود اجمالی، وجود ظلی، لوح محفوظ اور جوہر عقلی سے تعبیر کرتے ہیں، محقق طوسی نے لکھا ہے کہ عالم عقلی میں موجودات کا تخلیق کے طور پر اکٹھا ہونا قضا کہلاتا ہے اور خارج میں اپنے مواقع پر یکے بعد دیگرے واقع ہونا قدر ہے۔ قرآن پاک میں ہے، **وان من شئ الا عندنا خزآئنہٗ وما نزلہ الابقدر معلوم** اور کوئی چیز نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں اور ہم اسے نہیں اتارتے مگر ایک معلوم اندازے سے، (سورۃ الحجر آیت ۲۱) امام تفتازانی نے بھی رقم کیا ہے کہ حکما کے نزدیک مخلوقات کا وجود قضا ہے (حاشیہ علی الخیالی ص ۲۸۸ مطبوعہ کوئٹہ) امام تفتازانی

نے تقدیر کے متعلق لکھا ہے: ہر مخلوق کے حسن، قبح، نفع، ضرر، زمان یا مکان اور اس کے ثواب اور عقاب کی حد مقرر کا نام اسکی تقدیر ہے۔ (شرح عقائد نسفی ص ۶۳ مطبوعہ دہلی)۔

اگر کسی عقلِ نارسا کی طرف سے یہ اعتراض کیا جائے کہ تقدیر پر ایمان لانے سے یہ لازم آتا ہے کہ کافر اپنے کفر اور فاسق اپنے فسق میں مجبور ہے، اسکو ایمان واطاعت کا مکلف ٹھہرانا کیونکر صحیح ہوگا، اسکا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ کافر اور فاسق اپنے اختیار سے کفر اور فسق کا ارتکاب کریں گے اس لیے اس نے ان کے اختیار سے ان کے کفر اور فسق کا ارادہ کیا لہٰذا یہ جبر نہیں ہے اور نہ انہیں محال امر کا مکلف ٹھہرایا گیا ہے۔ اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ تقدیر ثابت ہے اور اسکا معنی ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو مقدر کیا اور اسے علم تھا کہ یہ اشیاء ان اوقات میں اس طرح واقع ہوں گی تو اب وہ اشیاء اسکے علم ازلی کے مطابق واقع ہوتی ہیں۔ قدریہ تقدیر الٰہی کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو مقدر نہیں کیا اور نہ ہی اسکو پہلے سے ان کا علم تھا، ان کے واقع ہونے کے بعد اسکو علم حاصل ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قدریہ اس امت کے مجوس ہیں، قضا کی دو قسمیں ہیں، مبرم اور معلق قضائے مبرم اٹل ہے، اس میں تبدیلی ممکن نہیں جبکہ قضائے معلق تبدیل ہو سکتی ہے، دونوں قضاؤں کا قرآن پاک میں ثبوت ہے، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے قضا کا تیسرا درجہ بھی بیان کیا ہے، اور غالباً یہ آپ کے فکر رسا کا نتیجہ ہے، فرماتے ہیں:

> اے میرے سعادت مند بھائی! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ قضا دو قسم پر ہے، قضائے معلق اور قضائے مبرم، قضائے معلق میں تغیر وتبدل کا احتمال ہے اور قضائے مبرم میں تغیر وتبدل کی مجال نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، **مایبدل القول لدی**، میرا قول کبھی تبدیل نہیں ہوتا، یہ قضائے مبرم کے بارے میں ہے، اور قضائے معلق کے بارے میں فرماتا ہے، **یمحوا اللہ مایشاء ویثبت وعندہٗ ام الکتاب**، جسے چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب ہے، میرے قبلہ حضرت گاہی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہٗ نے اپنے بعض رسالوں

میں لکھا ہے کہ قضائے مبرم میں کسی کو تبدیلی کی مجال نہیں ہے مگر مجھے ہے، اگر چاہوں تو میں اس میں بھی تصرف کروں، اس بات سے بہت تعجب کیا کرتے تھے اور بعید از فہم فرماتے تھے، یہ نقل بہت مدت تک اس فقیر کے ذہن میں رہی یہاں تک کہ حضرتِ حق تعالیٰ نے اس دولت سے مشرف فرمایا، ایک دن ایک بلّیہ کے دفع کرنے کے درپے ہوا جس کسی دوست (طاہر بندگی) کے حق میں مقرر ہو چکی تھی، اس وقت بڑی التجا، عاجزی اور نیاز و خشوع کی تو معلوم ہوا کہ لوح محفوظ میں اس امر کی قضا کسی امر سے معلق اور کسی شرط سے مشروط نہیں ہے، اس بات سے بڑی یاس اور ناامیدی حاصل ہوئی اور حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہٗ کی بات یاد آئی، دوبارہ پھر ملتجی اور متضرع ہوا اور بڑی عجز و نیاز سے متوجہ ہوا، تب محض فضل و کرم سے اس فقیر پر ظاہر کیا گیا کہ قضائے معلق دو طرح پر ہے، ایک وہ قضا ہے جس کا معلق ہونا لوحِ محفوظ میں ظاہر ہوا ہے اور فرشتوں کو اس پر اطلاع ہے اور دوسری وہ قضا ہے جس کا معلق ہونا صرف خدا تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور لوح محفوظ پر قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے اور قضائے معلق کی اس دوسری قسم میں بھی پہلی قسم کی طرح تبدیلی کا احتمال ہے، پھر معلوم ہوا کہ حضرت سید جیلانی قدس سرہٗ کی بات بھی اسی اخیر قسم پر موقوف ہے جو قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے نہ اس قضا پر جو حقیقت میں مبرم ہے کیونکہ اس میں تصرف و تبدیلی عقلی اور شرعی طور پر محال ہے اور حق یہ ہے کہ جب کسی کو اس قضا کی حقیقت پر اطلاع ہی نہیں ہے تو پھر اس میں تصرف کیسے کر سکے، اس آفت و مصیبت کو جو اس دوست پر پڑی تھی قسم اخیر میں پایا اور معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے اس بلیہ کو دفع فرما دیا ہے، الحمد للّٰہ ذٰلک حمداً کثیراً طیباً مبارکاً۔ (مکتوب ۲۱۷ دفتر ۱)

حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے قضا اور قدر کے حوالے سے غور وفکر سے کام لیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اسکا تیسرا درجہ بھی متعین ہے یعنی جو صورۃً جرم ہے لیکن حقیقتاً معلق ہے اور اس میں تصرف کی اجازت خاص الخاص محبوبانِ خدا کو نصیب ہوتی ہے۔ دو نام تو ہمارے سامنے نکھر کر آ گئے، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی، کچھ اور برگ بھی ہوں گے جنہیں فضل الٰہی کا خاص حصہ ضرور نصیب ہوا ہوگا یہ تو اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

آپ کے غور وفکر کرنے سے جو مسئلہ اجاگر ہوا اس سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کا قولِ مبارک بھی سمجھ میں آ گیا، حقیقی قضائے مبرم کا تغیر وتبدل سے پاک ہونا بھی اظہر من الشمس ہو گیا، یہی آپ کا وہ فکری اجتہاد، دینی معاملے میں کاوشِ پیہم اور علمی کمال ہے جس کا اظہار آپ سے پہلے شاید ہی کسی نے کیا ہو، **واللہ یختص برحمتہ من یشآء۔**

وحدۃ الشہود کا نظریہ

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی جلوہ گری سے پہلے عرفان وتصوف کی دنیا میں حضرت شیخ اکبر بن عربی قدس سرہٗ کے نظریہ وحدۃ الوجود کا راج تھا، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اس نظریے کو مختصر الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے۔

> ''شیخ اکبر کہتے، وجود صرف اللہ تعالیٰ کا ہے، اسکی صفات کا ظہور ہوا۔ اس کی صفات میں سے ایک صفت علم ہے۔ اللہ کے علم میں تمام اشیاء کی تفصیل موجود ہے، اشیاء کی تفصیل کا نام ''اعیان ثابتہ'' ہے۔ اعیان ثابتہ کا عکس باہر پڑا اور ان کا ظہور ہوا۔ ممکنات کی جو شکلیں نظر آ رہی ہیں وہ موہومی ہیں، حقیقت میں صرف ایک ہی ذات وحدہٗ لاشریک کی ہے۔ اور چونکہ یہ موہومی شکلیں خلاق عظیم جل جلالہ کی صفت ہیں اس لیے ان میں اتفاق ہے اور اتفاق بھی ایسا ہے کہ ان پر ثواب وعقاب کا ظہور ہوتا ہے۔ شیخ اکبر نے جب تمام اشیاء کو موہومی عکس قرار دے دیا تو ہمہ اوست کہنا ان کے لیے جائز ہوا (مکتوب ۸۹ دفتر ۳)

اس نظریہ وحدۃ الوجود یعنی ہمہ اوست کا مفہوم کچھ بھی ہو، اکبر و جہانگیر جیسے آزاد منش بادشاہوں کے دور میں شریعت سے بیزار صوفیوں نے اس کو غلط معانی کا لباس پہنا کر عوام الناس کو گمراہ کرنا شروع کر دیا، اول تو اسکو عوام الناس کے سامنے بیان کرنے کا مقصد ہی کیا تھا، یہ کوئی اسلام کا اعتقادی مسئلہ نہیں تھا جس پر انسان کی نجات کا دارو مدار ہوتا ہے، حضرت علامہ غلام یحییٰ علیہ الرحمۃ ''کلمات الحق'' میں ارقام فرماتے ہیں ''وحدتِ الوجود اور وحدتِ الشہود کا مسئلہ دین کے ان ضروری مسائل سے نہیں ہے جن پر ایمان اور اسلام کا مدار ہو...... توحید وجودی حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ اور ان کے معاصرین و تبعین کے دور سے کچھ اس طرح اشاعت پذیر ہوئی، اس مسئلہ کے مبادی و مقاصد کی تحقیق میں کچھ اتنی کتابیں اور رسالے لکھے گئے اور اس دور میں اسکا رواج کچھ اس قدر بڑھ گیا کہ نادانوں کا ایک گروہ زمرۂ صوفیہ میں داخل ہو گیا ہے اور صرف اس مسئلہ پر اعتقاد رکھنے کو ہی دین کا کمال تصور کرتا ہے اور ظاہر شریعت کو ناقابل اعتنا اور ظاہر رسمیں قرار دیتا ہے، شریعت کا اتباع تو امتِ محمدیہ کا سب سے بڑا کمال ہے اور سعادتِ سرمدی کی کامیابی اسی سے وابستہ ہے، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے دور میں تو گمراہی کا یہ سلسلہ اتنا دراز ہو گیا تھا کہ اسکو روکنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا، ملا عبدالقادر بدایونی کے بقول شیخ تاج الدین اکثر دربار اکبری میں باریاب ہوتے، رات بھر رہتے اور وجودی فلسفے پر تقریریں کرتے، خود ابوالفضل بھی اسی غلط تعبیر و تشریح سے متاثر نظر آتا ہے، وہ اس لیے کہ اس کے مقاصد پورے ہو رہے تھے، ابوالفضل کے خیالات خاص قسم کی ذہنی کیفیت کی غمازی کرتے ہیں کہ اے خدا! میں تیرے طالبوں کو ہر معبد میں دیکھتا ہوں، ہر زبان میں تیری ہی حمد کی جاتی ہے، ہر مذہب یہی تعلیم دیتا ہے کہ تو وحدہٗ لاشریک ہے، مسجد و مندر ہو یا گرجا، ہر جگہ تیری ہی عبادت کی جاتی ہے، کبھی میں تجھ کو گرجا میں تلاش کرتا ہوں اور کبھی مسجد میں، ہاں ایک معبد سے دوسرے معبد میں تلاش کرتا پھرتا ہوں، اے خدائے برتر! تیرے ہاں دین والحاد کا کوئی امتیاز نہیں وغیرہ، (سیرت مجدد الف ثانی ص ۱۰۰ مطبوعہ کراچی) اس ماحول میں فکر و عرفان اور علم و کلام کے اس عظیم مسئلے پر تفکر و تدبر کی شدید ضرورت تھی اور اس کام کے لیے وہی شخصیت مناسب تھی جسکو وحدۃ الوجود کا پورا پورا ادراک نصیب ہوتا، اللہ تعالیٰ نے یہ کمالِ فکر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو عطا فرمایا، آپ ارقام فرماتے ہیں: ''مخدوما! اس فقیر کا مشرب خردسالی سے اہل توحید کا مسلک رہا ہے، فقیر کے والد (حضرت شیخ عبدالاحد سرہندی علیہ الرحمۃ) کا مشرب بہ ظاہر اس پر تھا، مع حصول نگرانی بہ جانب مرتبہ بے کیفی مشہور ہے

کہ فقیہ کا بیٹا آدھا فقیہ۔ فقیر کو از روئے علم اسی مشرب سے حظِ وافر اور لذتِ عظیم حاصل تھی اور حضرت خواجہ (باقی باللہ علیہ الرحمۃ) سے بیعت ہونے کے بعد توحید کے اسرار کا انکشاف مجھ پر ہوا، مجھ پر ان تمام حقائق کا انکشاف ہوا جن کو شیخ اکبر علیہ الرحمۃ نے نصوص میں بیان کیا ہے، بلکہ وہ اسرار بھی ظاہر ہوئے جن کو شیخ اکبر خاتم الولایت سے مخصوص سمجھتے ہیں۔ (مکتوب ۳۱ دفتر ۱)

آپ نے اپنی خداداد صلاحیت اور قابلیت کو بروئے کار لاتے ہوئے صرف رضائے الٰہی کے لیے کشف و شہود کے سمندر میں غوطہ لگایا اور وحدۃ الشہود کے گوہرِ مراد سے فلاح یاب ہوئے، اس محنتِ دینی اور مشقتِ فکری کے نتیجے میں نہ مغرور ہوئے اور نہ بزرگانِ طریقت کے متعلق کوئی توہین آمیز رویہ اپنایا، خود ارقام فرماتے ہیں:

> ’’مسئلہ وحدۃ الوجود میں کسی کی مخالفت سے مجھ کو کوئی اندیشہ نہیں، اندیشہ اس وقت ہوتا کہ مجھ کو اپنے کشف میں کچھ تذبذب ہوتا، جبکہ نورِ فجر کی طرح وضاحت کے ساتھ مجھ پر حقیقت واضح ہو چکی ہے تو پھر تذبذب کس بنا پر، اس مسئلہ کا تعلق اگر اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اسکی تصدیق و تنزیہ سے نہ ہوتا تو میں ہرگز اپنے کشوفات کا اظہار نہ کرتا اور حضراتِ مشائخ کے خلاف ایک لفظ بھی زبان پر نہ لاتا، میں ان حضرات کے انبارِ دولت کا ایک ادنیٰ ریزہ گیر اور ان کے خوانِ انعامات کا ایک کمترین خوشہ چین ہوں۔ (مکتوب ۴۲ دفتر ۲)

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے ’’ہمہ اوست‘‘ کو عارف خدا کی منزل قرار نہیں دیا بلکہ فرماتے ہیں، جنہوں نے اپنی عمریں توحید وجودی میں صرف کر دی ہیں، محسوس کریں گے کہ انہوں نے اس دریائے بے کنار سے پورا ایک قطرہ بھی حاصل نہیں کیا ہے، مزید فرماتے ہیں، توحید وجودی مقام یک بینی ہے جو سکر و مدہوشی کا مقام ہے اور یہ ولایت کا ادنیٰ مقام ہے اور اس سے بالاتر دائرۂ ظلال ہے، جب سالک اس مقام میں داخل ہوتا ہے، وہ اسماء و صفات کے ظلال میں سیر کرتا ہے اور اس سے بالاتر مقام عبدیت ہے، یہ حضرات انبیاء کرام کا مقام ہے، اس میں صحو و آگاہی ہے، سالک کی زبان پر توحید وجودی کے مقام میں لامحالہ ’’انا الحق‘‘ جاری ہوگا اور دائرہ ظلال میں ’’سبحانی ما اعظم شانی‘‘ کی صدا بلند ہوگی اور مقام عبدیت میں

''لااحصی ثناء علیک'' کے مبارک الفاظ آئیں گے، یہ مقام فرق ہے، اس مقام میں العبد عبدٌ والرب ربٌ یعنی بندہ، بندہ ہے اور رب، رب ہے کے اسرار کھلتے ہیں، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے ان تینوں مقامات کا ذکر دفتر اول کے مکتوب ۱۴ میں کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان تینوں مقامات کی سیر کرائی ہے چنانچہ از روئے کشف وبصیرت فرماتے ہیں کہ ہمہ اوست وہ شخص کہہ سکتا ہے جو مقام توحیدِ وجودی میں ہے اور جو شخص اس مقام میں نہیں ہے وہ ''ہمہ از اوست'' کہے گا۔ ''ہمہ از اوست'' کا جملہ نص قرآنی سے ثابت ہے۔ ''کلٌ من عند اللہ '' لہٰذا اسکی افادیت اور ثقاہت زیادہ مسلمہ ہے، اسی کو آپ نے ''وحدۃ الشہود'' کے نام سے معنون کر کے خالق اور مخلوق کے اتحاد کی تحریک کو ختم کر دیا، آپ کے نزدیک وحدۃ الشہود کی تعریف یہ ہے:

> ''اللہ تعالیٰ کی ذات واجب الوجود ہے، وہ قادر مطلق ہے، اس نے اپنی قدرت کاملہ سے عدم سے ممکن کو پیدا فرمایا، عدم پر شر وفساد اور ظلمت وخرابی کا ماؤی ہے، یہ عدمی حصہ بمنزلہ اصل اور مادہ کے ہے، اس عدمی حصہ پر اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا ظل وپرتو پڑا۔ جس اسم وصفت کا اصل پرتو پڑا وہ اس صفت سے متصف ہوا، اگر اسم الہادی کا پرتو پڑا ہے تو ہدایت پائی، اگر العلیم کا پرتو پڑا ہے تو علم سے محلّی ہوا اور اگر المضل کا پرتو پڑا ہے تو ضلالت میں پڑا، اس طرح باقی صفات کی کیفیت ہے،

آپ ممکن کا عدمی وجود ثابت کرتے ہیں جو کہ بہ یمن ظلال اوصافِ الٰہیہ قائم ہے، آپ فرماتے ہیں کہ ظل عینِ اصل نہیں ہے، آپ کے نزدیک ممکن کا وجود نہ ازلی ہے، نہ ابدی، اسکی تخلیق ہوئی ہے، اور اس کے لیے فنا ہے۔ آپ کے مسلک کی تائید اس حدیث حسن سے ہو رہی ہے جو جامع ترمذی کے باب افتراق ھذہ الامۃ میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

> ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے خلقت کو ظلمت میں پیدا کیا، پھر اپنے نور کی تجلی ان پر کی، جس پر وہ نور پڑا اس نے ہدایت پائی اور جو محروم رہا وہ گمراہ ہوا، لہٰذا میں کہتا ہوں کہ اللہ کے علم پر قلم خشک ہو چکا ہے''

اس کی تشریح میں حضرت زید الفاروقی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، جہاں حضرت وجود ہے، وہ نور ہی نور ہے، اللہ نور السمٰوٰت والارض، عدم ہی ظلمت ہے اور وہی بے نور اور شر و فساد کا معلا ہے، کائنات کی اصل وہی ہے اور اس پر اسماء و صفات کی تجلی ہوئی، جس اصل پر جس اسم و صفت کا نور پڑا وہ اس صفت سے بہرہ افروز ہوا اور جس اسم و صفت کا نور نہیں پڑا اس سے بے بہرہ رہا، ممکن کو نقائص اپنی اصل سے اور کمالات اسماء و صفات کی تجلی سے ملے ہوئے ہیں، اس طرح **ما اصابک من حسنۃ فمن اللہ وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک** کی تفسیر واضح ہوئی، یعنی جو بھلائی تجھ کو پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی تجھ کو پہنچے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے، ممکن کا وجود ہے اور وہ اپنے اجزا سے، اپنی صورت سے، اپنی حقیقت سے ممکن اور حادث ہے، اسکی حقیقت کے لیے "وجوبی تعین" کس طرح ہوسکتا ہے، اسکی حقیقت پر اسماء و صفات کا نور و ظل پڑا ہے وہ ظلِ موہومی نہیں بلکہ حقیقی ہے اور اس ظل سے اسکی حقیقت کا قیام ہے اور وہ ظل عین اصل نہیں، ظل کو عین اصل نہیں کہا جاسکتا۔ (جہانِ امام ربانی ۲/۷۴۵ مطبوعہ کراچی)۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے حضرت شیخ اکبر اور دیگر وجودی صوفیہ سے ایک اور اہم نظریے میں بھی اختلاف فرمایا، وہ نظریہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے مرتبہ ذات میں غنا ثابت ہے۔ مرتبہ صفات و افعال میں غنا ثابت نہیں۔ بلکہ وہ اس مرتبے میں ممکنات کا محتاج ہے کیونکہ موصوفات کے بغیر صفات کا ظہور نہیں ہوتا، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمہ وقت ہر حال میں غنی ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں ہے بلکہ مخلوق اسکی محتاج ہے، **یٰایہا الناس انتم الفقرآء الی اللہ واللہ ہو الغنی الحمید**، اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی طرف تم ہی محتاج ہو، اور اللہ تعالیٰ ہی بے پروا اور سب تعریفوں والا ہے، ممکنات کے اوصاف اپنے ظہور میں موصوفات کے محتاج ہیں، پروردگار کے اوصاف کو احتیاج سے کیا کام۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
و ز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے موقف کی تائید اور بھی نصوصِ قطعی سے حاصل ہے، آپ نے علمی اور فکری طور پر اپنے نظریے کو قرآن و حدیث سے مزین فرمایا ہے، اور طریقت کے اس اہم موضوع کو شریعت کے اصولوں کی طرف لوٹایا ہے تاکہ گمراہی کا کوئی شائبہ باقی نہ رہے۔ آپ کی اس کاوش پیہم کی سب سے پہلے آپ کے مرشدِ کریم حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی علیہ الرحمۃ نے تصدیق فرمائی جو توحیدِ

وجودی پر کاربند تھے اور اپنے رسالوں اور خطوں میں اسکو ظاہر فرماتے تھے۔ ان کے مخلص مرید حضرت میاں عبدالحق کا بیان ہے مرض الموت سے ایک ہفتہ پہلے انہوں نے فرمایا، مجھے عین الیقین سے معلوم ہو گیا ہے کہ توحید وجودی ایک تنگ کوچہ ہے اور شاہراہ اور ہے، اس سے پہلے بھی جانتا تھا مگر اب ایک قسم کا یقین حاصل ہو گیا ہے'' (مکتوبات مکتوب ۴۳ دفتر ۱) حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے نظریہ وحدۃ الشہود سے بارگاہِ صمدیت کا ادب واحترام بھی نکھر کر سامنے آتا ہے، آپ ارقام فرماتے ہیں:

> ''اشیاء کیا ہیں جو اسکا مظہر ہو سکیں، درکدام آئینہ درآید او، اور ان میں یہ طاقت ومجال کہاں ہے کہ ظہور کے اعتبار سے بھی اس پر محمول ہو سکیں، اگر مظہر بھی ہیں تو اس کے کمالات کے ظلال میں سے کسی ظل کا مظہر ہیں اور وہ ظل کہ جسکا مظہر ہیں، حق تعالیٰ کے (کمالات کے) ظلال میں سے وہ ظل ہے جس سے لیکر ذاتِ حق تعالیٰ تک کئی ہزار ظلال درمیان ہیں، آپ نے سنا ہی ہوگا کہ اِنَّ للہِ لسبعین الف حجاب من نور وظلمة، اللہ تعالیٰ کے لیے ستر ہزار نور وظلمت کے پردے ہیں، پس حق تعالیٰ کے (کمالات کے) ظلال میں سے کسی ظل کے مظہر کو بے تحاشہ حق تعالیٰ پر محمول کرنا بڑی بے ادبی اور دلیری ہے لیکن چونکہ غلبۂ سکر وحال ہے اس لیے اس قدر مذموم نہیں، اس طرح دوسری توجیہ کے موافق بھی اپنے مشہود کو حق تعالیٰ کا عین جاننا اور اس اعتبار سے اس پر محمول کرنا بے ادبی بلکہ خلاف واقع ہے کیونکہ وہ مشہود بھی حق تعالیٰ (کے کمالات) کا ظل ہے، حق تعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الورا ہے، نیز جو کچھ مشہود ہے وہ نفی کے لائق ہے، پھر وہ حق تعالیٰ کیسے ہو سکتا ہے، حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جو کچھ دیکھا گیا، سنا گیا اور جانا گیا سب حق تعالیٰ کا غیر ہے، کلمہ لا کی حقیقت سے اسکی نفی کرنی چاہیے، اس مسئلہ میں جو کچھ فقیر کے نزدیک مختار اور شان تقدیس وتنزیہ کے مناسب ہے وہ ہمہ از اوست ہے۔ (مکتوب ۸۹ دفتر ۳)

کوئی شخص لفظِ ظل کی وجہ سے وہم واشکال کا شکار نہ ہو جائے، آپ نے خود اسی مکتوب میں وضاحت فرمادی ہے کہ "ظلِ شے سے مراد اس شے کا ظہور ہے" قاضی ثناء اللہ مظہری لکھتے ہیں، اصطلاح صوفیہ میں یہاں ظل سے مراد سایہ نہیں جس سے کمالِ لطافت میں نقص کا وہم پیدا ہو بلکہ ظلال مخلوقات الٰہی میں سے ان لطیفوں کو کہا جاتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ کے اسما وصفات سے پوری پوری مناسبت ہے اور وہ مخلوق تک اسماء وصفات کا فیض پہنچانے کے لیے واسطہ ہوتے ہیں، انہی لطیفوں کو واسطوں کو آسانی کے ساتھ سمجھنے کے لیے ظلال کہا جاتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ سالک سکر و مدہوشی کے عالم میں ان لطیفوں کو ظلال سمجھ لیتا ہو' (ارشاد الطالبین بحوالہ البینات ۱/۱۹۴ مطبوعہ گوجرنوالہ) حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ خود فرماتے ہیں، واجب تعالیٰ کا کیوں ظل ہو کیونکہ ظل سے مثل کے پیدا ہونے کا وہم گزرتا ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال لطافت کے باعث ظل نہ تھا تو خدائے محمد کا ظل کس طرح ہو سکے، خارج میں بالذات و بالاستقلال حضرتِ ذات تعالیٰ اور اس کی صفاتِ حقیقہ ہی موجود ہیں، باقی سب کچھ اسکی ایجاد سے موجود ہوا ہے اور ممکن ومخلوق وحادث ہے، کوئی مخلوق اپنے خالق کا ظل نہیں، مخلوقیت کے سوا اور کوئی نسبت خالق تعالیٰ کے ساتھ نہیں رکھتا۔ (مکتوب ۱۲۲ دفتر ۳)

آپ کا عقیدہ ہے:

> "حضرت حق سبحانہٗ ہمیشہ اپنی تنزیہ وتقدیس پر ہے اور حدوث کے صفات اور نقص کے نشانات سے منزہ ومبرا ہے، اس درگاہ جل شانہ، میں تغیر وتبدل کا دخل نہیں اور اس بارگاہِ اعلیٰ میں اتصال وانفصال کی گنجائش نہیں، وہاں حالیت ومحلیت کا تجویز کرنا کفر ہے اور اتحاد وعینیت کا حکم کرنا عین الحاد وزندقہ ہے، حق تعالیٰ کے خالص بندے اس بارگاہ میں خواہ کتنا وصل وقرب پیدا کریں پھر بھی جسمانی قرب اور جوہر وعرض کے اتصال کی قسم سے نہیں ہوگا، وہاں قرب بھی بیچون ہے اور وصل بھی بیچون ہے، ان بزرگوں کا کاروبار اس حضرت جل شانہٗ میں عالم بیچونی سے ہے، اور عالم چون کو عالم بیچون کے ساتھ وہ نسبت ہے جو قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہوتی ہے کیونکہ وہ ممکن ہے اور یہ

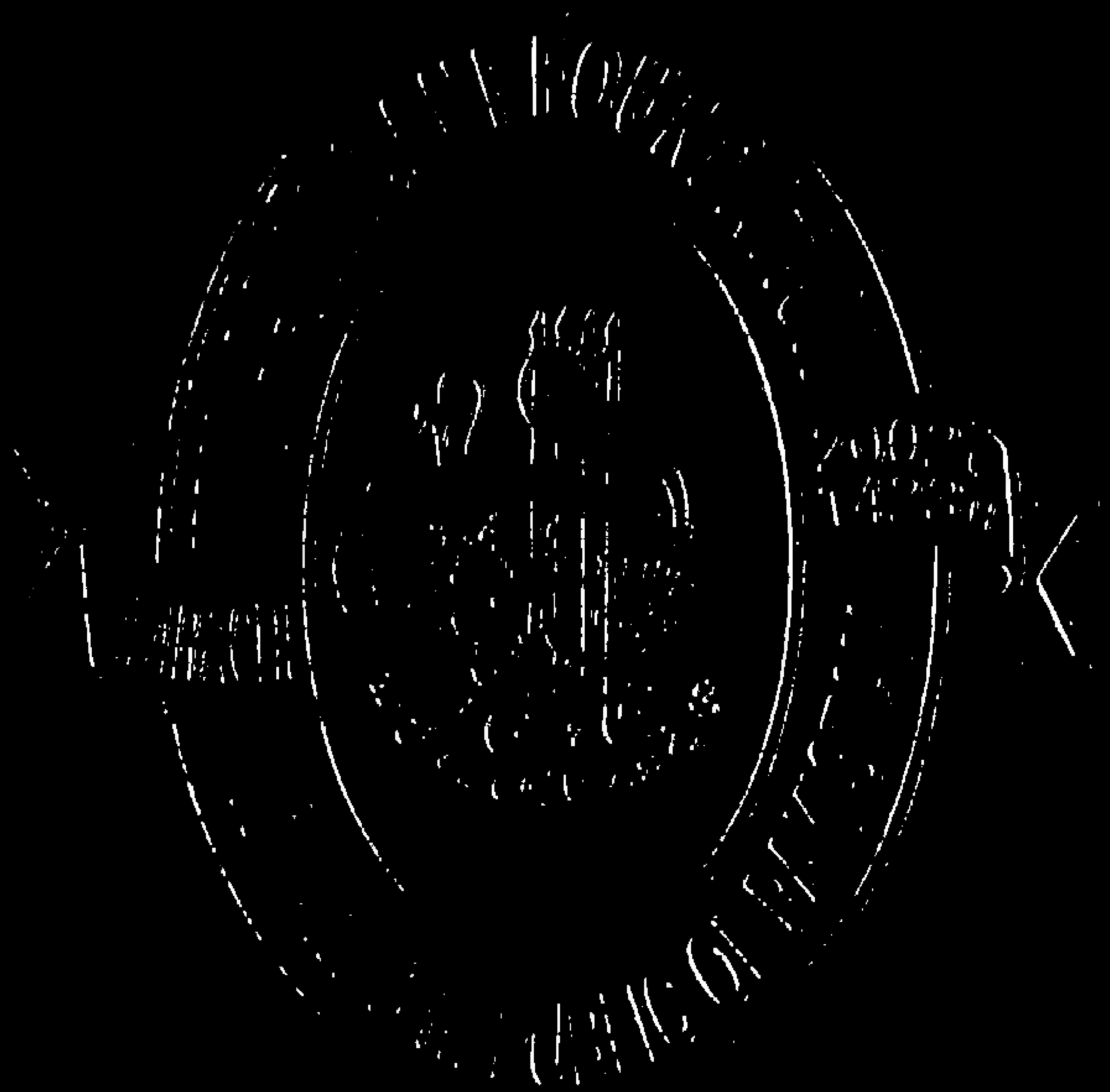

واجب، نیز چون زمان ومکان کی تنگی میں محدود ہے اور عالم بیچون اس تنگی سے آزاد اور زمان ومکان سے وراء الورا، ہاں عبارت وتعبیر کا میدان عالم چون میں وسیع ہے اور عالم بیچون میں تنگ وتاریک، کیونکہ وہ عبارت سے برتر اور اشارت سے بعید ہے، ...... ان اسرار سے متحقق ہونا کمال ایمان ہے لیکن بیچون کو چون کی عبارات میں تعبیر کرنا، عین کفر وزندقہ ہے، یہاں **من عرف الله كلَّ لسانهٗ** جس نے اللہ کو پہچانا اسکی زبان بند ہوگئی، پر عمل کرنا چاہیے، (مکتوب ۹۵ دفتر ۳) ایک مقام پر آپ ارقام فرماتے ہیں: اللہ کی حمد ہے جس نے امکان کو وجوب کا آئینہ اور عدم کو وجود کا مظہر بنایا، وجوب اور وجود اگرچہ حق تعالیٰ کے کمال کی دو صفتیں ہیں لیکن حق تعالیٰ تمام اسماوصفات اور تمام شیون واعتبارات اور ظہور و بطون اور بروز وکمون اور تمام تجلیات وظہورات اور تمام مشاہدات ومکاشفات سے اور تمام محسوس ومعقول اور تمام موہوم ومتخیل سے وراء الوراثم وراء الوراثم وراء الورا ہے۔ (مکتوب ۱ دفتر ۲)

توحیدِ وجودی کے دلائل کا جواب:

حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ اور ان کے متبعین نے وحدۃ الوجود کو ثابت کرنے کے لیے قرآن وحدیث کے دلائل کا سہارا بھی لیا ہے اور کچھ صوفیہ متقدمین کے مخصوص الفاظ سے بھی ثبوت پیش کیے ہیں، ان کا دعویٰ ہے کہ ایمان بہ تنزیہ سب مومنوں کو حاصل ہے، عارف وہ ہے جو ایمان بہ تشبیہ کو بھی اس کے ساتھ جمع کرے اور خلق کو خالق کا ظہور دیکھے اور کثرت کو وحدت کا لباس جانے اور صانع کو صنع میں مطالعہ کرے، غرض صرف تنزیہ کی طرف توجہ کا رہنا ان کے نزدیک نقص ہے اور کثرت کے بغیر وحدت کا مشاہدہ کرنا ان کے نزدیک سراسر عیب ہے، یہ لوگ احدیت صرف کی طرف متوجہ ہونے والوں کو ناقص خیال کرتے ہیں اور کثرت کے ملاحظہ کے بغیر وحدت کے ملاحظہ کرنے کو تحدید وتقید سمجھتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے دفتر اول کے مکتوب ۲۷۲ میں اس دعویٰ پر قائم ہونے والے جملہ دلائل کا بڑا شافی جواب

ارشاد فرمایا ہے اور پھر اپنے جواب پر وارد ہونے والے اشکال کا بھی جواب دیا ہے، ہم آپ کے ذوق مطالعہ کے لیے اس مکتوب مبارک کا چیدہ چیدہ حصہ پیش کر دیتے ہیں تا کہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے علم وعرفان اور فکر ووجدان کا شعور کامل نصیب ہو جائے۔

(۱)

''سبحان اللہ وبحمدہٖ انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت تنزیہ صرف کی طرف ہے اور تمام آسمانی کتابیں ایمان تنزیہی کے ساتھ ناطق ہیں۔ انبیائے کرام آفاقی اور انفسی خداؤں کی نفی کرتے ہیں اور ان کے باطل ہونے کی دعوت فرماتے ہیں اور اس واجب الوجود کی وحدت کی طرف جو بیچون وبیچگون ہے راہنمائی کرتے ہیں، کبھی کسی نے نہیں سنا کہ کسی پیغمبر نے ایمانِ تشبیہی کی طرف دعوت کی ہو اور خلق کو خالق کا ظہور کہا ہو، تمام پیغمبر واجب الوجود کی توحید کے کلمہ میں متفق ہیں اور حق تعالیٰ کے سوا تمام ارباب کی نفی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، **یاھل الکتاب تعالوا الیٰ کلمۃٍ سوآءٍ** اے رسول! اہل کتاب کو فرما دو کہ آؤ ایک کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے یعنی ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ کسی کو اس کے ساتھ شریک بنائیں اور اللہ کے ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا رب نہ بنائے، پس اگر وہ نہ مانیں تو فرما دو کہ تم گواہ رہو، ہم مسلمان ہیں''

(۲)

''یہ لوگ بے نہایت اسباب ثابت کرتے ہیں اور سب کو رب الارباب کے ظہورات خیال کرتے ہیں اور کتاب وسنت کو اپنے مطالب کے لیے بطریق شہادت پیش کرتے ہیں، مثلاً **ھو الاوّل والاخر والظاھر والباطن**، یعنی اول وآخر وظاہر وباطن وہی ہے۔ **وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ**، نہیں مارا تو نے

جب کہ مارا تو نے مگر اللہ تعالیٰ نے مارا، **اِنَّ الَّذِین یبایعونک انما یبایعون اللہ یداللہ فوق ایدیھم**، جو تجھ سے بیعت کرتے ہیں، وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے، (سنتِ محبوب سے یہ دلیل فراہم کرتے ہیں) **اللھم انت الاول فلیس قبلک شئ وانت الاخر فلیس بعدک شئ وانت الظاھر فلیس فوقک شئ وانت الباطن فلیس دونک شیء**، اے اللہ تو ہی اول ہے تیرے اول کوئی شے نہیں اور تو ہی آخر ہے تیرے بعد کوئی شے نہیں اور تو ہی ظاہر ہے، تیرے اوپر کوئی شے نہیں اور تو ہی باطن ہے، تیرے سوا کوئی شے نہیں، اس میں (ان کے مطالب کی) کوئی شہادت نہیں کیونکہ ان عبارتوں میں کامل طور پر وجود ماسوا کے کمال کی نفی کا حصہ ہے نہ کہ اصل وجود کی نفی جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، **لَاصلوٰۃ اِلَّا بفاتحۃ الکتاب**، نماز نہیں ہوتی مگر فاتحہ کتاب کے ساتھ، اور فرمایا، **لا ایمان لمن ل امانۃلہٗ** جس کی امانت نہیں اسکا ایمان نہیں، کتاب وسنت میں اس قسم کی مثالیں بہت ہیں، یہ توجیہ نصوص کی تاویل نہیں ہے جیسا کہ ان لوگوں نے گمان کیا ہے بلکہ کمال بلاغت پر نصوص کو حمل کیا گیا ہے اور عرف میں جب کسی مخلص کے امر رسالت کو ضروری اور مہتم بالشان ظاہر کرنا چاہتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ اسکا ہاتھ میرا ہاتھ ہے، اس سے مقصود حقیقت نہیں ہے بلکہ مجاز ہے جو حقیقت سے ابلغ ہے اور جب فاعل سے جو کامل قدرت والے مالک کا غلام اور بندہ ہے، اس کے قدر و اندازہ سے بڑھ کر کوئی فعل صادر ہو اور اس فعل میں اس مالک قادر کی التفات وتوجہ مدنظر ہو تو اس وقت مالک کو لائق ہے کہ یہ کہدے کہ اس فعل کو

میں نے ہی کیا ہے، یہ بات بھی نہ ہی اتحاد فعل پر اور نہ ہی اتحادِ ذات پر دلالت کرتی ہے، حاشاو کلا کہ بندہ غلام کا فعل عین مالک مقتدر کا فعل ہو یا اس کی ذات کا عین بن جائے۔''

(۳)

''ان لوگوں نے شاید انبیائے کرام علیہم السلام کے مذاق کو نہیں سمجھا، کیونکہ ان کی دعوت کا مدار اثنینیت یعنی دوئی اور غیر کے وجود اور غیریت پر ہے، ان کی عبارتوں کو توحید واتحاد پر حمل کرنا بے ہودہ تکلف ہے، اگر حقیقت میں ایک ہی موجود ہوتا اور اس کے سوا سب اس کے ظہورات ہوتے اور اس کے سوا کی عبادت اسی کی عبادت ہوتی جیسے کہ ان لوگوں نے گمان کیا ہے تو پھر انبیائے کرام مبالغہ اور تاکید کے ساتھ ان کی پرستش سے کیوں منع کرتے اور ان کی پرستش پر دائمی عذاب کیوں مرتب کرتے اور ان کے پجاریوں کو خدا کا دشمن کیوں کہتے، جب تک ان لوگوں کو ان کی غلطی پر اطلاع نہ بخشیں عینیت کی دید جو جہالت سے ان میں پیدا ہوگئی ہے، دور نہیں ہوتی اور نہ ہی ان کی عبادت کو حق تعالیٰ کے غیر کی عبادت جانتے ہیں۔''

(۴)

''ان لوگوں میں سے بعض کہتے ہیں کہ پیغمبروں نے عوام لوگوں کے قصور فہم کے باعث توحید وجودی کے اسرار کو پوشیدہ رکھا ہے اور اپنی دعوت کی بنا غیر وغیریت پر رکھی ہے اور وحدت کو چھپا کر کثرت پر دلالت کی ہے، (یاد رہے کہ) یہ بات شیعہ کے تقیہ کی طرح سننے کے قابل نہیں ہے کیونکہ انبیائے کرام جو کچھ واقعی اور نفس الامر ہے اس کی تبلیغ کے زیادہ مستحق اور حقدار ہیں، جب نفس الامر میں ایک ہی موجود

ہو اور اس کا غیر کچھ موجود نہ ہو تو مناسب نہیں کہ اسکو چھپا کر نفس الامر کیخلاف ظاہر کریں خاص کر وہ احکام جو واجب الوجود کی ذات وصفات وافعال کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، ان کے اظہار اور اعلان کے زیادہ حقدار ہیں، کوتاہ نظر خواہ اسکو سمجھیں یا نہ سمجھیں، کیا نہیں دیکھتے کہ قرآن کی آیات متشابہات یا احادیث متشابہات جن کے سمجھنے سے عوام کیا خواص بھی عاجز ہیں، ان کے اظہار کرنے سے منع نہیں ہوئے اور نہ ہی عوام کی غلطی اور کوتاہ فہمی ان کے اظہار کی مانع ہوئی۔

(۵)

''یہ لوگ اس شخص کو جو دو وجود کا قائل ہے اور ماسوا کی عبادت سے اجتناب و پرہیز کرتا ہے، مشرک کہتے ہیں اور اس شخص کو جو ایک وجود کا قائل ہے، موحد کہتے ہیں اگرچہ ہزار بُت کی عبادت کرے، اس خیال سے کہ سب حق تعالیٰ کے ظہورات ہیں اور ان کی عبادت حق تعالیٰ کی عبادت ہے، انصاف کرنا چاہیے کہ ان دونوں گروہوں میں سے مشرک کون ہے؟ انبیائے کرام نے وحدتِ وجود کی طرف دعوت نہیں کی ہے اور نہ ہی دو وجود کہنے والے کو مشرک کہا ہے بلکہ ان کی دعوت ''وحدت معبود'' کی طرف ہے اور انہوں نے ماسوا کی عبادت کو شرک کہا ہے۔

(۶)

''اگر صوفیہ وجودیہ ماسوا کو غیریت کے طریق پر نہ بھی جانیں تو بھی شرک کو دفع نہیں کر سکتے کیونکہ ماسوا، ماسوا ہی جانیں یا نہ جانیں، ان میں سے بعض متاخرین عالم کو حق تعالیٰ کا عین نہیں جانتے اور عینیت سے کنارہ کرتے ہیں اور عینیت کے قائلوں کو طعن و تشنیع کرتے ہیں اور شیخ محی الدین ابن عربی اور ان کے تابعداروں کے ساتھ انکار

کرتے ہیں اور ان کو برائی سے یاد کرتے ہیں، ساتھ ہی یہ لوگ عالم کو حق تعالیٰ کا غیر بھی نہیں جانتے، گویا نہ ہی عین اور نہ ہی غیر جانتے ہیں، یہ بات بھی صواب سے دور ہے، الاثنان متغائران، دو چیزیں ایک دوسرے کی غیر ہوتی ہیں، قضیہ مقررہ ہے، اثنینیت کا منکر درجہ عقل کا مخالف ہے، ہاں متکلمین نے صفاتِ واجبی جل سلطانہٗ کے بارے میں لاھُو ولا غیرھُو کہا ہے اور غیر سے غیر اصطلاحی مراد رکھ کر اس امر کو مدنظر رکھا ہے کہ دو متغائر چیزوں کا باہم انفکاک یعنی الگ ہونا جائز ہے، کیونکہ واجب تعالیٰ کی صفات حضرتِ ذات سے الگ نہیں ہیں اور نہ ہی حق تعالیٰ کی ذات وصفات کے درمیان انفکاک یعنی الگ ہونا جائز متصور ہوسکتا ہے پس ''لاھُو'' ولا غیرھُو صفات قدیمہ میں صادق ہے، برخلاف عالم کے کہ یہ نسبت اس میں مفقود ہے، **کان اللہ ولم یکن معہٗ شیٔ**، اللہ ہی تھا اور اس کے ساتھ کوئی چیز موجود نہ تھی، پس عالم کی غیریت کی نفی کرنا لغت میں بھی اور اصطلاح میں بھی صدق سے دور ہے، ان لوگوں نے اپنی نارسائی کے باعث عالم کو صفاتِ قدیمہ کی طرح سمجھ کر اس کے مخصوص حکم کو اس جگہ اطلاق کیا ہے، یہ لوگ جب عینیتِ عالم کی نفی کے قائل ہوئے ہیں تو ان پر لازم ہے کہ غیریتِ عالم کے قائل ہوں اور توحید وجودی والوں کے زمرے سے نکل آئیں اور عالم کے متعدد وجودوں کے قائل ہو جائیں۔ توحید وجودی میں عین کہنے سے چارہ نہیں جیسے شیخ محی الدین ابنِ عربی اور ان کے تابعین نے کہا ہے اور عین کہنا ان معنوں کے لحاظ سے نہیں ہے کہ عالم اپنے صانع کے ساتھ متحد ہے، حاشا وکلا ان معنوں کے اعتبار سے ہے کہ عالم معدوم ہے اور حق تعالیٰ کا وجود واجب ہے جیسے کہ اس فقیر نے اپنے رسالوں میں اس امر کی تحقیق کی ہے۔

(۷)

''صوفیہ وجودیہ، دو وجود کے کہنے والے کو جو مشرک کہتے ہیں وہ اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ وہ ''دو بین'' ہے اور دو بین طریقت کا مشرک ہے، ''دو بینی'' جو طریقت کا شرک ہے، توحید شہودی سے دفع ہو جاتا ہے، توحید وجودی اس مقام میں کچھ درکار نہیں کیونکہ سالک کا مشہود وملحوظ ایک ذاتِ مقدس کے سوا اور کوئی امر نہیں ہے تاکہ فنا متحقق ہو اور طریقت کا شرک دور ہو جائے، دن میں جو آفتاب کو تنہا دیکھتے ہیں اور ستاروں کو نہیں دیکھتے، دو بینی کا دفعیہ حاصل ہے اگرچہ ہزاروں ستارے دن میں موجود ہوں مقصود یہ ہے کہ ایک آفتاب مشہود ہو، خواہ ستارے معدوم ہوں یا موجود، بلکہ میں کہتا ہوں کہ کمال اس صورت میں ہے کہ اشیاء موجود ہوں اور سالک کمال فنا کے باعث جو اپنے مطلوب حقیقی سے رکھتا ہے، کسی چیز کی طرف توجہ نہ کرے بلکہ کسی چیز کا مشاہدہ نہ کرے اور کوئی چیز اسکے دیدہ بصیرت میں نہ آئے، اگر اشیاء موجود نہ ہوں تو فنا کس سے متحقق ہوگی اور فانی کس سے ہوگا اور کس کو فراموش کریگا۔''

(۸)

''اول جس شخص نے توحیدِ وجودی کی تصریح کی ہے وہ شیخ محی الدین ابن عربی ہیں، ان سے گزشتہ مشائخ کی عبارتیں اگرچہ توحیدِ وجودی کی خبر دیتی ہیں لیکن توحید شہودی پر حمل کے قابل ہیں کیونکہ حق تعالیٰ کے غیر کو جب نہیں دیکھتے تو بعض کہتے ہیں **لیس فی جبّتی سوا اللہ**، میرے جبہ میں سوائے اللہ کے اور کچھ نہیں اور بعض **سبحانی ماعظم شانی** کی ندا پکار اٹھتے ہیں، اور بعض **لیس فی الدار غیرہٗ دیار**، گھر میں اس کے سوا کوئی رہنے والا نہیں ہے، کا آوازہ

لگاتے ہیں، یہ سب پھول ایک ہی یک بنی کی شاخ سے کھلے ہیں ان عبارتوں میں کوئی بھی وحدۃ الوجود پر دلالت نہیں کرتی ''

(۹)

''غرض فنا و بقا اور ولایت، کبریٰ کے کمالات حاصل کرنے کے لیے توحید وجودی کچھ درکار نہیں ہے، توحید شہودی حاصل ہونی چاہیے تاکہ فنا متحقق ہو جائے، اور ماسوا کا نسیان حاصل ہو جائے، ہوسکتا ہے کہ کوئی سالک ابتدا سے انتہا تک سیر کر جائے اور توحید وجودی کے علوم و معارف سے کوئی بھی اس پر ظاہر نہ ہو بلکہ نزدیک ہے کہ ان علوم سے انکار کر دے، فقیر کے نزدیک وہ راستہ جو ان معارف کے ظہور کے بغیر سلوک کے ساتھ میسر ہو جائے وہ اس راستہ سے زیادہ قریب ہے جو ظہور کو متضمن ہے، اس راہ کے سالکوں میں سے اکثر مطلوب تک پہنچے ہیں اور اکثر راہ ہی میں رہ جاتے ہیں اور دریا سے قطرہ کے ساتھ سیراب ہو جاتے ہیں اور اتحاد کے وہم میں پڑ کر ظل میں گرفتار رہتے ہیں اور وصل سے محروم رہتے ہیں، یہ امر تجربہ سے معلوم ہو چکا ہے۔

اس فقیر کو اگرچہ راہ ثانی سے سلوک میسر ہوا ہے اور توحید وجودی کے علوم و معارف کے ظہورات سے کافی حصہ حاصل ہوا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی عنایت شامل حال ہوئی اور سیر محبوبی کے ساتھ راستے کے جنگلوں اور میدانوں کو فضل و عنایت کی امداد سے طے کروایا اور کمال کرم کے ساتھ ظلال سے گزار کر اصل تک پہنچایا اور جب معاملہ مریدوں تک پہنچا تو معلوم ہوا کہ اس کے علاوہ ایک اور راہ ہے جو وصول کے زیادہ قریب اور حصول میں زیادہ آسان ہے۔

(۱۰)

'' سابقہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اگرچہ موجودات متعددہ ہوں اور حق تعالیٰ کا ماسوا بھی موجود ہو تو پھر بھی ہو سکتا ہے کہ فنا و بقا متحقق ہو جائے نہ یہ کہ ماسوا معدوم و ناچیز ہو جائے، یہ بات باوجود ظہور کے اکثر خواص پر پوشیدہ رہی ہے پھر عوام کا کیا ذکر ہے، ان لوگوں نے توحید شہودی کو عین وجودی خیال کر کے وحدتِ وجود کی معرفت کو راستہ کی شرط جانا ہے اور دو وجود کہنے والے کا ضال اور مضل سمجھا ہے اور کثرت کے آئینوں میں وحدت کے مشاہدہ کو انجام کار تصور کیا ہے، ان میں سے بعض نے یہاں تک تصریح کی ہے کہ ہمارے حضرت پیغمبر ﷺ کمالاتِ نبوت حاصل ہونے کے بعد شہود وحدت در کثرت کے مقام میں رہتے اور آیت کریمہ **اِنَّا اعطینک الکوثر** سے اس مقام کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور اسکا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں کہ تحقیق ہم نے تجھے کثرت میں وحدت کا مشاہدہ دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کوثر کی واو کے درمیان آنے سے جو حروفِ کثر کے درمیان ہے، یہ اشارات سمجھے ہیں حاشا وکلا اس قسم کے معارف مقام نبوت کے لائق ہوں کیونکہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام خدائے بیچون جل شانہ، کی طرف دعوت کرتے رہتے ہیں اور جو چیز چون کے آئینوں میں گنجائش رکھتی ہے وہ بیچونی سے بے نصیب ہے اور چونی اور چندی کے داغ سے داغدار ہے، حضرتِ حق تعالیٰ ان کو انصاف دے شاید یہ لوگ انبیاء کرام کو اپنے کمالات کے ترازو پر تولنا چاہتے ہیں اور ان کے کمالات کو اپنے کمالات کی طرح جانتے ہیں، **کبرت کلمة تخرج من افواههم۔**

چو آں کرمے کہ در سنگ نہاں است
زمین و آسمانِ اُو جہاں است

حضور اکرم ﷺ کی امت میں سے یہ کمینہ اور عاجز اس قسم کی معرفت سے جو اول اول حاصل ہوئی تھی، ندامت و استغفار کرتا ہے اور اس شہود کو نصاریٰ کے حلول کی طرح اس پاک جناب سے نفی کرتا ہے، حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جو کچھ دیکھا گیا، سنا گیا اور جانا گیا سب اس کا غیر ہے، کلمہ لا کی حقیقت سے اسکی نفی کرنی چاہیے، پس کثرت میں وحدت کا مشاہدہ بھی نفی کے لائق ہے، اس پاک بارگاہ سے منتفی اور دور ہے۔

(۱۱)

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کے اس کلام نے مجھکو اس شہود سے نکال دیا ہے اور مشاہدہ اور معائنہ کی گرفتاری سے نجات بخشی ہے۔ میرے اسباب کو علم سے جہل کی طرف اور معرفت سے حیرت کی طرف لے گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو میری طرف سے جزائے خیر دے میں صرف ایک ہی بات سے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کا مرید اور حلقہ بگوش ہوں اور واقعی اولیاء میں سے شاید ہی کسی نے اس طرح کی عبارت بیان کی ہو اور تمام مشاہدات و معائنات کی اس طرح نفی کی ہو، اس مقام میں آپ کے اس سخن کی حقیقت کو جہاں کہ آپ نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ کی معرفت بہاء الدین پر حرام ہے اگر اس کی ابتداء بایزید کی انتہا نہ ہو، ڈھونڈنی چاہیے کیونکہ حضرت بایزید علیہ الرحمۃ باوجود اس بزرگی کے شہود و مشاہدہ سے آگے نہیں بڑھے اور سبحانی ما اعظم شانی کے تنگ کوچے سے قدم باہر نہیں رکھا، برخلاف ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے جنہوں نے ایک ہی کلمہ لا سے ان کے تمام مشاہدات

کی نفی فرمادی اور سب کو حق تعالیٰ کا غیر ثابت کر دیا، حضرت بایزید علیہ الرحمۃ کی تنزیہ حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے نزدیک تشبیہ ہے، ان کا بیچون ان کے نزدیک چون اور کمال نقص ہے، ناچار ان کی انتہا جو تشبیہ سے آگے نہیں بڑھے حضرت خواجہ کی ابتدا ہوگی کیونکہ ہدایت تشبیہ سے ہے اور نہایت اور تنزیہ کے ساتھ، مگر معلوم ہوتا ہے کہ آخر حال میں حضرت بایزید علیہ الرحمۃ کو اس نقص پر اطلاع بخشی گئی کہ موت کے وقت اس طرح کہتے تھے، میں نے تجھے یاد نہیں کیا مگر غفلت سے اور میں نے تیری خدمت نہیں کی مگر سستی سے، انہوں نے اپنے پہلے حضور کو غفلت جانا کیونکہ وہ حق تعالیٰ کا حضور نہ تھا بلکہ (کمالات کے) ظلال میں سے ایک ظل کا حضور اور اس کے ظہورات میں سے ایک ظہور تھا پس ناچار حق تعالیٰ سے غافل رہے، حق تعالیٰ وراء الورا ہے۔ ظلال وظہورات سب کے سب اس کے مبادی اور مقدمات اور معارج اور معدات ہیں اور یہ جو حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ ہم نہایت کو بدایت میں درج کرتے ہیں واقع کے موافق ہے کیونکہ ابتدا ہی سے ان کی توجہ احدیتِ صرف پر ہے اور وہ اسم وصفت سے ذات کے سوا کچھ نہیں چاہتے۔

(۱۲)

فقیر کے نزدیک ممکنات کے آئینوں میں حق تعالیٰ کا وہ شہود جسکو صوفیہ کی ایک جماعت کمال جانتی ہے اور تشبیہ وتنزیہ کے درمیان جمع خیال کرتی ہے، وہ حق تعالیٰ کا شہود نہیں ہے، ان (آئینوں) میں اس کا شہود ان کا خیالی اور من گھڑت امر ہے، کیونکہ جو کچھ ممکن میں دیکھتے ہیں وہ واجب نہیں ہے، اور جو کچھ حادث میں پاتے ہیں وہ قدیم نہیں ہے اور جو کچھ تشبیہ میں ظاہر ہوتا ہے وہ تنزیہ نہیں ہے، ہرگز ہرگز صوفیہ

کی اس قسم کی ترہات یعنی بے ہودہ باتوں پر فریفتہ نہ ہونا چاہیے اور حق تعالیٰ کے غیر کو حق تعالیٰ نہ جاننا چاہیے، مانا کہ یہ لوگ خطا کار مجتہد کی طرح معذور ہیں اور خطا کار مجتہد کی طرح مواخذہ سے بری ہیں لیکن ان کے مقلدوں کے ساتھ معلوم نہیں کس طرح معاملہ کریں گے، کاشکے مجتہد مخطی کے مقلدوں کی طرح ہی ہوتے۔

(۱۳)

عجب معاملہ ہے کہ ان لوگوں میں سے بہت سے مدعی اسی شہود اور مشاہدہ پر بھی قناعت نہیں کرتے بلکہ اس شہود کو تنزل خیال کر کے اس اثنا میں رویتِ بصری کے بھی قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم واجب الوجود جل سلطانہٗ کی ذات کو دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں جو دولت ہمارے پیغمبر ﷺ کو شبِ معراج حاصل ہوئی تھی ہم کو ہر روز میسر ہے اور وہ نور جو ان کے دیکھنے میں آتا ہے اسکو صبح کی سفیدی سے تشبیہ دیتے ہیں اور اس نور کو مرتبہ بے کیفی خیال کرتے ہیں اور مراتب عروج کی نہایت اس نور کے ظہور تک تصور کرتے ہیں، **تعالیٰ سبحانہٗ عمایقول الظالمون علواً کبیراً**، اللہ تعالیٰ ان ظالموں کی بات سے بہت بلند اور بڑا ہے، نیز حق تعالیٰ کے ساتھ مکالمہ وکلام ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ایسا فرمایا ہے...... یہ لوگ اس نور مرئی کو عین حق تعالیٰ سمجھتے ہیں اور اس نور کو حق تعالیٰ کی ذات تصور کرتے ہیں نہ یہ کہ اس کے ظہورات میں سے کوئی ظہور یا ظلال میں سے کوئی ظل جانتے ہیں، اس میں کچھ شک نہیں کہ اس نور کو حق تعالیٰ کی ذات کہنا محض افترا اور صاف الحاد اور خالص زندقہ ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا نہایت ہی حلم وتحمل ہے کہ اس قسم کے مفتریوں کے لیے طرح طرح کے عذابوں میں جلدی نہیں کرتا اور ان کی بیخ کنی نہیں فرماتا۔

(۱۴)

"حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم صرف رویت یعنی دیدار کی طلب ہی کے باعث ہلاک ہوگئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طلب رویت کے بعد "لن ترانی" کا زخم کھایا اور بے ہوش پڑ گئے اور اس طلب سے تائب ہوئے، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جو رب العالمین کے محبوب ہیں اور تمام اولین و آخرین موجودات میں سے بہترین ہیں، باوجود اس کے کہ معراج بدنی کی دولت سے مشرف ہوئے اور عرش و کرسی سے گزر کر مکان و زمان سے بھی اوپر چلے گئے، باوجود قرآنی اشاروں کے حضور اکرم ﷺ کی رویت میں علماء کا اختلاف ہے، اکثر علماء حضور اکرم ﷺ کی عدم رویت کے قائل ہیں، امام غزالی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، صحیح یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے معراج کی رات اپنے رب کو نہیں دیکھا ہے، یہ بے سروسامان اپنے خیال باطل میں ہر روز خدا کو دیکھتے ہیں حالانکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ایک دیدار میں بھی علماء کی قیل وقال ہے۔ (یہاں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے یہ بتایا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی رویت بصری میں بھی علما کا اختلاف ہے تو ان صوفیہ کو کیسے ہر روز خدا تعالیٰ کا دیدار میسر ہوتا ہے، جہاں تک حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا حضور ﷺ کی رویت بصری کے متعلق اپنا عقیدہ ہے تو آپ اس کا انکار نہیں فرماتے بلکہ وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں "آنحضرت ﷺ کو معراج کی رات جسد کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جہاں تک چاہا سیر کرائی، جنت و دوزخ آپ کے سامنے پیش کیے گئے اور ان کی طرف وحی بھیجی گئی جیسے کہ حق تھا اور اس وقت رویت بصری سے مشرف ہوئے اور اس قسم کا معراج حضور اکرم ﷺ کے لیے مخصوص ہے۔ (مکتوب ۱۳۵ دفتر ۱) یہی جمہور کا عقیدہ ہے۔

(١٥)

''جاننا چاہیے کہ وہ وجود جو ممکنات میں ہم ثابت کرتے ہیں تمام صفات کی طرح ایک ضعیف وجود ہے۔ ممکن کے علم کا واجب کے علم کے مقابلہ میں کیا مقدار ہے اور قدرتِ قدیمہ کے مقابلہ میں قدرتِ حادثہ کیا اعتبار رکھتی ہے ایسے ہی ممکن کا وجود واجب تعالیٰ کے وجود کے مقابلہ میں لاشے محض ہے۔ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ دیکھنے والا ان دونوں وجودوں کے تفاوت کے باعث شک میں پڑ جائے کہ آیا وجود کا اطلاق ان دونوں فردوں پر حقیقت کے طور پر ہے یا کہ وجود کا اطلاق ایک فرد پر بطریق حقیقت ہے اور دوسرے فرد پر بطریق مجاز، کیا نہیں جانتے کہ صوفیہ میں سے بعض لوگوں نے شق ثانی پر یقین کیا ہے اور ممکن کے وجود پر وُجود کا اطلاق کرنا تجویز کے طور پر سمجھا ہے اور ممکنات کے وجود کو ثابت نہیں کرتے مگر عوام یا اخصِ خواص، اخص سے مراد انبیاء کرام اور ان کی امتوں میں سے وہ لوگ ہیں جو ان کی ولایت اصلیہ سے مشرف ہوئے ہیں اور دائرہ ظلال کو پورے طور پر طے کر چکے ہیں، عوام ظاہر بین ہیں جو واجب تعالیٰ کے وجود اور ممکن کے وجود کو مطلق وجود کے اقسام سے جانتے ہیں اور دونوں کو موجود تصور کرتے ہیں، اخص خواص تیز نظر والے ہیں جو ہر دو وجود کو مطلق وجود کے افراد سے جانتے ہیں اور افرادِ وجود کے مراتب کے تفاوت کو وجود کے صفات اور اعتبارات کی طرف راجع کرتے ہیں نہ کہ وجود کی حقیقت اور ذات کی طرف تا کہ ایک حقیقت ہو اور دوسرا مجاز اور گروہ متوسطین جو عوام کے رتبہ سے قدم بڑھ کر رکھتے ہیں اور اخص خواص کے کمالات سے کوتاہ دست ہیں، مشکل ہے کہ ممکنات کے وجود کے قائل ہوں اور ممکن کے وجود پر بطریق حقیقت

وجود کا اطلاق کریں، یہی وجہ ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ ممکن ہے اس کو علاقہ سے موجود کہتے ہیں کہ وجود کے ساتھ اسکی نسبت ہے نہ یہ کہ وجود اس کے ساتھ قائم ہے تا کہ حقیقت کے طور پر موجود ہو، اس گروہ میں سے بعض لوگ ممکن کے وجود سے ساکت وخاموش ہیں اور نفی واثبات کے ساتھ اس کی تصریح نہیں کرتے اور بعض ممکن سے وجود کی نفی کرتے ہیں اور واجب تعالیٰ کے سوا اور کسی کو وجود نہیں جانتے، ان میں سے ایک گروہ ممکن کے وجود کو جیسے کہ وجود کا عین نہیں جانتے، وجود کا غیر بھی نہیں جانتے، اور ان میں سے ایک گروہ نے اس طرح تصریح کی ہے کہ جس وجود کے ساتھ واجب تعالیٰ موجود ہے اس وجود کے ساتھ ممکن بھی موجود ہے، اس عبارت سے بھی ممکن کے وجود کی نفی کرتے ہیں، غرض ممکن کا وجود، ثابت کرنے کے لیے بڑی تیز نظر ہونی چاہیے تا کہ واجب تعالیٰ کے نور کی روشنی میں اسکو دیکھ سکیں، تیز نظر والے لوگ دن میں آفتاب کی روشنی کے باوجود ستاروں کو دیکھتے ہیں اور جن کی نظر تیز نہیں ہوتی وہ ستاروں کو نہیں دیکھ سکتے، پس ممکنات کا وجود دن میں ستاروں کی طرح ہے کہ جو تیز نظر والا ہے وہ دیکھ سکتا ہے اور جو کمزور نظر والا ہے اس دید سے بے نصیب ہے۔

توحیدِ شہودی کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے بہت سے لطیف نکات بیان کیے ہیں اور ان کو جا بجا قرآن وحدیث اور صوفیہ مستقیم الحوال کے اقوال سے مبرہن فرمایا ہے یہ موضوع مکتوباتِ شریفہ کے مرکزی موضوعات میں سے ہے لہٰذا اہل ذوق کو ان کی طرف رجوع کرنا چاہیے، ہم تو یہاں یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آپ نے نظریہ وحدۃ الشہود کے تفصیلی مباحث کے ذریعے فکری اور عرفانی اجتہاد کی اساس فراہم کی جس کی برکتوں سے رحمان اور رام، مسجد اور مندر، کعبہ اور کلیسا مومن اور مشرک، مسلم اور کافر میں فرق واضح ہو گیا۔ ہندوستان کی تاریخ شاہد ہے کہ جتنی بھی بیرونی قومیں یا دوسرے نظریے اس سرزمین میں وارد ہوئے، ہندوؤں نے سب کو اپنی قومیت اور نظریت میں مدغم کر لیا، ایک اسلام تھا جس نے مسلمان

بادشاہوں کی صلح کلی، سیاست طرازی اور نام نہاد رواداری کے باوجود اپنا تشخص برقرار رکھا تھا، ہزاروں اصنام اور اوثان کے دیس میں خدائے واحد کی توحید کا پرچم لہرایا تھا، صدیوں کے بعد بھی اسکی تعلیمات وفیوضات کو شرک سے آلودہ نہیں کیا جاسکا تھا، اب اکبر اعظم اور اسکے زیر سرپرستی پلنے والے صوفیہ خام اور ہندی راہنماؤں کی بدولت رحمان اور رام کو ملانے کی سازش تیار ہوئی تو تمام مخلوقات حتی کہ اصنام واوثان کو بھی حق تعالیٰ کے وجودِ مطلق کا مظہر کامل ٹھہرایا گیا اور ان کی کثرت میں واحدِ مطلق کی وحدت مشاہدہ کی گئی، الحاد کا نام توحید رکھ لیا گیا اور ہندوؤں جیسی مشرک قوم کو بھی بت فروشی اور بت پرستی کا جواز فراہم کر دیا گیا کہ تم جو مندروں میں رام چندر، سیتا اور کالی دیوی کے اصنام کو پوجتے ہو تو دراصل ان میں بھی خدا تعالیٰ موجود ہے، اس طرح تم بھی وحدت پرست ہو، اس نظریے کی روشنی میں کفار عرب کے عزیٰ لات اور منات بھی خدا کے مظہر کامل ٹھہرتے ہیں اور حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت ورسالت کا مقصدِ وحید تاریخ کے دھندلکوں میں چھپ جاتا ہے (معاذ اللہ) حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے ان تمام تصوراتِ باطلہ کو صحیح اسلامی تصوف اور فکر وعرفان کی روشنی میں بیک جنبشِ قلم نقش برآب کر دیا۔ آپ واقعی برہانِ ولایتِ محمدیہ اور حجتِ شریعتِ مصطفویہ ہیں، شیخ الاسلام والمسلمین اور آیۃ اللہ فی الارضین ہیں۔

؎ اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار

اللہ نور السمٰوٰت والارض

اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو فکر وسیع کی دولت سے مالا مال فرمایا جس کی بدولت آپ قرآن وحدیث کے بحرِ ناپیدا کنار سے انوکھے موتی تلاش کرتے رہے، قرآن مجید کی بہت مشہور آیت مبارکہ ہے:

> اللہ نور السمٰوٰت والارض مثل نورہٖ کمشکوٰۃ فیھا
> مصباح ط المصباح فی زجاجۃ ط الزجاجۃ کانھا
> کوکب درّیٌّ یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃٍ لا شرقیّۃٍ
> ولا غربیۃ یکاد زیتھا یُضِیُٔ وَلَوْ لم تمسَسْہ نارٌ نورٌ علیٰ
> نورٌ ، اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اس کے نور کی مثال ایسی

> ہے جیسے ایک چراغدان ہواور اس کے اندر چراغ ہواور چراغ ایک شیشے میں ہو، وہ شیشہ گویا ایک چمکدار ستارہ ہے جو زیتون کے مبارک درخت سے روشن کیا گیا ہو، نہ شرقی ہو، نہ غربی اور اس کا تیل آگ کے بغیر ہی روشنی دیتا ہو اور بہت ہی روشن ہو۔ (سورۃ النور آیت ۳۵)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنی اجتہادی فکر و عرفان سے اسکی تفسیر کچھ اس طرح فرماتے ہیں کہ آیتِ کریمہ میں تمثیل کو اس واسطے اختیار کیا ہے تا کہ ان میں اس نور کے ظہور کو بلا واسطہ نہ سمجھ لیں اور ظلِ کو اصل سے مشتبہ نہ کریں اور نورِ ظل کو نور اصل سے مقتبس اور روشن ہوا ہوا خیال کریں لھدیٰ اللہ لِنورہٖ من یشآء اللہ اپنے نور کی طرف جسکو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، آیتِ کریمہ اللہ تعالیٰ کی مراد پر محمول ہے لیکن ہم اسکی تاویل کرتے ہیں جو ہم پر کشف ہوئی ہے۔ یہ بیان اللہ تعالیٰ کی مدد اور حسنِ توفیق ہی سے ہے، اللہ نور السمٰوٰت والارض ، اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، نور وہ ہے جس سے چیزیں روشن ہوتی ہیں آسمان اور زمین حق تعالیٰ کے ساتھ روشن ہوئے ہیں کیونکہ حق تعالیٰ ہی نے ان کو عدم کے اندھیرے سے نکالا ہے اور وجود اور اس کے توابع کے ظلال کے ساتھ متصف کر کے منور کیا ہے، آسمانوں اور زمین کو جو اس نور سے روشن ہوئے ہیں مشکوٰۃ کی طرح تصور کرنا چاہیے اور اس نور کو چراغ کی مانند جاننا چاہیے جو مشکوٰۃ میں رکھا ہوا ہے، مشکوٰۃ پر کاف تمثیل کا آنا مصباح پر مشکوٰۃ کے شامل ہونے کے لیے ہے اور زجاجہ سے اسماء وصفات کا پردہ ملاحظہ کرنا چاہیے، کیونکہ وہ نور اسماء وصفات کے ساتھ ملا ہوا ہے اور شیون واعتبارات سے معرا نہیں، اور حق تعالیٰ کی صفات کا زجاجہ حسنِ وجوب اور جمالِ قدم میں ستارہ روشن کی طرح ہے اور وہ مصباح جو اس مشکوٰۃ میں رکھا ہے زیتون کے مبارک درخت سے روشن ہوا ہے جو عرش کے اس ظہور جامع سے مراد ہے جس ظہور کی رمزوں میں سے استوا ایک رمز ہے کیونکہ دوسرے ظہورات جو آسمانوں اور زمینوں سے تعلق رکھتے ہیں اس ظہور جامع کے اجزا کی طرح ہیں، وہ ظہور جامع چونکہ لامکانی اور بے جہت ہے اس واسطے اسکو **لاشرقیة لا غربیَّةٍ** کہہ سکتے ہیں، **یکاد زیتُھَا** ...... میں اس مبارک درخت کی تعریف اور اس درخت کے تیل کی صفائی اور روشنی کا بیان ہے جس کے ساتھ اسکو تمثیل دی گئی ہے، نورٌ علیٰ نورٌ یعنی اس پردہ زجاجہ نے اپنی صفائی اور چمک دمک کے باعث اس نور کو زیادہ کر دیا ہے اور اس کے حسن و جمال کو بڑھا دیا ہے کیونکہ کمالات صفات، کمالاتِ ذات کے ساتھ جمع ہو گئے ہیں اور صفات کا حسن

ذات کے حسن کے ساتھ مل گیا ہے، باوجود نور کی زیادتی اور کمالِ ظہور کے **یھدی اللہ لنورہ**......جس کو چاہتا ہے اپنے نور کی طرف ہدایت دیتا ہے، ہاں سچ ہے، جس کو اللہ نے نور نہیں دیا اس کے لیے کوئی نور نہیں، یہ ظہور جامع جو عرش سے منسوب ہے تمام مشاہدات و معائنات و مکاشفات کا منتہا اور تمام تجلیات وظہورات کا انتہا ہے، خواہ تجلی ذاتی ہو اور خواہ تجلی صفاتی، اس کے بعد معاملہ جہل کے ساتھ آپڑتا ہے، یہ ظہور جامع اگرچہ صفات کے ساتھ ملا ہوا ہے لیکن صفات اس مقام میں ذات کا حجاب نہیں ہیں۔

صفات کا ذات کے لیے حجاب ہونا ظہورات ظلیہ کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ ظہورات ظلیہ مرتبہ علم میں ہیں اور ظہورِ اصل مقام عین میں، علم میں صفاتِ ذات کا حجاب ہیں نہ عین میں، مثلاً زید کو جب تو مرتبہ علم میں تعقل و تصور کرے تو اس کا ظہور علم میں صفات کے ساتھ ہوگا، یعنی دراز قد ہے یا پست قد، عالم ہے یا جاہل، چھوٹا ہے یا بڑا، شاعر ہے یا کاتب، یہ سب صفات جن کا تو نے تصور کیا اسکی ذات کا حجاب ہوں گے، اور یہ سب تقیداتِ کلیہ اس کے تشخص کے لیے مفید نہ ہوں گے لیکن جب زید علم سے عین میں آجائے گا اور باوجود صفات کے مشہود ہوجائے گا اور معاملہ ظلیت سے اصالت تک پہنچ جائے گا کیونکہ زید کی علمی صورت زید موجود خارجی کے لیے جو اس کا اصل ہے ظل کی طرح ہے تو یہاں صفات اس کی ذات کا حجاب نہ ہوں گے، صفات کا جامع شخص محسوس ہوگا، اسی طرح مراتبِ ظلال اور تصوراتِ مثال میں حق تعالیٰ کے صفات اسکی ذات سے جدا دکھائی دیتے ہیں لیکن جب اصل تک وصول میسر ہوجائے تو صفات کو ذات سے الگ نہ پائیں گے اور ذات کا شہود صفات کے شہود سے الگ نہ ہوگا، تجلی صفات کو جو تجلی ذات سے جدا کرتے ہیں اور تجلی افعال کو الگ جانتے ہیں سب مقاماتِ ظلال میں ہے، اصل تک وصول کے بعد ایک ہی تجلی ہے جو تجلیاتِ ثلثہ کو شامل ہے، مثلاً زید کو جب دیکھتے ہیں تو اس کی ذات کا شہود اسکی صفات کے شہود سے جدا نہیں، اسی وقت میں کہ جب زید کو دیکھتے ہیں، معلوم کرتے ہیں کہ وہ عالم فاضل ہے، علم و فضل جس طرح اس کی روئیت کا حجاب نہیں، اسی طرح اس سے جدا بھی نہیں، ہاں اگر زید کو تصور کریں اور ظلی صورتوں میں اس کا ادراک کریں تو اس صورت میں صفات اسکی ذات سے الگ ہوں گے اور ذات کا حجاب بن جائیں گے جیسے کہ گزر چکا، کیا نہیں جانتے کہ آخرت میں مرئی وہ ذات ہے جو جامع صفات ہے نہ کہ وہ ذات جو اسماء وصفات سے معرا ہے کیونکہ وہ مجرد اعتبار ہی اعتبار ہے اس لیے کہ ذات ہرگز صفات سے مجرد نہیں اور صفات ذات سے ہرگز الگ نہیں ہیں، الگ اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ عارف پر جب حق تعالیٰ کی

ذات کی گرفتاری غالب آجاتی ہے تو اس کی نظر سے اسماو صفات کا ملاحظہ ساقط ہو جاتا ہے اور ذاتِ احدیت کے سوا اس کے مشاہدے میں کچھ نہیں آتا، پس ذات کا صفات سے الگ ہونا عارف کی نظر کے اعتبار سے ہے نہ کہ خارج اور نفس الامر کے اعتبار سے، نیز یہ ظہور جامع مثال کی تصویروں کا منتہا ہے بعد ازاں جو کمال ظاہر ہوتا ہے مثال کے آئینے میں اسکی تصویر نہیں پاسکتے کیونکہ مثال میں اس امر کی تصویر دکھاتے ہیں جو خارج کے ساتھ مشابہت و مناسبت رکھتا ہو اگرچہ وہ مشابہت اسم میں ہو، لیکن وہ امر جو خارج میں کسی چیز کے ساتھ کسی طرح مشابہت نہیں رکھتا اسکی تصویر مثال میں محال ہے، اس سے اوپر کے کمالات سب اسی قسم کے ہیں کہ وہ کسی چیز کے ساتھ کسی طرح بھی مشابہ نہیں تاکہ مثال میں ان کی تصویر ظاہر کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مقام میں ہر وقت جہل دامن گیر ہے اور ادراک کا نہ ہونا ادراک کا نشان ہے اگرچہ اس جہان میں اس مقام سے سوائے جہل با علم کے اور کوئی امر حاصل نہیں ہوا لیکن امید ہے کہ آخرت میں ایسی قوت بخشیں گے اور ایسا دل دیں گے جو نور کی چمک میں متلاشی اور ناچیز نہ ہوگا اور معاملہ اصلیت سے آگاہ ہوگا۔

تو مرا دل دہ دلیری بہ بیں
روبۂ خواہش خوان و شیری بہ بیں

آگاہ ہو کہ فوق العرش کا ظہور تمہیں وہم میں نہ ڈال دے کہ حضرت حق سبحانہٗ کا مقام و قرار عرش کے اوپر ہے اور جہت و مکان اس کے لیے ثابت ہے۔ **تعالیٰ عن ذلک عما لا یلیق بجناب قدسہ تعالیٰ**، آئینہ میں زید کی صورت کے ظاہر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ زید آئینے میں ٹھہرا ہوا ہے۔ ایسا وہم شاید کسی بے وقوف ہی کو ہوگا، **وللہ المثل الاعلیٰ**، اعلیٰ مثال اللہ ہی کے لیے ہے، مومن آخرت میں حق تعالیٰ کو بہشت میں دیکھیں گے حالانکہ بہشت اور غیر بہشت سب اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر اور اس کی مخلوق ہیں اور وہ تجلی کوہ طور پر واقع ہوئی تھی حالیت و محلیت کی آمیزش سے پاک تھی، حاصل کلام یہ کہ بعض جگہیں ظہور کی قابلیت رکھتی ہیں اور بعض میں یہ قابلیت نہیں ہوتی، آئینہ صورتوں کے ظہور کی قابلیت رکھتا ہے اور گھوڑوں کی نعل میں یہ قابلیت نہیں حالانکہ یہ دونوں لوہے سے بنے ہیں، پس فرق مظہر میں ہے نہ ظاہر میں، ظاہر یعنی ظہور کرنے والے کی نسبت سب مظہر برابر ہیں قابل اور ناقابل بھی اور ایسے ہی وہ الفاظ جن سے کمیت یا جزئیت اور حالیت و محلیت کا وہم پایا جاتا ہے وہ ظاہر سے معروف اور تاویل کے لائق ہیں، ایسے الفاظ حق تعالیٰ کی بارگاہ کے مناسب نہیں، عبارت کی تنگی کے باعث اس قسم کے الفاظ کو اختیار کیا جاتا ہے۔

این قاعده یاددار کانجا که خداست
نه جزو نه کل نه ظرف نه مظروف است
(مکتوبات، مکتوب ۱۱ دفتر ۲ مطبوعہ لاہور)

قلب انسانی اور عرش رحمانی کا موازنہ:

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے انسان کے قلب اور رحمان کے عرش کے درمیان اسرار و معارف سے لبریز موازنہ پیش کیا ہے جس کی نظیر آپ سے قبل کسی عارف باللہ کے کلام میں نہیں پائی جاتی، آپ کا یہ کلام بھی آپ کے اجتہادی فکر و عرفان کا منہ بولتا ثبوت ہے، آپ ارقام فرماتے ہیں: ”چونکہ قلب عالم صغیر کا عرش ہے اور عالم کبیر کے عرش کے مشابہ ہے جہاں کی تجلی میں ظلیت کی آمیزش نہیں، اس لیے اس ظلیت کی آمیزش سے خالی تجلی کا ایک لمحہ اس قلب کا حصہ ہے اگرچہ آسمانوں اور زمینوں کو بھی اس تجلی کی چمک پہنچی ہے لیکن ظلال میں سے کسی ظل کے پردے میں ہے، سوائے قلب کے جو عرش کی ظلیت کی ملاوٹ سے پاک ہے اگرچہ ظہور چھوٹا بڑا ہونے کے اعتبار سے متفاوت ہے۔

بقدر آئینہ حسنِ تو می نماید او
ترجمہ: بقدر آئینہ پاتا ہے تیرا حسنِ ظہور

پس ظلیت کی آمیزش سے خالی تجلی عرش مجید کے بعد کاملین کے قلب کا حصہ ہے، دوسروں کے لیے ظلیت دامن گیر ہے، جاننا چاہیے کہ ظہور عرشی اگرچہ ظلیت کی آمیزش سے پاک ہے لیکن وہاں صفات ذات کے ساتھ ملی ہوئی ہیں اور شیون و اعتبارات ذات میں ثابت ہیں اگرچہ صفات و شیون اس مرتبہ میں ذات کا حجاب نہیں ہیں لیکن دید و دانش میں مشارکت اور محبت و گرفتاری میں برابر شریک ہیں، احدیتِ مجردہ کی محبت کے گرفتار کسی امر کی شرکت پر راضی نہیں ہیں، **الا للہ الدین الخالص**، دین خالص اللہ ہی کے لیے ہے، کے موافق دین خالص کو چاہتے ہیں، صفات کا شریک نہ کرنا انسان کی ہیئت وحدانی اور انسان کے جزء ارضی کے نصیب ہے، ان سب سے بڑھ کر ایک اور انسان کی ہیئت وجدانی ہے جس نے اس کی جزء ارضی کا رنگ اور اس کا حکم اختیار کر لیا ہے، غرض اس معاملہ میں عمدہ اور بہتر جزء ارضی ہے، دوسرے امور زایدہ تحسین و خوبی کی طرح ہیں، انسان میں دو چیزیں ایسی ہیں جو عرشِ مجید میں نہیں ہیں اور نہ ہی عالم کبیر کو

ان کا کچھ حصہ ملا ہے انسان میں ایک جزءِ ارضی ہے جو عرش میں نہیں اور دوسری ہیئت وجدانی ہے جو عالم کبیر میں نہیں اور وہ شعور جو ہیئتِ وجدانی سے تعلق رکھتا ہے نورٌ علیٰ نورٌ ہے جو عالمِ صغیر کے ساتھ مخصوص ہے پس انسان ایک اعجوبہ ہے جس نے خلافت کی لیاقت پیدا کرلی ہے اور بار امانت اٹھالیا ہے، انسان کی عجیب وغریب خصوصیتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ حضرت احدیتِ مجردہ کے آئینہ بننے کی قابلیت پیدا کرلیتا ہے اور صفات وشیون کے ملنے کے بغیر ذاتِ احد کا مظہر بن جاتا ہے حالانکہ حضرتِ ذات تعالیٰ ہر وقت صفات وشیونات کی جامع ہے اور صفات وشیونات کسی وقت بھی ذات تعالیٰ سے الگ نہیں ہیں، اس کا بیان یہ ہے کہ جب انسان کامل ذات احدیت کے ماسوا کی گرفتاری سے آزاد ہوکر ذاتِ احدیت سے گرفتاری حاصل کرلیتا ہے اور صفات وشیونات سے کچھ بھی اس کے ملحوظ ومنظور اور مقصود ومطلوب نہیں ہوتا تو المرء مع من اَحبَّ کے موافق اسکو حضرت احدیتِ مجردہ کے ساتھ ایک قسم کا مجہول الکیفیت اتصال پیدا ہوجاتا ہے اور وہ گرفتاری جو ذاتِ احدیت کے ساتھ اسکو حاصل ہوتی ہے ذاتِ بیچون کے ساتھ قربِ بیچون کی نسبت اس میں ثابت کردیتی ہے، اس وقت انسان کامل ذاتِ احد کا اس قسم کا آئینہ بن جاتا ہے کہ اس میں صفات وشیونات کچھ مشہود اور مرئی نہیں ہوتیں بلکہ احدیتِ مجردہ اس میں ظاہر وجلوہ گر ہوتی ہے، سبحان اللہ العظیم وہ ذات جو صفات سے ہرگز جدا نہ تھی، اس انسان کامل کے آئینہ میں مجرد اور تنہا طور پر ظاہر اور متجلی ہوگئی اور حسنِ ذاتی حسنِ صفاتی سے الگ ہوگیا، حضرت ذات صفات وشیونات کی آمیزش کے بغیر انسان کے سوا اور کسی چیز میں جلوہ گر نہیں ہوتی، عالم کبیر میں عرش مجید حضرت ذات مستجمع الصفات کا مظہر ہے اور عالم صغیر میں انسان کامل ذاتِ احد کا مظہر ہے، جو اعتبارات سے مجرد ہے، اس قسم کا آئینہ اور مظہر بننا انسان کی نہایت عجوبہ باتوں میں سے ہے، **واللہ سبحانہٗ المعطی لامانع لما اعطاہ ولا معطی لما منعہ**، اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے، جس کو وہ کچھ عطا کرے اسکو کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے وہ روک لے اس کو کوئی دے نہیں سکتا۔ (مکتوب ۱۱ دفتر ۳)

فرشتے اور انسان میں امتیاز:

انسان ایک عجوبۂ روزگار ہے، خلاقِ عظیم نے ایسے ہی تو نہیں فرمایا، بے شک ہم نے انسان کو احسن التقویم بنایا ہے، پھر اسے خلافت ارضی کا سزاوار بنا کر جملہ مخلوقات پر تاجداری کا شرف عطا فرمایا۔

قطرہ ہے لیکن مثالِ بحرِ بے پایاں بھی
ہے

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے فرشتے اور انسان کے مقام میں عجیب قسم کے معارف بیان فرمائے ہیں جو آپ کی اجتہادی فکر و عرفان کی گواہی دیتے ہیں اور آپ کی بےمثال باریک بینی کا خوبصورت نتیجہ ہیں، فرماتے ہیں

''فرشتے اصل کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اسکی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ گرفتاری رکھتے ہیں، ظلیت کی آمیزش ان کے حق میں مفقود ہے، انسان بیچارہ اس جہان میں دائرہ ظلیت سے بمشکل قدم باہر نکال سکتا ہے اور انفسی و آفاقی آئینوں کے وسیلہ کے بغیر شہود دائمی بمشکلِ حاصل کرسکتا ہے۔ اصل تک پہنچنے کے بعد اصل کے انوار کی شعاعوں کا پرتو اس کے قلب کے آئینہ میں جلوہ کر کے پھر اسکو عالم کی طرف لوٹا دیتے ہیں اور ناقصوں کی تربیت اس کے حوالے کرتے ہیں، اس رجوع میں اسکی اپنی بھی تربیت ہے اور دوسروں کی بھی، کیونکہ اصلی انوار کا وہ پرتو جو اس کی جزء کی طرح بنایا گیا ہے رجوع کی مدت میں دوسرے اجزاء کو بھی اپنے رنگ پر لے آتا ہے اور اپنے رنگ میں رنگ دیتا ہے جس طرح کہ دوسروں کو نقص سے کمال تک لے آتا ہے اور غیب سے شہادت کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور جب اسکی دعوت اور رجوع کی مدت تمام ہو جاتی ہے اور کتاب وقت مقررہ تک پہنچ جاتی ہے تو اسکو اپنے اصل کا شوق پیدا ہو جاتا ہے اور رفیق اعلیٰ کی ندا اس سے نکلتی ہے اور مختلف تعلقات سے آزاد ہو کر غیب سے شہادت کی طرف اسباب لے جاتا ہے اور گوش سے آغوش تک معاملہ آ جاتا ہے، **الموت جسر یوصل الجیب الی الجیب**، موت ایک پل ہے جو یار کو یار سے ملاتا ہے، اس وقت صادق آتا ہے، جاننا چاہیے کہ فرشتہ اگرچہ اصل کا مشاہد ہے اور انسان کا شہود انفس کے آئینہ میں ہے لیکن

اس دولت کو انسان میں جزء کی طرح بنایا گیا ہے اور اس کے ساتھ اسکو بقا بخشا ہے اور اس کے ساتھ متحقق ہوا ہے برخلاف فرشتہ کے کہ اس دولت کو اس میں جزء کی طرح نہیں بنایا گیا، وہ باہر ہی سے نظارہ کرتا ہے اور بقا وتحقیق اس کے ساتھ حاصل نہیں کرتا، یہ انصباغ وتلون جو انسان کو اصلی رنگ سے میسر ہوا ہے فرشتہ نہیں رکھتا اور وہ خصوصیت جو خاکیوں کو حاصل ہے قدسیوں کو حاصل نہیں کیونکہ اندر سے باہر تک بہت فرق ہے اگرچہ اندرونی دولت جزء کی طرح ہوتی ہے اور بیرونی دولت کل کی طرح لیکن اندر اندر ہے اور باہر باہر، کلامنا اشارۃ وبشارۃ، ہمارا کلام اشارت اور بشارت ہوتا ہے اس واسطے خواص بشر خواصِ ملک سے افضل ہو گئے اور ان کے ہوتے ہوئے خلافت کے مستحق بن گئے **واللہ یختص برحمتہ من یشآءُ واللہ ذوالفضل العظیم۔**

زمیں زادہ بر آسماں تاختہ
زمین و زماں راپس انداختہ

یہ دولت انسان کو جزء ارضی کے باعث میسر آئی ہے اور قلب کو جو عرش اللہ کہتے ہیں عنصرِ خاک ہی کی بدولت ہے جو کل کا جامع اور دائرہ امکان کا مرکز ہے، ہاں زمین کو اسکی پستی اور عاجزی کے باعث یہ رفعت وبلندی حاصل ہوئی ہے، اس فروتنی نے اسکو بلند کردیا ہے، **مَنْ تواضع لِلّٰہ تعالیٰ رفعه اللہ تعالیٰ**، جو اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکو بلند کرتا ہے، جب انسان رجوع اور دعوت کی مدت کے تمام ہونے اور اصلی رنگ میں رنگے جانے کے بعد اصل کی طرف رجوع کرتا ہے اور جناب پاک کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس وقت جو خصوصیت اور انبساط اس کو میسر ہوتا ہے یقین نہیں کہ دوسروں کو بھی ہو اور قرب ومرتبہ جو اسکو حاصل ہوتا ہے کسی اور کو حاصل نہیں ہوتا کیونکہ وہ اصل میں فانی ہو کر اسکے ساتھ بقا پیدا کرلیتا ہے اور اصل کے رنگ میں رنگا جاتا ہے، کسی اور کی کیا مجال ہے کہ اس کے ساتھ برابری کرے کیونکہ دوسروں کا انصباغ چونکہ درونی ہے اس لیے ذاتی حکم رکھتا ہے، شتان مابینهما، ان دونوں میں بہت فرق ہے، یہ کمال

انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ جن کو خواص بشر کہتے ہیں، مخصوص ہے اور جس کسی کو چاہیں ان کی وراثت اور تبعیت کے طور پر اس دولت سے مشرف کرتے ہیں، یہ دولت انبیاء علیہم السلام کے اصحاب کو ان کی صحبت کی برکت سے زیادہ تر حاصل تھی، اصحاب کرام کے سوا اور لوگ جن کو اس دولت سے مشرف فرماتے ہیں بہت کم بلکہ اس سے بھی کمتر ہیں، (مکتوب ١٢ دفتر٢)

اگر پادشہ بردر پیرزن
بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

ظلوماً جھولا کی انوکھی تفسیر:

قرآن پاک کی دو مشہور آیات ایسی ہیں جن کی تفسیر میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے فکر و عرفان کی پرواز نقطہ کمال کو چھو رہی ہے، پہلے ان آیاتِ مبارکہ کی تلاوت کیجیے:

> **ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا فمنهم ظالم لِنفسہٖ ومنُهم مقتصدٌ ومنهم سابقٌ بالخیرات باذن اللہ،**
>
> پھر ہم نے کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا، کوئی ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے اور کوئی اعتدال پر چلنے والا اور کوئی اللہ تعالیٰ کے حکم سے خیرات میں سب سے بڑھنے والا ہے۔
>
> **اِنّا عرضنا الامانة علی السمٰوٰت والارض والجبال فَاَبَیْنَ اَنْ یحملنها واشفقْنَ منها وَحَمَلها الانسان اِنَّهٗ کَانَ ظلوماً جهولاً ۝**
>
> ہم نے اپنی امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی لیکن انہوں نے اسکے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا، یہ بڑا ہی ظالم اور جاہل ہے۔

اہل لغت نے لکھا ہے کہ جب کوئی شخص امانت کو واپس کرنے سے انکار کر دے اور اس میں خیانت کرے تو عرب کہتے ہیں حمل الامانۃ، اس نے امانت واپس کرنے سے انکار کر دیا اور اس کا بوجھ اٹھالیا، اس آیتِ طیبہ میں حَمَلَ، اس معنیٰ میں مستعمل ہوا ہے، اس لغوی تحقیق کے پیش نظر آیتِ طیبہ کا معنیٰ ہوگا، ہم نے

آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر اس امانت کو پیش فرمایا تو انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا، جو حکم ربانی ملا، بے چون وچرا اس کی تعمیل میں لگ گئے، سرِ مو انحراف اور سستی نہ کی، وہ اس بات سے ڈرے کہ کہیں امانت میں خیانت کرنے سے غضب الٰہی کا شکار نہ ہو جائیں لیکن انسان نے اس امانت میں خیانت کی اور اس کا بوجھ گردن پر اٹھایا، بے شک وہ بڑا ظالم اور نادان ہے، لسان العرب میں یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے، علمائے کرام کے نزدیک امانت سے مراد تکلیفات شرعیہ ہیں جن میں عبادات، اخلاقیات اور ہر قسم کے قوانین داخل ہیں، اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں سے فرمایا کہ ہم تمہیں اختیار اور ارادے کی آزادی دیتے ہیں، انہوں نے اعتراف عجز کرتے ہوئے معذرت خواہی کر دی، ہمیں اطاعت کے ثواب سے نافرمانی کے عذاب کا اندیشہ زیادہ ہے، ہم تیرے مسخر اور پابند حکم رہ کر تعمیل کریں گے لیکن انسان نے اپنی ناتوانائیوں کو پس پشت ڈال کر امانت اٹھانے کی ہامی بھر لی اور خود کو آزمائش میں مبتلا کر دیا، یہ اس نے کسی عقلمندی کا ثبوت نہیں دیا، حضرت جنید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جب یہ امانت حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کی گئی تو ان کی نظر امانت پر نہیں تھی امانت والے پر تھی، اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا، اسے اٹھانا تیرا کام ہے اور تیری حفاظت فرمانا میرا کام ہے، (روح البیان سورۃ الاحزاب) صوفیہ کرام کے نزدیک امانت سے مراد احکام شرعیہ نہیں کیونکہ ان کے جن اور ملائکہ بھی مکلف ہیں، اس سے انسان کی کیا افضلیت ہوگی، دراصل امانت سے مراد نور العقل اور نار العشق ہے، وہ نور عقلِ کے ذریعے معرفت الٰہی حاصل کرتا ہے، اور عشق کی آگ حجابات کو جلا کر اسے معرفتِ الٰہی تک پہنچاتی ہے، فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کے مکرم بندے ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک کا ایک مخصوص مقام ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتا، یہ انسان ہے جو سوز عشق کی بدولت غیر متناہی درجات تک ترقی کرتا ہے اور یہ اسکی خصوصیت ہے، یہ علامہ ثناء اللہ مظہری کا نتیجہ فکر ہے جو انہوں نے صوفیہ کی تعلیمات سے حاصل کیا ہے، ان آیات کی انوکھی تفسیر کی استعداد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو حاصل ہوئی اور آپ نے اپنے اجتہادی فکر وعرفان سے گویا اسکا حق ادا کر دیا، آپ کے نزدیک یہاں انسان کی مذمت مقصود نہیں اور اسے ظلوماً جھولاً کے خطاب سے نواز کر ایک عجیب طریقے سے اسکے کمالِ عرفان کو بیان کیا گیا ہے، آپ ارقام فرماتے ہیں:

> ''ان دونوں آیتوں کی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے لیکن ہم تاویل بیان کرتے ہیں جو ہم پر ظاہر ہوگئی ہے، ربنا لا تواخذنا ان نسینا او

اخطانا، اے پروردگار تو ہماری بھول چوک پر مواخذہ نہ فرمانا، جاننا چاہیے کہ انّ اللہ خلق آدم علیٰ صورتہ، اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ صورت سے پاک اور برتر ہے، پس آدم کا اسکی صورت پر پیدا ہونا اس طرح پر ہوسکتا ہے کہ اگر مرتبہ تنزیہ کی صورت عالم مثال میں فرض کی جائے تو بے شک یہ صورت جامع ہوگی جس پر انسان جامع موجود ہوا ہے، دوسری صورت کو یہ قابلیت حاصل نہیں کہ اس مرتبہ مقدسہ کی تمثال ہو سکے اور اس کا آئینہ بن سکے، یہی باعث ہے کہ انسان حق تعالیٰ کی خلافت کے لائق ہوا ہے کیونکہ خلیفہ جب شے کی صورت پر مخلوق نہ ہو اس شے کی خلافت کا مستحق نہیں ہوتا اس لیے کہ شے کا خلیفہ اسکا خلف اور قائم مقام ہوتا ہے، چونکہ انسان رحمان کا خلیفہ بن گیا اس لیے بار امانت بھی اسی کو اٹھانا پڑا، **لایحمل عطایا الملک الاّ مطایاہ**، بادشاہ کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں، آسمان، زمین اور پہاڑ اتنی جامعیت کہاں سے لاتے تا کہ حق تعالیٰ کی صورت پر پیدا ہوتے اور اسکی خلافت کے لائق ہوکر بار امانت کو اٹھا سکتے، محسوس ہوتا ہے کہ بالفرض اگر اس بار امانت کو آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں کے حوالے بھی کرتے تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے اور ان کا کچھ اثر باقی نہیں رہتا، وہ امانت اس فقیر کے خیال میں نیابت کے طور پر تمام اشیاء کی قیومیت ہے جو انسان کامل کے ساتھ مخصوص ہے، یعنی انسان کامل کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کو خلافت کے حکم سے تمام اشیاء کا قیوم بنا دیتے ہیں، تمام مخلوق کو تمام ظاہری باطنی کمالات کا اضافہ اور بقا اسی کے ذریعے پہنچاتے ہیں، اگر فرشتہ ہے تو وہ بھی اس کے ساتھ متوسل ہے اور اگر جن وانس ہے تو وہ بھی اس کے ساتھ وسیلہ پکڑتا

ہے، غرض یہ کہ حقیقت میں تمام اشیاء کی توجہ اس کی طرف ہوتی ہے اور سب اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں خواہ وہ اس امر کو جانیں یا نہ جانیں، فرمایا، **اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوماً جَھُولاً** ، یعنی انسان اپنی جان پر یہاں تک ظلم کرتا ہے کہ اپنے وجود اور توابع وجود کا کوئی نام ونشان اور حکم واثر باقی نہیں چھوڑتا، واقعی جب تک اس طرح کا حکم نہ کرے بار امانت کے لائق نہیں ہوسکتا، **جھولاً** یعنی اس قدر جاہل ہے کہ اسکو اپنے مطلوب کا علم وادراک نہیں بلکہ ادراک سے عاجز ہونا اور علم سے جاہل ہونا اس کا مقصود ہے، یہ عجز اور جہل اس مقام میں کمالِ معرفت ہے کیونکہ سب سے زیادہ جاہل اس مقام میں سب سے زیادہ عارف ہوتا ہے اور جو سب سے زیادہ عارف ہوگا وہی بار امانت کے لائق ہوگا، یہ دونوں صفتیں گویا بار امانت کے اٹھالینے کا باعث ہیں، یہ عارف جو اشیاء کی قیومیت کے مرتبہ سے مشرف ہوا ہے وزیر کا حکم رکھتا ہے، جس کی طرف تمام مخلوقات کے ضروری کام اور معاملات راجع ہیں، انعام اگرچہ بادشاہ کی طرف سے ہیں لیکن وزیر کے ذریعے پہنچتے ہیں، اس دولت کے رئیس ابوالبشر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، یہ مرتبہ اصلی طور پر اولوالعزم پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے یا ان لوگوں کے ساتھ جن کو ان بزرگوں کی وراثت وتبعیت کے طور پر اس دولت سے مشرف فرمائیں۔

بر کریماں کارہا دشوار نیست

وارثانِ کتاب میں سے پہلا گروہ جو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں سے ہیں یہی ظالم لنفسہٖ ہیں جو منصب وزارت اور قیومیت سے مشرف ہیں، ان برگزیدہ لوگوں میں سے دوسرا گروہ جن کو مقتصد سے تعبیر فرمایا ہے وہ لوگ ہیں جو دولت خلت سے مشرف ہیں اور

> صاحب سر اور اہل مشورت ہیں اگر چہ بادشاہی کا معاملہ اور کاروبار وزیر کے متعلق ہے لیکن خلیل یعنی دوست، ہمنشین اور غمخوار اور انیس ہوتا ہے، یعنی خلیل اپنے آرام کے لیے ہے اور وزیر دوسروں کے کاروبار کے لیے، شتان ما بینھما، ان دونوں میں بہت فرق ہے، اس مقام خلت کے سرحلقہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں یا وہ لوگ جن کو اس مقام عالی سے مشرف فرمائیں، مقام خلت سے اوپر مقام محبت ہے جس مقام اعلیٰ کے ساتھ تیسرے گروہ کے لوگ جو سابق الخیرات ہیں مشرف ہوئے ہیں، یار وندیم اور ہوتا ہے اور محبت ومحبوب اور وہ اسرار ومعاملات جو محبّ ومحبوب کے درمیان گزرتے ہیں یار وندیم کا وہاں کچھ دخل نہیں اگر چہ کمال الفت وانس کے وقت محبت کے خفیہ اور پوشیدہ اسرار کو جلیل القدر خلیل کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں اور اسکو محبّ ومحبوب کے اسرار کا محرم بنا سکتے ہیں، محبوں کے سرحلقہ حضرت کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور محبوبوں کے سرگروہ حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں یا ان بزرگواروں کی وراثت وتبعیت سے جس کسی کو ان دو مقاموں سے مشرف فرمادیں اور وہ مفادات جو مقام محبت سے اعلیٰ ہیں ان میں بھی صدر نشین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں وہ سب مقامات سابقین کے مقام میں داخل ہیں جو وارثان کتاب میں سے تیسرے گروہ کو نصیب ہیں، ربنا اٰتنا من لدنک رحمۃً (مکتوب ۴۷ دفتر ۲)

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے اجتہادی فلسفے کی روشنی میں ظلوم، جہول اور ظالم لنفسہٖ جیسے الفاظ بھی حضرت انسان کے حق میں قدح کی بجائے مدح کی صورت اختیار کر گئے ہیں اور اس پیکر خاکی کے عروج ومقامات کی دلیل ٹھہرے ہیں بسا اوقات ایک ہی لفظ اپنے اندر معارف کے سمندر چھپا رکھتا ہے، مثلاً جب ''مکر'' کا لفظ عام طور پر استعمال ہوتا ہے تو اسکا معنیٰ فریب، دھوکا اور چال وغیرہ لیا جاتا ہے لیکن یہی

لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے "تدبیر" کے معنی میں مستعمل ہے، اس طرح استہزا کا معنی مذاق ٹھٹھہ مجنوں وغیرہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوا تو معنی یہ نہ رہا، گویا

گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے نزدیک انسان عالم خلق اور عالم امر کے مجموعہ سے مراد ہے، عالم خلق کو انسان کی صورت اور ظاہر تصور کرتے ہیں اور عالم امر کو اس کا باطن اور حقیقت جانتے ہیں لہٰذا اتنی جامع مخلوق ہی حق تعالیٰ کی امانت وخلافت کی سزاوار ہو سکتی ہے اور تمام مخلوقات سے اشرف واعلیٰ کہلا سکتی ہے، اب حق تعالیٰ کی ذات وصفات کے لامتناہی عرفان کا عالم دیکھیے کہ اتنے اعلیٰ درجے کی مخلوق بھی ایسے حیرت زدہ ہے جیسے کوئی بچہ سمندر کے کنارے پر کھڑے ہو کر اس کی بیکرانیوں پر نقشِ حیرت بنا ہوا ہے۔

کوئی شخص حضور اکرم ﷺ سے زیادہ فصیح نہیں ہو سکتا، فصاحت وبلاغت کے تاجدار بھی اس بارگاہ قدس میں عرض گزار ہیں:

> "ہم تیرے اوصاف شمار نہیں کر سکتے، اور عجز وانکسار کا اظہار کر رہے ہیں، میری زبان کو تیری ثنا کا یارا نہیں، میں کیا کہوں، میری زبان معذور ہے، (کشف المحجوب ص ۳۸۰ مطبوعہ لاہور) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، کا قول مبارک معرفت کی جان ہے، حق تعالیٰ کا ادراک یہی ہے کہ اس کا ادراک ممکن نہیں، حضرت بایزید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، مجھے تین چیزوں کی انتہا معلوم نہیں ہو سکی، معرفتِ کبریا کی انتہا، عظمتِ مصطفیٰ کی انتہا اور نفس کے مکر ودغا کی انتہا، حضرت شبلی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، معرفتِ دوام حیرت کا نام ہے، حضرت علی ہجویری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، حیرت کیفیت لازما ہونی چاہیے کیونکہ ذاتِ حق کی کیفیت کو سمجھنا عقل کی مجال سے باہر ہے، اسی واسطے کسی نے کہا ہے کہ اے متحیر دلوں کے رہنما میری حیرت کو اور زیادہ کر راہِ مطلوب میں عقل کے لیے بجز حیرت وسرگردانی کوئی شریکِ کار اور کوئی مقام نہیں، عرفانِ ہستی حق انسان کو اپنی ہستی سے متعلق معرضِ حیرت میں ڈال دیتا ہے (کشف المحجوب ۳۷۷)

حضرت محمد بن واسع علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں،

''عارف وہ ہے جسکا کلام مختصر ہو اور حیرت دوامی ہو، کیونکہ بیان اسی چیز کا ہوسکتا ہے جو معرض بیان ہو، جب بیان سے مقصد حاصل نہ ہو تو انسان بے بس ہوتا ہے اور سوائے دائمی حیرت واستعجاب کے چارہ کار نہیں رہتا، اس لیے حضرت شبلی علیہ الرحمۃ نے فرمایا، حقیقی معرفت معرفتِ حق سے معذوری کا نام ہے، گویا انسان کا یہ جہل، حیرت، عجز اور معذوری اس کے عروج معرفت کی دلیل ہے اس لیے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے ظلوماً وجھولاً کا یہ معنی بیان فرما کر انسان کی عظمت ومعرفت کو آشکار فرمایا اور قرآن پاک کے اسلوب بیان کا صحیح مقصد اجاگر کردیا، مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

نَیک ظلمے کہ عینِ معدلت است
نغز جہلے کہ مغزِ معرفت است

ترجمہ: یہ ظلم اتنا اچھا ہے کہ عین عدل ہے اور یہ جہل ایسا عمدہ ہے کہ مغز معرفت ہے۔

کعبہ کی سورت وحقیقت:

کعبہ مشرفہ، زاد اللہ شرفھا اللہ تعالیٰ کا مقدس ومطہر گھر ہے جس کی طرف چہرہ کر کے تمام اہل اسلام نماز پڑھتے ہیں، جس کا حج اور عمرہ عبادتوں کی جان ہے اور دیدار ریاضتوں کی شان ہے، جس کے طواف سے عشق ومستی کے جذبات پروان چڑھتے ہیں، جو کائنات میں مرکز توحید ہے، محورِ مساوات ہے، ذریعہ اخوتِ اسلامی ہے، حضرت ابوذر غفاری سے روایت ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، یا رسول اللہ! زمین پر سب سے پہلے کونسی مسجد بنائی گئی، آپ نے فرمایا، مسجد حرام (یعنی کعبہ مشرفہ) (صحیح مسلم کتاب المساجد) قرآن پاک نے بھی فرمایا۔

اِنَّ اول بیت .... وھدی للعٰلمین

یعنی بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کو مقرر ہوا وہ ہے جو مکہ میں ہے، برکت والا اور سارے جہانوں کا راہنما، (آل عمران آیت ۹۶)

حضرت امام آلوسی علیہ الرحمۃ کعبہ مشرفہ کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں، کعبہ مشرفہ کی تعمیر سب سے پہلے فرشتوں نے کی، پھر حضرت آدم علیہ السلام نے پھر حضرت شیث علیہ السلام نے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر عمالقہ نے، پھر جرہم نے پھر حضرت قصی نے، پھر قریش مکہ نے، پھر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے، پھر حجاج بن یوسف نے اور آج تک وہی بنا قائم ہے، (روح المعانی ۴/ ۵ مطبوعہ بیروت) نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں: کعبہ مشرفہ کو سب سے پہلے فرشتوں نے بنایا اور کعبہ بنانے کے چالیس سال بعد فرشتوں نے بیت المقدس کو بنایا، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کعبہ اور بیت المقدس کے بانی اور موسس نہیں نشاۃ ثانیہ اور تشکیل جدید کرنے والے ہیں، (فتح البیان ۴/ ۷۷ مطبوعہ بولاق مصر) حضور تاجدار انبیاء ﷺ کو کعبہ مشرفہ سے خصوصی محبت تھی، یہ آپ کی اس لازوال محبت کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بیت الحرام کو آپ اور آپ کی امتِ مرحومہ کے لیے قبلہ بنا دیا، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے کعبہ مشرفہ کے متعلق بہت ہی بلند افکار و اسرار کا اظہار فرمایا ہے جن کو پڑھ کر اسکی شان و عظمت اور جلالت و منزلت کا ادراک حاصل ہوتا ہے، آپ رقمطراز ہیں:

> ''جاننا چاہیے کہ صورتِ کعبہ پتھر اور مٹی سے مراد نہیں ہے کیونکہ بالفرض پتھر اور مٹی نہ بھی ہوں تو پھر بھی کعبہ کعبہ ہے، اور خلائق کا مسجود (الیہ) ہے، بلکہ صورتِ کعبہ باوجودیکہ عالم خلق میں سے ہے لیکن اور اشیاء کی خلق کی طرح نہیں ہے بلکہ ایک ایسا پوشیدہ امر ہے جو حس و خیال کے احاطہ سے باہر ہے، گو عالم محسوسات میں سے ہے لیکن کچھ بھی محسوس نہیں اور اگرچہ اشیاء کا متوجہ الیھا ہے لیکن کچھ بھی توجہ میں نہیں ہے، وہ ایک ہست ہے جس نے نیستی کا لباس پہنا ہے، اور ایک نیست ہے جو ہستی کے لباس میں ظاہر ہے، جہت میں ہو کر بے جہت ہے اور سمت میں ہو کر بے سمت ہے غرضیکہ یہ صورت حقیقت نما نہایت

ہی عجیب ہے جس کی تشخیص میں عقل عاجز ہے اور عقلمند اس کے تعین میں حیران ہیں، گویا عالم بیچونی وبیچگونی کا نمونہ رکھتی ہے اور بے شبہی اور بے نمونی کا نشانہ اس میں پوشیدہ ہے، ہاں اگر ایسی نہ ہوتی تو مسجود (الیہ) ہونے کے لائق نہ ہوتی اور بہترین موجودات بڑے شوق سے اسکو اپنا قبلہ نہ بناتے، فیہ آیات ا بینات اس میں نشان ظاہر ہیں، اسکی شان میں نص قاطع ہیں اور من دَخَلہٗ کان امنا، جو اس میں آ گیا وہ امن میں ہو گیا اس کے حق میں ہے، بیت اللہ ہے کہ صاحب خانہ جل شانہٗ کی بیوتیتِ خاص اسی میں ہے اور بیچون بے چگون کا مجہول الکیفیت اتصال ونسبت اسی کے ساتھ ہے وللہ المثل الاعلیٰ، اعلیٰ مثال اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، عالم مجاز میں جو حقیقت کا پل ہے، بیت یعنی خانہ اور گھر اس بیوتیت کی خبر دیتا ہے کہ صاحب خانہ کے قرار وآرام کی جگہ ہے، اگر چہ دولتمندوں کی نشست گاہیں بہت ہیں اور نشست وبرخاست کے مکان بے شمار ہیں لیکن یہ ایسا گھر ہے جو اغیار کی مزاحمت سے بیگانہ ہے اور معشوق حقیقی کا مکان اور آرام گاہ ہے اگر چہ حدیث قدسی ہے ولکن یسعنی قلب عبدالمومن، لیکن میں اپنے مومن بندے کے دل میں سکماتا ہوں، کے موافق مومن بندے کا دل بیچونی ظہور کی گنجائش حاصل کر لیتا ہے لیکن بیتیت یعنی گھر ہونے کی نسبت جو بیوتیت کی خبر دیتی ہے کہاں حاصل کر سکتا ہے اور اغیار کی مزاحمت کو جو گھر کے لوازم سے ہے کس طرح دور کر سکتا ہے، چونکہ غیر وغیریت کا اس مقام میں دخل نہیں اس لیے خلائق کا مسجود ہے تا کہ غیر کو سجدہ نہ ہو کیونکہ غیریت مسجود ہونے کے منافی ہے، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سجدہ تجویز نہ کیا لیکن بیت اللہ کی طرف بڑے شوق ورغبت کے

ساتھ سجدہ کیا، اس بیان سے فرق محسوس کرلیں، ساجد اور مسجود کے درمیان بہت فرق ہے، میرے بھائی جب تو نے صورتِ کعبہ کا تھوڑا سا حال سن لیا تو اب حقیقت کعبہ کی نسبت بھی سن لے، حقیقت کعبہ اس بیچون واجب الوجود کی ذات سے مراد ہے جہاں تک ظہور اور طلب کی گرد بھی نہیں پہنچی اور مسجود اور معبود ہونے کے لائق ہے، اس حقیقت کو اگر حقیقت محمدی کی مسجود کہیں تو اس میں ڈر ہے اور اس سے اس کے افضل ہونے میں کیا حرج ہے، ہاں حقیقت محمدی جہان کے تمام افراد کی حقیقتوں سے افضل ہے لیکن کعبہ معظّمہ کی حقیقت عالم کی قسم سے نہیں تا کہ اسکی طرف یہ نسبت کی جائے اور اس کے افضل ہونے میں توقف کیا جائے، تعجب ہے ان دونوں صاحب دولتوں کی صورتوں کا فرق ساجد اور مسجود ہونے کے باعث ہے، صاحبِ ہنر عقلمندوں نے ان دونوں حقائق کا تفاوت معلوم نہیں کیا، اسی لیے اعراض وانکار کے مقام میں رہتے ہیں اور طعن وتشنیع کے لیے زبان دراز کی ہے، حق تعالیٰ ان کو انصاف دے تا کہ بے سوچے سمجھے ملامت نہ کریں، (مکتوب ۱۲۴ دفتر ۳)

یہاں صورتِ کعبہ کے متعلق کوئی وہم کا شکار جائے کہ آپ اللہ تعالیٰ کو کعبہ مشرفہ میں منحصر اور محدود سمجھتے ہیں (معاذ اللہ) آپ کے نزدیک کعبہ مشرفہ پتھر اور مٹی کے گھر کا نام نہیں، جب یہ گھر تعمیر نہیں ہوا تھا تو پھر بھی وہ مقام رفیع کعبہ مشرفہ ہی تھا، چنانچہ تاریخ عرب بھی اس پر شاہد ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ظہور سے قبل وہاں ایک سرخ رنگ کا ٹیلہ تھا جہاں لوگوں کی دعائیں قبول ہوتی تھیں اور لوگ دور دراز سے چل کر وہاں زیارت کے لیے آیا کرتے تھے، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زوجہ محترمہ اور لختِ جگر کو وہاں چھوڑا تو بارگاہ ایزدی میں دعا کی میں تیرے بیت کے قریب اپنی ذریت کو آباد کر رہا ہوں، یہ دعا قرآن پاک میں موجود ہے حالانکہ اس وقت موجودہ صورت کعبہ کا نام ونشان نہیں تھا، آپ فرماتے ہیں، ظہور قرآنی کا منشا صفاتِ حقیقہ سے ہے اور ظہور محمدی کا منشاء صفاتِ اضافیہ سے ہے اس واسطے اس کو قدیم اور غیر مخلوق کہتے ہیں اور اسکو حادث ومخلوق لیکن کعبہ ربانی کا معاملہ ان پر دو ظہورامی سے بھی زیادہ عجیب

ہے، وہاں صورتوں اور شکلوں کے لباس کے بغیر معنی تنزیہی کا ظہور ہے کیونکہ کعبہ جو خلائق کا مسجود الیہ ہے پتھر، ڈھیلے، چھت اور دیواروں سے مراد نہیں ہے کیونکہ یہ چیزیں اگر نہ بھی ہوں تو پھر بھی کعبہ کعبہ ہے اور مسجود الیہ ہے پس یہ نہایت عجیب بات ہے کہ وہاں ظہور ہے لیکن اسکی کوئی صورت نہیں۔ (مکتوب ۱۰۰ دفتر

۳) جب صرف اس محدود عمارت کا نام کعبہ نہیں تو حق تعالیٰ کو کیسے اس میں محدود اور منحصر سمجھا گیا یہ، یہاں تک بیوتیت، کا تعلق ہے تو وہاں پر دن رات حق تعالیٰ کی طرف سے خصوصی تجلیات کا نزول ہوتا رہتا ہے جو کسی اور مقام کو حاصل نہیں۔ آپ فرماتے ہیں، ظہور عرشی اگر تمام تجلیات وظہورات سے برتر ہے لیکن وہ معاملہ جو بیت اللہ مقدس کے ساتھ وابستہ ہے وہ تمام تجلیات وظہورات سے برتر ہے، (مکتوب ۲۷ دفتر

۴) البتہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی اس موضوع پر جملہ عبارتوں کو ملا کر یہ نتیجہ اخذ ہوسکتا ہے کہ حقیقت محمدی کعبہ مشرفہ سے افضل ہے اور حقیقت کعبہ (یعنی ذات واجب) حقیقت محمدی سے افضل ہے۔

سیر فی اللہ کے بارے میں:

صوفیہ کے نزدیک جب سالک ذکر شریف میں پورے اخلاص وانہماک سے مشغول ہوتا ہے، مجاہدات وریاضات سے تزکیہ نفس حاصل کرتا ہے تو اس کے اوصاف رذیلہ بتدریج اخلاق حسنہ میں بدلنے لگتے ہیں اور وہ توجہ وانابت کی توفیق حاصل کرلیتا ہے، وہ دنیا کی محبت سے فارغ ہوجاتا ہے تو اس وقت وہ عالم مثال میں اپنے آپ کو کدوراتِ بشریہ اور اوصافہ رذیلہ سے پاک وصاف دیکھتا ہے، سمجھ لو کہ اس نے سیر آفاقی تمام کرلی ہے، مشائخ میں سے ایک جماعت نے اس مقام میں مزید احتیاط کی ہے اور فرمایا ہے کہ جب سالک اپنے ساتوں لطائف کا تصفیہ کرلیتا ہے اور عالم مثال میں ان کے انوار کو دیکھ لیتا ہے جو مختلف الوان کے ہیں تو اسکی سیر آفاقی اتمام کو پہنچتی ہے، سالک اس دوران عالم مثال میں اپنے آپ کو ایک ہیئت سے دوسری ہیئت میں تبدیل ہوتے دیکھتا ہے چونکہ عالم مثال بھی آفاق میں داخل ہے اس لیے اسکو سیر آفاقی کہتے ہیں ورنہ یہ سیر بھی سیر نفس سالک ہے اور اوصاف واخلاق میں ایک قسم کی کیفی حرکت ہے، چونکہ دور سے دیکھتے وقت اسکا مطمح نظر آفاق ہوتا ہے نہ انفس، اس واسطے اس سیر کی نسبت آفاق کی طرف کردی گئی ہے، مشائخ نے اس سیر کو سیر الی اللہ قرار دیا ہے اور فنا کو اس سے مربوط کیا ہے اور سلوک کی تعبیر اس سیر سے کی ہے، سیر آفاقی کے بعد جو سیر واقع ہوتی ہے اسکو سیر انفسی کہتے ہیں اور اس کو سیر فی اللہ قرار دیتے ہیں اور بقا باللہ کا تعلق اس موطن ومقام سے وابستہ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ سلوک کے بعد

کا جذبہ اس مقام میں حاصل ہوتا ہے کیونکہ پہلی سیر میں سالک کے لطائف کا تزکیہ ہو چکا ہے، وہ کدوراتِ بشریہ سے پاک ہو گئے ہیں، ان میں قابلیت پیدا ہو گئی ہے کہ ظلال وعکوس اس اسم جامع کے جو کہ اسکا رب ہے ان میں ظاہر ہوں اور وہ مورد تجلیات اور اسم جامع کی جزئیات کے مظاہر بنیں، اس سیر کو سیر انفسی اس لیے کہتے ہیں کہ اسماء وصفات کے ظلال وعکوس کے واسطے انفس آئینے بن گئے ہیں یہ بات نہیں کہ سالک کی سیر انفس میں ہے جس طرح کہ سیر آفاقی کے متعلق بیان کیا جا چکا ہے کہ بہ اعتبار مرآنیت اسکو سیر آفاقی کہا گیا ہے، یہ سیر فی الحقیقت انفس کے آئینے ظلال اسما کی سیر ہے، اس بنا پر اسکو سیر معشوق در عاشق بھی کہتے ہیں (یعنی معشوق اپنے عاشق کے لطائف کے آئینوں میں جلوہ گر ہو رہا ہے)

آئینہ صورت از سفر دور است
کاں پذیرائے صورت از نور است

اس سیر کو سیر فی اللہ قرار دیا گیا ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اس سیر کے دوران سالک ''متخلق با خلاق اللہ'' ہو جاتا ہے اور وہ صفات الٰہیہ کی ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے، کیونکہ مظہر کو ظاہر کے بعض اوصاف میں سے حصہ ملا کرتا ہے چاہے وہ نہایت جزوی ہو، اس لحاظ سے گویا اسمائے الٰہیہ میں سیر متحقق ہوئی، یہاں تفصیل کے ساتھ سیر آفاقی، سیر انفسی، سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کے متعلق بیان کیا جا چکا ہے جو صوفیہ کے افکار کا نچوڑ ہے، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اپنی علو ہمتی کی بدولت ان مقامات کو بھی منزل سالک قرار نہیں دیا اور آپ وہاں ہی متمکن نہیں ہوئے بلکہ اگلی منزلوں اور مرحلوں پر قدم رکھتے چلے گئے جیسا کہ حضرت باقی باللہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے، ہم معرفت کے کئی سمندر بھی نوش کر لیں تو سیر نہیں ہوتے، ان باطنی بیکرانیوں کا ظہور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی شخصیت میں دکھائی دیتا ہے، آپ ارقام فرماتے ہیں۔

> ''صاحب مقام کا حال کیا ہے اور اس بات کے قائل کی مراد کیا ہے تو ہر شخص اپنی عقل و دانش کے مطابق کچھ کہتا ہے، اس بات کا کہنے والا کچھ مطلب نکالتا ہے اور سننے والا کچھ اور ہی سمجھتا ہے، یہ لوگ بلا تکلف سیر انفسی کو ''سیر فی اللہ'' کہتے ہیں اور بلا تردد کے اسکا نام ''بقا باللہ'' رکھتے ہیں اور اس مقام کو وصل و اتصال سمجھتے ہیں، فقیر پر

اس قسم کی باتیں نہایت شاق گزرتی ہیں اور ان کی تصحیح اور توجیہ کے لیے مشقت اور محنت کرنی پڑتی ہے، سیر آفاقی میں اوصاف رذیلہ سے تخلیہ حاصل ہوا ہے اور سیر انفسی میں اخلاقِ حمیدہ سے تجلیہ نصیب ہوا ہے چونکہ تخلیہ کو مقام فنا سے مناسبت ہے اس لیے تجلیہ کو بقا سے مناسبت ہوئی، ان کے نزدیک سیر انفسی کی نہایت نہیں ہے، اگر ابدی عمر ہو تب بھی کوئی اسکے اختتام کو نہیں پا سکتا کیونکہ حضرت محبوب جل شانہٗ کے شمائل واوصاف کی کوئی حد نہیں ہے لہذا سالک کے آئینے میں اسکے کمالات اور اوصاف میں سے کسی نہ کسی کمال اور وصف کا ظہور ہوتا رہے گا اور سالک اس سے متخلق اور متجلی ہوتا رہے گا۔

ذرہ گر بس نیک و ربس بد بود
گرچہ عمرے تگ زند در خود بود

مشائخ اس فنا و بقا کو جو سیر آفاقی وانفسی سے حاصل ہوئی ہے ولایت کا نام دیتے ہیں اور کمال کی نہایت اس مقام کو سمجھتے ہیں، اس کے بعد اگر سیر واقع ہو تو ان کے نزدیک وہ سیر رجوعی ہے جس کو سیر عن اللہ باللہ کہتے ہیں اور اسی طرح چوتھی سیر کو سیر فی الاشیاء باللہ کہتے ہیں اور اس کا تعلق بھی نزول سے ہے، ان دو سیروں کو برائے تکمیل وارشاد تجویز کرتے ہیں جیسا کہ پہلی دو سیرں کو حصول ولایت وکمال کے لیے کیا ہے، مشائخ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ خبر میں وارد ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے ستر ہزار پردے نور اور ظلمت کے ہیں، سیر آفاقی میں ان تمام پردوں کا چاک کرنا شامل ہے، سات لطائف ہیں اور ہر لطیفہ کے دس ہزار پردے ہیں، جب سیر آفاقی پوری ہوتی ہے تو تمام پردے اٹھ جاتے ہیں، سالک کو سیر فی اللہ نصیب ہوتی ہے اور وصل کا مقام مل جاتا ہے، گویا ان کے نزدیک نسخہ جامعہ کے کمال وتکمیل کی

یہ کیفیت ہے، اے اصحاب بینش! سنجیدگی سے کام لو اور توجہ سے سنو، اللہ تعالیٰ تم کو فہم اور راہ مستوی پر چلنے کی توفیق دے، اللہ تعالیٰ بے کیف و بے مثل ہے، جس طرح وہ آفاق سے برتر ہے اسی طرح انفس سے بالاتر ہے، لہٰذا سیر الی اللہ اور سیر انفسی کو سیر فی اللہ کہنا کب درست ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ یہ دونوں سیر الی اللہ میں داخل ہیں اور سیر فی اللہ وہ سیر ہے جو بہت ہی زیادہ آفاق و انفس سے بعید ہے اور آگے اور بہت آگے ہے، عجب معاملہ ہے کہ یہ لوگ سیر انفسی کو سیر فی اللہ قرار دے کر کہتے ہیں کہ اس سیر کی کوئی انتہا نہیں اگر کوئی عمر ابدی پالے جب بھی اسکو طے نہ کر سکے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے حالانکہ انفس بھی آفاق کی طرح دائرہ امکان میں داخل ہے تو اسکے معنی یہ ہوئے کہ دائرہ امکان کا طے کرنا ممکن نہیں، اندریں صورت حرمان دائمی اور خسران ابدی کے سوا کیا نتیجہ نکلے گا، نہ فنا کا تحقق ہوگا اور نہ بقا کا تصور تو پھر وصل و اتصال اور قرب و کمال کیسے نصیب ہوگا، سبحان اللہ! جب کہ مشائخ بزرگ پانی کے عوض سراب پر اکتفا کر بیٹھیں اور الی اللہ کو فی اللہ سمجھ لیں اور امکان کو وجوب تصور کریں اور مثل کو بے مثل قرار دیں تو پھر چھوٹوں اور پست ہمتوں سے کیا گلہ کیا جائے اور کیسی شکایت، چہ بلا شُد، آخر کس اعتبار سے انفس کو حق جلا و علا سمجھ لیا ہے کہ اسکی سیر کو جبکہ اسکی حد و نہایت ہے، بے حد و بے انتہا لکھ گئے ہیں، سیر انفسی کے دوران آئینہ سالک میں جو کچھ نظر آیا ہے اسکو یہ لوگ عین اسما و صفات پروردگار قرار دے رہے ہیں حالانکہ وہ اسما و صفات کے ظلال میں سے ایک ظل کا ظہور ہے، میں کیا کروں اور باوجود علم اور واقفیت کے اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوءِ ادب کو کسطرح برداشت کروں اور اس کی بادشاہت میں کس

طرح کسی کو شریک کردوں، بے شک ان اکابر قدس اللہ اسرارہم کے مجھ پر حقوق ہیں کہ ان کی نیک تربیتوں کا پروردہ ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کے حقوق ان کے حقوق سے بالاتر ہیں اور اسکی تربیت اوروں کی تربیت سے بہتر ہے، اس کے حسن تربیت کی بدولت اس ورطہ سے میں نے نجات پائی اور اسکی بادشاہت میں غیر کو اسکا شریک نہیں بنایا ہے، حمد اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں اسکی ہدایت دی اور ہم ہدایت نہ پاتے اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نہ دیتا، اللہ تعالیٰ بے مثل و بے کیف ہے اور ہر وہ شے جس پر مثلیت اور کیفیت کا دھبہ ہو اس سے مسلوب ہے، اس صورت میں آفاق وانفس کے لیے آئینوں میں اس کے کیا گنجائش کیونکہ ان آئینوں میں جو بھی ظاہر ہو وہ مثل وکیف کے مظاہر کی طرح ہے لہٰذا آفاق وانفس کے وراء اسکو تلاش کرنا چاہیے، اس دائرہ امکان میں جس میں آفاق وانفس شامل ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے گنجائش نہیں ہے اسی طرح اس کے اسماوصفات کے لیے گنجائش نہیں ہے، جو کچھ دائرہ امکان میں ظاہر ہو رہا ہے وہ اسماوصفات کے ظلال وعکوس ہیں بلکہ ظلال وعکوس بھی اس سے بالاتر ہیں، یہاں تو صرف ان کا سراغ ہے اور قدرت کی کاریگری اور انتقاش ہے، بھلا ظہور کس کا اور تجلی کہاں کی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح اسماوصفات بھی بے مثل و بے کیف ہیں، جب تک آفاق وانفس سے نہ نکلو گے اللہ تعالیٰ کے اسماوصفات کی ظلیت کو نہ پاسکو گے، جبکہ آفاق وانفس میں ظلیت کو نہیں پاسکتے تو اسماوصفات تک وصول کیسا، عجب معاملہ ہے، اگر میں اپنے مکشوفات اور یقینی معلومات کی کوئی ایسی بات بیان کروں جو مشائخ کے مذاق اور ان کے مکشوفات کے مطابق نہ ہو تو کون یقین کرے گا اور کون

اسکو قبول کرے گا اور اگر میں وہ بات نہ کہوں اور اس کو چھپاؤں تو میں نے حق کو باطل کے ساتھ ملانا تجویز کرلیا اور جو بات اللہ تعالیٰ کے بارے میں نہ کہنے کی ہے اسکے کہنے کو جائز قرر دے دیا، لہٰذا میں مجبور ہوں کہ حق کا اظہار کروں اور جو اس کے شایان نہیں ہے اسکو سلب کروں، مجھکو اوروں کے خلاف کا نہ ڈر ہے نہ غم ...... اللہ تعالیٰ کے فضل سے انکشاف ہوا کہ یہ تمام کھیل ظلال کا ہے اور یہ سب شبح ومثال میں گرفتاری کے اسباب ہیں، مطلوب تو ان سب سے وراء ہے اور مقصود ان کے سوا ہے، لہذا سب سے منہ موڑ کر رب العزت کی طرف فقیر متوجہ ہوا ہے اور کہتا ہے، **انی وجهت وجهی للّذی فطر السموات والارض حنیفاً وماانا من المشرکین،** اگر مولا تعالیٰ کی تقدیس اور تنزیہ کا معاملہ نہ ہوتا تو میں اکابر کے مکشوفات کے سامنے کب زبان ہلاتا، میں ان کی نعمتوں کے خرمنوں کا ایک ادنیٰ خوشہ چین ہوں، (مکتوب ۴۲ دفتر ۲)

حقیقت محمدی واجب نہیں:

حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ کے نزدیک اسماوصفات حقائقِ ممکنات ہیں اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے کا عین ہیں اسی طرح عین ذات ہیں جیسا کہ انہوں نے فرمایا، **سبحان من اظهر الاشیاء وهو عینُها،** یعنی پاک ہے وہ جس نے اشیا کو ظاہر کیا اور وہ ان کا عین ہے، (نفحات الانس ص ۷۳۷)

جبکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے نزدیک حقائق ممکنات عدمات ہیں جو اسماوصفات کے نقائض ہیں، آپ کے نزدیک عالم خارج میں وجود ظلی کے ساتھ موجود ہے جس طرح اللہ تعالیٰ خارج میں وجود اصلی کے ساتھ موجود ہے، لہٰذا عالم کو عین حق نہیں کہہ سکتے، حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ کے نزدیک حقیقت محمدی (جسکو تعین اول اور تعین حبی کہا جاتا ہے مرتبہ وحدت کا نام ہے اور تعین ثانی کو واحدیت سے تعبیر کرتے ہیں اور ہر دو تعین کو تعین وجوبی کہتے ہیں اور قدیم جانتے ہیں اور باقی تین تعینات (روحی، مثالی، جسدی) کو تعین امکانی کہتے ہیں، (تحقیق کلمۃ الحق فی کلمۃ الحق از پیر مہر علی شاہ گولڑوی ص ۸۴) اس طرح

ان کے نزدیک حقیقت محمدی اور دیگر حقائق ممکنات (اعیانِ ثابتہ) کے لیے وجوب کا حکم ثابت ہے، وہ واجب اور ممکن کے درمیان امتیاز کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ خود فرماتے ہیں، **واعیاننا فی انفس الامر ظلہ لاغیرہ**، ہمارے اعیانِ ثابتہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا ظل ہیں نہ کہ اسکا غیر، (فصوص الحکم کلمہ یوسفیہ) گویا اصل اور ظل میں عینیت ہے اور اعیان ثابتہ اسماالٰہیہ کے صور علمی کا ظہور ہیں، ان کے نزدیک حقیقت محمدی سے حضرت اجمال علم مراد ہے اور اسکو مرتبہ لاتعین کا تعین اول سمجھتے ہیں اور تجلی ذات کہتے ہیں' اس تعین اوّل کو تعین علمی اور صورت شان العلم قرار دے کر خارج میں عین ذات کہتے ہیں کیونکہ خارج میں ذات محض کے علاوہ کوئی چیز موجود نہیں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اجتہادی فکر و عرفان سے ثابت کیا ہے کہ حقیقتِ محمدی دراصل حقیقت الحقائق ہے اور تعین حبی ہے اور تعین وجودی ہے انبیاء اور ملائکہ کے حقائق اسی حقیقت محمدی کے ظلال کی مانند ہیں اور وہ اصل حقائق ہیں آپ کے نزدیک ذات واجب لاتعین ہے اس کے لیے تعینات تنزلات اور ظلال کا اطلاق جائز نہیں، آپ ارقام فرماتے ہیں:

> ''یعنی فقیر کے نزدیک کوئی تعین متعین نہیں ہے، وہ کونسا تعین ہے جو لاتعین ذات کو متعین بنائے (مکتوب ۱۲۲ دفتر ۳) پھر فرمایا، اگر فقیر کی عبارتوں میں اس قسم کے الفاظ ہوں تو ان کو صنعتِ مشاکلہ کے قبیل سے جاننا چاہیے، (کسی شے کا کسی دوسرے لفظ کے ساتھ اس کی مصاحبت کی وجہ سے ذکر کرنا مشاکلہ کہلاتا ہے)
>
> حقیقت محمدی باقی تمام حقائق اور حق تعالیٰ کے درمیان کا واسطہ ہے، آنحضرت کے واسطہ کے بغیر کوئی مطلوب تک نہیں پہنچ سکتا (مکتوب ۱۲۲ دفتر ۳)
>
> حقیقت محمدی جو حقیقت الحقائق ہے، اس حب کا تعین اور ظہور ہے جو ظہورات کا مبداء اور مخلوقات کی پیدائش کا منشا ہے، جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے، ''میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں پس میں نے خلق کو پیدا کیا''، اول اول جو چیز اس پوشیدہ خزانہ سے میدان ظہور میں آئی یہی حب ہے جو مخلوقات کی پیدائش کا سبب ہوئی، اگر حب نہ ہوتی تو ایجاد کا دروازہ نہ کھلتا اور عالم عدم میں

> راسخ اور مستقر نہ ہوتا، حدیث قدسی "اگر تو نہ ہوتا تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا" کے راز کو جو حضرت خاتم الرسل ﷺ کی شان میں ہے اس جگہ ڈھونڈنا چاہیے، اور اگر تو نہ ہوتا تو میں اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا کی حقیقت کو اس مقام میں طلب کرنا چاہیے، عالم کے ایجاد کے لیے پہلے جو اعتبار پیدا ہوا وہ حب ہے بعد ازاں اعتبار وجود جو ایجاد کا مقدمہ ہے کیونکہ حضرت ذات جل شانہٗ اس حب اور اس وجود کے اعتبارات کے بغیر عالم اور عالم کی ایجاد سے مستغنی ہے، بے شک وہ تمام جہانوں سے غنی ہے، آیتِ قرآنی اس پر نص قاطع ہے، جاننا چاہیے کہ تعین اول جو کہ تعین حبی ہے جب بڑی باریک نظر سے دیکھا جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تعین کا مرکز حب ہے جو حقیقت محمدی ہے، (مکتوب ۱۲۲ دفتر ۳)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے نزدیک پہلے دونوں تعینوں کو وجوبی کہنا غلط ہے کیونکہ جب حقیقۃ الحقائق (سب سے پہلی حقیقت) یعنی حقیقت محمدی مخلوق وحادث ہے تو دوسرے مابعد کے حقائق بھی مخلوق وحادث ہوں گے، تعین وجوبی ممکنات کی حقیقت نہیں ہوسکتا ممکن کی حقیقت بھی ممکن ہوگی نہ کہ واجب، آپ کے نزدیک حقیقت محمدی کا مخلوق ہونا حدیث نبوی اول ماخلق اللہ نوری سے ثابت ہے، اس طرح قبل خلق السمٰوٰت بالفی عام اور قبل خلق ادم باربعۃ عشر الف عام وغیرہ کے الفاظ احادیث سے خلقت کا وقت متعین بھی ثابت ہوتا ہے جو حقیقت محمدی کے مخلوق اور حادث ہونے کی دلیل ہے، آپ ارقام فرماتے ہیں:

> "تعجب ہے کہ جناب شیخ اکبر قدس سرہٗ حقیقتِ محمدی کو اور تمام ممکنات کی حقائق کو جن کو وہ اعیان ثابتہ کہتے ہیں قدیم سمجھتے ہیں اور ان کو واجب قرار دیتے ہیں وہ کس بنا پر وجوب کا حکم تجویز کر کے ارشادات نبویہ کے خلاف جاتے ہیں، ممکن تو اپنے اجزاء سے اپنی صورت سے، اپنی حقیقت سے ممکن ہے، اس کی حقیقت کے واسطے تعین وجوبی کس بنا

پر، ممکن ممکن ہی رہے گا، اس کا واجب سے کوئی اشتراک نہیں، صرف یہ نسبت ہے کہ وہ مخلوق ہے اور واجب تعالیٰ اسکا خالق ہے، (مکتوب ۱۲۲ دفتر ۳)

پھر آپ کے نزدیک حقیقت محمدی ذات کے مرتبہ شان العلم کے اعتبار سے قابلیت اولیٰ کا نام ہے جو نفس اسم الٰہی کا ظہور ہے نہ اس اسم کی صورت علمی کا ظہور کیونکہ کسی چیز کی نفس شے اور اسکی صورت علمی کے درمیان بڑا فرق ہے، جیسا کہ نفس نار اور اسکی صورت علمی میں فرق سے واضح ہے، آپ فرماتے ہیں حضور اکرم ﷺ کے علاوہ کوئی شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا جو نفس اسم الٰہی کا ظہور ہو، البتہ قرآن مجید کہ وہ بھی نفس اسم الٰہی کا ظہور ہے جیسا کہ اختصار کیساتھ گزر چکا ہے، خلاصہ کلام یہ کہ ظہور قرآنی کا منشا صفاتِ حقیقۃ سے ہے اس لیے اسکو قدیم اور غیر مخلوق کہتے ہیں اور ظہور محمدی کا منشا صفاتِ اضافیہ سے ہے لہٰذا اسکو حادث اور مخلوق کہا ہے۔ (مکتوب ۱۰۰ دفتر ۳)

اس مکتوب کے خاتمہ حسنہ میں حضور اقدس ﷺ کے متعلق کمالِ محبت سے ارقام فرماتے ہیں:

"جاننا چاہیے کہ پیدائش محمدی تمام افراد انسان کی پیدائش کی طرح نہیں بلکہ افراد عالم میں سے کسی فرد کی پیدائش کے ساتھ نسبت نہیں رکھتی کیونکہ آنحضرت ﷺ باوجود عنصری پیدائش کے حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے جیسے کہ آپ نے فرمایا خلقت من نور اللہ، دوسروں کو یہ دولت میسر نہیں، اس دقیقہ کا بیان یہ ہے کہ حضرت واجب الوجود کی صفاتِ ثمانیہ حقیقیہ اگرچہ دائرۂ وجوب میں داخل ہیں لیکن اس احتیاج کے باعث جو ان کو حضرتِ ذات تعالیٰ کے ساتھ ہے ان میں امکان کی بو پائی جاتی ہے اور جب صفات حقیقیہ قدیمہ میں امکان موجود ہے تو حضرت واجب الوجود کی صفات اضافیہ میں بطریق اولیٰ امکان

ثابت ہوگا اور ان کا قدیم نہ ہونا ان کے امکان پر پختہ دلیل ہوگا، کشف صریح سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش اس امکان سے پیدا ہوئی جو صفات اضافیہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے نہ کہ اس امکان سے جو تمام ممکنات عالم میں ثابت ہے، ممکناتِ عالم کے صحیفہ کو خواہ کتنا ہی باریک نظر سے مطالعہ کیا جائے لیکن وہاں آپ کا وجود مشہود نہیں ہوتا بلکہ ان کی خلقت و امکان کا منشا صفات اضافیہ کا وجود اور ان کا امکان محسوس ہوتا ہے، جب آپ کا وجود عالم ممکنات میں ہے ہی نہیں بلکہ اس عالم سے برتر ہے تو یہی وجہ ہے کہ ان کا سایہ نہ تھا نیز عالم شہادت میں ہر ایک شخص کا سایہ اس کے وجود کی نسبت زیادہ لطیف ہوتا ہے اور جہان میں آپ سے زیادہ لطیف کوئی نہیں تو پھر آپ کا سایہ کیسے متصور ہوسکتا ہے، واضح ہو کہ یہ صفتِ علم صفاتِ حقیقہ میں سے ہے۔ اور موجود خارجی کے دائرے میں داخل ہے اور جب اس صفت کو اضافت عارض ہو جائے اور اس سے تقسیم ہو جائے جیسے علم اجمالی اور علم تفصیلی تو یہ قسمیں صفاتِ اضافیہ میں سے ہوں گی اور ثبوت نفس الامری کے دائرہ میں داخل ہوں گی جو صفاتِ اضافیہ کا مقر و مقام ہے جیسے کہ گزر چکا ہے اور مشہود ہوتا ہے کہ علم جملی جو صفاتِ اضافیہ میں سے ہے وہی نور ہے جس نے عالم عنصری میں بہت سی پشتوں سے رحموں میں منتقل ہونے کے بعد بعض حکمتوں اور مصلحتوں کے بموجب صورت انسانی میں جو احسن تقویم ہے ظہور فرمایا ہے اور جسکا نام محمد اور احمد ہوا ہے،...... پس پیدائشِ محمدی باوجود حدوث کے قدم ذات کی طرف منسوب ہے اور اسکا امکان بھی وجوب ذات تک منتہی ہے اور اسکا حسن حسن ذاتِ تعالیٰ ہے، جس میں حسن کے سوا کسی اور چیز کی آمیزش نہیں یہی وجہ ہے کہ اس کے

ساتھ جمیل مطلق کی محبت کا تعلق ہے اور حق تعالیٰ کی محبوب ہے۔ (مکتوب ۱۰۰ دفتر ۳)

اس عبارت سے کوئی شخص اس وہم میں مبتلا نہ ہو جائے کہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ اللہ تعالیٰ کی صفات حقیقی کو حادث اور ممکن سمجھتے ہیں، آپ اسی مکتوب گرامی کی ابتدا میں فرماتے ہیں کہ ''واجب تعالیٰ کی صفات اگرچہ دائرہ وجوب میں داخل ہیں لیکن چونکہ وجود و قیام میں حضرت ذات تعالیٰ کی محتاج ہیں اس لیے امکان (کی بو) ان میں ثابت ہے اور وجوب ذاتی ان کے حق میں غیر ثابت ہے کیونکہ ان کا وجوب خود بخود نہیں بلکہ ذات واجب تعالیٰ کے ساتھ ہے اگرچہ ان کو غیر ذات نہیں کہتے لیکن غیریت سے چارہ نہیں رکھتے کیونکہ دوئی ان کے درمیان ثابت ہے، ان کے حق میں امکان کا اطلاق نہیں کرنا چاہیے کہ اس سے حدوث کا وہم گزرتا ہے کیونکہ جو ممکن ہے وہ حادث ہے، وجوب بالغیر بھی اس مقام میں تجویز نہیں کرنا چاہیے کہ حضرتِ ذات سے ان کا الگ ہونا مفہوم ہوتا ہے'' یہاں آپ کا عرفان علمائے امت کی تائید کر رہا ہے کہ صفات ذات حق کی عین ہے نہ غیر، ذات حق اپنی صفات کی محتاج نہیں مثلاً وہ بذات خود علم ہے نہ کہ صفت علم سے' وہ بذاتِ خود قدیر ہے نہ کہ صفت قدرت سے' وہ بذاتِ خود متکلم ہے نہ کہ صفت کلام سے، وہ بذاتِ حق سمیع ہے نہ کہ صفتِ سمع سے، وہ بذاتِ خود زندہ ہے نہ کہ صفتِ حیات سے، پس ظاہر ہوا جو کچھ دوسروں کو حق تعالیٰ کی ایجاد سے صفات کے سبب حاصل ہے حق تعالیٰ کو صفات کے وسیلہ کے بغیر ذات حق حاصل ہے، کیونکہ اس کی ذات بلالحاظ کسی امر اور اعتبار کے تمام کمالات کی جامع ہے بلکہ ہر کمال کا عین ہے، بعض بعض ہونا اور جزو جزو ہونا اس بارگاہ میں مفقود ہے، سراسر دانائی ہے، سراسر شنوائی ہے، تمام کی تمام بینائی ہے، یہاں سوال جنم لیتا ہے کہ اگر اس کی ذات تمام کمالات کے حصول میں کافی ہے تو پھر صفات کس لیے ثابت کی جاتی ہیں اور قدیموں کے بیشمار وجود ہونے کا قول کیوں کیا جاتا ہے، اس لیے فلاسفہ اور معتزلہ نے ذات پر اکتفا کیا ہے اور صفات کی نفی کے قائل ہوئے ہیں، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اسکا جواب ارشاد فرماتے ہیں:

> ''حق تعالیٰ کی ذات اگرچہ حصول کمالات میں کافی ہے لیکن اشیاء کی تکوین و تخلیق کے لیے صفات زائدہ کا ہونا ضروری ہے کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات نہایت تنزیہ و تقدیس اور عظمت و جلال و کبریا میں ہے اور

> کمالِ غنا اس کے لیے ثابت ہے اور اشیاء کے ساتھ اس کو کمال بے نسبتی ہے ان اللہ لغنی عن العالمین، حکمت و عادت کے موافق افادہ وافاضہ کے لیے مستفید و مستفیض کے ساتھ مناسبت کا ہونا ضروری ہے، اور وہ صفات ہیں جنہوں نے ایک درجہ تنزل کر کے ظلیت پیدا کی ہے اور اشیاء کے ساتھ کچھ نہ کچھ مناسبت حاصل کی ہے، اگر صفات کا واسطہ نہ ہوتا تو اشیاء سے کسی شے کا حاصل ہونا متصور نہ ہوتا کیونکہ اشیاء کو حق تعالیٰ ذات کے ذاتی انوار کی شعاعوں کے غلبہ میں ہلاک اور فانی اور نیست و نابود ہونے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوتا، یہ بڑے بے سمجھ لوگ ہیں جو صفات کو ثابت نہیں کرتے
> (مکتوب ۲۶ دفتر ۳)

یہ معرفت بھی جداگانہ ہے جو آپ کے اجتہادات اور تفردات سے ثابت ہے، اس معرفت کی روشنی میں حضرت ذات کی شان استغنا کا ظہور کتنا لامتناہی محسوس ہوتا ہے۔ آپ نے مکتوبات ۱۷ دفتر سوم میں اپنا عقیدہ بیان فرمایا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کی صفات حیات، علم، قدرت، ارادت، سمع، بصر، کلام، تکوین حقیقی اور قدیم ہیں اور اس کی ذات وجود زائد کے ساتھ خارج میں موجود ہیں جیسا کہ علمائے اہل سنت کے نزدیک مقرر ہے'' حقیقت محمدی کا تعلق چونکہ صفات اضافی کے ساتھ ہے لہٰذا وہ ممکن ہے اور حادث ہے۔ ترقی واقع بلکہ جائز نہیں کیونکہ وہاں سے قدم اٹھانا اور آگے رکھنا وجوب میں جانا اور امکان سے نکلنا ہے جو عقلی اور شرعی طور پر محال ہے، (مکتوب ۱۲۲ دفتر ۳)۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو حقیقت حال تک راہنمائی فرمانے والا ہے، اور معاملات کی حقیقت کو وہی بہتر جانتا ہے، اے اللہ! ہم سے بھول چوک ہو جائے تو مواخذہ نہ فرما، ہم تیرے عفو و درگزر کے طالب ہیں آمین بحرمتہ رحمۃ للعالمین۔

نبوت افضل ہے ولایت سے:

نبوت افضل ہے یا ولایت، اس مسئلہ میں صوفیہ کرام کا اختلاف ہے، بعض صوفیہ تو مطلقاً کہتے ہیں الولایۃ افضل من النبوۃ، ولایت نبوت سے افضل ہے، حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ کے نزدیک نبی کی ولایت اسکی نبوت سے افضل ہے، حضرت شیخ بہاء الدین نقشبندی قدس سرہٗ سے کچھ اس طرح منقول ہے،

حضور ﷺ کے ارشاد "لی مع اللہ وقت...... کا یہ معنی ہے کہ ایک آن ایسی ہے جس میں میرا حال ایسا ہوتا ہے کہ اس حال میں کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل ملاحظہ نہیں ہوتا، اور یہ حال بعض اوقات مبتدی کو بھی درپیش ہوتا ہے اور دوسرا معنی یہ ہے کہ میرا حال ایسا ہوتا ہے کہ وہ حال ہر ملک مقرب اور نبی مرسل کے حال سے اعلیٰ واشرف ہے، اور وہ حال ہمارے رسول ﷺ کی ولایت نبوت سے عبارت ہے چنانچہ بعض مشائخ کرام فرماتے ہیں، الولایۃ افضل من النبوۃ (انیس الطالبین ص ٩٠ مطبوعہ) ایک مقام پر حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے بھی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ نبی کی ولایت اسکی نبوت سے افضل ہے، کیونکہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اپنے اجتہادی فکر و عرفان سے اس اہم مسئلے کو کھل کر بیان فرمایا ہے۔ آپ ارقام فرماتے ہیں.

> "کمالات ولایت، کمالات نبوت کے مقابلے میں کسی گنتی میں نہیں ہیں کاشکے ان کے درمیان وہ نسبت ہی ہوتی جو قطرے کو دریا کے محیط کے ساتھ ہے مگر ایسا نہیں پس وہ فضیلت جو نبی کو نبوت کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے وہ اس فضیلت سے کئی گنا زیادہ ہے جو ولایت کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے، لہٰذا فضیلت مطلق انبیائے کرام کا حصہ ہے اور جزئی فضیلت ملائکہ کرام کے لیے ہے، پس درست وہی ہے جو علمائے کرام نے فرمایا ہے، (مکتوب ٢٦٦ دفتر ١)
>
> ولایت، نبوت سے افضل ہے کہ قائلین ارباب سکر اور اولیائے غیر مرجوعین میں سے ہیں اور مقام نبوت کے کمالات سے بے خبر ہیں، مقام نبوت کو مقام ولایت کے ساتھ ایسی نسبت ہے جیسی غیر متناہی کو متناہی کے ساتھ ہے، نبوت ہبوط کے مرتبہ میں کلی طور پر مخلوق کی طرف متوجہ ہے اور ولایت کو ہبوط کے مرتبہ میں مخلوق کی طرف پوری توجہ نہیں ہے بلکہ اسکا باطن حق کی طرف ہے اور اس کا ظاہر مخلوق کی طرف، اسکا راز یہ ہے کہ صاحب ولایت نے مقاماتِ عروج کو پوری طرح طے نہیں کیا اور نزول کر لیا ہے اس لیے لازمی طور پر اس کو فوق کی نگرانی ہر وقت دامن گیر ہے، اور کلی طور پر اسکی توجہ خلق کے ساتھ

> ہونے میں مانع ہے برخلاف صاحب نبوت کے کہ اس نے عروج کے تمام مقامات طے کر کے ہبوط فرمایا ہے لہٰذا وہ پورے طور پر مخلوق کو حق جل سلطانہٗ کی طرف دعوت دینے میں متوجہ ہے، ولایتِ اولیا، اللہ تعالیٰ کے قرب کی طرف سراغ دیتی ہے اور ولایت انبیاء حق تعالیٰ کی اقربیت کا نشان بتاتی ہے، ولایت اولیا شہود کی طرف دلالت کرتی ہے اور ولایت انبیا اس مجہول کیفیت کی نسبت کا ثبوت دیتی ہے، ولایت اولیا اقربیت کو نہیں پہچانتی کہ کیا ہے اور جہالت کو نہیں جانتی کہ کہاں ہے اور ولایت انبیاء اقربیت کے باوجود قرب کو عین بُعد جانتی ہے اور شہود کو عین غیبت سمجھتی ہے، (البینات شرح مکتوبات مکتوب ۷۷، جلد۲)

نتیجہ یہ نکلا کہ جب اولیا کی ولایت بھی انبیا کی ولایت کے مقابلے میں ناقص اور عاجز ہے تو ان کی ولایت انبیاء کی نبوت کا کیسے مقابلہ کرسکتی ہے۔ نبی، نبی ہے، کوئی ولی بھلا کیسے اسکا سامنا کرسکتا ہے، ایک قطرے میں کیا مجال کہ بحرِ بے پایاں کی گہرائیوں کو ناپ سکے، حضرت بایزید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، میں نے نوے ہزار سال تک وحدانیت، الوہیت اور فردانیت کے میدانوں میں پرواز کی اور ولایت کی انتہا کو پہنچا تو کیا دیکھا کہ یہاں سے نبوت کی ابتدا ہے، اسکی انتہا کا کوئی تصور نہیں کرسکتا (ملخصاً تذکرۃ الاولیا ص ۵۶ مطبوعہ لاہور) حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ارقام فرماتے ہیں:

> „بعض مشائخ نے سکر کے وقت کہا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے اور بعض دوسروں نے اس ولایت سے نبی کی ولایت مراد لی ہے تاکہ نبی پر ولی کے افضل ہونے کا وہم رفع ہو جائے لیکن حقیقت میں کام برعکس ہے، کیونکہ نبی کی نبوت اسکی ولایت سے افضل ہے، ولایت میں سینہ کی تنگی کے باعث خلق کی طرف توجہ نہیں کرسکتے اور نبوت میں کمال شرح صدر ہوتا ہے نہ تو حق تعالیٰ کی توجہ خلق کی توجہ کی مانع ہوتی ہے نہ ہی خلق کی توجہ حق تعالیٰ کی توجہ کی مانع، نبوت میں

> صرف خلق کی طرف ہی توجہ نہیں تا کہ ولایت کو جس میں صرف حق تعالیٰ کی طرف توجہ ہوتی ہے اس پر ترجیح دیں، نعوذ باللہ، صرف خلق کی طرف توجہ کا ہونا عوام کالانعام کا مرتبہ ہے، نبوت کی شان اس سے بڑھ کر ہے، ان معنوں کا سمجھنا ارباب سُکر کے لیے دشوار ہے لیکن مستقیم الاحوال بزرگ اس معرفت سے ممتاز ہیں۔ (مکتوب ۱۰۸ دفتر اول)

مقام عبدیت کی بلندی:

جب اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہوتا ہے، صراط معرفت پر چلنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے تو آفاق وانفسی مرحلوں کو طے کر کے بندہ اپنے مطلوبِ حقیقی کے وصالِ باکمال سے سرشار ہو جاتا ہے لیکن اسکا یہ مطلب نہیں کہ وہ خود مطلوب حقیقی بن جاتا ہے، عبدیت وعابدیت سے باہر قدم رکھ کر معبودیت سے متصف ہو جاتا ہے، حادث میں قدیم کے اوصاف اور ممکن میں وجوب کے خصائص در آتے ہیں، شاید دوسرے بہت سے صوفیہ کے کلام سے اسکا اشتباہ پیدا ہوتا ہو کہ انہوں نے اپنے غلبہ حال کی وجہ سے ایسا تصور کر لیا ہو، مگر اپنے اس اشتباہ کو ختم کر دیا ہے، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے تصوف وعرفان کے تین گروہوں کا ذکر کیا ہے۔

> ''اہل عبدیت، اہل ظلیت اور اہل وجودیت پھر اہل عبدیت کے متعلق فرماتے ہیں:
>
> ''اس عالی گروہ کو عبدیت کے مقام سے جو تمام مقاماتِ ولایت کی انتہا ہے کامل حصہ مل چکا ہے اور ان بزرگوں کے حال کی صحت پر اس سے بڑھ کر اور کونسی دلیل ہو سکتی ہے کہ ان کے تمام کشف کتاب وسنت کے موافق اور ظاہر شریعت کے مطابق ہیں اور ان حضرات نے ظاہر شریعت سے سر مو مخالفت نہیں کی، (بحوالہ مکاتیب اقبال جلد اص ۳۹)

پھر آپ خود اپنے سفرِ عرفان کے متعلق لکھتے ہیں کہ پہلے پہل آپ توحید وجودی کے قائل تھے بعد ازاں مقام ظلیت میں قدم رکھا اور سارے عالم کو ظل محسوس کیا، اس مقام پر بہت سے مشائخ کو اقامت پذیر ملاحظہ کیا، یہ مقام اس قدر رنگین تھا کہ وہاں سے باہر نہ جانے کی آرزو نے گھیر لیا کیونکہ اس دوران اس مقام کو منتہائے کمال تصور کرتے تھے، دوسرے مشائخ کی موجودگی بھی اس تصور پر دلیل تھی،

آخر حق تعالیٰ نے کمال مہربانی اور غریب نوازی سے اس مقام سے بھی عروج عطا فرمایا اور آپ کو مقام ''عبدیت'' پر پہنچا دیا، جب اس مقام کا کمال ظاہر ہوا اور اسکی بلندی ظاہر ہوئی تو گزشتہ مقامات سے تائب ہو کر استغفار کی، (ایضاً ص ۴۹) جناب ڈاکٹر برہان احمد فاروقی لکھتے ہیں، ''وہ مقام عبدیت پر فائز ہو جاتے ہیں جو اعلیٰ ترین مقام ہے، عبدیت پر پہنچ کر عالم اور خدا کی اثنیئیت ان پر اظہر من الشمس ہو جاتی ہے، (نظریہ توحید ص ۸۹ مطبوعہ لاہور) گویا یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ رب رب ہے اور بندہ بندہ ہے، رب اور بندے میں کسی طرح بھی اتصال واتحاد ثابت نہیں، یہ آپ کا آخری عرفان ہے لہٰذا پہلے راستے کے معارف کو آپ کا عقیدہ تصور نہ کیا جائے۔

آپ ارقام فرماتے ہیں:

> جب سالک اس مقام سے بلند چلا جاتا ہے اور سکر کے افراط سے آنکھ کھولتا ہے تو حضرت محمد ﷺ جو کہ حق تعالیٰ کے کمالات کے مظہر ہیں کو بھی بندہ پاتا ہے اور اسکا رسول جانتا ہے جیسے کہ ابتدا میں جانتا تھا، النهاية هي الرجوع الى البدية، نہایت یہی بدایت کی طرف رجوع کرنا ہے آپ نے سنا ہوگا، (مکتوب ۸۵ دفتر ۲)

حضرت علامہ اقبال جیسے اسکالر نے آپ کے نظریہ عبدیت پر ہی نظریہ خودی کی بنیاد رکھی ہے جناب ابوسعید نور الدین نے لکھا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کے اس نظریۂ عبدیت سے انسانی خودی کا پورا پورا ثبوت ملتا ہے، اقبال ان کے نظریے سے متاثر ہوئے، اس تاثر کی بنا پر وہ ان کی طرف اشارہ کر کے التجا کرتے ہیں۔

؎ تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی

شیونات واعتبارات:

فکر وعرفان کی دنیا میں شیونات واعتبارات، کی اصطلاح بھی نہایت مشہور ہے، شیونات جمع الجمع کا صیغہ ہے یعنی اسکا مفرد شان ہے اور شیون اسکی جمع ہے، شان کا معنی حال اور امر ہے، مجمع بحار الانوار، ۷۰/۳ البینات ۱۹۱/۱) آیت مبارکہ کل یوم هو فی شان اس مرتبے اور اصطلاح کی اصل ہے،

اللہ تعالیٰ جب اپنے بندے پر تجلی فرماتا ہے تو اس تجلی کو حق کے اعتبار سے شان الٰہی کہا جاتا ہے اور بندے کے اعتبار سے حال کہتے ہیں، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ شیونات کی تعریف میں رقمطراز ہیں:

> اللہ تعالیٰ کی شیونات اسکی ذات کی فرع ہیں اور اسکی صفات ان شیونات پر ہی متفرع ہیں اور اس کے اسما جیسے خالق و رازق صفات پر متفرع ہیں اور اسکے افعال ان اسما پر متفرع ہیں اور تمام موجودات افعال کے نتائج ہیں اور ان ہی پر متفرع ہیں، پس معلوم ہو گیا کہ شیونات اور چیز ہیں اور صفات اور چیز اور شیونات خارج میں عین ذات ہیں جبکہ صفات خارج میں ذات پر زائد ہیں۔
>
> (معارف لدنیہ، معرفت ۲۰)
>
> وہ فیض جو حق تعالیٰ کی طرف سے سالک کو پہنچتا ہے دو قسم کا ہے، ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق ایجاد (موجد کرنا) ابقا (باقی رکھنا) تخلیق (پیدا کرنا) ترزیق (رزق دینا) احیا (زندہ کرنا) اماتت (مارنا) وغیرھا کے ساتھ ہے اور دوسری قسم وہ ہے جو ایمان، معرفت اور مراتب ولایت و نبوت کے تمام کمالات سے متعلق ہے، پہلی قسم کا فیض سب کو صفات کے ذریعے سے آتا ہے اور دوسری قسم کا فیض بعض کو صفات کے ذریعے سے اور بعض کو شیونات کے ذریعے سے آتا ہے، صفات و شیونات کے درمیان بہت باریک فرق ہے جو محمدی المشرب اولیا کے علاوہ کسی پر ظاہر نہیں ہوا اور نہ ہی کسی اور نے اس کی نسبت کلام کیا، اس بیان کو ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں، مثلاً پانی بالطبع اوپر سے نیچے کو آتا ہے، یہ طبعی فعل اس میں حیات، علم، قدرت اور ارادہ کا اعتبار پیدا کرتا ہے کیونکہ صاحبانِ علم اپنے ثقل کے باعث بتقاضائے علم اوپر سے نیچے کو آتے ہیں اور فوق کی طرف توجہ نہیں کرتے اور علم حیات کے تابع ہے اور ارادہ علم کے تابع ہے، اس طرح

قدرت بھی ثابت ہوگئی کیونکہ ارادہ میں احد المقدورین (دو مقدوروں میں سے ایک کو اختیار کرنا) کی تخصیص ہے پس یہ اعتبارات جو پانی کی ذات میں ثابت کیے جاتے ہیں بمنزلہ شیونات کے ہیں، اگر ان اعتبارات کے باوجود پانی کی ذات میں صفاتِ زائدہ ثابت ہو جائیں تو وہ وجودِ زائد کے ساتھ صفات موجودہ کی طرح ہوں گی، پانی کو پہلے اعتبارات کے لحاظ سے حی، قائم، عالم، قادر اور مرید نہیں کہہ سکتے، ان اسموں کو ثابت کرنے کے لیے صفاتِ زائدہ کا ثابت کرنا ضروری ہے، لہٰذا جو کچھ مشائخ کی عبارات میں پانی کے متعلق مندرجہ بالا اسموں کے ثبوت میں واقع ہوا ہے ان کی بنیاد شیونات وصفات میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے ہے اور اس طرح صفات کے وجود کی نفی کا حکم بھی اس فرق کے معلوم نہ ہونے پر محمول ہے، شیون وصفات میں دوسرا فرق یہ ہے کہ مقام شیون صاحب شان کا مواجہہ ہے، اور مقام صفات ایسا نہیں ہے (مکتوب ۲۸۷ دفتر ۱)

یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی نظر میں شیون وصفات کے درمیان فرق بنیاد یہ ہے کہ جو حضرات صرف شہود صفات تک پہنچے ہیں وہ ابھی مرتبہ ذات تک وصول کی سعادت سے مشرف نہیں ہوئے اور جو شہود شیونات کے مرتبے سے شاد کام ہیں، انہیں وصول ذات کا مرتبہ بھی حاصل ہے کیونکہ شیون ذات، حق تعالیٰ پر زائد نہیں اور نہ ہی ان کو وجود خارجی ثابت ہے لیکن صفاتِ ذات پر زائد ہیں اور وجود (خارج) بھی رکھتی ہیں لہٰذا سیر صفات میں تعلقات صفاتِ پیش نظر ہوتے ہیں اور وہ ممکنات ہیں، اس مرتبے میں عارف مرتبہ ذات سے دور رہتا ہے کیونکہ یہ مقام صفات کا ہے لیکن مقام شیون مرتبہ ذات تک وصول کا نام ہے لہٰذا مقام شیون کو مواجہہ ذات قرار دیا گیا ہے، واللہ اعلم۔ ذات کے لیے حکم ثابت جو ذات کے ساتھ قائم ہو ذات کا اعتبار کہلاتا ہے، حکم ثابت وہ حکم ہے جو پہلے سے ثابت ہے، اس میں بایں طور غور وفکر کرنا کہ اس حکم کی علت معلوم ہو جانے پر دوسری چیز میں وہی علت معلوم کر کے وہ حکم ثابت اس چیز میں بھی ثابت کیا جائے اس کا نام قیاس ہے (کتاب التعریفات ص ۱۳، البینات ۱/۱۹۴) ذات کے ساتھ

صفات کے قیام سے مراد قیام بلا کیف ہے اور انضمام وانتزع سے مستثنیٰ ہے، شیونات اور اعتبارات وجود خارجی نہیں رکھتے لہٰذا امور منتزعہ سے ہیں، اس وجہ سے اعتبارات کا مقام شیونات کے مقام سے بلند ہے اور شیونات کا مقام صفات کے مقام سے بلند ہے یعنی صفات وشیونات کے مقامات سالک کے ادراک میں آسکتے ہیں لیکن اعتبارات کے مرتبے قرب ذات بحت کی وجہ سے ادراک سے وراء ہیں (البینات ۱۹۴/۱) صوفیہ کرام کے نزدیک دائرہ اصل کی اصطلاح بھی موجود ہے جس سے مراد ذات کے اسماء وصفات اور شیونات واعتبارات کے مراتب ہیں، اس دائرے کا تعلق عالم وجوب سے ہے یہ مرتبہ کسی لفظ، عبارت، اشارے یا کنائے کے ذریعے بیان نہیں کیا جاسکتا، اس مرتبے میں سالک کو سیر علمی واقع ہوتی ہے اور اسی سیر کا نام سیر فی اللہ ہے جسکا تفصیلی ذکر گزر چکا ہے، مکتوب ۷۹ دفتر سوم میں آپ نے اس سے بھی بلند معرفت بیان کی ہے، سوال پیدا ہوا کہ حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ اور ان کے متبعین نے تعین اول کو تجلی ذات کہا ہے اور وہ تعین علمی جملی میں جو ذات کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار ہے، ذات کا ظہور ہے جو جامعیت رکھتا ہے، آپ نے جواب میں ارقام فرمایا:

> ''جو کچھ اس درویش کا معتقد ہے وہ یہ ہے کہ یہ ظہور علمی جملی بھی جسکو انہوں نے تعین اول سے تعبیر کیا ہے تجلی ذات نہیں بلکہ ذات کے شیونات میں سے ایک شان سے ماخوذ ہے، تجلی ذات تمام شیونات واعتبارات کی جامع بلکہ ان سے برتر ہے، اس جگہ علم کا اعتبار بھی دوسرے ان ذاتی اعتبارات کی طرح ہے جن کے وصول کا ہاتھ اس مرتبہ مقدسہ کے دامنِ غنا سے کوتاہ ہے...... تجلی ذات کو تعین علم کے ساتھ مقید کرنا دریا کو کوزے میں بند کرنا بلکہ پانی کو سراب میں ڈھونڈنا ہے، ایک شاعر کہتا ہے۔
>
> کسے در صحن کاچی قلیہ جوید
> اضاع العمر فی طلب المحال

آپ کی شانِ استعداد کے کیا کہنے، کسی ایک مقام پر استقرار نہیں فرماتے کیونکہ معارف لامتناہی ہیں اور اسرار لامحدود ہیں تو پرواز کرنے والا کیسے ٹھہر سکتا ہے پہلے آپ نے شیونات واعتبارات کو ذات حق کا

درجہ قرار دیا تھا، اب ذاتِ حق کو ان سے بھی بلند تر فرما رہے ہیں کیونکہ ذات حق تمام جہانوں سے بے نیاز ہے، اللہ الصمد، اللہ بے نیاز ہے، کوئی اسکی کنہ کو نہیں پا سکتا، کوئی اسکی حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا، معرفت کا حق یہی ہے کہ بندہ اسکے ادراک سے عاجز آجائے، فرماتے ہیں، ''اس مرتبہ میں جو کچھ ثابت کیا جائے وجوہ واعتبارات میں داخل ہے، ذات ان سب سے ماورا ہے، اس مقام میں نفی اور سلب کے سوا کوئی اور امر مقصود نہیں، اگر علم بامتیاز ہے تو وہ بھی وہاں سلب ہے اور اگر تعبیر و تفسیر ہے تو وہ بھی مسلوب ہے، راقم نے عرض کیا ہے۔

تو ہے وہم و فکر سے ماورا تیری ذات جَلَّ جلالہٗ
تیرے حق میں سب نے یہی کہا تیری ذات جَلَّ جلالہٗ
تیری جستجو میں میرا گماں، کیا بتاؤں پہنچا کہاں کہاں
سرِ منتہٰی بھی تھا مبتدا، تیری ذات جَلَّ جلالہٗ
تیرا راز دل پہ کھلا نہیں، تیری شان برتر ہے بالیقیں
یہ ہے میرے عشق کا فیصلہ تیری ذات جَلَّ جلالہٗ
تو تصورات میں کیا جمے، تو تعینات میں کیوں چھپے
سب کو حرفِ ''لا'' نے اڑا دیا، تیری ذات جَلَّ جلالہٗ
ہاں یہی نشانِ حیات ہے، ہاں اسی میں میری نجات ہے
تیرے سامنے مرا سر جھکا تیری ذات جَلَّ جلالہٗ

رُویت اخروی کی تحقیق:

اہل ایمان کا عقیدہ ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رویت و زیارت سے نگاہیں شاد کام ہوں گی، حدیث صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت اور اپنی ذات کے درمیان سے حجاب اٹھا دے گا اور جنتی اسکا دیدار کرلیں گے تو ان کو اس کے دیدار سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ہوگی (صحیح مسلم کتاب ایمان) اور فرمایا

جب آسمان پر مہر تاباں جلوہ افروز ہو تو اس کو دیکھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی اسی طرح تم اللہ تعالیٰ کا دیدار کرو گے، (ایضاً) حضرت امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رویت عقلاً ممکن ہے، محال نہیں ہے اور اس پر اجماع ہے کہ رویت آخرت میں واقع ہوگی، مومن اسکو دیکھیں گے اور کافر نہیں دیکھ سکیں گے، مرجیہ کا قول ہے کہ اسکی رویت عقلاً محال ہے تو یہ قول خطائے صریح اور جہل قبیح ہے، اہل حق کا مذہب ہے کہ رویت ایک قوت ہے جسکو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں پیدا کرتا ہے اس کے لیے شعاع بصری کا احاطہ کرنا اور مرئی کا دیکھنے والے کے بالمقابل ہونا شرط نہیں، ہم جو ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں تو اس میں یہ چیز اتفاقاً پائی جاتی ہے، شرط نہیں ہے، جب مومن اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے تو اس سے اللہ تعالیٰ کا مقابل جہت میں ہونا لازم نہیں آئے گا جیسا کہ اب اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھتا ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ہمارے بالمقابل ہو، (شرح مسلم ۱/۹۹)

حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ نے آخرت کی رویت کو لطیفہ جامعہ مثالیہ کی صورت میں مقرر کیا ہے، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اس کے جواب میں ارقام فرماتے ہیں:

> ’’صورت جامعہ مثالیہ کی رویت حق تعالیٰ کی رویت نہیں ہے بلکہ اس کے کمالات کے مظاہر میں سے ایک مظہر کی رویت ہے جس نے عالم مثال میں حصول پیدا کیا ہے جیسا کہ کسی کا قول ہے،
>
> میراہ المومنون بغیر کیفٍ
> و ادراکٍ وضرب من مثالٍ
>
> یعنی مومن خدا تعالیٰ کو بے کیف، بے تصور، بے شبہہ اور بے مثال دیکھیں گے، حق تعالیٰ کی رویت کو صورت کی رویت پر مقرر کرنا حق تعالیٰ کی رویت کی نفی کرنا ہے، نیز وہ صورت جو عالم مثال میں حاصل ہو اگرچہ جامع ہو لیکن عالم مثال ہی کے اندازہ پر ہوگی، عالم مثال اگرچہ وسعت رکھتا ہے لیکن اس کے عوالم مخلوقہ میں سے ہے وہ جامعیت صورت جو اس میں ہے کیا گنجائش رکھتی ہے کہ تمام کمالاتِ وجوبیہ ذاتیہ کی جامع ہو سکے اور سب کو ضبط کر سکے تا کہ اس مرتبہ

مقدسہ کا آئینہ بن سکے اور اسکی رویت حق تعالیٰ کی رویت ہو سکے، جب صفتِ علم جو صفاتِ وجوبیہ میں سے ہے اور تمام ذاتی صفات میں سے زیادہ جامع ہے، اس امر کی گنجائش نہیں رکھتی تو پھر عالم مثال جو ممکن ومخلوق ہے اس کی صورت تمام کمالاتِ وجوبیہ کی جامع کس طرح ہو سکتی ہے، اگر فرضاً اور تقدیراً اس کو جامع کہیں بھی تو اس مرتبہ مقدسہ کے (کمالات کے) ظلال میں سے ایک ظل ہوگا اور ظل کی رویت درحقیقت اسکی رویت نہیں ہے، مخبر صادق نے رویتِ آخرت کو چودھویں رات کے چاند کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور کوئی پوشیدگی نہیں چھوڑی، ظل کی رویت ایسی ہے جیسے طشتِ آب میں چاند کو دیکھیں جسکو بلند فطرت والے لوگ پسند نہیں کرتے...... لیکن حق تعالیٰ کی رویت وہ ہے جو ان ظہورات اور صور سے ماوراء ہے اور بے کیف وبیچون کی قسم سے ہے، رویت آخرت پر ایمان لانا چاہیے اسکی کیفیت اور چند وچون میں مشغول نہ ہونا چاہیے، آخرت کے خلق اور وجود کو دنیا کے خلق اور وجود کے ساتھ کوئی نسبت نہیں تا کہ ایک کے احکام کو دوسرے پر قیاس کیا جائے، وہاں کی آنکھ جدا ہے اور فہم وادراک الگ ہے، اس کے لیے دوام ابدی ہے اور اس کے لیے دوام ابدی ہے اور اس کے لیے زوال وفنا' اس کے لیے سراسر نظافت ولطافت ہے اور اس کے لیے خبث کثافت، شیخ اکبر قدس سرہٗ خانہ علم کے باہر حق تعالیٰ کا ظہور ثابت نہیں کرتے اور مجال ومظاہر کے ماسوا مشاہدہ، ورویت اور شہود تجویز نہیں کرتے۔ (مکتوب ۷۹ دفتر ۳)

گویا مسلمان دنیا میں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتے مگر آخرت میں دیکھ لیں گے، اس کا سبب یہ ہے کہ دنیا میں آنکھیں فانی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات باقی ہے، فنا ہونے والی آنکھوں سے باقی کا جلوہ نہیں دیکھا جا سکتا، آخرت میں مسلمان بھی باقی رہیں گے اور ان کی آنکھیں بھی باقی رہیں گی تو بقا کی آنکھوں سے باقی کا

جلوہ دیکھ لیں گے، حضور اکرم ﷺ نے آخرت سے پہلے اپنی آنکھوں سے باقی کا جلوہ دیکھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ تمام انسانوں کی آنکھیں فنا کی مظہر ہیں اور حضور اکرم ﷺ کی آنکھیں بقا کی مظہر ہیں، (شرح مسلم سعیدی ۱/۷۹۴ مطبوعہ لاہور) علمائے شریعت سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے فکری اجتہاد کی تائید ہوگئی جو انہوں نے قرآن وحدیث کی روشنی میں فرمایا ہے۔

نظریہ قیومیت کا اعلان:

حضور امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے پہلے کسی عارف کامل نے قیومیت کا نظریہ پیش نہیں کیا بلکہ یہ وہ مرتبہ ہے جس کے ظہور کے لیے آپ کی شخصیت کو منتخب فرمایا گیا، نظریہ قیومیت پر بہت سے ظاہر بین حضرات کے اعتراض وارد ہوئے لیکن آپ کے فیضانِ نظر سے سرشار افراد نے ان کا شافی جواب عنایت کیا، اس سلسلے میں ماضیِ قریب کے عارف کامل حضرت شیخ زید ابوالحسن فاروقی مجددی علیہ الرحمۃ کا ''مکتوب در بیان قیومیت'' نہایت جامع اور بصیرت افروز ہے، ہم اس موضوع پر اسی کا خلاصہ حرف آخر سمجھ کر درج کررہے ہیں تاکہ اشکال باقی نہ رہے، وہ لکھتے ہیں، حضرت مجدد وحضور الف ثانی قدسنا اللہ بسرہ الاقدس کے علو مرتبہ اور آپ کے کلام قدسی نظام کو سمجھنے کے لیے کافی علم ودانش کی ضرورت ہے، جس شخص کا عمل عزیمت ہو، جو سنتِ مطہرہ کا دلدادہ ہو، جو دینِ مبین کا عاشق وشیدا ہو، جو بڑے سے بڑے ولی کے درجہ کو ادنیٰ صحابی کے خاک پا سے کمتر سمجھتا ہو، جس کی صحبت میں اکابر علما ہر وقت رہتے ہوں، جس کے انفاس قدسیہ سے ہزارہا بندگانِ خدا اعلیٰ مدارج قرب پر فائز ہوئے ہوں کیا ایسے شخص کے متعلق کوئی خیال کرسکتا ہے کہ العیاذ باللہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، کے مرتبہ سے اپنے کو بالا سمجھتا ہے، ترجمہ حضرات القدس کے صفحہ ۶۲ پر لکھا ہے، حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا، ''میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جو جمیع کمالات وفضائل سے متصف تھے اور خلفا پر فضیلت نہیں دیتا ہوں تو پھر اپنے آپ کو ان پر کیوں فضیلت دے سکتا ہوں، معرفتِ حق اس شخص پر حرام ہے جو اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بہتر جانتا ہو تو اکابر دین سے کیا نسبت ہوسکتی ہے،

''افسوس صد افسوس ایسی نادرۃ المثال اور برگزیدہ ہستی کے متعلق بعض افراد غلط فہمی میں پڑ گئے ہیں، اگر یہ لوگ ذرا بھی سنجیدگی اور انصاف سے کام لیں تو ان پر روز روشن کی طرح واضح ہوجائے گا کہ قرون اولیٰ مشہود لھا بالخیر والسعادۃ کے بعد شاید ہی اولیائے امت میں کوئی آپ جیسا عالی مرتبت والا منزلت پیدا ہوا ہو، تصوف اور طریقت کے متعلق جو غلط خیالات جاہل متصوفہ نے پیدا کردیے تھے آپ نے ان سب کو حرف

غلط کی طرح یہ فرما کر مٹا دیا کہ طریقت اور حقیقت شریعت کے خادم ہیں اور کھلے الفاظ میں فرما دیا کہ ہم کو فص سے کیا سروکار، ہم کو نص درکار ہے، ہم کو فتوحاتِ مدینہ نے فتوحاتِ مکیہ سے بے نیاز کر دیا ہے، چلہ کشی اور ریاضتوں کے سلسلہ میں مسنون طریقوں سے جو بعد اور دوری پیدا ہوتی جارہی ہے اس کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا، ''ہیچ ریاضت و مجاہدہ برابر رعایت آدابِ نماز نیست'' جو لوگ اسرار شریعت اور حقائق علوم دینیہ سے واقف نہیں ہیں ان سے بحث نہیں، بحث ان افراد سے ہے جو زمرۂ علما میں داخل ہیں اور وہ بعض اسباب کی بنا پر آپ کے ارشاد سراسر حق و سداد پر رد و قدح کرتے ہیں، چونکہ **الحق یعلو و لا یعلی علیه** ایک امر مسلم ہے لہٰذا اجلہ علمائے کرام نے ان اعتراضات کا بہ وجہ اتم رد کیا ہے، منجملہ ان کے حضرت فرخ شاہ، حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ ہیں، بلکہ بعض افراد نے خود اپنی غلط فہمی اور کوتاہ نظری کا اعتراف کیا ہے، چنانچہ شیخ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمۃ نے اواخر احوال میں تحریر فرمایا ہے کہ ''اصلا پردہ بشریت و غشاوہ درمیان نہ ماندہ'' اور آپ کی تعریف کی ہے اور اپنی سابقہ آرا سے رجوع کیا ہے، جناب شیخ رحمہ اللہ کے ان الفاظ پر جو تحریر کیے گئے ہیں حضرت شاہ غلام علی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں، ''ازیں قول معلوم می شود کہ اعتراضاتِ سابقہ از بشریت و نفسانیت بود نہ از حقیقت، ایں احوال علما است وائے بریں صرفہ گویاں'' حضرت نے ''وائے بریں صرفہ گویاں'' لکھ کر کس انداز سے اظہار تاسف فرمایا ہے، حقیقت یہ ہے۔

گر سنگ ازیں حدیث بنالد عجب مدار

قیومیت ولایت کا ایک بلند مرتبہ ہے، قیوم کے سمجھنے کے لیے ضرورت ہے کہ پہلے ولی کو پہچانا جائے، ایک حدیثِ صحیح ہے جس کو امام بخاری علیہ الرحمۃ اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے، **من عادل ولیاً فقد اذنتهٗ بالحرب**...... جو میرے ولی سے دشمنی کرتا ہے میں اسکے خلاف جنگ کا اعلان کرتا ہوں، وہ نوافل کے ذریعے میرے قریب ہوتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں پس جب محبت کرتا ہوں تو اسکی سماعت ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے...... جائے فکر ہے کہ جو شخص اللہ کے ولی سے عداوت کرتا ہے وہ فی الحقیقت اللہ سے لڑائی مول لے رہا ہے، جب ولی مدارج عالیہ طے کرتا ہے تو

ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اس کے افعال اللہ سے منسوب ہو جاتے ہیں، نہ اس کی اپنی سماعت رہتی ہے نہ دید، نہ اسکی اپنی گرفت رہتی ہے نہ حرکت، اس وقت **وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ** اور **ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ** کے اسرار واضح ہوتے ہیں، جن کو پروردگار اعلیٰ درجاتِ ولایت پر پہنچا کر خلعت قیومیت سے سرفراز کرتا ہے ان کی وہ شان ہوتی ہے جو حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ نے بیان کی ہے اور صاحب زُبدہ نے اس کو نقل کیا ہے، قیومیت کے لیے وہ مبارک ذات صلاحیت رکھتی ہے جو مظاہر عبدیت اور مراتب خشیت میں بدرجہ اتم جناب رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چلے، سرورِ دو جہاں ﷺ کو اپنے پروردگار سے یہ مژدہ عالی مل چکا ہے، **لیغفرلک اللہ ماتقدم من ذنبک وماتاخر**، لیکن آپ پروردگار جل شانہٗ کی اتنی عبادت کرتے تھے کہ آپ کے پائے نازنین پر ورم آجاتا تھا، صحابہ کرام نے پوچھا، آپ اتنی محنت کیوں کرتے ہیں، آپ سے تو کسی بات کی پوچھ نہ ہوگی، آپ نے فرمایا، **افلا اکون عبداً شکوراً**، مراتب کمال اسی کو ملتے ہیں جو مظاہرِ عبدیت بہ درجہ اتم ظاہر کرتا ہو، جس کا رواں رواں کہتا ہو۔

بے تو جاناں قرار نہ توانم کرد
احسان ترا شمار نہ توانم کرد
گر برتنِ من زباں شود ہر موئے
یک شکرِ تو از ہزار نہ توانم کرد

جو ہر وقت **اور ہر حال متوجہ الیٰ اللہ رہے**، جس کی بیداری مشاہدہ ہو اور خواب بیداری، جس پر **تنام عینای ولاینام قلبی** کی کیفیت بہ طفیل سرور عالم ﷺ طاری ہو، (رسائل معرفت افزا ص ۳ تا ۱۰)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے نظریۂ قیومیت کی تائید آیات واحادیث سے بھی ہوتی ہے، مندرجہ ذیل دلائل پر ذرا غور کرنا چاہیے:

اموالکم الّتی جعل اللہ لکم قیاماً، یعنی وہ تمہارے مال جن کو اللہ نے تمہارے لیے قیام (یعنی گزارا) بنایا ہے (سورۃ النسا آیت ۵) قرآن پاک کے اس ارشاد پر توجہ کرنی چاہیے کہ اگر دنیوی مال وجہِ قیام ہیں تو مردانِ کامل دنیا کی بقا اور قیام کا سبب کیوں نہیں ہو سکتے۔

فالمدبرات امراً قسم ہے ان فرشتوں کی کہ تمام کاروبار دنیا ان کی تدبیر سے ہے، (سورۃ النازعات آیت ۵) ایک تفسیر میں مراد فرشتے ہیں اور دوسری تفسیر میں مراد ارواحِ اولیا ہیں جنکو کائنات میں تدبیر کا اختیار دیا گیا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے جسے چاہے ملک عطا فرمائے اور جس سے چاہے چھین لے، جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، اس انعام پر اسکے خزانوں میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آتی، قیومیت بھی اس کے خزانوں میں سے ایک گوہر شاداب ہے جس کے پاس آجاتا ہے اسکو کائنات میں تصرفات کی اجازت مل جاتی ہے، انہی تصرفات کی بدولت اللہ تعالیٰ کے باکمال بندے اولوالایدی والابصار ہوتے ہیں، خیر المنزلین بنتے ہیں، حیرت ہے منصب غوثیت کے ضمن میں مانے جانے والے اختیار منصبِ قیومیت کے ماتحت تسلیم کر لیے جائیں تو کونسا استحالہ وارد ہوتا ہے۔

حضرت امام حاکم نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ستارے آسمان والوں کے لیے امان ہیں اور میرے اہل بیت میری امت کے لیے امان ہیں، (المستدرک) ایک روایت میں ہے کہ میرے اصحاب امت کے لیے امان ہیں، اسکو حضرت امام احمد اور حضرت امام مسلم نے روایت کیا ہے، ان ارشادات نبویہ سے معلوم ہوا کہ وہ مقدس اور بزرگ ہستیاں بھی موجود ہیں جن کو کائنات والوں کے لیے وجہ امان، جائے قرار اور مقام پناہ قرار دیا گیا ہے، یہی اوصاف قیومیت میں پائے جاتے ہیں کہ اس منصب جلیل پر فائز ہونے والا اصحاب واہل بیت کا نائب کامل، ان کے صوری ومعنوی کمالات کا وارث اکمل، اہل جہان کے

لیے قرار گاہ بن جاتا ہے اور چشمان ہستی کا مرکز نگاہ ٹھہرتا ہے حضرت امام طبرانی نے کبیر میں روایت نقل فرمائی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ کے کچھ بندے ہیں کہ اللہ نے انہیں خلق کی حاجت روائی کے لیے خاص فرمایا ہے، لوگ گھبرائے ہوئے اپنی حاجتیں ان کے پاس لاتے ہیں، یہ بندے عذاب الٰہی سے امان ہیں، (کنز العمال ۶/۳۵۰)

حضرت امام طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میری امت میں تیس ابدال ہیں، **بهم تقوم الارض وبهم تمطرون وبهم تنصرون**، انہیں سے زمین قائم ہے، انہی کے ذریعے تم پر بارش ہوتی ہے اور انہی کے سبب تمہیں امداد حاصل ہوتی ہے، (کنز العمال ۱۲/۱۸۶، مجمع الزوائد ۱۰/۶۶، مصنف عبدالرزاق ۱۱/۲۵۰)۔

گویا جن کے ذریعے زمین قائم ہے، ان کو ''قیوم'' کے لقب سے یاد کرلیا جائے تو کیا اشتباہ ہے، اس لقب کی اصل تو مخبر صادق ﷺ کے کلام مبارک سے مل گئی ہے، باقی یہ لقب اللہ تعالیٰ کے اسم قیوم کے مقابلے میں نہیں بولا جاتا، تفسیرات کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قیوم ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ واحد و یکتا ہے، سارے عالم کا مدبر اور نگران ہے، اسکی بقا و قیام کا ضامن ہے، ہمیشہ سے قائم بالذات ہے، لازوال ہے، تغیر و تبدل، مکان و زمان اور جہت و تحیز سے پاک ہے، یہ مفہوم صرف ذاتِ لایزال جل شانہٗ کے لیے مخصوص ہے، اگر مخلوق کے کسی فرد پر اس کا اطلاق کیا جائے تو مراد یہ ہوگا کہ وہ فرد دنیا کی بقا اور قیام کا وسیلہ اور ذریعہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اسکو اپنی شان قیومیت کے کمالات کا مظہر بنا کر دنیا کے قیام کا باعث

بنا دیتا ہے، جیسا کہ ہم نے ظلوماً جھولاً کی تفسیر میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا ارشاد حق بنیاد رقم کیا، جس میں قیومیت'' کے متعلق پوری وضاحت موجود ہے، مولانا عبد العلی لکھنوی فرماتے ہیں:

''انسان کامل اللہ تعالیٰ کے تمام اسماو صفات کا مظہر ہے، اللہ تعالیٰ نے اسکو اپنا خلیفہ بنایا ہے تاکہ وہ اپنے باطن کی مدد سے کائنات عالم کو باقی رکھے، اور کائنات میں سے ہر ایک کو اس کے لائق کمال اور نقصان عطا کرے، اس بیان سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ کائنات کو بقا دینے والا انسان کامل ہے، ایسا خیال کفر ہے، دینے والا اور باقی رکھنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، انسان کامل صرف وسیلہ بنا ہے، (رسالہ وحدۃ الوجود)

تمام صوفیہ اور اہل حق علما کا اس پر اتفاق ہے کہ اس شان کمال کا مظہر کوئی نہ کوئی انسان کامل ضرور ہوتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ کوئی اسے قطب الاقطاب کہتا ہے اور کوئی اسے غوث الاغیاث سمجھتا ہے، کوئی قطب مدار جانتا ہے اور کوئی قیوم دوراں تصور کرتا ہے، جب وہ فرد الافراد اللہ تعالیٰ کے اسماوصفات کے کمالات کا مظہر کامل ہوتا ہے تو قیوم بھی اسی ذاتِ وحدہٗ کا ایک اسم مبارک ہے، اس کے کمالات کا مظہر کوئی کیوں نہیں ہوسکتا، حضرت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ غوث کے بارے میں فرماتے ہیں، بغیر غوث کے زمین وآسمان قائم نہیں رہ سکتے، (ملفوظات) باقی بہت سے اشکالات کا جواب حضرت زید ابوالحسن فاروقی علیہ الرحمۃ کی تحریر میں آچکا ہے، مولا تعالیٰ حقائق اشیاء کو سمجھنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

تجدید الف ثانی کا تصور:

تمام ادیانِ عالم میں یہ امتیاز صرف دین اسلام کو حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر صدی کے سرے پر ایک ایسے عزیز الوجود انسان کو پیدا کیا جس نے اس کی تجدید اور حیاء کے لیے تاریخ ساز کام کیا اور اسے پھر سے تازہ کر دیا، اسی عزیز الوجود انسان کو ''مجدد'' کہا جاتا ہے جسکا ظہور حضور اقدس ﷺ کی حدیث پاک سے ثابت ہے۔

اِنَّ اللہ عزوجل یبعث لِھٰذِہ الامۃ علیٰ راس کلّ ماۃٍ مَنْ یَجدِدُ لَھَا دینھا،

> اللہ تعالیٰ اس امت کے واسطے ہر صدی کے آغاز پر ایک مجدد بھیجتا رہے گا جو اس کے لیے اسکا دین تازہ کرے گا (سنن ابوداؤد)۔
>
> **یحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عَنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتاويل الجاهلين**
>
> اس علم کو ہر پچھلی جماعت میں سے پرہیز گار لوگ اٹھاتے رہیں گے جو غلو والوں کی تبدیلیوں، باطل پرستوں کی کذب بیانیوں اور جاہلوں کی تاویل سے اسے محفوظ رکھیں گا، (بیہقی مشکوٰۃ)

چنانچہ صدر اول سے لے کر حضرت عمر بن العزیز، حضرت امام شافعی، حضرت امام طحاوی، حضرت امام غزالی، حضرت امام رازی، حضرت امام ابوبکر باقلانی اور حضرت امام سیوطی جیسے لوگ ہر صدی میں ظاہر ہوتے رہے اور اغیار کی چیرہ دستیوں سے دین برحق کا چہرہ نکھارتے رہے، جب ''الف ثانی'' یعنی دوسرے ہزار سال دور کا آغاز ہوا تو ''دین الٰہی'' جیسے فتنوں نے امت محمدیہ کو زبوں حال بنا رکھا تھا، اب ضرورت تھی کہ کوئی ایسا عزیز الوجود انسان پیدا ہو جو اولوالعزم پیغمبروں کا وارث ہو جو ہزار سال کے دورانیے میں تشریف لا کر قوموں کی نجات کا سامان پیدا کیا کرتے تھے، حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ والاصفات پر نبوت ختم ہو چکی تھی اس لیے کسی نبی اور رسول کا تشریف لانا ناممکن تھا لہٰذا کوئی ایسا فرد کامل آنا چاہیے تھا جو ان کی نبوت و رسالت کے کمالات کا مظہر اتم ہوتا اور ان تبعیت و وراثت کے فیض سے منور ہو کر سارے جہان کو منور کر دیتا، اس سعادت سرمدی کے لیے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا وجود مقدس ظاہر ہوا جو صورت اور سیرت میں سراپا مظہر کمالات اور پرتو تجلیات تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہزار سالہ دور کی تجدید و احیا کی توفیق ارزانی فرمائی اور آپ پر اس مرتبہ اولیٰ کا انکشاف فرمایا، آپ سے پہلے کسی شخص نے ہزار سالہ تجدید پر گفتگو نہیں کی، یہ آپ کے فکر و عرفان کا اجتہادی کارنامہ ہے، آپ ارقام فرماتے ہیں:

> ''یہ علوم انوار نبوت کی مشکوٰۃ سے اقتباس کیے گئے ہیں جو الف ثانی کی تجدید کے بعد تبعیت و وراثت سے تازہ ہوئے ہیں اور تر و تازگی کے ساتھ ظہور میں آئے ہیں، ان علوم و معارف کا صاحب اس موجودہ الف کا مجدد ہے چنانچہ لوگ اس کے علوم و معارف دیکھتے

> ہیں جو ذات وصفات وافعال اوولواحوال ومواجید اور تجلیات وظہورات کے متعلق ہیں ان پر پوشیدہ نہیں اور وہ جانتے ہیں کہ یہ علوم ومعارف علما کے علوم اور اولیاء کے معارف سے پرے کے ہیں بلکہ علما اور اولیا کے علوم ان علوم کی نسبت پوست ہیں اور یہ معارف اسکا مغز ہیں، اللہ پاک ہادی ہے اور معلوم رہے کہ ہر صدی کے سرے پر ایک مجدد گزرا ہے لیکن صدی کا مجدد اور ہے اور ہزار سال کا مجدد اور ہے، جتنا سو اور ہزار میں فرق ہے اتنا ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ ان کے مجددوں میں بھی فرق ہے، مجدد وہ ہوتا ہے کہ اسکی مدت میں جو فیوض امتیوں کو پہنچتے ہیں اسی کی وساطت سے پہنچتے ہیں خواہ وہ اس وقت کے اقطاب اور اوتاد ہوں یا ابدال اور نجبا ہوں۔ (مکتوب ۴ دفتر ۲)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اور بھی مقامات پر تجدید الف ثانی کا تصور کھل کر پیش فرمایا اور آپ کے زمان ظہور سے لے کر آج تک عالم اسلام کی جلیل القدر علمی اور روحانی شخصیات نے اسکی تائید اور تصدیق فرمائی۔ چونکہ یہ تصور اتنا بلند تھا کہ اس دور سے لے کر آج تک کوئی شخصیت بھی آپ کی شانِ جلالت اور کمال وجاہت کے برابر دکھائی نہیں دیتی اور ان علوم ومعارف کے معیار پر کماحقہٗ پورا نہیں اترتی اس لیے اہل علم اور اہل نظر نے آپ ہی کو اس ہزار سالہ منصبِ تجدید دین کا اہل سمجھا، حضرت علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی جیسے نابغہ روزگار نے آپ کو ''مجدد الف ثانی'' کے لقب سے یاد کیا تو گویا دلوں کی لب بستہ کلیاں کھل اٹھیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے مشرق ومغرب میں دہائی مچ گئی۔

اڑائے کچھ ورق لالے نے کچھ بلبل نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی علیہ الرحمۃ ارقام فرماتے ہیں:

> ''میرے مخدوم! مجدد الف ہونا ایک کشفی اور الہامی امر ہے جو اس معاملے والے کے وجدان سے تعلق رکھتا ہے، کسی ایسے امر کا التزام نہیں کہ آثار وعلامات کے ساتھ آشنا وبیگانہ کو قائل کیا جا سکے، جو شخص

آشنا اور ازلی سعادت سے بہرہ ور ہے وہ باطنی مناسبت کے ذریعے اہل اللہ کے اسرار قبول و برکات کا مورد ہو جاتا ہے، جو بیگانہ اور بے سعادت ہے، باطنی نامناسبت کی وجہ سے ان اسرار کی تہ تک نہیں پہنچتا تو انکار کر دیتا ہے اور ان حضرات کے فیوض و برکات سے محروم رہتا ہے، اگرچہ وہ ظاہر نہ کرے، غیر لوگ خارج از بحث ہیں، ہمیں ان کے انکار و اقرار سے کوئی واسطہ نہیں، منکروں نے قرآن جیسا روشن معجزہ دیکھ کر بھی انکار کر دیا، اس کے باوجود جس شخص کو تیز نظری کی قوت عطا کی گئی ہے اگر وہ حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) کے اطوار و عادات میں اچھی طرح غور کرے اور جن فیوض و برکات، کمال و اکمال اور اعلام و اسرار سے وہ پیشوائے صالحین میں ممتاز ہیں، مشاہدہ کرے تو بلا تکلف ان کے (الف ثانی کے) مجدد ہونے کا اقرار کرے گا، (مکتوباتِ معصومیہ دفتر ۲ مکتوب ۲)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی تجدید الف ثانی کے بہت سے دلائل ہیں جو ہر روشن نگاہ کو دکھائی دیتے ہیں، مثلاً:

حضور اکرم ﷺ، سید دو عالم ﷺ کی حدیثِ صلہ'' میں جس رجل کامل کی پیش گوئی موجود ہے، اس کے مصداق آپ ہیں جیسا کہ فرمایا، تمام تعریف اللہ کے لیے جس نے مجھے دو بحروں کے درمیان صلہ اور دو گروہوں میں مصلح بنا کر بھیجا، یہ دعویٰ آپ کے علاوہ کسی اور بزرگ نے نہیں فرمایا۔

ولایت کے بڑے بڑے شہسوار آپ کے ظہور مقدس کی بشارت سناتے رہے۔

حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے آپ کے لیے اپنا جبہ مبارک پانچ سو سال پہلے سے اپنی نسلِ اطہر میں جاری فرما دیا کہ اس انعام کا

مستحق تاجدار سرہند ہوگا، یہ خاص اہتمام بھی آپ سے منصب تجدید کا گواہ ہے۔

آپ کے نام کو دیکھیں یا تریسٹھ سال کے کام کو، ایک ایک انداز میں رسول اللہ ﷺ کی کامل اتباع کا عکس ہے۔

اس وحشت اثر دور میں مسلمانوں کی گمراہی کے ذمہ دار تین قسم کے لوگ تھے، بادشاہ، صوفیہ خام اور علمائے سوء آپ نے چند سالوں میں ان تینوں گروہوں کو صراط مستقیم پر گامزن کردیا اور ہندوستان کے تشکیک زدہ علاقے میں اسلام کے پرچم لہرانے لگے، ایک بادشاہ جہانگیر ہی نہیں، عالم اسلام کے متعدد حکمرانوں نے آپ کے سلسلہ عالیہ میں بیعت ہوکر اسلام کی خدمت کی۔ حضور اکرم ﷺ کے چار خلفائے راشدین کے دور میں فتوحات کا سلسلہ دراز ہوا، تو اس سنتِ عظیمہ کو بھی حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے خلفا نے تازہ کردیا، مجددی فیضان کے بادل بھی برصغیر کی حدود سے نکل کر دور دور تک عوام وخواص کے دلوں پر برسنے لگے، حضور اکرم ﷺ کی خصوصی توجہات سے آپ کی عظمتِ شان اوز وسعتِ فیض کا شہرہ اسلامی ممالک کی آخری حدود تک پہنچ گیا، بدخشاں سے حضرت خواجہ فرخ حسین، روم سے حضرت مولانا نصیر احمد رومی، شاہ ایران کے مقرب خاص شیخ طاہر، پھر مولانا صالح گولامی، مولانا یار محمد، مولانا عبدالحق شاہد مانی، شیخ احمد برکی جیسے حضور اکرم ﷺ کے خاص اشارات کی بدولت سرہند حاضر ہوئے اور انہوں نے فیض مجدد حاصل کر کے اپنے ممالک میں عام کیا۔ چنانچہ تجدید کا چھٹا سال ختم نہیں ہوا تھا کہ خراسان، بدخشان اور توران کا شہر شہر فیض مجدد سے تابناک ہو چکا تھا، تجدید کے بارہویں سال جنات کا بادشاہ بھی مع لشکر مرید ہوگیا،

تجدید کے چودھویں سال آپ نے اپنے مزید خلفا بلاد اسلامی کی طرف روانہ ہوئے، دربار اکبری اور جہانگیری کے متعدد امراء آپ کی نگاہِ کرم کے دریوزہ گر تھے، آپ کے وصال کے بعد آپ کے نائب کامل حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ نے آپ کا تجدیدی اور تبلیغی مشن نقطہ عروج پر پہنچا دیا۔ شاہجہان اور اورنگ زیب کے پرجلال درباروں میں بھی ان کی ہیبت وجلالت کا سایہ تھا۔

تجدید الف ثانی کا یہ بھی بہت بڑا ثبوت ہے کہ آپ کا سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ عالم اسلام کی غالب اکثریت کا سلسلۂ طریقت ہے اور اس دور سے لے کر آج تک جب بھی امت کو کوئی پریشانی لاحق ہوئی ہے آپ کے سلسلہ مقدسہ کے عالی قدر افراد نے قیادت کا وسیادت کا فریضہ سرانجام دیا ہے، انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی کا فتوی آپ کے خلفائے سلسلہ نے صادر فرمایا، روس کے سرداروں میں زاروں کے خلاف آپ کے خلفائے سلسلہ سرگرم عمل رہے، ترکی، شام، عراق، افغانستان اور ہندوستان کا کوئی علاقہ ان کے فیضان سے خالی نہیں رہا۔ تحریک پاکستان میں زیادہ تر انہی بزرگان سلسلہ نے کوشش کی گویا آج بھی آپ اپنے دور تجدید کی نگرانی فرما رہے ہیں، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے آپ کو قدوۃ الاخیار، زبدۃ المقربین، قطب الاقطاب جہانیاں مآب، مظہر تجلیات الٰہی، مصدر برکات نامتناہی، امام ربانی، مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ جیسے القاب سے یاد کیا ہے۔ نیز لکھا ہے کہ:

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے بعد اسلام کی نامور شخصیات آپ کے لافانی کردار سے ازحد متاثر ہوئیں، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی،

حضرت امام محمود آلوسی، حضرت امام ابن عابدین شامی، حضرت مولانا محمد خالد کردی علیہم الرحمۃ جیسے عالمگیر افراد نے اپنی تحقیقی کتابوں میں آپ کے فیضان کے دریا بہادیے ہیں، جنگ آزادی کے امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ نے باطل پرستوں کے خلاف قلمی جہاد شروع کیا تو اگرچہ ان پر قادریت کا غلبہ تھا مگر پھر بھی ان کا رنگ طبع اور طرز بیان آپ سے متاثر دکھائی دیتا ہے'' بلکہ بعض اوقات تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے حضرت مجدد الف ثانی ہی حضرت مجدد مأۃ کی زبان پر بول رہے ہیں، بالخصوص وہ مقامات جہاں دونوں حضرات نے ردکفر وشرک وبدعت کیا ہے وہاں یہ حقیقت اور بھی نمایاں ہوجاتی ہے، برصغیر میں اعلیحضرت بریلوی سے قبل سیکڑوں صوفیہ اور علماء نے کتابیں تصنیف کیں مگر زبان وبیان کی مماثلت جو فاضل بریلوی کو حضرت شیخ مجدد سے حاصل ہے غالباً اس حد تک اور کہیں نہیں''

(مجدد الف ثانی کی مجددیت وقومیت ص ۸۷ مولفہ پروفیسر محمد حسین آسی)

برصغیر میں بالخصوص اور عالم اسلام میں بالعموم آپ کے فیوضات سے معمور خانقاہوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، وہاں آج بھی شرعی قواعد کے مطابق اعراس منعقد کیئے جاتے ہیں جبکہ دوسری خانقاہوں پر میلوں کی صورت میں نجانے کون کون سی خرافات کا ارتکاب کیا جاتا ہے، یہ عام مشاہدے کی بات ہے جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا، یورپ کے نامور مفکرین بھی آپ کے رطب للسان دکھائی دیتے ہیں۔

حضرت علامہ اقبال جیسے عالمی اسکالر کے نظریات میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا عکس جمیل ہے، ان کے کلام کا درد، خودی، زمان ومکان کی سرحدوں سے باہر پرواز کرنے کا جذبہ، مرغانِ سدرہ پر کمند پھینکنے کا ولولہ، پیغام فراق، فلسفۂ موت وحیات، قوم کی تعمیر واصلاح دوقومی نظریہ وغیرہ سب کچھ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ سے ماخوذ ہے، حضرت اقبال خود عرض گزار ہیں۔

تو میری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
ترے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی تجدید الف ثانی اور کمالاتِ ربانی کی تصدیق حضرت خواجہ محمد الباقی علیہ الرحمۃ نے فرمائی اور آپ کے متعلق فرمایا کہ وہ آفتاب ہیں جسکی روشنی میں ہمارے جیسے ہزاروں ستارے گم ہیں، ایسی متفق علیہ شخصیت کا تصدیق کرنا، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور حضرت شیخ نور الحق دہلوی جیسے محققین کا خراج عقیدت پیش کرنا کوئی معمولی بات نہیں، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے آپ کو قدوۃ الاخیار، زبدۃ المقربین، قطب الاقطاب جہانیاں مآب، مظہر تجلیات الہیٰ، مصدر برکات نامتناہی، امام ربانی، مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ جیسے القاب سے یاد کیا نیز لکھا ہے کہ آپ کے معارف وحقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سو سال کے نہیں ہزار سال کے مجدد ہیں، سو اور ہزار کے درمیان کوئی چھوٹا فرق نہیں، کاش تم جانتے، (اخبار الاخیار ص ٣١٤) حضرت مظہر جانجاناں علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، ''حضرت مجدد رضی اللہ عنہ نے نیا طریقہ بیان کیا ہے اور اسکے جو مقامات وکمالات تحریر فرمائے ہیں اور اس طریقہ کے برگزیدہ اصحاب جو ان مقامات و وارادت پر پہنچ گئے ہیں ہزاروں سے بھی زیادہ ہوگئے ہیں اور ان مقامات میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ ہزاروں علما اور عقلا کے اقرار سے وہ تواتر تک پہنچ گئے ہیں'' (تذکرہ مشائخ نقشبندیہ، از پروفیسر نور بخش توکلی)۔

آپ کا لقب ''مجدد الف ثانی، پورے عالم اسلام میں زبانِ زد عام ہے اور عوام اور خواص کے اجماع سے ثابت ہے، اور کسی مجدد اسلام کے ساتھ لفظ مجدد کا اسقدر اہتمام دکھائی نہیں دیتا، جس طرح غوث اعظم، غریب نواز اور امام اعظم جیسے مخصوص القاب سے مخصوص شخصیات کا تصور فوراً سامنے آجاتا ہے اسی طرح مجدد الف ثانی یا شیخ مجدد یا امام ربانی، یا قیوم دوران کے القاب سے آپ کی صورت وسیرت کے اجالے

نگاہوں میں سمٹ آتے ہیں، کسی کو پوچھنے کی ضرورت محسوس ہی نہیں ہوتی، گویا آپ کی تجدید الف ثانی پر اجماع امت ہے اور اسکا انکار محرومی اور بدنصیبی کا پیش خیمہ ہے۔

ہمارے بعض احباب اپنی عقیدت سے مغلوب ہوکر اپنی پسند کی شخصیت کو ''مجدد اعظم'' کے لقب سے مشہور کر رہے ہیں حالانکہ اس الف ثانی کے عرصے میں تجدیدی طور پر حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ ہی کا راج ہے، اس ہزار سال کے دورانئے میں ان کے سوا کوئی شخصیت بھی ''مجدد اعظم'' کہلانے کی مستحق نہیں، حضرت قیوم زمانی، مجدد برحق، شیخ الاسلام شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

''راہ ولایت کے کھلنے کا واسطہ جناب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا وجود باجود ہے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس توسط میں شریک ہیں، اس کے بعد بارہ میں سے باقی امام اور حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہم ولایت کی اس امانت کا بوجھ اٹھانے والے ہیں لیکن دوسرے ہزار میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ بھی اس امر میں شریک ہیں، یہ بات ثابت ہے کہ اس دوسرے ہزار میں جو شخص درجہ ولایت کو پہنچتا ہے خواہ وہ کسی خاندان میں مرید ہو، اس کے لیے بغیر ان کی وساطت کے ناممکن ہے، وہ ان کی توجہ اور امداد سے ان مرحلوں کو طے کرتا ہے اگرچہ قطب وابدال اور اوتاد وغوث ہوں، یہ ضروری نہیں کہ سالکین حضرت مجدد کی توجہ اور امداد کی خبر وآگاہی بھی رکھتے ہوں، (تذکرہ مشائخ نقشبندیہ ص۳۳۴)

یہ ہزار سال کا دور آپ کا دور تجدید تھا اس لیے آپ کو تمام سلاسل طریقت کے فیوضات کا مرکز بنایا گیا، مشائخ کبار کے اٹھارہ سلسلے

آپ کی ذات پر مجتمع ہوئے ہیں، اس لیے جو مجددی ہے وہ نقشبندی قادری، چشتی اور سہروردی بھی ہے، یہ آپ کا فیضان نظر ہے کہ مجددی حضرات نے ہر اچھی تحریک اور اعلیٰ شخصیت کے ساتھ محبت اور معاونت کا ثبوت دیا، مثلاً حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی تجدیدی کوششوں کو اجاگر کرنے میں آپ کے سلسلے کے حضرات سے زیادہ مجددی حضرات کا کارنامہ نظر آتا ہے، حضرت ڈاکٹر مسعود ملت ہوں یا حضرت علامہ اختر شاہ جہانپوری، حضرت علامہ پروفیسر محمد حسین آسی ہوں یا حضرت پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، سب غلامانِ مجدد نے حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی تعلیمات اور فیوضات کو عام کرنے کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں، یہ راقم تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کرتا ہے کہ اس نے بھی آپ کی شخصیت پر چار کتابیں رقم کی ہیں اور متعدد مضامین تحریر کیے ہیں، ان تمام افراد نے کوئی احسان نہیں کیا بلکہ اس ذمہ داری کو نبھایا ہے جو ان کے شیخ کریم کی بارگاہ سے ان پر عائد کی گئی تھی اور وہ ذمہ داری تھی ہر حق پرست کی تائید کرنی اور ہر باطل پرست کے سامنے ڈٹ جانا۔

سرخیِ خار مغیلاں سے پتہ چلتا ہے
تیرے دیوانے یہاں آئے یہاں تک پہنچے

کمالات مجددیہ پر ایک نظر:

اللہ تعالیٰ نے آپ کی شخصیت میں بہت سے کمالات جمع فرما دیئے اور یہ اس قادر کریم کے لیے کوئی مشکل نہیں کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے، ان کمالات کی گواہی آپ کی تحریروں میں موجود ہے۔

(۱)

میں نے حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی ایک نظر سے وہ کچھ پایا ہے جو

دوسرے چالیس روز کے چلے میں بھی نہیں پا سکتے اور ان کی توجہ سے وہ کچھ حاصل کیا ہے جو سالہا سال کی ریاضت سے بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ (مکتوب ۴۴ دفتر ۲)

(۲)

اس راہ کے بے نہایت ہونے پر آہ ہزار آہ، اتنی جلد سیر اور واردات وعنایات کا حصول نہایت ہی مقام حیرت ہے، یہی وہ مقام ہے جس کے بارے میں مشائخ عظام فرماتے ہیں کہ سیر الی اللہ پچاس ہزار سال کا راستہ ہے ذات باری نے کام بنا دیا، چند روز ہوئے اشیاء میں سیر واقع ہوئی۔ (مکتوب ۱۳ دفتر ۱)

(۳)

عجب بات ہے کہ اب اس فقیر کو حق الیقین سے مشرف فرما دیا گیا ہے، اس مقام میں علم اور عین ایک دوسرے کے لیے پردہ اور حجاب نہیں رہے ہیں، یہ ناچیز عین حیرت اور بے نشانی میں علم وشعور سے متصف ہے اور عین غیب، حضور کا حکم رکھتی ہے۔ (مکتوب ۱۸ دفتر ۱)

(۴)

جاننا چاہیے کہ ممکن جب قرب الٰہی کے مقامات میں دائرہ امکان سے باہر قدم رکھتا ہے (یعنی مشاہدہ کرتا ہے) تو ازل وابد کو متحد پاتا ہے، حضور اقدس ﷺ نے معراج کی رات حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں دیکھا اور طوفان نوح بھی موجود تھا، اہل بہشت کو بہشت میں اہل دوزخ کو دوزخ میں دیکھا...... یہ سب کچھ ایک آن میں ہوا، گزشتہ اور آئندہ کی وہاں کوئی گنجائش نہیں، یہ حالات پیغمبر خدا ﷺ کے جسم وروح دونوں کو پیش آئے، آپ نے بصارت اور

بصیرت دونوں کے ساتھ مشاہدہ کیا، اگر تبعیت کے طور پر یہ حالت دوسروں کو مرحمت فرمائی جائے تو صرف روح کے ساتھ محدود ہوگی اور بصیرت کے ساتھ مخصوص ہوگی (مبدا و معاد ص ۴۹ مطبوعہ کراچی)

اس فقیر کو بھی حبیب خدا کے صدقے یہ حالت میسر آئی ہے کہ میں نے ملائکہ کو جو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کر رہے تھے، عین سجدے کی حالت میں دیکھا، (ایضاً ص ۶۹)

(۵)

اگر چہ احوال پوشیدہ رکھنے کے لائق تھے لیکن ان کے ظاہر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ لوگوں کے علم میں یہ بات آجائے کہ فقیر نے اگر وحدۃ الوجود کے نظریے کو قبول کیا تھا تو کشف کی بنا پر کیا تھا نہ کہ از روئے تقلید اور اگر اب انکار ہے تو یہ بھی الہام کے باعث ہے جو انکار کی گنجائش نہیں رکھتا اگر چہ دوسرے پر حجت نہیں (مکتوب ۳۱ دفتر ۱)

(۶)

اس معاملے کے باوجود جو میری پیدائش سے وابستہ ہے، میرے سپرد ایک عظیم کام ہے، مجھے نہ پیری مریدی کے لیے دنیا میں لایا گیا ہے اور نہ میری پیدائش سے تکمیل وارشاد مقصود ہے بلکہ اور ہی معاملہ اور کام ہے، جو شخص مناسبت رکھتا ہوگا وہ فیض حاصل کر سکے گا، اس عظیم کام کے مقابلے میں تکمیل وارشاد کا کام بالکل معمولی ہے جیسے راستے میں پھینکی ہوئی چیز، انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کو ان کے باطنی معاملات سے یہی نسبت ہے، اگر چہ منصب نبوت ختم ہو چکا ہے لیکن نبوت کے کمالات اور خصائص سے تبعیت و وراثت کے طور پر ان کے کامل متبعین کو حصہ میسر ہے۔ (مکتوب ۱۱ دفتر ۲)

(۷)

اس امت کی آخریت حضور اقدس ﷺ کے وصال با کمال کے ایک ہزار سال بعد یعنی دوسرے ہزار سال کی ابتداء سے شروع ہوتی ہے، ہزار سال گزرنے میں یہ عظیم خاصیت ہے کہ امور میں تغیر آجاتا ہے اور اس کا اشیاء کے تبدیل میں قوی اثر ہوتا ہے چونکہ اس امت میں نسخ و تبدیل نہیں ہے لہٰذا متقدمین کی نسبت اسی طراوت اور آبداری کے ساتھ متاخرین میں جلوہ گرہ ہوئی ہے اور تائید شریعت اور تجدید ملت اس دوسرے ہزار سال میں ہورہی ہے، اس امر کے دو معتبر گواہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان ہیں۔ (مکتوب ۲۶۱ دفتر ۱)

(۸)

ہر صدی کے سرے پر اس امت کے علماء سے مجدد کا تعین فرماتے ہیں کہ شریعت کا احیاء فرمائے، خاص طور پر ہزار سال گزرنے کے بعد کہ اگلی امتوں میں وہ اولوالعزم پیغمبر کی بعثت کا وقت ہوتا اور اس وقت دوسرے پیغمبروں پر اکتفا نہ کیا جاتا تھا۔ اس دستور کے مطابق فی زمانہ ایک ایسا عالم، عارف اور تام المعرفت درکار ہے جو امم سابقہ کے اولوالعزم پیغمبروں کا قائم مقام ہو، (مکتوب ۲۳۴ دفتر ۱)

(۹)

سبحان اللہ! وہ معارف جو اس فقیر حقیر سے بغیر ارادے اور تکلف کے ظاہر ہورہے ہیں اگر بہت سے آدمی بھی جمع ہو کر انہیں مرتب کرنے کی کوشش کریں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہ کر سکیں گے فقیر کا یقین ہے کہ ان معارف کا بہت سا حصہ حضرت مہدی علیہ الرضوان کو نصیب ہوگا۔ (مکتوب ۲۳۴ دفتر ۱)

(۱۰)

علوم ومعارف موسلا دھار بارش کی طرف برسائے جارہے ہیں، قوتِ مدرکہ جن کو اٹھانے سے عاجز ہے بلکہ قوت مدرکہ تو محض برائے تعبیر ہے ورنہ بادشاہوں کی عطاؤں کو بادشاہ کی سواریاں ہی اٹھاسکتی ہیں (مکتوب ۱۸ دفتر ۱)

(۱۱)

یہ علوم ومعارف جن کے متعلق اہل اللہ میں سے کسی نے صراحتاً یا اشارتاً گفتگو نہیں کی بڑے اعلیٰ معارف اور اکمل علوم ہیں جو ہزار سال کے بعد ظہور میں آئے ہیں اور واجب تعالیٰ اور ممکنات کو جس طرح ممکن اور لائق تھا بیان کیا ہے، یہ نہ کتاب وسنت کے خلاف ہیں اور نہ اہل حق کے اقوال سے متصادم۔ (مکتوب ۲۳۴ دفتر ۱)

(۱۲)

یہ معارف جو لکھے گئے ہیں امید ہے رحمانی الہامات سے ہوں گے جن میں ہرگز شیطانی وسوسوں کی آمیزش نہیں ہے، اس بیان کی صحت پر دلیل یہ ہے کہ جب فقیر ان علوم کے لکھنے کے درپے ہوا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں التجا کی تو معزز فرشتوں کو دیکھا کہ اس مقام کے گردونواح تک سے شیطان کو بھگاتے تھے اور اس جگہ کے گرد نہ آنے دیا۔ (مکتوب ۲۳۴ دفتر ۱) کسی عقل نارسا میں یہ وہم نہ آجائے کہ وہاں فرشتے کیوں اور کیسے آگئے، اس امر کا خود قرآن شاہد ہے، **ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملئکۃ**، جو کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اس پر جم جاتے ہیں تو ان پر (امداد ونصرت کے) فرشتے نازل ہوتے ہیں۔

(۱۳)

یہ نقدِ وقت ہے کہ کیونکہ وہ (لاتعداد) اسرار ایسے نہیں ہیں کہ میں خود انہیں بیان نہیں کرتا، بلکہ وہ ایسے ہیں کہ بیان کیے نہیں جا سکتے۔

فریاد حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست
ہم قصۂ غریب وحدیثِ عجیب است

نوٹ: آپ کا یہ فرمان بھی حدیثِ بخاری سے ثابت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ سے دو قسم کے علم حاصل ہوئے، ایک جو تمہارے درمیان بیان کرتا ہوں اور ایک اگر بیان کروں تو تم میرا حلقوم کاٹ دو، لہٰذا یہاں بھی اشکال وارد نہیں ہونا چاہیے۔

(۱۴)

اس فقیر کو عالم لدنی کی توفیق حضرت خضر علیہ السلام کی روحانیت سے حاصل ہوئی لیکن یہ صورتحال اس وقت تک رہی جب تک کہ میں مقام اقطاب سے نہیں گزر گیا تھا، اس مقام سے گزر جانے اور بلند تر مقامات میں ترقیاں حاصل کر لینے کے بعد کا حصول خود اپنی حقیقت سے ہونے لگا، یعنی علوم اپنی ذات میں خود بخود اپنی ذات ہی سے حاصل ہونے لگے، کسی غیر کی مجال نہ رہی کہ درمیان میں آ سکے۔
(مبداء ومعاد ص ۹۷)

(۱۵)

آخر کار جب حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے تاویلات متشابہات کا تھوڑا سا حصہ اس فقیر پر ظاہر فرمایا اور اس دریائے محیط سے ایک چھوٹی سی نہر اس مسکین کی زمین استعداد میں جاری فرما دی تو

معلوم ہوا کہ علمائے راسخین کو بھی تاویلات متشابہات سے وافر حصہ نصیب ہوا ہے، (مکتوب ۲۷۶ دفتر ۱)

(۱۶)

اس فقیر کو مقام اقطاب پر پہنچانے کے بعد حضور سرور کون ومکان ﷺ کی جانب سے قطب ارشد کی خلعت عطا ہوئی اور مجھے اس منصب پر فائز فرمایا گیا، اس کے بعد عنایت خداوندی سے اس مقام سے مزید بلندی کی طرف متوجہ فرمایا گیا، چنانچہ ایک مرتبہ اصل ظل آمیز تک رسائی حاصل ہوئی اور مقام میں بھی گزشتہ مقامات کی طرح فنا اور بقا نصیب ہوئی اور پھر وہاں سے اصل کے مقام تک ترقی عطا فرمائی گئی، یہاں تک کہ مقام اصل الاصل تک پہنچا دیا گیا اس مقامات اصل کے عروج میں حضرت غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی روحانیت کی امداد حاصل رہی۔ ان کی قوت تصرف نے ان تمام مقامات سے گزار کر مقام اصل الاصل تک واصل فرما دیا، پھر وہاں سے مجھے دنیا کی طرف واپس کر دیا گیا جیسا کہ اس سے پہلے بھی ہر مقام سے واپس کرتے رہے تھے، اس فقیر کو اس نسبتِ فردیت کا سرمایہ جس کے ساتھ آخری عروج مخصوص ہے، اپنے والد محترم خواجہ عبدالاحد سرہندی علیہ الرحمۃ سے حاصل ہوا تھا۔ (مبداء ومعاد ص ۹۶)

(۱۷)

اس کو فقیر کو نزول کے وقت جس کو سیر عن اللہ باللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے دوسرے سلسلوں کے مشائخ کے مقامات پر بھی عبور حاصل ہوا اور ہر مقام سے میں نے کافی حصہ حاصل کیا، ہر مقام کے مشائخ میرے مددگار رہے اور انہوں نے اپنی اپنی نسبتوں کے بہترین انتخاب سے بڑا حصہ فقیر کو عطا فرمایا، سب سے پہلے اکابر چشتیہ قدس اللہ اسرارہم

کے مقام پر عبور حاصل ہوا اور اس مقام سے ایک بڑا حصہ مجھے نصیب ہوا، ان میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کی روحانیت نے دیگر مشائخ کی نسبت کہیں زیادہ میری امداد فرمائی اور حق یہ ہے کہ یہ حضرت قدس سرہٗ اس مقام میں بڑی شان کے مالک ہیں بلکہ اس مقام کے رئیس ہیں۔ (مبداء ومعاد ص ۹۷)

(۱۸)

اللہ تعالیٰ کے واسطے تعریف اور سلام اس کے برگزیدہ بندوں پر، میں اللہ تعالیٰ کا مرید بھی ہوں اور مراد بھی، میرا سلسلہ ارادت بلاواسطہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جا ملتا ہے اور میرا ہاتھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا قائم مقام ہے اور میری ارادت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بہت سے واسطوں سے ہے، طریقہ نقشبندیہ میں اکیس اور قادریہ میں پچیس اور چشتیہ میں ستائیس واسطے درمیان ہیں لیکن میری ارادت جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے وہ واسطے کو قبول نہیں کرتی جیسے کہ گزر چکا، پس میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا مرید بھی ہوں اور ان کا پس رو بھی، یعنی پیچھے چلنے والا خادم بھی، اگرچہ اس دسترخوان پر طفیلی ہوں لیکن بن بلائے نہیں آیا ہوں، اگرچہ تابع ہوں لیکن اصالت سے محروم نہیں ہوں، اگرچہ امتی ہوں لیکن اس نعمت میں شریک ہوں، نہ وہ شرکت جس میں ہمسری کا دعوٰی ہو بلکہ وہ شرکت جو ایک خادم کو مخدوم سے ہوا کرتی ہے، جب تک بلایا نہ گیا خوان نعمت پر حاضر نہ ہوا اور جب تک اجازت نہ ملی نعمت کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا اگرچہ اویسی ہوں لیکن حاضر وناظر مربی رکھتا ہوں، اگرچہ طریقہ نقشبندیہ میں میرے پیر عبدالباقی ہیں لیکن میری تربیت کا متکفل اللہ الباقی ہیں، اسکے فضل نے میری تربیت کی ہے اور راہ اجتبا پر چلا ہوں، میرا سلسلہ رحمانی ہے

اور میں عبدالرحمٰن ہوں، میرا رب رحمان ہے اور مربی ارحم الراحمین ہے، میرا طریقہ طریقہ سبحانی ہے، جس تک راہ تنزیہ سے پہنچا ہوں، نام اور صفت سے ذات اقدس تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں چاہا، یہ سبحانی وہ سبحانی نہیں ہے جو حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کیونکہ اس کو اس کے ساتھ کسی قسم کی مساوات نہیں ہے، وہ سبحانی دائرہ انفس سے باہر نہیں اور یہ انفس و آفاق سے ماورا ہے، وہ تشبیہ ہے جس نے تنزیہ کا لباس پہنا ہے اور یہ تنزیہ ہے جسکو تشبیہ کی گرد بھی نہیں لگی، اس سبحانی نے چشمہ سکر سے جوش مارا اور یہ عین صحو سے نکلا، ارحم الراحمین نے میرے حق میں تربیت کے اسباب کو معلم کے سوا نہ رکھا، علت فاعلی میری تربیت میں اپنے فضل کے سوا اور کچھ نہ بنائی، حق تعالیٰ کمال کرم سے اس اہتمام و غیرت کے باعث جو میرے حق میں رکھتا ہے پسند نہیں کرتا کہ میری تربیت میں کسی دوسرے کے فعل کا دخل ہو یا میں اس امر میں کسی دوسرے کی طرف متوجہ ہوں، میں حق تعالیٰ کا تربیت یافتہ اور اس کے نامتناہی فضل و کرم کا مجتبیٰ اور برگزیدہ ہوں‘‘

بر کریماں کارہا دشوار نیست

(مکتوب ۸۷ دفتر ۳)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے اس مکتوب گرامی سے عوام تو کیا بہت سے خواص بھی خاصے پریشان ہوگئے یہاں تک کہ حضرات مجددیہ کو اسکی صحیح تشریح و تعبیر کا فریضہ سرانجام دینا پڑا، عارفِ کامل حضرت زید ابوالحسن فاروقی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے اس مبارک مکتوب کو جب میں پڑھتا ہوں تو ضمیر کہتا ہے کہ جس وقت حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اسکو لکھا ہے آپ کی ہیت وحدانی ریاض انس و حضوری میں سائر و دائر تھی، جو انعامات ہو رہے تھے اور جن اکرامات کو یاد دلایا جا رہا تھا، زبان قلم ان کا بیان کر رہی تھی، آپ کی کیفیت بزبانِ حال کہہ رہی تھی، لی مع اللہ وقت لا یسع فیہ ملکٌ مقربٌ ولا نبیٌ مرسلٌ یعنی میری ایک گھڑی اللہ کے ساتھ ایسی بھی ہوتی ہے کہ اس میں کسی دوسرے کی گنجائش

نہیں ہوتی، نہ کسی مقرب فرشتہ کی اور نہ کسی مرسل نبی کی، (حضرت مجدد اور ان کے ناقدین ص ۱۵۲) مذکورہ بالا حدیث کو حضرت امام علی القاری علیہ الرحمۃ نے موضوعات کبیر میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ صوفیہ اسکو بکثرت نقل کرتے ہیں اور ملک مقرب سے جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں اور نبی مرسل سے خود آنحضرت ﷺ مراد ہیں اور اس میں اشارہ اس مقام استغراق کی طرف ہے جو حضوری کے وقت ہوتا ہے اور جس کو فنا کہتے ہیں یعنی اس وقت سالک روحاً اور خیالاً اپنے مولا تعالیٰ ہی میں مستغرق ہوتا ہے، اس مکتوب گرامی میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ وسیلہ مصطفیٰ کا انکار نہیں کر رہے بلکہ انتہائی عروج پر پہنچنے کے بعد ''وصل عریاں'' کا ذکر کر رہے ہیں جیسا کہ کسی صوفی کا شعر ہے۔

او شود عریاں ز تن من از خیال
تا خرامم در نہایات الوصال

حضور اکرم ﷺ کی تبعیت، طفیلیت اور وراثت کے سبب مومن کامل اور عارف اکمل پر ایک ایسا مقام بھی آتا ہے خود حضور اکرم ﷺ اسے حقیقت محمدی کے گزار کر خاص بارگاہ صمدیت میں پہنچا دیتے ہیں اور معاملہ پردے سے بے پردگی تک جا پہنچتا ہے، اور رب ذوالجلال اس پر بلا واسطہ تجلیات و انعامات کی بارش نازل فرماتا ہے، اس کی مثال اس طرح سمجھنی چاہیے جیسے کوئی بادشاہ کا محرم خاص اپنے کسی غلام زار کے کام سے خوش ہو کر بادشاہ کے دربار میں پیش کر دے اور خود اس پر بادشاہ کے انعامات کا نظارہ کر کے خوشی کا اظہار کرے، اس سے اس غلام زار کا مقام اس محرم خاص سے کس طرح بلند ہو سکتا ہے اور وہ غلام زار کس طرح خود کو اس محرم خاص سے افضل تصور کر سکتا ہے، بعض حضرات نے مکتوب گرامی میں منقول ''ہم پرہ'' کے لفظ سے مغالطہ کھایا ہے، وہ اس کا معنی ہمسر اور ہم مرتبہ سمجھ بیٹھے ہیں حالانکہ اس کا معنی صف لشکر اور پرکاہ ہے، ان دونوں معانی سے عاجزی اور انکساری کا اظہار ہو رہا ہے، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے مکتوب ۱۲۱ دفتر سوم میں وساطتِ مصطفیٰ کے متعلق لکھا ہے:

> ''اس مقام کی تحقیق اس طرح پر ہے کہ سرور دو عالم ﷺ کی وساطت کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ آنحضرت ﷺ طالب اور مطلوب کے درمیان حائل اور حاجب ہیں اور دوسری یہ کہ آپ کے طفیل اور تبعیت اور متابعت کے طفیل طالب اپنے مطلوب سے واصل ہو گیا ہے،

سلوک کے راستے میں جب تک سالک حقیقتِ محمدی تک نہیں پہنچا ہے توسط بہ ہر دو صورت موجود ہے بلکہ میرا خیال ہے کہ وہ تمام مشائخ جو کہ سلسلہ میں آئے ہیں سالک کے شہود میں حاجب ہیں (یہ حجاب دوبین کے شیشوں کی طرح ہیں کہ خود نظر نہیں آتے اور نظر پہنچانے کا ذریعہ بنے ہیں) افسوس ہے اگر جذبہ کا اواخر حال اس کا تدارک نہ کرے اور پردہ سے بے پردگی تک معاملہ نہ پہنچے کیونکہ راہ جذبہ میں حقیقت الحقائق (یعنی حقیقت محمدی) تک پہنچنے کے بعد توسط دوسری صورت اور درجہ کا ہوتا ہے جو بہ معنی طفیلیت اور تبعیت ہے نہ بہ معنی حیلولیت وحجاب جو کہ شہود ومشاہدہ اور ان جیسے دوسرے مقامات کے لیے بہ منزلہ پردہ وحجاب کے ہے'' (ایک اور مقام پر فرماتے ہیں) اس عدم توسط یعنی واسطہ کے نہ ہونے سے جو طریق جذبہ میں کہا گیا ہے، کوئی بیوقوف یہ گمان نہ کرے کہ حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کی کچھ حاجت نہیں اور ان کی تبعیت ومتابعت کی کچھ پروا نہیں کیونکہ یہ کفر والحاد وزندقہ ہے اور شریعت حقہ کا انکار ہے حالانکہ اوپر گزر چکا ہے کہ جذبہ سلوک کے واسطے کے بغیر جو شریعت کے بجالانے سے مراد ہے ابتر وناتمام ہے اور سراسر عذاب ہے جو نعمت کی صورت میں ظاہر ہوا ہے اور جذبہ ناتمام کے صاحب پر حجت کو پورا کیا ہے، غرض کشف صریح اور الہام صریح سے یقینی طور پر معلوم ہو چکا ہے کہ اس راہ کے دقائق میں سے کوئی دقیقہ اور اس گروہ کے معارف میں سے کوئی معرفت آنحضرت ﷺ کی متابعت کے واسطہ اور وسیلہ کے بغیر میسر نہیں ہوتی اور مبتدی اور متوسط کی طرح منتہی کو بھی اس راہ کے فیوضات وتبرکات آنحضرت ﷺ کی طفیل وتبعیت کے بغیر حاصل نہیں ہوتے، (مکتوب ۱۲۱ دفتر ۳) آپ نے اس مکتوب

گرامی میں تمام شبہات کے جواب ارشاد فرمادیئے ہیں جو پڑھنے کے قابل ہیں۔

آپ ان عبارات میں برابر تسلیم کررہے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی تبعیت وطفیلت کا توسط توسل اور وسیلہ ہر حال میں برقرار رہتا ہے، نجانے ان لوگوں نے اس کو کیوں فراموش کردیا ہے، آپ چونکہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فرزند ہیں اس لیے ''مرادیت'' سے سرشار ہیں، لیکن ہر مقام پر اسی شرکت کا ذکر کرتے ہیں جو ایک خادم کو اپنے مخدوم سے ہوتی ہے، آپ کے یہ الفاظ کہ ''میں اللہ تعالیٰ کا مرید بھی ہوں اور مراد بھی، میرا سلسلہ ارادت سے بلاواسطہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جاملتا ہے اور میرا ہاتھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا قائم مقام ہے، لوگوں کے لیے غبارِ خاطر کا سبب ہیں حالانکہ انہیں صحیح بخاری شریف میں مرقوم اس حدیث قدسی کا مطالعہ کرنا چاہیے:

'جب نوافل کے ذریعے میرا بندہ میرے قریب ہوجاتا ہے تو میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں، جب میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو پھر میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اسکے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اسکے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور وہ جو کچھ بھی مجھ سے طلب کرتا ہے میں اسے ضرور بالفرور عطا کرتا ہوں،

(بخاری کتاب الرقاق باب التواضع ۲/۹۶۳، مشکوٰۃ ص ۱۹۷)

حدیث قدسی کے الفاظ بھی مفہوم کو اجاگر کردیتے ہیں مگر مزید تشریح کے لیے حضرت امام رازی علیہ الرحمۃ کا فرمان دیکھیے، **ھذا الخبر یدل علیٰ انہٗ لم یبق وسمعھم یفر اللہ ولا فی بصرھم ولا فی سائر اعضائھم اذلو بقی ھناک نصیب یفر اللہ لماقال انا**

سمعهم وبصرهٗ یہ حدیث اس پر شاہد ہے کہ بندگانِ الٰہی کی آنکھوں کانوں بلکہ تمام اعضا میں اللہ کے سوا کسی کا کوئی حصہ نہیں رہتا اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی اور کا حصہ باقی ہوتا تو اللہ ہرگز نہ فرماتا کہ میں اسکی سمع اور بصر بن جاتا ہوں۔ (تفسیر کبیر ۵/ ۶۸۶)

مولانا انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں: عبد متقرب بالنوافل میں اس کے جسم اور صورت کے سوا باقی کچھ نہیں رہتا، اس میں صرف اللہ متصرف ہو گیا، صوفیہ اسے فنا فی اللہ کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی تصرف کرنے والا نہیں ہوتا (فیض الباری ۴/ ۴۲۸) بقول اقبال۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں، کار کشا، کارساز
خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات
ہر دوجہاں سے غنی اسکا دل بے نیاز

ویسے دیکھا جائے تو حضور اکرم ﷺ کی رسالت و نبوت کا مقصد کیا تھا، یہی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دور ہونے والے بندوں کو ہزاروں اصنام و اوثان سے بچا کر اسکی بارگاہِ قدس سے ملانے آئے تھے، وصل کی دولت سے سرفراز کرنے آئے تھے، اگر کوئی شخص آپ کے اس مقصدِ بعثت کی بدولت اور آپ کی متابعت کے طفیل حق تعالیٰ کے دربار اکرم سے واصل ہو جاتا ہے اور اسکا ہاتھ دست لم یزل کے کمالات کا مظہر بن جاتا ہے تو اعتراض نہیں ہونا چاہیے، کیا مولانا روم علیہ الرحمۃ نے نہیں کہا کہ پیر کامل صورت ظل الٰہ ہوتا ہے اور دید پیر، دید کبریا کی صورت بن جاتی ہے، ہمارا خیال ہے کہ یہ قول حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے قول سے زیادہ خطرناک ہے مگر کبھی کسی معترض نے اس طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا اور اسے سکر ہی سکر قرار نہیں دیا، پھر حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ، کے ان ارشادات کو دیکھا جائے تو کیا تبصرہ کیا جائے:

☆ ...... میں زمین میں تم پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہوں اور رسول اللہ ﷺ کا نائب ہوں:

(بہجۃ الاسرار ص ۲۲ مطبوعہ مصر)

☆...... میں اللہ تعالیٰ کے علوم اور مشاہدات کے سمندروں میں تیرنے والا ہوں،

(ایضاً ص ۲۲، قلائد الجواہر ص ۲۶)

☆...... ولی اللہ توحید کی کرسی پر بیٹھ جاتا ہے پھر اس سے تمام حجابات دور کر دیے جاتے ہیں۔

(غنیۃ الطالبین ص ۸۳۱)

☆...... تمہیں کائنات کی تکوین اور تصرف پر اختیار حاصل ہو جائے گا، تم کو پوری قدرت حاصل ہوگی، تم اللہ کے ساتھ سنو گے، اسی کے ساتھ دیکھو گے، اسی کے ساتھ بولو گے، اسی کے ساتھ پکڑو گے، اسی کے ساتھ چلو گے اور اسی کے ساتھ سوچو گے، (فتوح الغیب مقالہ ۴۰ مطبوعہ لاہور)

☆...... اللہ نے مجھے اپنے راز قدیم پر مطلع کیا، مجھے عزت کا ہار پہنایا، جو کچھ میں نے مانگا عطا فرمایا (قصیدہ غوثیہ)

☆...... میں قرب الٰہی میں یکتا اور یگانہ ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے پھیرتا ہے اور وہ مجھے کافی ہے، (ایضاً)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کے متعلق فرمایا ہے کہ ’’میرے پیر عبدالباقی ہیں لیکن میری تربیت کا متکفل اللہ الباقی ہے، اس کے فضل نے میری تربیت کی ہے، اس مبارک جملے میں بھی کوئی اشکال نہیں کیونکہ متکفل حقیقی فقط اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، **فقل حسبی اللہ لا الٰہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم**، فرمایئے: مجھے اللہ ہی کافی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں اسی پر بھروسا کرتا ہوں اور وہ عرش عظیم کا پروردگار ہے، (سورۃ التوبہ) پیر کامل کی کوشش ہوتی ہے لیکن فضلِ خدا ہی کارفرما ہو تو منزل مقصود حاصل ہوتی ہے، کیا قرآن پاک نے آنکھ جھپکنے سے بھی پہلے تختِ بلقیس لانے والے ولی کامل کے متعلق پیغمبر برحق حضرت سلیمان علیہ السلام کا عقیدہ بیان نہیں فرمایا، **ھذا من فضلِ ربی**، یہ تو میرے رب کا فضل ہے، خود حضرت باقی باللہ علیہ الرحمۃ اس فضلِ عظیم کا اقرار فرماتے ہیں:

☆...... شیخ احمد جیسی ہستی آج اس آسمان کے نیچے اور کوئی نہیں ہے۔

☆...... صحابہ و تابعین کے بعد شیخ احمد جیسی ہستیاں چند ہی گزری ہیں۔

☆...... شیخ احمد قطبیت ارشاد اور قطبیت کے مدار کے جامع ہیں۔

☆...... شیخ احمد مرید نہیں بلکہ مراد اور محبوب ہیں۔

☆ ...... شیخ احمد کی توجہ سے راہ سلوک میں ہمارا توقف دور ہوا۔

☆ ...... شیخ احمد کے ذریعے مجھے معلوم ہوا کہ توحید وجودی تنگ کوچہ ہے۔

☆ ...... شیخ احمد کی ذات پر مجھے فخر ہے۔

☆ ...... شیخ احمد کے بچے اسرار الٰہی ہیں، شجرہ طیبہ ہیں، اللہ نے خوب کھیتی اگائی ہے۔

یہ تمام رشحاتِ طیبہ ان کے خطوط میں موجود ہیں، جب وہ خود شیخ کامل ہو کر ان کو اپنی مراد اور محبوب قرار دے رہے ہیں تو ایک بار تحدیث نعمت کے طور پر انہوں نے بھی اعلان کر دیا تو کیا غضب ہوا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا اظہار بھی کرنا چاہیے، تا کہ کمال شکر کا درجہ نصیب ہو جائے، بہر حال یہ مکتوب گرامی آپ کے خداداد کمالات اور اسرار گنجینہ ہے جسے لوگوں نے ناواقفیت کی بنا پر موردِ اعتراض ٹھہرا لیا ہے۔

اللّٰھم اھدنا الصراط المستقیم، بحرمۃ رسولک الکریم

عرفانِ خدا کے دو راستے:

تصوف وعرفان کی دنیا میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ہی وہ بلند پایہ شخصیت ہیں جنہوں نے پہلی بار عرفانِ خدا کے حصول کے لیے دو راستوں کا انکشاف کیا ہے، ایک قرب نبوت کا راستہ اور دوسرا قرب ولایت کا راستہ، ان راستوں کا انکشاف آپ کے اجتہادی فکر وعرفان کا بہت بڑا کارنامہ ہے، آپ ارقام فرماتے ہیں:

> ''ایک راہ وہ ہے جو قرب ولایت سے تعلق رکھتی ہے، اقطاب واوتاد اور بدلاء ونجباء اور عام اولیاء اس راہ سے واصل ہیں اور راہ سلوک اسی راہ کا نام ہے بلکہ متعارف جذبہ بھی اسی میں داخل ہے اور اس راہ میں توسط وحیولیت ثابت ہے، اس راہ کے واصلین کے سردار اور منبع فیض حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں، یہ عظیم الشان منصب انہی سے تعلق رکھتا ہے، اس راہ میں رسول اللہ ﷺ کے دونوں قدم ان کے سر پر ہیں اور حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم بھی اس مقام میں ان کے شریک کار ہیں، (معارف لدنیہ ص ٦٦)

میں سمجھتا ہوں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، اپنی جسدی پیدائش سے پہلے بھی اس مقام کے ملجا و ماویٰ تھے جیسا کہ جسدی پیدائش کے بعد ہیں اور جسکو بھی فیض پہنچا ہے، ان کے ذریعے پہنچا ہے کیونکہ وہ اس راہ کے آخری نقطے کے نزدیک ہیں، ان کے دور کے بعد حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما اس منصب عظیم پر فائز ہوئے، پھر باقی ائمہ اثناعشر میں سے ہر بزرگ کا ترتیب وار تقرر ہوا یہاں تک کہ نوبت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ تک پہنچی، حضرات ائمہ اور حضرت شیخ کے درمیان کوئی دوسرا اس مرکز پر معلوم نہیں ہوتا، اسی لیے آپ نے فرمایا۔

افلت شموس الاولین و شمسنا
ابداً علی افق العلیٰ لا تغرب

سورج سے مراد فیضانِ رشد و ہدایت کا آفتاب ہے اور اسکے غروب ہونے کا مطلب فیضانِ مذکورہ کا عدم ہے، پہلوں کی طرح حضرت شیخ ہی فیض و ہدایت کے وصول کا واسطہ قرار پائے تو جب تک فیض کے توسط کا معاملہ قائم ہے تو ان کے وسیلے سے ہی وابستہ ہے، دریں حالات افلت شموس الاولین فرمانا یقیناً درست ہے، (مکتوب ۱۲۳ دفتر ۳)

میں کہتا ہوں کہ مجدد الف ثانی بھی اس مقام (قرب ولایت) میں حضرت شیخ کا نائب مناب ہے اور ان کی نیابت کے باعث یہ معاملہ اس سے وابستہ ہے جیسا کہ کہا گیا ہے، **نور القمر مستفاد من نور الشمس**، چاند کا نور سورج کے نور سے استفادہ کرتا ہے، لہذا اب کوئی تضاد نہیں رہا (ایضاً)

جاننا چاہیے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے کامل متبعین جب تبعیت کے طور پر مقام نبوت کے کمالات کو پوری طرح حاصل کر لیتے ہیں تو ان میں سے بعض کو منصب امامت پر فائز کر دیا جاتا ہے اور بعض کو ان کمالات

کے مجرد حصول پر کفایت فرماتے ہیں، یہ دونوں قسم کے بزرگ نفس کمال کے حصول میں برابر ہیں، فرق صرف منصب پر فائز کرنے اور نہ کرنے کا ہے یا ان امور کا جو اس منصب سے تعلق رکھتے ہیں، کامل متبعین جب ولایت نبوت و کمالات کو تمام کر لیتے ہیں تو ان میں سے بعض کو منصب خلافت سے مشرف فرماتے ہیں اور بعض کو مجرد حصول پر اکتفا کرتے ہیں، یہ دونوں منصب کمالات اصلیہ سے تعلق رکھتے ہیں کامل متبعین جب ولایت نبوت کے کمالات کو تمام کر لیتے ہیں تو ان میں سے بعض کو منصب خلافت سے مشرف فرماتے ہیں اور بعض کو مجرد حصول پر اکتفا کرتے ہیں، یہ دونوں منصب کمالاتِ اصلیہ سے تعلق رکھتے ہیں اور کمالات ظلیہ میں منصب امامت کے مناسب قطب الارشاد کا منصب ہے، اور منصبِ خلافت کے مناسب قطب مدار کا منصب، یعنی یہ نیچے والے دونوں مقام اوپر والے دونوں مقام کے ظل ہیں، شیخ ابن عربی علیہ الرحمۃ کے نزدیک قطب مدار ہی غوث ہوتا ہے جبکہ فقیر کا عقیدہ ہے کہ غوث قطب مدار سے الگ ہوتا ہے اور وہ اس کے فرائض میں معاون ہوتا ہے، قطب مدار بعض امور میں اس سے مدد لیتا ہے، ابدال کے مناسب مقرر کرنے میں بھی اسکا دخل ہے، قطب مدار کو اس کے اعوان و انصار کے اعتبار سے قطب الاقطاب بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی قطب حکمی ہیں۔ (مکتوب ۲۶۱ دفتر ۱)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے اس اجتہادی فکر و عرفان سے معلوم ہوا کہ قرب ولایت کے کمالات کے حصول پر خلافت کا منصب ملتا ہے اور قطب الارشاد اسکا ظل ہے گویا منصبِ امامت منصب خلافت سے بھی افضل ہے اور قطب الارشاد قطب الاقطاب سے اعلیٰ ہے اور آپ کے ایک اور مکتوب گرامی کے مطابق کمالاتِ فردیہ کا جامع ہے، عزیز الوجود اور نایاب ہوتا ہے، قرنوں اور زمانوں کے بعد ایسا گوہر یکتا ہاتھ آتا ہے اور عالم تیرہ و تاریک اسکی نورانیت سے منور ہو جاتا ہے، جو شخص اس بزرگ کا منکر ہے تو

اگر چہ وہ ذکر الٰہی میں مشغول کیوں نہ رہے، رشد وہدایت کی حقیقت سے محروم رہے گا اور جو اس بزرگ سے محبت کرتے ہیں اگر چہ ذکر وفکر سے خالی ہوں لیکن اسکی محبت کے سبب انہیں رشد وہدایت کے نور سے حصہ مل جائے گا، (مکتوب ۲۶ دفتر ۱) اس مقام پر ایک اشکال بھی جنم لیتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے کہ ''وہ ولایت محمدی کے (کمالات کے) سرحلقہ ہیں جو لطیفہ قلب کے راستے حاصل ہوئی ہے نہ کہ مطلق ولایت کے سرحلقہ کہ اس سے ان کی افضلیت لازم آئے علاوہ بریں ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ مطلق ولایت محمدی (کے کمالات کا) سرحلقہ ہونا بھی افضلیت کو مستلزم نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ کوئی دوسرا تبعیت ووراثت کے طور پر نبوتِ محمدی کے کمالاتِ میں پیش قدم ہو اور ان کمالات کے باعث افضلیت اس کے لیے ثابت ہو، (مکتوب ۹۳ دفتر ۱)۔

اشکال یہ ہے کہ چونکہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ خود کو نبوتِ محمدی کے کمالات میں پیش قدم سمجھتے ہیں لہٰذا لامحالہ وہ غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے افضل ہوئے، ہاں ولایتِ محمدی کے کمالات میں انہوں نے اپنے آپ کو غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے منور ہونے کا اعلان فرمایا ہے جس طرح کہ چاند سورج کی روشنی سے منور ہوتا ہے، جواباً عرض ہے کہ مذکورہ بالا مکتوب گرامی میں نبوت محمدی کے کمالات میں پیش قدم افضل شخصیت سے مراد غالباً حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے اور وہ بالا جماع حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے افضل ہوں گے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ بھی اگر چہ نبوت محمدی کے کمالات میں پیش قدم تھے لیکن اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو وہ کمالات نصیب نہیں ہوئے، آپ کے مکتوب ۱۲۳ دفتر سوم پر توجہ دی جائے:

> ''میں کہتا ہوں کہ توسط ووسیلہ کا معاملہ مذکورہ بالا راہوں میں سے دوسرے راستے پر موقوف ہے جو قرب ولایت سے مراد ہے، لیکن راہ اول میں جو قرب خلوت سے مراد ہے توسط ووسیلہ کا معاملہ مفقود ہے، اس راستہ سے جو کوئی واصل ہوا ہے، کوئی حائل ومتوسط درمیان نہیں آیا، دوسرے کے وسیلے کے بغیر اس کو (نبوت کے) فیوض وبرکات حاصل ہوئے ہیں، توسط وحیلولہ فقط دوسرے راستے میں ہے اور اس مقام کا معاملہ علیحدہ ہے جیسے کہ گزر چکا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام

اور حضرت مہدی علیہ الرضوان راہ اول سے واصل ہیں جیسے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما حضور اکرم ﷺ کی تبعیت کے ضمن میں راہ اول سے واصل ہوئے اور اپنے درجوں کے موافق شانِ خاص کے حقدار ٹھہرے تنبیہ واضح ہو کہ ممکن ہے کہ آدمی قربِ ولایت کے راستے سے قربِ نبوت تک پہنچ جائے اور ہر دو معاملہ میں شریک ہو اور انبیا کرام کی طفیل اسکو بھی جگہ دے دیں اور دونوں جگہوں کا معاملہ اس پر وابستہ کر دیں۔

خاص کند بندہ مصلحت عام را

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے کہیں بھی اپنے آپکو مقام ولایت میں حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ، سے افضل اور اعلیٰ قرار نہیں دیا، یہ تمام تر وضاحتیں اور صراحتیں صرف اس لیے بیان فرمائیں کہ کوئی شخص حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو مطلق ولایت محمدی کا سرحلقہ سمجھتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ور حضرت مہدی اور اسی طرح دیگر شخصیات جن کی بزرگی اُن پر مسلم ہے، سے افضل اور اعلیٰ تصور نہ کر لے۔۔۔

عالم مثال کے متعلق اجتہادی رائے:

عالمین میں سے ایک عالم ایسا بھی ہے جسے عالم مثال کہا جاتا ہے اور وہ تمام عالمین سے زیادہ وسیع و عریض ہے، جو کچھ دیگر عالمین میں پایا جاتا ہے اسکی صورت عالم مثال میں موجود ہے، معقولات اور معانی سب وہاں ایک صورت رکھتے ہیں، بزرگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے مثل نہیں مثال ہے، **وللّٰہ المثل الاعلیٰ** لیکن حضرتِ مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے فرمایا، تنزیہ صرف کے مرتبہ میں جس طرح مثل نہیں، مثال بھی نہیں، **فلا تضربوا اللہ الامثال**، اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مثال بیان نہ کرو، یہ عالم صغیر عالم مثال کا نمونہ خیال ہے کیونکہ تمام اشیاء کی صورت خیال میں متصور ہے، خیال ہی سالک کے احوال ومقامات کی کیفیات کو مختلف صورتوں میں ظاہر کرتا ہے اور صاحب علم بنا دیتا ہے، اگر خیال نہ ہو اور جس جگہ خیال پہنچ نہ سکتا ہو وہاں جہل لازم ہے، یہی وجہ ہے کہ مرتبہ ظلال کے اوپر جہل اور حسرت ہے کیونکہ خیال کی

دوڑ مراتب ظلال تک ہے، جہاں ظل نہیں وہاں خیال کی گنجائش نہیں، جب صورت تنزیہی عالم مثال میں نہیں آسکتی جیسے گزر چکا ہے تو خیال میں جو مثال کا پرتو ہے، صورت تنزیہی کس طرح متصور ہوسکتی ہے، وہاں جہل اور حیرت کے سوا کچھ نہیں ہوگا، جہاں علم نہیں وہاں گفتگو بھی نہیں، جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اسکی زبان گنگ ہوگئی، اس کا نشان ہے اور جہاں علم ہے وہاں گفتگو بھی ہے، جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اسکی زبان دراز ہوگئی، اس کا بیان ہے، پس زبان کی درازی ظلال میں ہوتی ہے اور زبان کی گنگی مراتب ظلال سے اوپر ہوتی ہے، خواہ فصل ہو یا صفت، خواہ اسم ہو یا مسمّیٰ، پس جو کچھ خیالات کا بنایا ہوا ہے چونکہ وہ ظلال سے ہے اس لیے وہ معلول اور جعلی طور سے بنایا ہوا ہے لیکن چونکہ مطلوب کے علامات وآثار سے ہے اس لیے علم الیقین کا فائدہ دیتا ہے، عین الیقین اور حق الیقین ظلال وخیال سے وراء الوریٰ ہے، خیال کی لخت سے تب نجات ملتی ہے جب سیر انفسی کو بھی سیر آفاقی کی طرح پیچھے چھوڑ دیں اور ان دونوں سے آگے جولان کریں یہ بات اکثر اولیا کرام کو مرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے، جب تک وہ زندہ رہتے ہیں خیال دامنگیر رہتا ہے، چند بزرگ اولیا کو یہ دولت دنیا میں نصیب ہوتی ہے کہ وہ خیال سے تصرف سے نکل جاتے ہیں اور مطلوب کو خیال کی تراش کے بغیر حاصل کرلیتے ہیں اور تجلی ذاتی برقی ان کے حق میں دائمی ہوجاتی ہے اور وصل عریانی پرتو ڈالتا ہے، بعض اوقات لوگ واقعات اور منامات میں مثال وخیال میں دیکھتے ہیں کہ ہم بادشاہ بن گئے ہیں یا ہم قطب ہیں اور تمام جہان ہماری طرف متوجہ ہے، یہ رویت کچھ نہ کچھ صدق رکھتی ہے لیکن اسکا معنی یہ ہے کہ بادشاہ اور قطب بننے کے معنی اور استعداد ان لوگوں میں پائی جاتی ہے لیکن ضعیف ہے، اس لائق نہیں کہ عالم شہادت میں ظہور پائے، یہ دو امر حال سے خالی نہیں، اگر یہ معنی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے قوت پاجائیں تو اس بات کے لائق ہوجائیں گے کہ عالم شہادت میں ظہور پیدا کریں اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بادشاہ اور قطب وقت بن جائیں، اگر ان معانی نے اس قدر قوت نہ پائی کہ عالم شہادت میں ظاہر ہوں تو وہی مثالی ظہور جو تمام ظہورات میں سے کمزور اور ضعیف ہے، کفایت کرتا ہے اور قوت کے بموجب ظہور پاتا ہے، اگر یہ معنی عالم شہادت میں ظہور پیدا کرلیں تو بڑی اعلیٰ دولت ہے، اور اگر ظہور مثالی پر ہی کفالت کرلیں تو لاحاصل ہے اور جائے مصیبت ہے، ہر جلاہا اور حجام خواب میں اپنے آپ کو بادشاہ دیکھتا ہے لیکن کچھ حاصل نہیں، پس واقعات پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔۔۔، عالم شہادت میں جو کچھ حاصل ہوجائے اس کو اپنا سمجھنا چاہیے۔

چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم

عالم مثال کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے بعد اس سوال کی طرف توجہ دیں جو خواجہ محمد تقی نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے پوچھا، حضرت شیخ اکبر ابن عربی علیہ الرحمۃ نے فتوحات مکیہ میں ایک حدیث لکھی ہے، **ان اللہ تعالیٰ خلق مآئۃ الف ادم** ، اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ آدم کو پیدا کیا، اورانہوں نے عالم مثال کے بعض مشاہدات کے بارے میں ایک حکایت لکھی کہ کعبہ معظّمہ کے طواف کے وقت ایسا ظاہر ہوا کہ ان کے ہمراہ انجان لوگوں کی جماعت طواف کر رہی ہے، طواف میں انہوں نے یہ عربی شعر پڑھا۔

لقد طفنا کما طفتم سنیناً
بھذا البیت طراً جمیعنا

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب یہ شعر سنا، دل میں گزرا کہ یہ سب عالم مثال کے بدن ہیں، ان میں سے ایک نے میری طرف دیکھا اور کہا، میں تیرے اجداد میں سے ہوں میں نے پوچھا، تجھے فوت ہوئے کتنے سال ہوئے ہیں، فرمایا، مجھے فوت ہوئے چالیس ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزرا ہے، میں نے کہا، حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کو تو سات ہزار سال ہوئے، اس نے فرمایا، تو کس آدم کا ذکر کر رہا ہے، کیا اس آدم کا ذکر کرتا ہے جو اس سات ہزار سال کے دورہ کے اول پیدا ہوا ہے، اس پر مذکورہ صدر حدیث دل میں گزری وہ اس قول کی تائید کرتی ہے، حضرت ابن عربی علیہ الرحمۃ کے اس قول پر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے اجتہادی فکر و عرفان سے تبصرہ فرمایا اور عالم مثال کے با کمال اسرار ظاہر کیے، آپ ارقام فرماتے ہیں:

> ''میرے مخدوم! اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے جو کچھ اس فقیر پر ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ یہ سب آدم جو حضرت آدم علیہ السلام کے وجود سے پہلے گزرے ہیں، ان کا وجود عالم مثال میں ہوا ہے نہ عالم شہادت میں حضرت آدم علیہ السلام یہی ہیں جو عالم شہادت میں موجود ہوئے ہیں اور زمین میں خلافت پا کر مسجود ملائک ہوئے ہیں،

حاصل کلام یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام چونکہ جامعیت کی صفت پر مخلوق ہوئے ہیں، اپنی حقیقت میں بہت سے لطائف اور اوصاف رکھتے ہیں، ان کے وجود سے بیشمار قرن پہلے ہر وقت ان کی صفات میں سے کوئی صفت یا ان کے لطائف میں سے کوئی لطیفہ حق تعالیٰ کی ایجاد سے عالم مثال میں موجود ہوا ہے اور آدم کی صورت میں ظاہر ہوا ہے اور اسی کے نام کا مسمیٰ ہوا ہے اور منتظر آدم کے کاروبار اس سے وقوع میں آئے ہیں حتی کہ توالد وتناسل بھی جو اس عالم مثال کے مناسب ہے ظاہر ہوا ہے اور اس عالم کے مناسب ظاہری باطنی کمالات بھی حاصل ہوئے ہیں اور ثواب وعذاب کا مستحق ہو کر بلکہ اس کے حق میں قیامت قائم ہو کر بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں گئے ہیں، بعد ازاں پھر کسی وقت اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے کوئی صفت یا لطیفہ آدم علیہ السلام کا اس عالم میں ظاہر ہوا اور وہ کاروبار جو ظہور اول سے وجود میں آئے تھے، ظہور ثانی سے بھی وہی کاروبار ظاہر ہوئے، جب یہ دورہ بھی تمام ہو گیا، صفات ولطائف کا تیسرا ظہور حاصل ہوا، جب اس ظہور نے بھی اپنا دورہ ختم کیا تو چوتھا ظہور ثابت ہوا الی ماشاء اللہ، جب ان کے مثالیہ ظہورات کے دورے جو ان کے لطائف وصفات کے ساتھ تعلق رکھتے تھے تمام ہو گئے، آخر کار وہ نسخۂ جامعہ عالم شہادت میں حق تعالیٰ کی ایجاد سے وجود میں آیا اور فضل خداوندی سے معزز ومکرم ہوا، اگر لاکھ آدم بھی ہوں تو سب اس آدم کے اجزا اور اس کے ہاتھ پاؤں اور اسی کے وجود کے مبادی ومقدمات ہیں، شیخ بزرگوار کا جس کو فوت ہوئے چالیس ہزار سال گزرے ہیں، عالم مثال میں شیخ کے اس جد کے لطائف میں سے ایک لطیفہ تھا جو عالم شہادت میں وجود رکھتا تھا اور یہ بیت اللہ کا طواف

جو انہوں نے کیا ہے عالم مثال میں کیا ہے کیونکہ کعبہ معظمہ کی بھی عالم مثال میں صورت وشبیہ ہے جو اس عالم والوں کا قبلہ ہے، اس فقیر نے اس بارے میں بہت دور تک نظر دوڑائی ہے اور بڑا غور کیا ہے لیکن عالم شہادت میں دوسرا آدم کوئی نظر نہیں آیا اور عالم مثال کے شعبدوں کے سوا کچھ نہ پایا اور یہ جو بدن مثالی نے کہا ہے کہ میں تیرا جد ہوں اور مجھے فوت ہوئے چالیس ہزار سال سے زیادہ گزرے ہیں، اس بات پر پختہ دلیل ہے کہ پہلے آدم اس آدم کے صفات ولطائف کے ظہورات تھے نہ یہ کہ علیحدہ خلقت رکھتے تھے اور اس آدمؑ کے برخلاف اور الگ تھے کیونکہ مخالف اور مبائن کو اس آدم سے کیا نسبت اور کیونکر جد ہو سکتے حالانکہ اس آدم کی پیدائش سے ابھی سات ہزار سال تمام نہیں ہوئے پھر چالیس ہزار سال کی کہاں گنجائش ہے، وہ لوگ جن کے دل بیمار ہیں ان حکایات سے تناسخ سمجھتے ہیں اور عجب نہیں کہ قدم عالم کے قائل ہو جائیں اور قیامت کبرٰی کا انکار کر دیں، بعض ملحد لوگ جو باطل کے ساتھ شیخی کی مسند پر بیٹھے ہیں، تناسخ کے جواز کا حکم دیتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ نفس جب تک حد کمال تک نہ پہنچے، بدنوں کے تقلب یعنی بدلنے سے اس کو چارہ نہیں اور کہتے ہیں کہ جب نفس حد کمال تک پہنچ جائے بدنوں کی تبدیلی بلکہ بدنوں کے متعلق سے فارغ ہو جاتا ہے اور اسکی پیدائش سے مقصود یہی اسکا کمال ہے جو میسر ہو گیا، یہ بات صریح کفر ہے اور ان تمام باتوں کا انکار ہے جو دین میں تواتر کے ساتھ ثابت ہیں کیونکہ آخر کار جب تمام نفوس حد کمال کو پہنچ جائیں پھر دوزخ کس کے لیے ہوگی اور عذاب کس کو ہوگا، اسمیں دوزخ اور آخرت کے عذاب اور جسموں کے ساتھ اٹھنے کا انکار ہے کیونکہ ان کے خیال میں نفس کو اب جسم کی

جو اس کے کمال کا آلہ ہے کوئی حاجت نہیں رہی تاکہ جسم کے ساتھ اٹھایا جائے، ان لوگوں کا اعتقاد بعینہٖ فلاسفہ کے اعتقاد کے مطابق ہے جو حشرِ اجساد سے انکار کرتے ہیں اور عذاب وثواب روحانی جانتے ہیں بلکہ ان کا اعتقاد فلاسفہ کے اعتقاد سے بھی بدتر ہے کیونکہ وہ تناسخ کو رد کرتے ہیں اور روحانی عذاب وثواب ثابت کرتے ہیں اور یہ لوگ تناسخ کو بھی ثابت کرتے ہیں اور عذاب آخرت سے بھی انکار کرتے ہیں، عذاب ان کے نزدیک دنیا ہی کا عذاب ہے جو نفوس کی تہذیب کے لیے ثابت کرتے ہیں، سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ اور دیگر بعض اولیاء اللہ رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہے کہ ان کے وجود خاکی سے کئی زمانہ پہلے ان سے عجیب وغریب اعمال وافعال عالم شہادت میں واقع ہوئے ہیں، تناسخ کے جواز کے بغیر یہ بات کس طرح درست ہو سکتی ہے، جواب یہ ہے کہ وہ اعمال وافعال ان بزرگوں کے ارواح سے صادر ہوئے ہیں جو حق تعالیٰ کے ارادہ سے خود اجساد کے ساتھ متجسد ہو کر عجیب وغریب افعال کے مرتکب ہوئے، کوئی اور اجساد نہیں جس کے ساتھ ان کا تعلق ہو، تناسخ کے یہ معنیٰ ہیں کہ روح کا اس جسد کے تعلق سے پہلے کسی اور جسد کے ساتھ جو اس جسد کے مخالف اور متغائر ہے، تعلق ہوا ہو اور جب خود ہی جسد کے ساتھ متجسد ہو جائے پھر تناسخ کہاں ہوگا، جن جو مختلف شکلیں بن جاتے ہیں اور مختلف جسدوں میں متجسد ہو جاتے ہیں اس وقت ان سے اعمال عجیبہ جو ان شکلوں اور جسدوں کے مناسب ہیں ظہور میں آتے ہیں، ان میں کوئی تناسخ اور حلول نہیں، جب جنوں کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے اس قسم کی طاقت حاصل ہے کہ مختلف شکلوں میں ظاہر ہو کر عجیب وغریب کام کریں تو اگر کاملین کی ارواح کو یہ طاقت بخش

دیں تو کونسی تعجب کی بات ہے اور دوسرے بدن کی ان کو کیا حاجت ہے، اسی قسم کی ہیں وہ بعض حکایتیں جو بعض اولیاء اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک ساعت میں مختلف مکانوں میں حاضر ہوتے ہیں اور مختلف کام ان سے وقوع میں آتے ہیں، یہاں بھی ان کے لطائف مختلف جسدوں میں متجسد ہو کر اور مختلف شکلوں میں متشکل ہو جاتے ہیں، اسی طرح اس عزیز (مجدد الف ثانی) کا حال ہے جو ہندوستان میں وطن رکھتا ہے اور کبھی اپنے ملک سے باہر نہیں نکلا، بعض لوگ کعبہ معظّمہ سے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے اس عزیز کو حرم کعبہ میں دیکھا ہے اور ہمارے اور اس عزیز کے درمیان ایسی ایسی باتیں ہوئی ہیں، بعض نقل کرتے ہیں کہ ہم نے اسکو روم میں دیکھا ہے اور بعض بغداد میں دیکھ کر آئے ہیں، یہ سب اس عزیز کے لطالف ہیں جو مختلف شکلوں میں ظاہر ہوئے ہیں اور اس عزیز کو ان شکلوں کی نسبت اطلاع نہیں ہوتی اسی واسطے لوگوں کے جواب میں کہتا ہے کہ یہ سب مجھ پر تہمت ہے، میں اپنے گھر سے باہر نہیں گیا، نہ میں نے حرم کعبہ کو دیکھا ہے اور نہ میں روم و بغداد کو جانتا ہوں اور نہیں پہچانتا کہ تم کون ہو، اسی طرح حاجت مند لوگ اپنے زندہ یا وصال شدہ بزرگوں سے خوف و ہلاکت کے وقت مدد طلب کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان بزرگوں کی صورتوں نے حاضر ہو کر ان کی بلا کو دفع کر دیا ہے، ان بزرگوں کو اس بلیہ کے دفع کرنے کی اطلاع کبھی ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔

از ما و شما بہانہ ساختہ اند

یہ بھی ان بزرگوں کے لطائف کی شکلیں ہیں، یہ شکلیں کبھی عالم شہادت میں ہوتی ہیں کبھی عالم مثال میں، جس طرح ایک ہی رات میں ہزار آدمی رسول اللہ ﷺ کو خواب میں مختلف صورتوں میں دیکھتے ہیں اور استفادہ کرتے ہیں، یہ سب رسول اللہ ﷺ کی صفات

اپنے پیروں کی مثالی صورتوں سے استفادہ کرتے ہیں اور مشکلات کو حل کرتے ہیں، کمون و بروز جو بعض مشائخ نے کہا ہے، تناسخ سے کچھ تعلق نہیں رکھتا کیونکہ تناسخ میں نفس کا دوسرے بدن کے ساتھ اس غرض کے لیے تعلق ہوتا ہے تا کہ اس کے لیے حیات و زندگی ثابت ہو اور اس کو حس و حرکت حاصل ہو اور بروز میں نفس کا دوسرے بدن کے ساتھ تعلق اس غرض کے لیے نہیں ہوتا بلکہ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس بدن کو کمالات حاصل ہوں اور اپنے درجات تک واصل ہو جائے جس طرح کہ جن انسان کے ساتھ تعلق پیدا کر لے اور اس کے وجود میں بروز کرے، یہ تعلق بھی انسان کی زندگی کے واسطے نہیں ہے کیونکہ آدمی اس تعلق سے پہلے حس و حرکت والا ہے، وہ چیز جو اس تعلق سے اس میں پیدا ہوگئی ہے وہ اس جن کے صفات و حرکات و سکنات کا ظہور ہے لیکن مشائخ مستقیمۃ الاحوال کمون و بروز کا ہرگز بیان نہیں کرتے اور ناقصوں کو بلا و فتنہ میں نہیں ڈالتے، فقیر کے نزدیک کمون و بروز کی کچھ ضرورت نہیں، کامل اگر کسی ناقص کی تربیت کرنا چاہے تو بغیر اس بات کے کہ اسمیں بروز کرے، اللہ تعالیٰ کے اقتدار سے اپنی صفاتِ کاملہ کو مرید ناقص میں منعکس کر دیتا ہے اور توجہ و التفات سے اس انعکاس کو ثابت و برقرار رکھتا ہے تا کہ مرید ناقص، نقص سے کمال تک آ جائے اور صفاتِ رذیلہ کو چھوڑ کر صفات حمیدہ کو اختیار کرے اور کچھ کمون و بروز درمیان نہ ہو، **ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء و اللہ ذو الفضل العظیم**، بعض لوگ نقل ارواح کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ روح کو کمال کے بعد اس قسم کی قدرت حاصل ہو جاتی ہے کہ اپنے بدن کو چھوڑ کر دوسرے بدن میں داخل ہو سکتا ہے...... فقیر کے نزدیک نقل روح کا قول تناسخ کے قول سے بھی گیا گزرا ہے کیونکہ تناسخ کا نفس کی تکمیل کے لیے اعتبار کرتے ہیں اگرچہ یہ اعتبار باطل ہے اور نقل روح کمال کے حاصل ہونے کے بعد خیال کرتے ہیں حالانکہ کچھ کمال نہیں، جب بدنوں کا تبدل کمالات کے حاصل ہونے کے لیے مقرر کیا ہو تو پھر کمال حاصل ہونے کے بعد دوسرے بدن میں نقل کرنا کس لیے ہے، اہل کمال تماشائی نہیں ہیں، ان کا مقصود کمال کے حاصل ہونے کے بعد بدنوں سے الگ ہونا ہے نہ کہ بدنوں کے ساتھ تعلق اختیار کرنا، کیونکہ بدنوں کے تعلق سے جو کچھ مقصود تھا وہ حاصل ہو چکا ہے، نیز نقل روح میں بدن اول کا مارنا اور دوسرے بدن کا زندہ کرنا ہے، پس بدن اول کو احکام برزخ کے حاصل ہونے سے چارہ نہیں اور قبر کے عذاب و ثواب سے خلاصی نہیں اور دوسرے بدن کے لیے جب دوسری حیات ثابت کرتے ہیں، اس کے لیے گویا دنیا میں حشر ثابت ہو گیا، یا شاید نقل روح کا قائل قبر کے عذاب و ثواب کا قائل نہیں اور حشر و نشر کا معتقد نہیں، افسوس

صد افسوس اس قسم کے مکار اور کذاب لوگ شیخی کی مسند پر بیٹھے ہیں اور اہل اسلام کے مقتدا بنے ہوئے ہیں، یہ لوگ خود بھی گمراہ ہیں، اوروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔ (مکتوب ۵۸ دفتر ۲)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے اس مکتوب گرامی میں اپنے اجتہادی فکر و عرفان کے ساتھ ان علوم اور اسرار کو اجاگر کیا ہے:

☆......حضرت آدم علیہ السلام ایک ہی ہیں، عالم مثال میں ان کے لطائف کارفرما ہوئے، یہ فکر صحیح اسلامی تعلیمات سے ماخوذ ہے، لاکھوں آدم تصور کر لینے سے قرآن پاک کی تکذیب لازم آتی ہے (معاذ اللہ)

☆......عالم مثال کی ایک اپنی دنیا ہے جس میں تمام عالمین کے نمونے پائے جاتے ہیں۔

☆......آپ نے تناسخ اور نقل ارواح کے نظریات کی تردید کی اور اس پر عقلی دلائل قائم فرمائے ہیں۔

☆......کمون و بروز کی جگہ 'انعکاس' کی اصطلاح متعارف کروائی ہے جس پر کوئی شرعی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

☆......اولیا کرام کا ایک ہی وقت میں مختلف مکانات میں حاضر و ناظر ہونے کا فلسفہ بیان کیا ہے۔

☆......بزرگان دین کی روحانی امداد اور استمداد کی تائید فرمائی ہے اور اسکی عقلی توجیہ ذکر کی ہے۔

☆......عالم مثال سے علم الیقین کا کچھ فائدہ حاصل ہوتا ہے جو عین الیقین اور حق الیقین کے لیے مہمیز کا کام دیتا ہے۔

☆......عالم مثال کی نسبت عالم شہادت کے واقعات پر اعتبار کرنا چاہیے۔

'مَنْ عَرَفَ نفسَہ' کی اجتہادی تشریح:

صوفیہ کرام کی اصطلاحات میں ''نفس'' بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے، نفس کا لغوی معنی ''وجودِ شے'' ہے یعنی کسی چیز کی ذات یا اسکے وجود کو نفس کہا جاتا ہے، لفظِ نفس کے دو مادے مذکور ہیں، اگر یہ نفاست سے مشتق ہو اسکا معنی ہے نفیس اور لطیف اور اگر تنفس سے مشتق ہو تو اسکا معنی ہے سانس کی آمد و رفت، اصطلاحی طور پر نفس سے مراد اخلاق ذمیمہ کی وہ کیفیات ہیں جو فطری اور خلقی ہیں مثلاً حسد، بخل، تکبر، غیبت اور کذب وغیرہا گویا نفس سے مراد ایک ایسا لطیف وجود ہے جو اخلاق ذمیمہ کا مورد و مصدر ہے جیسا کہ کان سننے کا،

ناک سونگھنے کا اور زبان چکھنے کا مرکز و مصدر ہے، اسی طرح نفس اخلاق ذمیمہ اور عاداتِ رذیلہ کا لطیف فعل اتصاف ہے، نفس کا یہ مفہوم قرآن پاک سے ثابت ہے، اِنَّ النفس لامارة بالسوء، یعنی نفس برائیوں کا حکم دینے والا ہے، (سورہ یوسف آیت ۵۳) نفس کی تشریح سے روح کے متعلق بھی یہ نظریہ قائم کیا جا سکتا ہے کہ وہ اخلاق حمیدہ اور اعمال صالحہ کا نورانی محل اتصاف ہے اور ان کا مورد و مصدر ہے، اس استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ قرآن پاک میں کسی جگہ بھی کسی بدی اور گناہ کو روح کی جانب منسوب نہیں کیا گیا، صوفیہ کرام کے نزدیک نفس عالم خلق کے لطائف میں سے ایک لطیفہ ہے جسکا مقام جسم انسانی میں وسط پیشانی یا ناف کے متصل ہے، جو نفس عادات سفلیہ سے مغلوب ہو اسکو نفس امارہ کہتے ہیں، جو نفس ریاضت کے نور کی برکت سے معصیت پر ملامت کرتا ہو اسکو نفس لوامہ کہتے ہیں، قرآن پاک میں اسکا ذکر ہے، ولا اقسم بالنفس اللوامّۃ اور اس جان کی قسم جو اپنے اوپر بہت ملامت کرے (سورۃ القیامہ آیت ۲) جو نفس پاک ہو کر اعلیٰ مراتب پر فائز ہو جائے اسکو نفس مطمئنہ کہتے ہیں، اس آیت میں مذکور ہے، یاایتھا النفس المطمئنہ ارجعی الیٰ ربک راضیۃً مّرضیۃ، اے اطمینان والی جان تو اپنے رب کی طرف لوٹ آ (اس حال میں) کہ تو اپنے رب پر راضی ہے اور وہ تجھ پر راضی ہے (سورۃ الفجر آیت ۲۷) صوفیہ کے نزدیک ابلیس بھی نفس کی جہالت کی جہت کا مظہر ہے اور اسے انسانوں پر نفس ہی کی وجہ سے کامیابی نصیب ہوتی ہے گویا یہ انسانی جسم کے اندر اس کا بہت بڑا جاسوس ہے، زیادہ علماء کرام کے نزدیک چونکہ نفس کی اصل خراب نہیں اس لیے ہدایت کی معمولی سی تحریک سے اسکی اصلاح بھی ہو جاتی ہے، نفس کی یہ خاصیت ابلیس کو حاصل نہیں، چنانچہ اس بنا پر زیادہ علما کرام روح اور نفس کے اتحاد کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ روح اور نفس حقیقتِ واحدہ ہیں، ان میں تغائر صفات کے اعتبار سے ہے نہ کہ ذات کے اعتبار سے، ماں کے پیٹ میں جب فرشتہ روح پھونکتا ہے تو اس وقت وہ روح ہے لیکن معصیت کے کسب اور ارتکاب کے وقت اس پر نفس کا اطلاق ہوتا ہے، جیسا کہ الروض الانف میں حضرت امام ابوالقاسم سہیلی نے بحث فرمائی ہے، علامہ ابن قیم الجوزیہ نے بھی لکھا ہے کہ روح اور نفس کا مصداق اور مسمّٰی واحد ہے اور یہ جمہور علماء کا مسلک ہے۔ (کتاب الروح ص ۴۸۸) حضرت امام ربانی قدس سرہٗ ارقام فرماتے ہیں:

> ''پاک ہے وہ ذات جس نے نور (روح) کو ظلمت (نفس) کے
> ساتھ جمع کیا اور لامکانی (روح) جو کہ جہت سے بری ہے،

> کو مکانی (نفس) جسکو جہت حاصل ہے، کا ساتھی بنایا ہے اور ظلمت کو نور کی نظر میں محبوب کردیا اور وہ نور اس ظلمت پر فریفتہ ہوگیا اور کمالِ محبت سے اسکے ساتھ مل گیا تا کہ اس تعلق سے اسکی روشنی زیادہ ہوجائے اور ظلمت کی ہمسائیگی سے اسکی صفائی کامل ہوجائے جس طرح کہ آئینہ کو جب صیقل کرنا اور اسکی لطافت کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں تو پہلے اسکو مٹی سے آلودہ کرتے ہیں تا کہ مٹی کی ظلمت کی ہمسائیگی سے اسکی صفائی ظاہر ہوجائے اور مٹی کی کثافت کی وجہ سے اسکی روشنی زیادہ ہوجائے پس اس نور (روح) نے ظلمانی معشوق کے مشاہدہ میں غرق ہونے اور عنصری جسم سے تعلق ہونے کے باعث جو کچھ اسکو پہلے قدسی شہود سے حاصل تھا فراموش کردیا بلکہ اپنی ذات اور وجود کے متعلقات سے بھی بے خبر ہوگیا، پس وہ اسکی ہمنشینی سے اصحابِ مشٔمہ یعنی بائیں ہاتھ والوں میں سے ہوگیا، اور اسکی صحبت میں اصحاب میمنہ یعنی دائیں ہاتھ والوں کے فضائل کو ضائع کردیا، پس اگر اسی استغراق کے تنگ کوچہ میں پڑا رہا اور اطلاق و آزادی کے میدان میں نہ پہنچا تو اس پر ہزار افسوس ہے کیونکہ اس کے وجود سے جو مقصود تھا حاصل نہ ہوا۔ (مکتوب ۲۲ دفتر ۱)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے فرمان سے معلوم ہوا کہ روح اور نفس دو الگ حقیقتوں کے نام ہیں، یہی وجہ ہے کہ انسانی جسم میں ان کے لطائف بھی الگ ہیں اور ان کے احکام بھی الگ ہیں، ایک کا مبداء نور ہے، تو دوسری کا مبداء ظلمت ہے، لہٰذا من عرف نَفسَہٗ، فقد عرف ربَّہ کا معنیٰ بھی دوسرے مفکرین تصوف سے جداگانہ ہوجائے گا، حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ نے اپنے نفس کی معرفت کو خدا تعالیٰ کی معرفت قرار دیا ہے تو اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ انسان اور خدا تعالیٰ عین یکدیگر ہیں بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جس شخص نے اپنی حقیقت کو شرارت و نقص کے ساتھ پہچان لیا اور اس نے جان لیا کہ ہر خیر و کمال جو اس میں پوشیدہ کیا گیا ہے وہ حضرت واجب الوجود کی طرف عاریت کے طور پر ہے پس وہ

ضرور ہی حق تعالیٰ کو خیر و کمال اور حسن و جمال سے پہچان لے گا، (مکتوب ۲۴۴ دفتر ۱)

اللّٰھم ارنا حقائق الاشیاء کماھی

روح لامکانی ہے لیکن اپنے معشوقِ ظلمانی کے عشق اور استغراق میں ہلاکت اور بربادی کے راستے پر گامزن ہوگئی ہے اور اپنے وطنِ اصلی سے دور رہ کر اپنی استعداد کے جوہر کو ضائع کر رہی ہے، روح کو اپنے وطنِ اصلی سے ہمکنار کرنے کے لیے انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو دعوت و تبلیغ کا فریضہ سونپا گیا۔

ہر کسے کہ دور ماند از اصل خویش
باز جوید روزگارِ وصلِ خویش

سعادت مند روحیں ان کی دعوت پر عمل کر کے صالحین کا لقب اختیار کرتی ہیں اور ساتھ اپنے ‘‘معشوق ظلمانی’’ کو بھی سیر عروجی کے ذریعے مطمئن بنا دیتی ہیں جبکہ بدنصیب روحیں اعراض و افکار کا راستہ اپنا کر ہمیشہ کے لیے نفس کی ظلمات کا شکار ہو جاتی ہیں اور فاسق و کافر کا خطاب پاتی ہیں، **من عرف نفسہ** سے مراد نفس امارہ کی انہی شرارتوں کا عرفان حاصل کرنا ہے تاکہ مقصودِ حقیقی کی طرف پرواز کرنے کے لیے جملہ رکاوٹوں کو عبور کیا جائے، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے موقف کی تائید کتاب و سنت سے بھی ہوتی ہے، روح کو عالم بالا (امر) سے تصور کرنا، ‘‘**قل الروح من امرِ ربیؔ**! فرما دیجیے، روح میرے رب کے حکم سے ہے، (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۸۵) کی نصِ قطعی سے ثابت ہے، زیادہ علماء کرام نے نفس اور روح کو حقیقتِ واحدہ تصور کیا ہے، ان کی یہ دلیل ہے، **اللہ یتوفی الانفس حین موتھا**، اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت، (سورۃ الزمر آیت ۴۲) شاید یہاں ‘‘الانفس’’ سے مراد مطلق انسان ہیں جو روحانی اور جسمانی اوصاف کا مرکب ہوتے ہیں، اگر الانفس سے مراد صرف ارواح ہوں تو اس پر اجماع امت ہے کہ ارواح کو وفات نہیں، وہ غیر فانی ہیں۔

لفظ ‘‘انفس’’ مطلق انسان کے لیے مستعمل ہے، قرآن پاک میں ہے: **تعالوا ندع ابنائونا وابناء کم ونسآئنا ونسآء کم وانفسنا وانفسکم**، آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں، (سورۃ آل عمران آیت ۶۱) اگر انفس سے مراد صرف ارواح ہوں تو کیا صرف ارواح کو مباہلے کے لیے بلایا جا رہا تھا یا ارواح اور اجسام دونوں کے مجموعوں یعنی انسانوں کو بلایا جا رہا تھا ایک اور آیت ہے، **وفی انفسکم افلا تبصرون**، یہاں بھی

ارواح اور اجسام دونوں کے مرکب انسانوں سے خطاب ہے کہ تمہارے اندر اللہ تعالیٰ کی نشانیاں موجود ہیں، تم دیکھنے کی زحمت کیوں گوارا نہیں کرتے، ایک اور آیت میں ہے، **ویوثرون علیٰ انفسھم**، انہیں اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، (سورۃ الحشر آیت ۹) ایک اور آیت میں ہے، **ربنا ظلمنا انفسنا**، اے پروردگار! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا، یہاں بھی ''انفس'' مطلق انسان کے لیے مستعمل ہے، ورنہ ترجمہ یہ ہوگا کہ ہم نے اپنی روحوں پر ظلم کیا، جسم تو بالکل بری ہو گئے جو ظاہر ہے کہ خلاف مقصود ہے، ویسے نفس اور روح ایک دوسرے سے بہت زیادہ مستفید ہوتے ہیں، نفس روح سے بیشمار کمالات حاصل کرتا ہے اور روح جسم سے لاتعداد فوائد حاصل کرتی ہے، اس سے کمال کا ارتباط اور اتصال ثابت ہوتا ہے یہاں تک کہ دونوں کو فنا اور بقا کی لذتیں حاصل ہوتی ہیں۔

من تو شدم تو من شدی

اس کمال ارتباط کی وجہ سے اگر روح کو نفس اور نفس کو روح کہہ دیا گیا ہو اور اس کمال اتصال کو حقیقت واحدہ کی صورت میں تصور کر لیا گیا ہو تو الگ بات ہے، جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ بھی فرماتے ہیں روح اور جسم کے قریبی رابطے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ روح جسم بن گئی ہے اور جسم روح بن گیا ہے، دیگر مشائخ نے بھی فرمایا ہے، **اجسادنا ارواحنا، ارواحنا اجسادنا** ہمارے جسم ہماری روحیں ہیں اور ہماری روحیں ہمارے جسم ہیں، مکتوب ۲۳۹ دفتر اول میں ہے کہ روح کو اجسام کے افعال کے مناسب افعال کا اختیار کرنا مثلاً دشمنوں کو ہلاک کرنا اور دوستوں کی امداد کرنا اسی قسم سے ہے، پس اگر جسم اور روح باہمی ارتباط سے ایک ہی حکم اختیار کر لیتی ہیں تو اسی باہمی ارتباط سے نفس اور روح ایک ہی حکم میں داخل کیوں نہیں ہو سکتے، البتہ یہ علیحدہ معاملہ ہے کہ جس طرح باہمی ارتباط سے جسم اور روح کی حقیقت جدا جدا ہے اس طرح نفس اور روح کی حقیقت بھی جدا جدا ہے۔ حضرت امام عینی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ روح اور نفس الگ الگ حقیقتیں ہیں، کیونکہ نفس انسانی وہ حقیقت ہے جسکو ہر شخص 'میں' سے تعبیر کرتا ہے (عمدۃ القاری ۲/۲۵۱ مطبوعہ مصر)

تشبیہ اور تنزیہ:

صوفیہ کرام کے بیانات میں تشبیہ اور تنزیہ کی اصطلاحات پر بڑی طویل گفتگو کی گئی ہے تشبیہ کیا ہے، حقیقت مطلقہ یعنی ذات حق تعالیٰ کو مظاہر کونیہ کی صورتوں میں ملاحظہ کرنے کو تشبیہ کہتے ہیں، تشبیہ کا معنی ہے

مشابہت دینا، علم الکلام کی اصطلاح میں خالق کو مخلوق کی صفات سے متصف کرنے کا نام تشبیہ ہے، جبکہ حقیقتِ مطلقہ کو نقائص امکانیہ سے بری جاننا اور خالق کو مخلوق کی صفات سے متصف ہونے سے پاک جاننا تنزیہ ہے، حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ ذات حق تعالیٰ میں تشبیہ اور تنزیہ کو جمع کرتے ہیں، اور ان کے متبعین نے مندرجہ ذیل آیات سے ان کا موقف ثابت کیا ہے۔

☆...... **ومارميت اذرميت ولكن الله رمى**، وہ کنکریاں آپ نے نہیں ماریں (جب آپ نے ماریں) بلکہ اللہ نے ماری تھیں، (الانفال/۱۷)

☆...... **يدالله فوق ايديهم**، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ (الفتح/۱۰)

☆...... **هو الاول والاخر والظاهر والباطن**، وہی اول اور آخر اور ظاہر اور باطن ہے۔ (الحدید/۳)

☆...... **ونحن اقرب اليه من حبل الوريد**، اور ہم تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ (ق/۱۶)

☆...... **وهو معكم اينما كنتم**، اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی ہو۔ (الحدید/۴)

وجودی صوفیہ مذکورہ بالا آیات سے احاطہ، سریان، قرب و معیت ذاتیہ اور عینیت وغیرہ جیسے عنوانات اخذ کرتے ہیں علمائے اہل سنت کے نزدیک یہ احاطہ و سریان ذاتی نہیں بلکہ عملی ہے، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ ان باتوں کو حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، ہے، ہمیں ان کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے، ہاں کشف و شہود سے علمائے اہل سنت کا موقف درست ثابت ہوتا ہے اور اس پر علمی دلائل قائم ہیں، آپ کے نزدیک ذات کو کائنات کے ساتھ وہی نسبت ہے جو خالق کو مخلوق کے ساتھ ہوتی ہے، اتصال، اتحاد، عینیت، تشبیہ اور مشابہت کی نسبت آپ گوارا نہیں کرتے بلکہ آپ کے ہاں ذات حق ایسی ہر نسبت سے وراء الورا ہے۔ اس ذاتِ واجب کے لیے سمندر کی لہروں، ۔۔۔۔ اور گوہروں کی مثالیں اور تشبیہیں دینا اسکی شان کے خلاف ہے جیسا کہ بعض صوفیہ کی کتابوں میں مرقوم ہیں، ان آیات کو ظاہر معنوں پر محمول کرنا اور تشبیہ در تنزیہ اور تنزیہ در تشبیہ کا قائل ہونا علمائے راسخین کے عقائد اور تفاسیر کے خلاف ہے اور محکم آیات کے متضاد ہے، ارشاد باری ہے:

☆...... **ليس كمثله شي**، اس کی مثل کوئی شے نہیں۔

☆...... **سبحان ربك رب العزة عما يصفون**، پاک ہے تمہارے رب کو عزت والے رب کو ان کی باتوں سے (افات/۱۸۰)

☆......**ان الله لغني عن الصالحين** بے شک اللہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے (عنکبوت/۶)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''طریقہ من سبحانی است کہ از راہ تنزیہ رفتہ ام'' میرا طریقہ سبحانی ہے کیونکہ میں تنزیہ کے راستے سے خدا تک پہنچا ہوں، (مکتوب ۸۷ دفتر ۳)

آپ ارقام فرماتے ہیں:

''حق تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں بالکل یگانہ ہے، اس کی ذات وصفات مخلوقات کی ذات وصفات سے قطعاً مختلف ہیں اور کسی طرح بھی ان سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں، لہٰذا حق سبحانہ مثل سے یعنی مماثل موافق سے بھی منزہ اور پاک ہے اور ند یعنی مماثل مخالف سے بھی، حق تعالیٰ کے معبود ہونے، صانع ہونے اور واجب ہونے میں کوئی اس کا شریک نہیں، **لیس کمثله شي وهو السميع البصير** (شوریٰ/۱۱) اس کی مثل کی طرح بھی کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سننے والا، دیکھنے والا ہے، حق تعالیٰ نے بلیغ ترین انداز پر اپنی ذات سے مماثلت کی نفی فرما دی ہے کیونکہ اس آیت میں اپنے مثلِ مثل (یعنی مثل جیسی چیز) کی نفی فرمائی گئی ہے حالانکہ مقصود اپنے مثل کی نفی کرنا تھا، مطلب یہ ہے کہ جب اس کی مثل کا بھی مثل نہیں ہوسکتا تو اس کا مثل تو بطریق اولیٰ نہیں ہوگا لہٰذا کنایۃً اصل مثل کی نفی ہوگئی کیونکہ یہ کنایہ صریح کے مقابلے میں زیادہ بلیغ ہے جیسا کہ علمائے بیان نے اس کو ثابت کیا ہی، اور اس کے متصل ہی **وهو السميع البصير** فرمایا ہے جس سے مقصود صفاتی مماثلت کی بھی نفی ہے جیسا کہ پہلے حصے میں ذاتی مماثلت کی نفی کی گئی۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ حق تعالیٰ ہی سمیع اور بصیر ہے کسی

> دوسرے کو سمع اور بصر حاصل نہیں ہے، یہی حال باقی صفات یعنی حیات، علم، قدرت، ارادہ اور کلام وغیرہ کا ہے، پس مخلوقات میں صفات کی (کمالی) صورت پائی جاتی ہے، ان کی حقیقت نہیں پائی جاتی ہے (معارف لدنیہ ۲۱)

گویا آپ کے نزدیک کائنات تجلیاتِ اسماء وصفات کے کمالات ظلال کا ظہور ہے کیونکہ مخلوق میں براہِ راست اللہ تعالیٰ کی تجلی برداشت کرنے کی ہمت نہیں، تجلی ظلال کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پردوں کے پیچھے سے تجلی فرماتا ہے جیسا کہ آیتِ قرآنی ہے، **وما کان بشر ان یکلمه الله الاوحیاً او من وراء حجاب** (شوریٰ/۵۱) اس آیت میں لفظ ورائے حجاب آیا ہے، صوفیہ کرام کے نزدیک حجاب کو ظلال کہا جاتا ہے (سعادت العباد شرح مبداء ومعاد ص ۱۴۴ مطبوعہ گوجرانوالہ) حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ کے نزدیک تنزیہ محض یا تشبیہ مطلق سے خدا کی ذات میں تقید پیدا ہو جاتا ہی، حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ شیخ اکبر کا یہ فرمانا کہ اعیان خارجی نے وجود کی بوتک نہیں سونگھی تو پھر تنزیہ کرنے میں تحدد وتقید کیوں پیدا ہوسکتا ہے۔ خدا تو موجود ہے اور عالم موہوم اور متخیل محض اور نفس الامر میں غیر موجود، ایسی صورت میں اگر تحید وتقیید کا واقع ہونا تسلیم کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ موجود کی تحدید موہوم سے ہوسکتی ہے، یہ کہنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہہ دے کہ خدا کا واحدہٗ لاشریک ہونا اس سے باطل ہو جاتا ہے کہ اس کے شریک کا تخیل کیا جاسکتا ہے (مکتوب ۴۷، دفتر ۳) دوسرا یہ کہ اگر تنزیہ اور تشبیہ کو ملایا جائے تو ماسوٰی اللہ باقی نہیں رہتا، ارشاد قرآنی **قل یااهل الکتاب تعالوا الی کابته سوآء.....** سے ثابت ہوا کہ ماسوٰی اللہ وجود رکھتا ہے اور ماسوٰی اللہ کی عبادت شرک ہے، تیسرا یہ کہ جو لوگ تنزیہ کے ساتھ تشبیہ کو ملاتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ وہ ذات ہماری عقل وادراک سے بالاتر ہے اور جسے وہ تشبیہ خیال کرتے ہیں وہ ان کے وہم وتخیل کے تراشے ہوئے بت ہیں جنہیں ان لوگوں نے غلطی سے خدا تصور کرلیا ہے، وہ ذات اس سے بالاتر ہے کہ ہمارے کشف وشہود میں آسکے۔ (مکتوب ۹۔ دفتر ۳)

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے اس اجتہادی فکر و عرفان کی تائید علمائے شریعت سے بھی حاصل ہو رہی ہے، خود حضرت امام الائمہ ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

> **لایشبہ شیئاً من الاشیاء من خلقہٖ و لا یشبھہٗ شیٌ من خلقہٖ** یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا اور نہ ہی کوئی چیز اس کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔
>
> (بحوالہ البنات شرح مکتوبات جلد۲ ص ۴۷۰۔ مطبوعہ گوجرانوالہ)
>
> **صفاتہٖ تعالیٰ فی الازل بلا کیف**، اللہ تعالیٰ کی صفات ازل سے ہی بے کیف ہیں یعنی ان کی کیفیت مجہول ہے، بس ان پر ایمان لانا واجب ہے اور ان کے بارے میں بحث کرنا بدعت ہے لہٰذا کف لسان ہی اسلم اور بہتر ہے۔ (ایضاً ص ۴۱۷)

اس کے برخلاف عقیدہ رکھنا علمائے شریعت کے نزدیک کفر صریح ہے، شرح فقہ اکبر میں حضرت امام علی القاری فرماتے ہیں، حضرت امام نعیم بن حماد علیہ الرحمۃ کا قول ہے، **من شبہ اللّٰہ بشیٍ من خلقہٖ فقد کفر و من انکر ما وصف اللّٰہ بہٖ نفسہ فقد کفر** جس نے کسی شے کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تشبیہ دی تو اس نے کفر کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کی کسی وصف کا انکار کیا تو اس نے بھی کفر کیا (ایضاً ص ۴۸۰) حقیقتِ حال سے اللہ تعالیٰ ہی واقف ہے، اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے اپنا انعام فرمایا اور ان لوگوں کے راستے سے بچا جن پر تیرا غضب نازل ہوا، آمین۔

تنزّلات کیا ہیں:

تنزلات، تنزل کی جمع ہے جس کا لغوی معنیٰ ہے نیچے اترنا، اصطلاحی معنیٰ میں ذات کے ظہور کو تنزل کہا جاتا ہے، صوفیہ کرام کے نزدیک لغوی معنیٰ مراد نہیں بلکہ اصطلاحی معنیٰ مراد ہے، یعنی وجودِ مطلق نے اپنی ذات وصفات کو قائم رکھتے ہوئے ظہور فرمایا ہے مگر وہ جیسا تھا ویسا ہی ہے، اس تنزل اور ظہور کی وجہ سے اس میں کوئی تغیر و تبدل پیدا نہیں ہوا، حضرتِ شیخ اکبر علیہ الرحمۃ کے نزدیک وجود مطلق ہے اور مراتب وحدت میں لاتعین ہے۔ پھر اس نے جن مرتبوں سے علی الترتیب نزول فرما کر کائنات میں ظہور فرمایا ہے ان مرتبوں کو تنزلات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ حسب موقع ان مرتبوں کو تعینات، تجلیات، اعتبارات اور

تقیدات کے ناموں سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، یہ جملہ تنزلات شہود میں واقع ہوئے ہیں نا کہ وجود میں، تنزلات وتعینات کے پانچ مرتبے ہیں، پہلے دو مرتبے علمی ہیں اور بعد کے تین مرتبے عینی یا خارجی ہیں۔ ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔ پہلے تنزل میں ذات کو اپنا شعور بحیثیت وجود محض حاصل ہوتا ہے اور شعورِ صفات اجمالی رہتا ہے۔ دوسرے تنزل میں ذات کو اپنا شعور بحیثیت متصف بہ صفات ہوتا ہے۔ یہ صفاتِ تفصیلی کا مرتبہ ہے (یعنی صفات کے بالتفصیل واضح ہونے کا) یہ دونوں تنزلات بجائے واقع ہونے کے ذہنی یا محض منطقی تنزلات کے طور پر تصور کیے جاتے ہیں کیونکہ وہ غیر زمانی ہیں اور خود ذات وصفات کا امتیاز بھی صرف ذہنی ہے، اس کے بعد تنزلات عینی (یا تعیناتِ خارجی) شروع ہوتے ہیں، تیسرا تعین (تنزل) روحی ہے یعنی وحدت بصورت روح یا ارواح نزول کرتی ہے اور وہ اپنے آپ کو بہت سی ارواح میں تقسیم کر دیتی ہے مثلاً فرشتے وغیرہا، چوتھا تنزل تعینِ مثالی ہے جس سے عالمِ مثال وجود میں آتا ہے، پانچواں تنزل تعین جسدی ہے، اس سے مظاہر یا اشیاء طبعی ظاہر ہوتی ہیں (تحقیق الحق فی کلمۃ الحق مترجم ص ۸۴) ان تنزلات کو حضراتِ خمسہ بھی کہا جاتا ہے، گویا پہلے مرتبے میں خود حق تعالیٰ نے اپنا آپ علم اجمالی کی صورت میں اور دوسرے مرتبے میں علم تفصیلی کی صورت میں ظاہر فرمایا ہے۔ اسی طرح تیسرے مرتبے میں عالم ارواح، چوتھے مرتبے میں عالم مثال اور پانچویں مرتبے میں عالم اجسام کی صورتوں میں ظاہر فرمایا ہے۔ آخری تین تنزلات کو تعینات خارجیہ بھی کہتے ہیں اور ان کو مرتبہ امکان میں ثابت کرتے ہیں۔ وجودی صوفیہ کے نزدیک تنزلات وتعینات کی بنیاد یہ ہے کہ وجود تو فقط ایک ہے، ہر دوسری چیز اس کا مظہر ہے لہٰذا خالق اور مخلوق، عالم اور معبود، ذات اور صفات میں اتحاد وعینیت پائی جاتی ہے۔

حضرتِ مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے مکمل تحقیق فرمانے کے بعد یہ نتیجہ رقم فرمایا ہے:

> ''پس عالم کو حق تعالیٰ کے ساتھ کسی قسم کی مناسبت نہیں، **ان اللہ لغنی عن عن العالمین**، بے شک اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے، حق تعالیٰ کو عالم عین کہنا اور اس کے ساتھ متحد جاننا بلکہ نسبت دینا بھی اس فقیر پر بہت گراں اور دشوار ہے۔ (مکتوب ادفتر ۲)
>
> ''کلمہ طیبہ کا پہلا حصہ تمام ماسوائے حق یعنی آسمانوں، زمینوں، عرش و کرسی، لوح وقلم اور عالم وآدم کی نفی کرتا ہے اور دوسرا حصہ معبود برحق کا

اثبات کرتا ہے جو زمینوں اور آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے، حق تعالیٰ کے ماسوا جو کچھ آفاق وانفس میں ہے سب چونی و چندی کے داغ سے داغدار ہے۔ پس جو کچھ آفاق وانفس کے آئینوں میں جلدہ گر ہو بطریق اولیٰ چند و چون ہوگا جو نفی کے لائق ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جو کچھ ہمارے علم و وہم میں آسکے اور جو ہمارا مشہود و محسوس ہو سب چونی اور چگونی سے متصف اور حدوث و امکان کے عیب سے عیب ناک ہے کیونکہ ہمارا معلوم اور محسوس ہمارا تراشا ہوا ہے، وہ تنزیہ جس کا تعلق ہمارے علم سے ہے عین تشبیہ ہے اور وہ کمال جو ہمارے فہم میں اس کے عین نقص ہے۔ پس جو کچھ ہم پر متجلی اور مکشوف اور مشہود ہو وہ سب حق تعالیٰ کا غیر ہے۔ حق تعالیٰ اس اسے وراء الوراء ہے۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام فرماتے ہیں کیا تم ان چیزوں کی عبادت کرتے ہو جو تم اپنے ہاتھ سے بناتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اور تمہارے عملوں کو پیدا کیا ہے، ہمارا اپنا تراشا ہوا اور بنایا ہوا خواہ ہاتھ کے ذریعے ہو خواہ عقل و وہم کے ساتھ، سب حق تعالیٰ کا مخلوق ہے جو عبادت کے لائق نہیں، عبادت کے لائق وہی خدائے بیچون و بیچگون ہے جس کے دامن ادراک سے ہماری عقل و وہم کا ہاتھ کوتاہ ہے اور کشف وشہود کی آنکھ اس کی عظمت وجلال کے مشاہدے سے خیرہ و تباہ ہے۔ ایسے خدائے بیچون و بیچگون کے ساتھ غیب کے طریق کے سوا ایمان میسر نہیں ہوتا کیونکہ ایمان شہود حق تعالیٰ کے ساتھ ایمان نہیں ہے بلکہ تراشیدہ چیز کے ساتھ ہے کہ وہ بھی حق تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ میرے خیال میں جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا (کی حیات) میں دولتِ رویت سے مشرف ہوئے تو ان کے حق میں اگر ایمان شہودی ثابت کریں تو زیبا اور محمود ہے اور اپنی طرف سے بنانے اور

> تراشنے سے صاف آزاد ہے کیونکہ جس چیز کا اوروں کے لیے قیامت کا وعدہ ہے ان کو اسی جگہ میسر ہے۔ (مکتوبات ۹ دفتر ۲)

اس طرح کی اور بھی عبارات مکتوباتِ شریفہ میں بہت زیادہ ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے نزدیک تنزلات، تعینات، تقیدات اور اس قسم کی اصطلاحات کی کوئی گنجائش نہیں، حق تعالیٰ وراء الوراء ہے، اس کے ماسواء جو کچھ ہے سب اس کی مخلوق ہے جسے اس نے اپنی حکمتوں کے تحت پیدا فرمایا ہے۔ یہی تصور صحیح اسلامی تصوف کو اجاگر کر سکتا ہے۔

بعض محققینِ کرام کے مطابق تحقیق یہ ہے کہ حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ نے خدا تعالیٰ اور اس کی مخلوق کی باہمی عینیت کے نظریئے سے رجوع فرما لیا تھا اور غیریت کلی کے قائل ہو گئے تھے۔ حضرت امام قصرانی کا قول ہے کہ ان کے کلام میں جس قدر ظاہر شریعت اور طریقِ جمہور کے خلاف مواد ہے وہ الحاق ہے (الیواقیت والجواہر فصل اول ص ۲۳، مطبوعہ بیروت) یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر متنازعہ عبارتیں الحاقی ہیں تو تاویل کی بجائے تردید کرنی چاہیے، ہمارے نزدیک ہو سکتا ہے کہ ان کے اس قسم کے اقوال ان کے احوال کے مطابق رونما ہوئے ہوں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے نزدیک بھی یہ ثابت ہے کہ بزرگانِ دین کو ایک ہی مقام میں منحصر نہیں مانا جا سکتا، ہو سکتا ہے ان کو عروج نصیب ہو چکا ہو اور وہ حقیقتِ حال سے آگاہ ہو چکے ہوں۔ پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے مکتوباتِ شریفہ میں بار بار اس معاملے کو کیوں بیان کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے دور میں وحدۃ الوجود کے انتہائی غلط اثرات عام ہو چکے تھے۔ گمراہی اور آزاد خیالی کی انتہا ہو چکی تھی۔ لوگ کثرت کے ساتھ آپ سے یہی سوالات پوچھتے تھے پھر حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ کے پیروکاروں کا اسی نظریئے پر شدید اصرار جو کہ آج تک جاری و ساری ہے۔ ان سوالات کو اور تقویت دے رہا تھا۔ حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ کی مروجہ کتابوں میں بھی ایسے بہت سے مقامات موجود تھے جن میں ایسی ہی اصطلاحات کو استعمال کیا گیا تھا۔ پھر ان کے شارحینِ کرام کی تشریحات اور تعبیرات سے معاملہ اور گھمبیر ہو گیا تھا۔ ان حالات میں آپ کا فرض تھا کہ اس صدیوں پرانے نظریئے پر غور و فکر سے کام لیتے اور اپنی خداداد قابلیتوں کو بروئے کار لا کر عرفانِ حقیقت کا وہ راستہ اجاگر کرتے جو قرآن و سنت اور صوفیہ متقدمین کے مزاج کے عین مطابق تھا آپ کا یہ اجتہادی کارنامہ ہے کہ بعد میں آنے

والے لاکھوں متلاشیانِ حق کو بہت سی الجھنوں سے محفوظ فرما گئے اور دقیق مسئلوں میں سر کھپانے کی بجائے شریعت مطہرہ پر عمل کرنے کا درس دے گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو بہترین اجر و ثواب عطا فرمائے۔

عالم کون و مکان کی حقیقت

جناب سید نصیر الدین شاہ گولڑوی صاحب ذات اور عالمِ تشبیہات کے متعلق لکھتے ہیں کہ ہر دو جہاں میں ذاتِ واجب الوجود کے سوا کسی کا وجود نہیں اور غیر اللہ کے معنی بھی یہی ہیں کہ وہ غیر جو تصوراتی طور پر موجود ذہنی ہو اس کا تصور بھی غیریت پر دلالت کرتا ہے گویا اس کے غیر کا تصور بھی ذہن میں نہیں لانا چاہیے چہ جائے کہ اسے خارج میں محسوس و مبصر تسلیم کیا جائے، کائنات میں وجود حقیقی صرف اور صرف اسی ایک ذات کا ہے ماسوا کا وجود، وجودِ حقیقی کے مقابلے میں وجود وہمی کی حیثیت رکھتا ہے اور وجود وہمی کی تعریف یہ ہے کہ لفظی اور اعتباری حد تک تو وہ موجود ہوتا ہے مگر حقیقت میں موجود نہیں ہوتا جیسے سراب آب تو نظر آتا ہے مگر ہوتا نہیں بلکہ دھوکا ہی ہوتا ہے۔ بہرحال کسی شے جیسا نظر آنا اور بات ہے اور اس کا وہ شے ہونا اور بات ہے۔ بقول شاعر ؎

آئینہ پھینک دے کہ تماشا نہ چاہیے
تو چاہیے جسے اسے تجھ سا نہ چاہیے

سید امجد حیدر آبادی نے بے ثباتی عالم کا مسئلہ اپنی ایک اردو رباعی میں یوں حل کیا ہے ؎

دنیا والو! ثبات دنیا میں نہیں
ایک لحظ قرار موجِ دریا میں نہیں
عالم کا وجود صورتِ لا سمجھو
لفظاً موجود اور معنیٰ میں نہیں

گویا جیسے لفظ ''لا'' لفظاً موجود ہے مگر بہ اعتبار معنیٰ موجود نہیں اس لیے کہ اس کے معنیٰ (نہیں) ہیں اور نہیں خود اپنے معنیٰ کے وجود کی نفی کر رہا ہے۔ اسی طرح عالم کا وجود لفظی و اعتباری ہے جو ہمیں نظر آتا ہے اور محسوس تو ہوتا ہے مگر حقیقت میں اس کا وجود وہمی ہے۔۔۔۔ جب اپنی ہستی موہومہ کا پردہ اٹھایا جس کے

نتیجے میں غیریت کا تصور ختم ہوا تو پھر تعینات کے ہر رنگ میں اس کے جلووں کو پایا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ کائنات میں سارے مظاہر میں اسی ایک ذات کی جلوہ گری ہے (راہ و رسم منزل ہا ص ۵۲، مطبوعہ گولڑہ شریف) جناب سید نصیر الدین شاہ گولڑوی صاحب نے بڑے اختصار کے ساتھ وحدۃ الوجود کے نظریئے میں عالمِ کون ومکان کے متعلق بیان کر دیا کہ وہ وہمی، لفظی اور اعتباری طور پر موجود ہے ورنہ سراب کی طرح دھوکا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے اجتہادی فکر وعرفان سے یہ ثابت کیا ہے کہ خدا غیر ہے عالم کا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو احکام اور اعمال بے معنیٰ ہو جاتے کیونکہ احکام اور اعمال جب ہی کوئی معنیٰ رکھتے ہیں کہ عالم واقعہ میں موجود ہو ورنہ ان پر جزا اور سزا مترتب نہیں ہو سکتی اور عالم آخرت بے معنی ہو جاتا ہے (مکتوب ۶۷، دفتر ۳) آپ کے نزدیک اس عالم کو معدوم اور موہوم کہنے اور اس کے نفس الامر میں موجود فی الخارج ہونے کا انکار سوفسطائیت ہے اور یہ انکار ہے اللہ تعالیٰ کی صفت ابداع سے کہ اس نے عالم کو نفس الامر میں پیدا کیا ہے (مکتوب ۴۴، دفتر ۲) عالم کو موہوم کہنا بھی کافی نہیں کیونکہ موہوم کے کئی معنیٰ ہو سکتے ہیں۔ ایک تو موہوم ہونے کے یہ معنیٰ ہیں کہ عالم اختراع ہے ہمارے وہم وتخیل کا۔ اندریں صورت وہم وتخیل کے مرتفع ہونے کے ساتھ وہ بھی مرتفع ہو جائے گا جو سوفسطائیت ہے اور صفت ابداع سے انکار جیسا کہ ابھی مذکور ہوا دوسری صورت یہ ہے کہ عالم نفس الامر میں موجود ہے مگر اس کے وجود کی حیثیت ایسی ادنیٰ ہے جیسے کسی وہمی وخیالی چیز کی، اندریں صورت عینیت کا حکم کرنا صحیح نہ ہوگا۔ (مکتوب ۵۸، دفتر ۳) عالم ممکن ہے اور خدا واجب، وہ ایک دوسرے کے عین نہیں ہو سکتے۔ ایک کا عدم جائز ہے اور دوسرے کا ممتنع، ایک حادث ہے اور دوسرا قدیم، ایک داغ چون وچگون سے داغدار ہے اور دوسرا بے چون وچگون ہے۔ پس عقلاً اور شرعاً ان کو عین یک دگر یا عالم کو معدوم کہنا محال ہے اور اس کے معدوم ہونے پر دلیل قائم نہیں کی جا سکتی۔ (مکتوب ۳۱، دفتر ۳) ممکن کے کہ اپنے وجود کی حقیقت عدم ہے۔ ممکن میں جو وجوبات حیات وعلم وغیرہ پائے جاتے ہیں وہ محض عطیات ہیں خدا کے۔ یہ ہے وہ اصول جس پر عالم وجود میں آیا ہے یعنی عالم عدم محض سے وجود میں آیا ہے اور اس نے وجود خارجی حاصل کر لیا ہے یہی حال عالم اور اشیائے عالم کی دوسری صفات کا بھی ہے۔ (مکتوب ۵۸، دفتر ۳) خارج میں حقیقی وجود دراصل فقط خدا کی ذات کو حاصل ہے اور عالم کو وجودِ خارجی محض عطائے الٰہی ہے اور یہ وجود نمود بے بود سے زیادہ نہیں تاہم یہ نمود ایسی نہیں جو ہمارے وہم وتخیل پر منحصر ہو بلکہ وہ اپنے آپ (میں) موجود ہے۔ اس کی مثال شعلہ جوالہ

کی سی ہے جیسے ایک لکڑی کو لیں اور اس کے ایک سرے کو آگ لگا دیں اور جل دہکنے لگے اور پھر لکڑی کے دوسرے سرے کو پکڑ کر تیزی سے گھمائیں تو آگ کا ایک دائرہ نظر آنے لگے گا، اب اس نمود کو کسی طرح مستقل اور فی نفسہ قائم کر دیا جائے تو عالم کا وجود اس دائرہ جیسا ہوگا۔ (مکتوب ۵۸، دفتر ۳) اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ شعبدہ بازوں نے ایک بادشاہ کے سامنے اپنے شعبے سے ایک باغ پیدا کر دیا تھا اور اس میں پھل آگئے تھے۔ بادشاہ نے یہ سنا تھا کہ اگر شعبدہ بازوں کو قتل کر دیا جائے تو شعبدہ حق تعالیٰ کی قدرت سے اپنے حال پر قائم رہتا ہے۔ چنانچہ شعبدہ بازوں کو قتل کر دیا گیا اور باغ قائم رہا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ باغ اب تک موجود ہے اور اس میں پھل آتے ہیں۔ گویا یہی حال اس عالم کا ہے کہ عدم محض سے وجود میں آیا ہے۔ **وماذلک علی اللہ بعزیز** اور اللہ تعالیٰ پر یہ بات مشکل نہیں ہے۔ (ملخصاً مکتوب ۴۴، دفتر ۲) مزید فرماتے ہیں۔ عالم سب کا سب حق تعالیٰ کے اسماء وصفات (کے کمالات) کا مظہر ہے۔ اگر ممکن میں حیات ہے تو اس واجب تعالیٰ کی حیات کا آئینہ ہے اور اگر علم ہے تو اسی کے علم کا آئینہ ہے اور اگر قدرت ہے تو اسی کی قدرت کا آئینہ ہے۔ علیٰ ھذا القیاس، لیکن اس کی ذات کا عالم میں نہ کوئی آئینہ ہے۔ نہ کوئی مظہر بلکہ حق تعالیٰ کی ذات کو عالم کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں اور کسی چیز میں شراکت نہیں اگرچہ وہ مناسبت اسم میں ہو یا وہ مشارکت صورت میں ہو۔ **ان اللہ لغنی عن العالمین**، برخلاف اسماء وصفات کے کہ عالم کے ساتھ اسمی مناسبت رکھتے ہیں اور صوری مشارکت ان کے درمیان ثابت ہے۔ یعنی جس طرح واجب تعالیٰ میں علم ہے ممکن میں بھی اس علم کی صورت ثابت ہے اور جس طرح وہاں قدرت ہے یہاں بھی اس قدرت کی صورت ہے۔ برخلاف ذات کے کہ ممکن اس دولت سے بے نصیب ہے اور اس کو اپنے حق میں قیام بذاتِ خود حاصل نہیں، بلکہ ممکن چونکہ حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کی صورتوں پر مخلوق ہے اس لیے سب کا سب عرض ہے اور اس میں جوہریت کی بو نہیں۔ اس کا قیام حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے اور معقول والوں نے جو ممکن جوہر و عرض میں تقسیم کیا ہے۔ ظاہر بینی کے سبب ہے اور بعض ممکن کا بعض کے ساتھ جو قیام ثابت ہے وہ عرض کا عرض کے ساتھ قائم ہونے کی قسم سے ہے۔ نہ عرض کا جوہر کے ساتھ قائم ہونے کی قسم سے بلکہ درحقیقت وہ دونوں عرض حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قیام رکھتے ہیں۔ ان کے درمیان کوئی جوہریت ثابت نہیں۔ تمام ممکنات کا قیوم حق تعالیٰ ہی ہے۔۔۔ کوتاہ نظر ان پوشیدہ معارف کو توحید وجودی کے معارف سے نہ ملائیں اور ایک دوسرے کا دست وگریبان نہ جانیں کیونکہ توحید وجودی والے ایک ذات کے سوا کچھ

موجود نہیں جانتے اور حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کو بھی اعتباراتِ علمی خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حقائق ممکنات کو وجود کی بو بھی نہیں پہنچی۔ یہ فقیر حق تعالیٰ کی صفات کو بھی وجودِ زائد کے ساتھ موجود جانتا ہے جیسے کہ علمائے اہل حق نے فرمایا ہے اور ممکنات کے لیے بھی جو حق تعالیٰ کے اسماء وصفات (کے کمالات) کے مظہر ہیں وجود ثابت کرتا ہے۔ اس تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ممکن کی ذات واجب تعالیٰ کی عینِ ذات ہے اور ممکن واجب کے ساتھ متحد ہے اور یہ محال ہے کیونکہ اس سے قلب حقائق لازم آتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ ممکن کی ذات یعنی اس کی ماہیت وحقیقت انہی اعراض متعددہ مخصوصہ میں سے ہے جو حق تعالیٰ کے اسماء و صفات (کے کمالات) کا مظہر ہیں۔ ان اعراض کو حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کوئی عینیت نہیں اور کسی قسم کا اتحاد نہیں تاکہ قلبِ حقائق لازم آئے۔ صرف اس قدر تعلق ہے کہ ان اعراض کا قیام حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے اور وہی تمام اشیاء کا قیام ہے (مکتوب ۴۵، دفتر ۲) سوال پیدا ہوتا ہے کہ واجب تعالیٰ کی ذات سے ممکن کا قیام واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حوادث کے قیام کو مستلزم ہے اور یہ ممتنع اور محال ہے۔ جواب یہ ہے کہ حوادث کا قیام اس صورت میں ممتنع ہے جب کہ حق تعالیٰ کی ذات میں حوادث کا حلول سمجھا جائے جو محال ہے لیکن اس جگہ قیام کے معنی حلول نہیں بلکہ اس کے معنی ثبوت اور تقرر کے ہیں یعنی ممکن کا ثبوت اور تقرر واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے۔ (ایضاً)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے نظریہ تخلیقِ عالم کی اصل قرآنِ پاک کی یہ نصِ قطعی ہے۔ فرمایا: صنع اللہ الذی اتقن کل شیٍٔ اس اللہ کی صنعت ہے جس نے ہر شے کو مضبوط کر دیا ہے۔ حضرت شیخ اکبر اور حضرت شیخ مجدد میں فرق یہ ہے کہ وہ ممکنات کے حقائق وجودات منزلہ کو تصور کرتے ہیں اور یہ عدمات کو تصور کرتے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا فرق ہے جو ارباب بصیرت پر ہرگز پوشیدہ نہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

> ''جو کچھ فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ممکنات کی ماہیتیں مع ان کے کمالات وجودیہ کے جو ان میں منعکس ہو کر ان سے مل گئی ہیں، عدمات ہیں جیسے کہ مفصل گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ حق ظاہر کرتا ہے اور وہی راہِ راست کی ہدایت دیتا ہے۔ یہ علوم ومعارف جن کی نسبت کسی اہل اللہ نے نہ ہی صراحت سے اور نہ ہی اشارہ سے گفتگو کی ہے

> بڑے اعلیٰ معارف ہیں اور اکمل علوم ہیں جو ہزار سال کے بعد ظہور میں آئے ہیں اور واجب تعالیٰ اور ممکنات کی حقیقت کو جیسے کہ ممکن اور لائق ہے بیان کیا ہے۔ جو نہ کتاب وسنت کی مخالفت رکھتے ہیں اور نہ ہی اہلِ حق کے اقوال کے مخالف ہیں۔ (مکتوب ۲۳۴، دفتر اول)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے واضح طور پر لکھا ہے کہ ممکناتِ عالم کی حقیقت عدم ہے لیکن وہ حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کے کمالات وظہورات کا مظہر ہیں اور ان کے ساتھ ان کا قیام ہے اس لیے ان میں اتقان واقع ہوا ہے جبکہ حضرتِ ذات کو عالم سے ذاتی استغنا ہے۔ اس درجہ بلند کے ساتھ عالم کا قیام کیسے ہوسکتا ہے اگرچہ اسماء وصفات کا قیام حضرتِ ذات کے ساتھ ہے۔

ما تماشا کنان کوتاہ دست
تو درختِ بلند بالائی

لیکن آپ کے نزدیک عارفِ اکمل کا معاملہ باقی ممکنات عالم سے جدا ہے اور اس کا حکم ممکناتِ عالم کے احکام سے الگ ہے۔ وہ محبتِ ذاتی کے ذریعے **المرٔمع من احب** کے موافق اپنے اصل سے گزر کر اصل الاصل کے ساتھ معیت پیدا کر لیتا ہے اور اپنے آپ کو اصل الاصول میں فانی کر دیتا ہے۔ سب سے بڑا مہربان آیتِ کریمہ **ھل جزاء الاحسان اِلاَّ الاحسان** کے موافق فنا کے عوض اس کو بقاء عطا فرماتا ہے اور جس چیز کے ساتھ وہ فانی ہوا تھا اس کے ساتھ اس کو بقاء بخش کر اپنی ذات وصفات اور اسماء کا مظہر اور جامع آئینہ بنا دیتا ہے۔ پس تمام افراد عالم اس عارفِ اکمل کی جامعیت کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے قطرہ دریائے محیط کے مقابلے میں کیونکہ حضرت ذات تعالیٰ کے مقابلے میں اسماء وصفات کا کچھ قدر ومقدار نہیں۔ قطرہ کا بھی دریا کے مقابلے میں کچھ نہ کچھ قدر ومقدار ہے لیکن ان کا اس کے مقابلے میں اتنا بھی نہیں۔ اس بیان سے اس عارف کے علم ومعرفت اور درک وادراک کو دوسروں کی نسبت قیاس کرنا چاہیے اور اس کی عظمت وبلندی کو سمجھنا چاہیے، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے۔ (مکتوب ۷۹، دفتر ۳) آپ کے معارف کے مطابق ایسا عارفِ اکمل بہت قرنوں اور زمانوں کے بعد جلوہ گر ہوتا ہے جسے

فنائے اتم کے بعد بقائے اکمل نصیب ہوتی ہے۔ پھر تمام افراد عالم جو اعراضِ مجتمعہ ہیں۔ جس طرح پہلے اسماء وصفات کے ساتھ قیام رکھتے تھے۔ اسی طرح اب ان کا قیام اس عارفِ اکمل پر وابستہ کیا ہے۔

خاص کند بندہ مصلحت عام را

پھر انسان کی خلافت کا راز جو آیت انی جاعلٌ فی الارض خلیفه میں آیا ہے اس جگہ متحقق ہوتا ہے اور حدیث ان اللہ خلق آدم علی صورته کی حقیقت اس مقام میں واضح ہوتی ہے۔ اب آپ تصور کیجیے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے معارف میں عارفِ اکمل کا کیا مقام ہے۔ یعنی وہ ذات وصفات کا مظہر ہوتا ہے تو حضور سید المرسلین محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں نہ ذات وصفات کا مظہرِ کامل ہوں گے اور کیوں نہ ان کے دم قدم سے کائناتِ ارضی وسماوی کا وجود قائم ہوگا۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

> ''مرادوں کے سردار اور محبوبوں کے رئیس حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ اس دعوت سے مقصود ذاتی اور مدعو اولیٰ آپ ہی ہیں اور دوسروں کو خواہ مراد ہوں یا مرید آپ ہی کی طفیل بلایا ہے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو اللہ مخلوق کو پیدا نہ کرتا اور نہ اپنی ربوبیت کو ظاہر کرتا چونکہ دوسرے سب ان کے طفیلی ہیں اور وہ اس دعوت کے مقصود اصلی ہیں اس لیے سب ان کے محتاج ہیں اور انہی کے ذریعے فیوض و برکات اخذ کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے اگر سب کو ان کی آل کہیں تو بجا ہے کیونکہ سب ان کے پیچھے چلنے والے ہیں اور ان کے وسیلے کے بغیر کمال حاصل نہیں کر سکتے۔ جب ان سب کا وجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کے وسیلے کے بغیر متصور نہیں ہوسکتا تو دوسرے کمالات جو وجود کے تابع ہیں۔ ان کے وسیلے کے بغیر کس طرح متصور ہوسکتے ہیں۔ ہاں رب العالمین کا محبوب ایسا ہی ہونا چاہیے (مکتوب ۱۲۱، دفتر ۳)

نسخۂ کونین را دیباجه اوست
جمله عالم بندگان و خواجه اوست

ولایت کے تین درجے:

سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ عروج کی دو قسمیں ہیں۔ عروج مجازی اور عروج حقیقی، عارف کے لیے عالم وجوب میں عروج کا اطلاق مجازی معنوں اور عالم امکان میں حقیقی معنوں میں پایا جاتا ہے کیونکہ عالم امکان میں درجات ایک دوسرے پر فوقیت رکھتے ہیں جبکہ عالم وجوب میں درجات اپنی لامکانیت کی وجہ سے فوق وتحت اور شمال وجنوب سے مبرا ہیں۔ عروج کے طریقے پر سیرِ روحانی واقع ہوتی ہے جو سیرِ عالمی ہے نا کہ سیر جسمی کیونکہ عالمِ وجوب میں جسم اور جسمانیت، مکان اور مکانیت کا کیا دخل ہے۔ عروج کے دوران ولایتِ صغرٰی اور ولایتِ کبرٰی کی سیروں کا ذکر اکثر صوفیہ نے کیا ہے۔ جب عارف اسماء وصفات کے ظلال (یعنی ظہورات) کی سیر کرتا ہے اور ترقی وعروج کی منزلوں کو طے کرتے کرتے اپنی اصل کو پہنچ کر اپنے آپ کو اس میں فانی پاتا ہے حتیٰ کہ اپنا کوئی اثر اور اصلیت نہیں پاتا بلکہ صرف وجود میں اصل ہی کا مشاہدہ کرتا ہے، اس دائرہ ظلال کو سیر الی اللہ کہا جاتا ہے اور یہی دائرہ ولایت صغریٰ سے موسوم ہے جسے اولیاء کی ولایت کا دائرہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس دائرے کی تفصیلی سیر ابدالآباد تک بھی ختم نہیں ہوسکتی۔ اس میں ہر عارف اپنے حق کے مطابق سیر کرتا ہے یہاں تک کہ فنائے تام نصیب ہوجاتی ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں

هفت صد هفتاد قالب دیده ام
همچو سبزه بارہا روئیده ام

یعنی میں نے ظلال وظہورات کے سات سو ستر پردے مشاہدہ کیے اور ان میں فنا ہو کر سبزے کی طرح ظاہر ہوا ہوں۔ اس دائرے سے اپنا حصہ وصول کرنے کے بعد خالص فضل خداوندی سے عارف ظلال کے دائرے کی اصل یعنی اسماء وصفات اور شیونات واعتبارات کے دائرے میں سیر کرتا ہے۔ اسماء وصفات کے مرتبے وجوب سے متعلق ہیں اور ان میں سیرِ علمی کو سیر فی اللہ کہا جاتا ہے۔ اسے ہی ولایتِ کبرٰی کی سیر قرار دیا گیا ہے جو انبیاء کرام کی ولایت ہے۔ عالم امر کے پانچوں لطیفے اس دائرہ

ولایت کی انتہا ہیں اور اس مرتبے کی سیر کو کسی عبارت و اشارت سے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ آفاقی اور انفسی سیر سے وراء الوراء ہے جیسا کہ بعض صوفیہ نے سیر آفاقی کو سیر الی اللہ اور سیر انفسی کو سیر فی اللہ کا نام دیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے نزدیک انفس و آفاق دائرہ امکان میں داخل ہیں تو اس طرح دائرہ امکان کو قطع کرنا ہی ناممکن ہو جائے گا جس کا حاصل ہمیشہ کی ناامیدی کی صورت میں ظاہر ہوگا کیونکہ نہ کبھی فنا حاصل ہوگی اور نہ بقا مقدر بنے گی۔ مختصر یہ ہے کہ ولایتِ صغریٰ کا تعلق اسماء و صفات کے ظلال و ظہورات کے دائرے سے ہے اور ولایتِ کبریٰ کا تعلق اسماء و صفات کے دائرے سے ہے۔ ولایتِ کبریٰ یعنی سیر فی اللہ کے دوران سیر کرنے والوں کے دو گروہ بن جاتے ہیں۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جو ذاتِ باری کی محبت میں ہمیشہ کے لیے فانی ہو گئے اور حسنِ صفات کے مشاہدے میں غرق ہو گئے۔ ان کو مستہلکین کا گروہ کہا جاتا ہے۔ پھر کچھ وہ لوگ ہیں جن کو واپس مقام قلب میں لایا جاتا ہے اور ان کو حکم ہوتا ہے کہ بندگانِ حق کو بھی اسی راستے سے حق تعالیٰ کی طرف گامزن کرو، وہ مخلوق کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں، چلتے پھرتے ہیں۔ کھاتے پیتے ہیں لیکن ان کا مشاہدہ ایک لمحے کے لیے بھی بند نہیں ہوتا۔ وہ **یحببکم اللہ** کے مرتبے پر فائز ہوتے ہیں۔ ان کو راجعین الی الدعوت کا گروہ کہا جاتا ہے۔ اس رجعت کو سیر عن اللہ باللہ کہا جاتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے ولایت کا ایک تیسرا درجہ بھی متعارف کروایا ہے جو آپ کے اجتہادی فکر و عرفان کا شہکار ہے۔ آپ ولایتِ کبریٰ کے بیان کے بعد ارقام فرماتے ہیں۔

> ''عالم امر کے پنجگانہ لطائف و مراتب کا عروج اس دائرہ اسما و شیونات کے نہایت تک ہے، اس کے بعد اگر محض فضلِ خداوندی سے صفات و شیونات کے مقام سے زیادہ تر واقع ہو تو ان کے اصول کے دائرے میں سیر واقع ہوگی اور اس دائرہ اصول سے آگے ان کے اصول کا دائرہ ہے اور اس دائرے کے طے کرنے کے بعد دائرہ فوق کی ایک قوس ظاہر ہوگی۔ اس کو بھی قطع کرنا پڑتا ہے۔ چونکہ دائرہ فوق سے ایک قوس کے سوا کچھ اور ظاہر نہ ہوا اس لیے اسی قوس پر بس کی گئی۔ شاید یہاں کوئی سر ہوگا جس پر اطلاع نہیں بخشی گئی۔ اسماء و صفات کے یہ

اصول سہ گانہ جو مذکور ہوئے۔ جو حضرتِ ذات تعالیٰ میں محض اعتباری ہی اعتبار ہیں۔ جو صفات و شیونات کے مبادی ہیں۔ ان اصول سہ گانہ کے کمالات کا حاصل ہونا نفس مطمئنہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کو اس مقام میں اطمینان حاصل ہوتا ہے اور اسی مقام میں شرح صدر حاصل ہوتا ہے اور سالک اسلامِ حقیقی سے مشرف ہوتا ہے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں نفسِ مطمئنہ تختِ صدر پر جلوس فرماتا ہے اور مقام رضا و ارتضا پر ترقی کرتا ہے۔ ولایت کبریٰ یعنی ولایتِ انبیاء کا انتہا یہی مقام ہے۔ جب سیر یہاں تک ہو چکی تو وہم و خیال میں آیا کہ اب کام سب ختم ہو چکا، اتنے میں آواز آئی کہ یہ سب کچھ ابھی اسم ظاہر کی تفصیل تھی اور ابھی پرواز کے لیے ایک ہی بازو میسر ہوا ہے اور اسمِ باطن جو عالمِ قدس کی طرف پرواز کرنے کے لیے دوسرا بازو ہے ابھی درپیش ہے۔ جب تو اس کو بھی مفصل طور پر سرانجام کرے گا تو پرواز کے لیے دونوں بازو تجھے حاصل ہوں گے۔ جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اسم باطن کا سیر بھی سرانجام پاچکا تو دونوں بازو میسر ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت بخشی اگر وہ ہدایت نہ بخشتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے۔ بے شک ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے۔ اے فرزند! اسم باطن کے سیر کی نسبت کیا لکھا جائے۔ اس کا حال در پردہ رہنے کے مناسب ہے۔ البتہ اس قدر بیان ضروری ہے کہ اسم ظاہر کی سیر صفات میں ہے بغیر اس بات کے کہ ان کے ضمن میں ذات ملحوظ ہو اور اسم باطن کی سیر بھی اگرچہ اسماء میں ہے لیکن ان کے ضمن میں ذات ملحوظ ہے۔ یہ اسما ڈھالوں کی طرح ہیں جو حضرت کے روپوش ہیں۔ مثلاً صفتِ علم پر ہرگز ذاتِ ملحوظ نہیں ہے لیکن اس کے اسم علیم میں پردہ صفت کے پیچھے ذات ملحوظ ہے، کیونکہ علیم ایک ذات ہے جس کی صفت علم ہے پس علم کی سیر اسم ظاہر کی سیر ہے اور علیم کی سیر

اسم باطن کی سیر ہے۔ باقی تمام صفات واسماء کا حال اسی قیاس پر ہے۔ یہ اسماء جو اسم باطن سے تعلق رکھتے ہیں ملائکہ ملائے اعلیٰ کے تعینات کے مبادی ہیں اور ان اسماء میں سیر کا آغاز ولایتِ علیا میں جو ملائے اعلیٰ کی ولایت ہے قدم رکھتا ہے (یہاں قدم سے مراد علم ونظر کے اعتبار سے ہے جیسا کہ ابتداء میں گزر چکا ہے۔) اب علم اور علیم اور اسم ظاہر اور اسم باطن کے درمیان فرق بیان کیا جاتا ہے تاکہ تو اس فرق کو تھوڑا خیال نہ کرے اور نہ کہے کہ علم سے علیم تک تھوڑا راستہ ہے۔ نہیں بلکہ وہ فرق جو مرکزِ خاک اور محدب عرش کے درمیان ہے اس فرق کی نسبت ایسا ہے جیسے دریائے محیط کی نسبت قطرہ، کہنے کو نزدیک ہے پر حاصل ہونے میں دور ہے اور مقامات کا ذکر جو مجمل طور پر بیان کیا گیا ہے وہ بھی اسی قسم سے ہے۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ پنجگانہ عالم امر کو طے کر کے ان کے اصول کی سیر کرے تاکہ دائرہ امکان تمام ہو جائے۔ اس تھوڑی سی عبارت میں سیر الی اللہ کا پورا ذکر آچکا ہے لیکن اس سیر کے حاصل ہونے میں پچاس ہزار سال کی راہ کا اندازہ کیا گیا ہے۔ آیت کریمہ فرشتے اور روح چڑھتے ہیں اس دن میں جس کا اندازہ پچاس ہزار سال کا ہے۔ اسی مطلب کو بیان کرتی ہے۔ (یہ بعض دوسرے صوفیہ کا خیال ہے کہ وہ آفاقی سیر کو سیر الی اللہ کہتے ہیں جو دائرہ امکان میں داخل ہے، ورنہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے نزدیک سیر الی اللہ اسماء وصفات کے ظلال وظہورات کے دائرے میں واقع ہوتی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ یہاں صرف سمجھانے کے لیے ان صوفیہ کا حوالہ دیا گیا ہے کہ راستے کی مسافت کا اندازہ ہو جائے۔ حاصل کلام یہ کہ حق تعالیٰ کے جذبہ عنایت کے آگے کچھ دور نہیں کہ اس قدر مدت دراز کے کام کو ایک لحظہ میں میسر کر دے۔ ع

بر کریماں کارہا دشوار نیست

اور اسی طرح جو کہا گیا ہے کہ اسماء و صفات اور شیونات و اعتبارات کے دائرے کو طے کر کے ان کے اصول میں سیر کرے۔ تمام اسماء و صفات کا طے کرنا کہنے کو آسان ہے لیکن طے کرنا بہت ہی مشکل ہے۔ اس لمحے کی نسبت مشائخ نے فرمایا ہے۔ وصول کی منزلیں کبھی ختم نہیں ہوتیں اور ان مراتب کی تمام سیر سے منع کیا ہے۔

نہ حُسنش غایتے دارد نہ سعؔدی راسخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہم چناں باقی

تو یہ گمان نہ کرے کہ مراتب کا منقطع نہ ہونا تجلیاتِ ذاتیہ کے اعتبار سے کہا ہو نہ کہ تجلیاتِ صفاتیہ کے اعتبار سے اور حسن سے مراد حسنِ ذاتی ہو نہ حسنِ صفاتی کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ تجلیاتِ ذاتیہ شیونات و اعتبارات کے ملاحظہ کے بغیر نہیں ہیں اور وہ حسنِ ذاتی صفاتِ جمالی کے روپوش کے بغیر نہیں ہے کیونکہ اس مقام میں ان روپوشوں کے بغیر گفتگو کی مجال نہیں ہے۔ **من عرف الله کل لسانہٗ** جس نے اللہ کو پہچانا اس کی زبان گنگ ہو گئی اور تجلی ایک قسم کی ظلیت (یعنی ظہوریت) چاہتی ہے اس لیے اس مقام میں شیونات کے ملاحظہ سے چارہ نہیں پس یہ منازل وصول اور مراتب حسن دائرہ اسماء و شیونات میں داخل ہیں جن کا منقطع ہونا ان کے نزدیک بہت ہی مشکل ہے لیکن وہ امر جو اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے وہ تجلیات و ظہورات سے ماورا ہے خواہ وہ تجلیات ذاتی ہوں خواہ صفاتی اور حسن و جمال کے ماورا ہے خواہ وہ حسن ذاتی ہو خواہ صفاتی، غرض مطالبِ بلند اور مقاصد ارجمند کے موتیوں کو مختصر طور پر چھوٹی چھوٹی عبارتوں کی لڑی میں پرو دیا ہے اور بے نہایت دریاؤں کو چند کوزوں میں بند کر دیا ہے۔ **فلا تکن من القاصرین** پس کوتاہ ہمت نہ ہو جانا۔ اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسم ظاہر اور اسم باطن کے دونوں پروں کے حاصل ہونے کے بعد جب پرواز میسر ہوا اور عروج واقع ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ ترقیات اصالت کے طور پر عنصر ناری، عنصر ہوائی اور عنصر آبی کے نصیب ہیں۔ بلکہ ملائکہ کرام کو بھی ان عناصر سہ گانہ سے نصیب حاصل ہے (مکتوب ۲۶۰، دفتر ۱) حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے ولایتِ صغریٰ اور ولایت کبریٰ کے بعد ولایت علیا متعارف کروائی ہے اس مکتوب گرامی میں کمال درجے کے اسرار اور معارف بیان کیے گئے ہیں جو آپ کے اجتہادی فکر و عرفان کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ چند ایک کا مطالعہ ذوقِ سلیم کو حرارت عطا کرے گا۔ فرماتے ہیں:

(۱)

اس سیر کی اثناء میں حالتِ واقع میں ظاہر ہوا کہ میں ایک راستہ میں جا رہا ہوں اور بہت چلنے کے باعث تھک گیا ہوں اور لاٹھی اور عصا کی خواہش رکھتا ہوں کہ شاید اس کی مدد سے چل سکوں لیکن نہیں ملتی اور ہر خس و خاشاک کی طرف ہاتھ ڈالتا ہوں تا کہ راستہ پر چلنے کی طاقت حاصل ہو، کیونکہ راہ طے کرنے سے چارہ نہ تھا۔ کچھ مدت اسی طرح چلتا رہا۔ ایک شہر کی فنا (گردونواح کا میدان) ظاہر ہوئی۔ اس فنا کی مسافت طے کرنے کے بعد اس شہر میں داخل ہوا۔ میں نے معلوم کیا کہ یہ شہر تعینِ اول سے مراد ہے جو تمام مراتبِ اسماء وصفات اور شیونات و اعتبارات کا جامع ہے اور نیز ان مراتب کے اصول اور ان کے اصول کے اصول کا جامع ہے اور اعتباراتِ ذاتیہ کا منتہا ہے جن کے درمیان تمیز کرنا علم حصولی کے مناسب ہے۔ اس کے بعد اگر سیر واقع ہو تو علم حضوری کے مناسب ہوگا۔

(۲)

''اے فرزند! آنحضرت جل سلطانہ، میں علم حصولی اور علم حضوری کا اطلاق مثال اور نظیر کے اعتبار سے ہے کیونکہ صفات جن کا وجود ذات تعالیٰ کے وجود پر زائد ہے ان کا علم علمِ حصولی کے مناسب ہے اور اعتباراتِ ذاتیہ جن کا ذات تعالیٰ پر زائد ہونا ہرگز متصور نہیں ان کا علم علمِ حضوری کے مناسب ہے۔ ورنہ وہاں تو سوائے اس تعلق کے جو علم کو اپنے معلوم سے ہے بغیر اس امر کے کہ معلوم کی نسبت کچھ اس میں حاصل ہو اور کچھ نہیں ہے۔ پس سمجھ لو اور یہ تعین اول جس سے وہ شہری جامع مراد ہے انبیاء کرام اور ملائکہ عظام علیہم السلام کی ولایات کا جامع ہے اور ولایت علیا کا منتہا ہے۔ جو اصلی طور ملائے اعلیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس مقام میں ملاحظہ کیا گیا کہ آیا یہ تعین اول حقیقتِ محمدی ہے یا نہیں تو معلوم ہوا کہ حقیقت محمدی وہی ہے جو اوپر ذکر ہو چکی ہے اور اس کو تعین اول اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ اسماء وصفات و شیونات و اعتبارات کی جامعیت کے اعتبار سے تعینِ اول کے ظل (ظہور) کا مرکز ہے اور وہ سیر جو اس شہر کے اوپر واقع ہو وہ کمالاتِ نبوت کا شروع ہے۔ ان کمالات کا حاصل ہونا انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ کمالات مقام نبوت سے ناشی اور پیدا ہوئے ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے کامل تابعداروں کو بھی ان کی تابعداری کے سبب ان کمالات سے کچھ حصہ مل جاتا ہے اور لطائفِ انسانی کے درمیان عنصرِ خاک کو اصالت کے طور پر ان کمالات کا بہت سا حصہ حاصل ہے۔ باقی تمام اجزائے انسانی خواہ وہ

عالم امر سے ہوں خواہ عالم خلق سے سب اس مقام میں اسی عنصرِ پاک کے تابع ہیں اور اسی کے طفیل اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں۔ چونکہ یہ عنصر بشر کے ساتھ مخصوص ہے اس لیے خاص انسان خاص فرشتوں سے افضل ہو گئے کیونکہ جو کچھ اس عنصر کو حاصل ہے اور کسی کو میسر نہیں ہوا۔ دونوں کے بعد تدلّی کی حقیقت اس مقام پر ظاہر ہوتی ہے اور **قاب قوسین او ادنیٰ** کا سِرّ اسی جگہ منکشف ہوتا ہے اور اس سیر میں معلوم ہوتا ہے کہ تمام ولایتوں یعنی صغریٰ، کبریٰ اور عُلیا کے کمالات سب مقام نبوت کے کمالات کے ظلال (ظہورات) ہیں اور وہ کمالات ان کمالات کی حقیقت کے لیے شبح و مثال کی طرح ہیں اور روشن ہوتا ہے کہ اس سیر کے ضمن میں ایک نقطے کا طے کرنا مقام ولایت کے تمام کمالات کے طے کرنے سے زیادہ ہے پھر قیاس کرنا چاہیے کہ ان سب کمالات کو تمام گزشتہ کمالات کے ساتھ کیا نسبت ہو گی۔ دریائے محیط کو بھی قطرے کے ساتھ کچھ نہ کچھ نسبت ہوتی ہے۔ لیکن یہاں تو یہ نسبت بھی مفقود ہے۔ ہاں اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ مقام نبوت کو مقام ولایت سے وہ نسبت ہے جو غیر متناہی کو متناہی کے ساتھ ہے (ایضاً)

(٣)

سبحان اللہ! اس طرز سے ناآشنا کہتا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے اور دوسرا معاملہ سے ناواقف ہونے کے باعث اس کی توجیہ میں کہتا ہے کہ نبی کی ولایت، نبوت سے افضل ہے۔ یہ بڑے کلمے ان کے منہوں سے نکل رہے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کے حبیب کے صدقے سے اس سیر کو بھی انجام تک پہنچایا تو مشہود ہوا کہ اگر ایک قدم اور سفر میں زیادہ کرے گا تو عدم محض میں جا پڑے گا کیونکہ اس کے آگے عدم محض کے سوا کچھ نہیں۔ اے فرزند! اس ماجرا سے تو یہ وہم نہ کرے کہ عنقا شکار ہو گیا اور سیمرغ جال میں پھنس گیا۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں
کاینجا ہمیشہ بادبدست ست دام را

کیونکہ وہ حق سبحانہٗ تعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے۔

ہنوز ایوان استغنا بلند است
مرا فکرِ رسیدن ناپسند است

وہ ورائیت حُجب کے وجود کے اعتبار سے نہیں ہے کیونکہ حجب سب کے سب مرتفع ہو گئے ہیں بلکہ عظمت و کبریا کے ثبوت کے اعتبار سے ہے جو ادراک کے مانع اور وجدان کے منافی ہے کیونکہ وہ حق سبحانہٗ وجود میں اقرب ہے اور وجدان و ادراک میں ابعد ہے۔ ہاں بعض کامل مرادمندوں کو انبیاء کرام علیہم السلام کی طفیل عظمت و کبریا کے ان پردوں میں جگہ دیتے ہیں **فعومل معھم ما عومل معھم** اور جیسے کہ چاہیے ان کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں (ایضاً)

(۴)

''اے فرزند! یہ معاملہ انسان کی اس ہیئتِ وجدانی سے مخصوص ہے جو عالم خلق اور عالم امر کے مجموعہ سے ناشی ہوئی ہے۔ باوجود اس کے اس مقام میں بھی سب کا رئیس عنصر خاک ہے اور یہ جو کہا ہے کہ **لیس وراءہٗ الا العدم**، اس کے آگے سوائے عدم محض کے کچھ نہیں۔ وہ اس لیے کہ وجود خارجی اور وجود علمی کے تمام ہونے کے بعد عدم کا حاصل ہونا ہے جو اس کے نقیض ہے اور حق سبحانہٗ کی ذات اس وجود و عدم سے ماوراء ہے۔ جس طرح عدم کو وہاں راہ نہیں وجود کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ وہ وجود جس کی نقیض عدم ہو اس بارگاہ جل شانہٗ کے لائق نہیں ہے اور اگر عبارت کی تنگی کے باعث اس مرتبہ میں وجود کا اطلاق کریں تو اس سے وہ وجود مراد ہوگا جس کی نقیض بننے کی عدم کو مجال نہیں ہے۔

(۵)

اس فقیر نے جو اپنے بعض مکتوبات میں لکھا ہے کہ حضرت حق کی حقیقت وجود محض ہے، اس معاملہ کی حقیقت کو نہ پانے کے باعث لکھا ہے اور وہ بعض معارف جو توحیدِ وجودی وغیرہ میں لکھے ہیں وہ بھی اسی قسم سے ہیں۔ ان کا سِرّ بھی یہی عدم اطلاع ہے۔ جب معاملہ کی اصل حقیقت سے فقیر کو آگاہ کیا جو کچھ ابتداء اور وسط میں لکھا اور کہا ہے اس سے نادم ہوا اور استغفار کیا۔ میں اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں ان تمام باتوں سے جو اس کو ناپسند ہیں۔ (مکتوب ۲۶۰، دفتر ۱)

(۶)

وہ سالکانِ طریق مشکل سے مشکل ریاضتوں اور سخت سے سخت مجاہدوں اور تزکیہ کے قدم کے ساتھ عالمِ خلق کی صورت کے جنگلوں کو قطع کر کے جب عالمِ امر کا سیر شروع کرتے ہیں اور انجذاب قلبی اور التذاذ

روحی میں پڑتے ہیں تو بسا اوقات ایسا ہوا کرتا ہے کہ اکثر اسی انجذاب پر قناعت کرتے اور اسی التذاذ پر کفایت کرتے ہیں اور اسی عالم کے لامکان ہونے کا گمان ان کو دامنگیر ہوجاتا ہے اور اسی عالم کی بیچونی کی آمیزش ان کو بیچونِ حقیقی سے ہٹا رکھتی ہے۔ شاید اسی مقام پر کسی سالک نے کہا ہے کہ میں تیس سال تک روح کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرتا رہا اور دوسرے نے کہا کہ استوٰی کا سرّ اور عرش پر تنزیہ کا ظہور معارفِ غامضہ سے ہے اور بیانِ سابقہ سے معلوم ہوچکا ہے کہ یہ تنزیہ بھی دائرہ امکان میں داخل ہے۔ ہاں تنزیہ نما ہے اور حقیقت میں تشبیہ ہے برخلاف اس طریقہ علیہ (نقشبندیہ) کے بزرگواروں کے کہ مقام جذبہ سے شروع کرتے ہیں اور اس التذاذ کی مدد سے ترقی کرتے ہیں۔ یہ انجذاب و التذاذ ان بزرگواروں کے حق میں ایسا ہے جیسے دوسروں کے حق میں ریاضتیں اور مجاہدے۔ پس جو کچھ دوسروں کے لیے وصول کا مانع ہے وہ ان بزرگواروں کے مدد و معاون ہے اور عالم امر کی لامکانیت کو عین مکانیت تصور کرکے حقیقی لامکانی کی طرف توجہ کرتے ہیں اور اس عالم کی بیچونی کو عین چون جان کر بیچونِ حقیقی کی طرف ترقی کرتے ہیں۔ اسی واسطے دوسروں کی طرح وجد و حال کے غرور پر مفتون نہیں ہوتے اور بچوں کی طرح اس راہ کے جوز و مویز پر فریفتہ نہیں ہوتے اور ترہاتِ صوفیہ پر خوش نہیں ہوتے اور شطحیاتِ مشائخ پر فخر نہیں کرتے اور احدیتِ صرف کی طرف متوجہ ہیں اور اسم و صفت سے ذاتِ مقدس کے سوا کچھ نہیں چاہتے (ایضاً)

(۷)

ولایت کا درجہ اول حضرتِ آدم علیہ السلام کے قدم کے نیچے ہے۔ اس کا رب صفت التکوین ہے جو افعال کے صدر ہونے کا منشاء ہے اور درجہ دوم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیر قدم ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام بھی اس مقام میں مشارکت رکھتے ہیں۔ اس کا رب صفت العلم ہے جو صفاتِ ذاتیہ میں سے اجمع ہے اور درجہ سوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہے۔ اس کا رب مقام شیونات سے شان الکلام ہے اور درجہ چہارم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہے، اس کا رب صفاتِ سلبیہ سے ہے جو مقام تقدیس و تنزیہ ہے۔ نہ ثبوتیہ سے اور اکثر ملائکہ کرام اس مقام میں ان کے ساتھ مشارکت رکھتے ہیں اور ان کو اس مقام میں شانِ عظیم حاصل ہے اور درجہ پنجم حضور خاتم الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر قدم ہے۔ اس کا رب رب الارباب ہے جو صفات و شیونات، تقدیسات و تنزیہات کا جامع اور کمالات کے دائرہ کا مرکز ہے اور مرتبہ شیونات و صفات میں اس رب جامع کی تعبیر شان العلم کے ساتھ مناسب ہے کیونکہ یہ شانِ عظیم تمام کمالات کا جامع ہے۔ اسی مناسبت کے سبب سے

حضور اقدس کی ملت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہوئی اور ان کا قبلہ ان کا قبلہ بنا۔ جاننا چاہیے کہ اقدامِ ولایت کا ایک دوسرے سے افضل ہونا درجوں کے مقدم ومؤخر ہونے اور درجاتِ ظلال کی منزلوں کو زیادہ اور کم طے کرنے کے اعتبار سے ہے۔ پس ہوسکتا ہے کہ صاحبِ قلب اصل سے زیادہ قریب ہونے کے اعتبار سے صاحبِ اخفیٰ سے جس کو یہ قرب حاصل نہیں افضل ہو اور کیونکر نہ ہو جب نبی کی وہ ولایت جو ولایت کے درجہ اول میں ہے اس ولی کی ولایت سے قطعی طور پر افضل ہے جو آخیری درجے میں ہے۔ پوشیدہ نہ رہے کہ لطائف کا مذکورہ بالا ترتیب کے ساتھ سلوک کرنا یعنی قلب سے روح، روح سے سرّ، سرّ سے خفی، خفی سے اخفیٰ تک پہنچنا بھی محمدی المشرب کے ساتھ مخصوص ہے۔ (مکتوب ۲۶۰، دفتر ۱)

(۸)

طریقت اور حقیقت کا حاصل ہونا شریعت کی حقیقت حاصل ہونے کے لیے مقدمہ ہے۔ پس اولیائے کامل کی بدایت اور انبیاء مرسل کی بدایت حقیقت ہے اور دونوں کی نہایت شریعت تو جس نے کہا کہ اولیاء کی بدایت انبیاء کی نہایت ہے اور اولیاء کی بدریت انبیاء کی نہایت سے شریعت مراد رکھی ہے۔ اس کے کچھ معنی نہیں ہیں چونکہ وہ بے چارہ اصل حقیقت سے واقفیت نہ رکھتا تھا اس لیے اس کی سطحی کلام کہہ دی، ان معارف نے اگرچہ کسی نے نہیں کہا بلکہ اکثر نے ان کے برخلاف کہا ہے اور ادراک سے بعید معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ منصب جو انبیاء کرام کی بزرگی کی طرف نظر کرے اور شریعت کی عظمت اس پر غالب ہو۔ امید ہے کہ ان اسرار غامضہ کو قبول کرے گا اور اس قبول کو اپنے ایمان کی زیادت کا وسیلہ بنادے گا۔ (ایضاً)

(۹)

اے فرزند! سن لے کر انبیاء کرام علیہم السلام نے دعوت کو عالمِ خلق پر منحصر رکھا ہے۔ **بنی الاسلام علی خمسٍ** اسلام کی بناء پانچ ہیں اور چونکہ قلب کو عالم خلق سے بہت زیادہ مناسبت تھی اس لیے اس کی تصدیق کی بھی دعوت فرمائی اور قلب کے ماسوا کی نسبت کچھ نہ فرمایا بلکہ اس کو مطروح فی الطریق کی طرح سمجھا اور بے مطلب جانا۔ ہاں بہشت کی نعمتیں، دوزخ کے رنج، دیدار کی دولت اور حرمان کی بدبختی سب عالم خلق سے وابستہ ہے۔ عالم امر کے ساتھ ان کو کچھ تعلق نہیں ہے۔ دوسرے وہ عمل جو فرض و واجب و سنت ہیں ان کا بجالانا قالب سے تعلق رکھتا ہے جو عالم خلق سے ہے اور اعمال نافلہ عالم امر کا نصیب ہیں۔ پس وہ

قرب جو ان اعمال کے ادا کرنے کا ثمرہ ہے۔ اعمال کے اندازہ کے موافق ہوگا۔ پس ناچار وہ قرب جو فرائض کے ادا کرنے کا ثمرہ ہے عالم خلق کا نصیب اور وہ قرب جو ادائے نوافل کا ثمرہ ہے۔ عالم امر کے نصیب ہے اور شک نہیں کہ نفل فرض کے مقابلے میں کسی گنتی میں نہیں ہیں۔ کاشکے ان کے درمیان قطرے اور دریائے محیط کی نسبت ہوگی۔ بلکہ نفل کی سنت کے مقابلے میں یہی نسبت ہے۔ اگرچہ سنت وفرض کے درمیان بھی قطرہ و دریا کی نسبت ہے۔ پس دونوں قربوں کے درمیان تفاوت اس سے قیاس کرنا چاہیے اور عالم خلق کی زیادت عالم امر پر تفاوت سے سمجھ لینی چاہیے۔ اکثر لوگ چونکہ اس معنی سے بے نصیب ہیں فرائض کو خراب کرکے نوافل کی ترویج میں کوشش کرتے ہیں۔ صوفیہ خام ذکر وفکر کو ضروری سمجھ کر فرضوں اور سنتوں کے بجا لانے میں سستی کرتے ہیں اور چلہ اور ریاضتیں اختیار کرکے جمعہ و جماعت کو ترک کر دیتے ہیں اور نہیں جانتے کہ ایک فرض کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا ان کے ہزاروں چلوں سے بہتر ہے ہاں آدابِ شرعیہ کو مدنظر رکھ کر ذکر وفکر میں مشغول ہونا بہت ہی بہتر اور ضروری ہے۔ (مکتوب ۲۶۰، دفتر ۱)

(۱۰)

نوافل کا ادا کرنا ظلی قرب بخشتا ہے اور فرائض کا ادا کرنا قرب اصلی، جس میں ظلیت کی آمیزش نہیں ہے ہاں وہ نوافل جو فرائض کی تکمیل کے لیے کیے جائیں وہ بھی قربِ اصلی کے مدد و معاون ہیں اور فرائض کے ملحقات میں سے ہیں۔ فرائض اگرچہ سب کے سب اصلی قرب بخشتے ہیں لیکن ان میں افضل واکمل نماز ہے۔

(۱۱)

حدیث “**الصلوٰۃ معراج المؤمنین**” اور “**اقرب مایکون العبد من الرب فی الصلوٰۃ**” کے متعلق تو نے سنا ہوگا وہ وقت خاص جو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا جس کی تعبیر “**لی مع اللہ وقت**” سے کی ہے۔ فقیر کے نزدیک نماز ہی میں ہوا ہے۔ نماز ہی گناہوں کا کفارہ ہے اور نماز ہی فحش اور منکر سے روکتی ہے۔ وہ نماز ہی ہے جس میں حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنی راحت ڈھونڈتے تھے جیسا کہ آپ فرمایا کرتے تھے۔ ارحنی یا بلال، اے بلال مجھے آرام دے۔ اور نماز ہی دین کا ستون ہے اور نماز ہی کفر اور اسلام کے درمیان فرق ہے۔

(۱۲)

جان لے کہ مشاہدہ ولایت کا ثمرہ ہے اور رویت نبوت کا ثمرہ ہے جو انبیاء کرام کی تابعداری کے باعث عام تابعداروں کو بھی میسر ہوگی۔ اس بات سے ولایت و نبوت کے درمیان بھی فرق معلوم کرے۔

جس عارف کو عالم امر کے ساتھ زیادہ مناسبت ہوگی اس کا قدم کمالاتِ ولایت میں زیادہ تر ہوگا اور جس کو عالم خلق کے ساتھ زیادہ مناسبت ہوگی اس کا قدم کمالاتِ نبوت میں بڑھ کر ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ولایت میں قدم آگے رکھتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قدم نبوت میں زیادہ تر ہے۔

کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں عالم امر کی نسبت بلند ہے جس کے باعث وہ روحانیوں سے مل گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میں عالم خلق کی جانب غالب ہے جس کے باعث انہوں نے مشاہدے پر کفایت نہ کر کے رویت بصر طلب فرمائی۔ کمالاتِ نبوت میں انبیاء کرام کے اقدام کے متفاوت ہونے کا سبب جس کے بیان کرنے کا پہلے وعدہ کیا گیا تھا یہی ہے۔ نہ کہ بعض لطائف کی بلندی اور بعض کی پستی جو کہ کمالات ولایت کے تفاوت میں معتبر ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتری کا الہام فرمانے والا ہے۔ (ایضاً)

(۱۳)

جاننا چاہیے کہ منصبِ نبوت حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکا ہے لیکن اس منصب کے کمالات سے تابعداری کے باعث آپ کے تابعداروں کو بھی کامل حصہ حاصل ہوا ہے۔ یہ کمالات طبقہ صحابہ میں زیادہ ہیں اور تابعین اور تبع تابعین میں بھی اس دولت نے کچھ کچھ اثر کیا ہے۔ اس کے بعد یہ کمالات پوشیدہ ہو گئے ہیں اور ولایت ظلی کے کمالات جلوہ گر ہوئے ہیں لیکن امید ہے کہ ہزار سال گزرنے کے بعد یہ دولت ازسرنو تازہ ہو اور غلبہ اور شیوع پیدا کرے اور کمالاتِ اصلیہ ظاہر ہوں اور ظلیہ پوشیدہ ہو جائیں اور حضرت مہدی علیہ الرضوان ظاہر و باطن میں اسی نسبت علیہ کو رواج دیں گے۔ (ایضاً)

(۱۴)

جس طریقہ کے ساتھ حق تعالیٰ نے اس حقیر کو ممتاز کیا ہے اس کی بنیاد نسبتِ نقشبندیہ ہے جس کی ابتداء میں دوسروں کی انتہا مندرج ہے۔ اسی بنیاد پر بہت سی عمارتیں اور کئی قسم کے محل بنائے گئے ہیں۔ اگر بنیاد نہ ہوتی تو معاملہ یہاں تک نہ پہنچتا۔ یعنی بخارا و سمرقند سے اس بیج کو لا کر زمینِ ہند میں جس کا خمیر یثرب و بطحا

کی خاک سے ہے بویا اور فضل کے پانی سے کئی سالوں تک اس کو سیراب کیا اور احسان کی تربیت سے اس کی تربیت کی۔ جب کھیتی کمال تک پہنچ گئی تو ان علوم و معارف کا ثمرہ اس سے حاصل ہوا۔ **الحمدللہ الذی ھدٰنا لھذا۔ (ایضاً)**

جہادِ اکبر کا مفہوم:

صوفیہ کرام کے کلام میں ایک حدیثِ مبارک کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ **رجعنا من الجھاد الاصغر الی الجھاد الاکبر**۔ ہم نے جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف رجوع کیا۔ صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اپنے نفس کے ساتھ جہاد ہے جو ہر وقت احکامِ شرعیہ کے خلاف انسان کو اکساتا رہتا ہے۔ لیکن حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے اجتہادی علم و عرفان سے ثابت کیا ہے کہ نفسِ مطمئنہ شرحِ صدر حاصل ہونے کے بعد جو ولایتِ کبریٰ کے لوازم سے ہے۔ اپنے مقام سے عروج فرما کر تختِ صدر پر چڑھ جاتا ہے اور وہاں تمکین و سلطنت حاصل کر لیتا ہے اور ممالکِ قرب پر غلبہ پا لیتا ہے۔ یہ تختِ صدر حقیقت میں ولایتِ کبریٰ عروج کے تمام مقامات سے برتر ہے۔ اس تخت پر چڑھنے والے کی نظر ابطن بطون کی طرف نفوذ کرتی ہے اور غیب الغیب میں سرایت کر جاتی ہے۔ ہاں جو شخص بہت اونچے مقام پر چڑھ جائے اس کی نظر بھی بہت دور تک نفوذ کر جاتی ہے۔ اس مطمئنہ کو تمکین کے بعد عقل بھی اپنے مقام سے نکل کر اس سے مل جاتی ہے اور عقلِ معاد کا نام پاتی ہے اور دونوں اتفاق بلکہ اتحاد سے اپنے کام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس مطمئنہ کے لیے اب مخالفت کی گنجائش اور سرکشی کی مجال نہیں رہی اور وہ پورے طور پر مقصود کے حاصل کرنے کے درپے ہے۔ رضائے حق کے سوا اس کا کوئی ارادہ نہیں۔ اس کی عبادت و اطاعت کے سوا اس کا کچھ مطلب نہیں۔ سبحان اللہ وہ امارہ جو اول بدترینِ خلائق تھا۔ اطمینان اور حضرت سبحان کی رضا حاصل ہونے کے بعد عالمِ امر کے لطائف کا رئیس ہو گیا اور اپنے ہمسروں کا سردار بن گیا۔ مخبرِ صادق نے کیا سچ فرمایا ہے۔ **خیارکم فی الجاھلیۃ خیارکم فی الاسلام اذا فقھوا**، جو لوگ جاہلیت میں تم سے اچھے تھے وہ اسلام میں بھی تم سے اچھے ہیں جب انہوں نے دین سمجھ لیا اس کے بعد اگر خلاف اور سرکشی کی صورت ہے تو اس کا منشاء اربع عناصر کی مختلف طبائع ہیں۔ جو قالب کے اجزاء ہیں یعنی اگر قوتِ غضبیہ ہے تو وہیں سے پیدا ہے۔ اگر شہویہ ہے تو وہیں سے ظاہر ہے۔ اگر خست و کمینہ پن ہے

تو بھی وہیں سے ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ تمام حیوانات جن میں نفس امارہ نہیں ہے ان کو یہ اوصافِ رذیلہ پورے اور کامل طور پر حاصل ہیں۔ پس ہوسکتا ہے کہ مراد اس جہادِ اکبر سے جہاد بالقلب ہو نہ کہ جہاد بالنفس، جیسے کہ کہا گیا ہے کیونکہ نفس اطمینان تک پہنچ چکا ہے اور راضی و مرضی ہوگیا ہے۔ پس خلاف و سرکشی کی صورت اس سے متصور نہ ہوگی۔ اجزائے قالب سے خلاف و سرکشی صورت سے مراد ترک اولیٰ امور مرفعہ کے ارتکاب اور ترک عزیمت کا ارادہ ہے نہ کہ اشیائے محرمہ کے ارتکاب اور ترک فرائض و واجبات کا ارادہ کہ یہ اس کے حق میں نصیب اعدا ہو چکا ہے۔ (مکتوب ۲۶۰، دفتر ۱) پھر آپ نے ثابت کیا ہے کہ عناصرِ اربعہ کے کمالات نفسِ مطمئنہ کے کمالات سے برتر ہیں کیونکہ نفسِ مطمئنہ مقام ولایت سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ عالم امر سے ملحق ہونے کی وجہ سے صاحب سکر کہے اور مقام استغراق میں ہے۔ اسی وجہ سے آمین مخالفت کی کوئی مجال نہیں رہی۔ جبکہ عناصر اربعہ کی مناسبت مقام نبوت کے ساتھ زیادہ ہے اس لیے ان میں صحو غالب ہے۔ اسی وجہ سے بعض منافعوں اور فائدوں کے لیے جوان سے متعلق ہیں۔ مخالفت کی صورت ان میں باقی ہے۔ لہٰذا اس مخالفت کو روکنے اور ان منافعوں اور فائدوں کو حاصل کرنے کے لیے قالب کے خلاف جہاد کرنا سب سے بڑا جہاد قرار دیا گیا ہے۔ صحابہ کرام کمالاتِ نبوت کے وارث تھے اس لیے انہوں نے ہمیشہ عزیمت پر عمل کیا اور اپنے اوپر ہوا کی سرکشی، پانی کی سردمزاجی، آگ کی غضب افروزی اور مٹی کی کاہلی غالب نہ ہونے دی۔ جہاں تک ان کے نفس کا تعلق تھا تو دیدارِ مصطفیٰ اور اتباعِ رسولِ خدا کی برکت سے وہ تو ایک نظر اور ایک قدم کے فاصلے میں ہی مقام اطمینان پر فائز ہو گیا تھا۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ گواہ ہے۔ پہلی نظر دیکھا تو پکار اٹھے یہ چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہوسکتا۔ یہ اطمینان تھا جو آپ کی پہلی نظر کا ثمرہ تھا۔ اب نفس مطمئنہ کے خلاف جہاد کی کیا ضرورت تھی۔ حضرتِ مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا اجتہادی مؤقف دلائل کے زیادہ قریب معلوم ہوتا ہے کہ پھر انہوں نے عناصر اربعہ کے اثرات کے خلاف کمر ہمت باندھ لی اور ساری زندگی اس جہادِ اکبر میں مشغول رہے۔ ان کے بعد بھی جو لوگ کمالِ اتباع کے باعث ان اثرات کے خلاف جہاد کرتے رہے وہ صحو کو ترجیح دیتے ہیں۔ عزیمت پر عمل کرتے ہیں۔ ترک اولیٰ کا پوری طرح خیال رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک عمل مستحب نہیں اپنی جان سے زیادہ پیارا ہے اور پھر وہ کمالاتِ نبوت سے فیضانِ کامل حاصل کر کے امانت، خلافت، قیومیت اور ارشاد کی قطبیت جیسے اعلیٰ منصبوں پر فائز ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے۔

تخلیقِ آدم اور فلسفۂ روح

روح ایک ایسی عجیب و لطیف مخلوق ہے جس کے متعلق فرمایا گیا۔ **وما اوتیتم من العلم الا قلیلا** اس فرمان کے مطابق بہت ہی تھوڑے افراد کو اس کا صحیح علم عطا کیا گیا ہے اور انہی افراد کو **راسخین فی العلم** کہا جاتا ہے۔ روح عالم امر سے متعلق ہے۔ قاضی ابوبکر فرماتے ہیں کہ روح سانس اور حیات کے درمیان ایک امر متردد ہے۔ امام اشعری فرماتے ہیں۔ روح وہ سانس ہے جو آ اور جا رہی ہے (عمدۃ القاری ۲۰۱، ۲ مطبوعہ مصر) حضرت امام نووی فرماتے ہیں۔ ہمارے اصحاب کے نزدیک روح ایک جسم لطیف ہے جو بدن میں سرایت کیے ہوئے ہے اور اس کے الگ ہونے سے انسان مرجاتا ہے۔ (شرح مسلم ۱۳۶/۲، مطبوعہ کراچی) امام غزالی فرماتے ہیں کہ روح نفسِ مجرد ہے یعنی جسم اور جسمانیت سے نہیں ہے اور وہ جوہر ہے جو بنفسہٖ قائم ہے۔ غیر متحیز ہے جسم میں داخل ہے نہ خارج ہے۔ متصل ہے نہ منفصل ہے۔ (عمدۃ القاری ۲/۲۰۱) فلاسفہ نے روح کو قدیم کہا ہے جو از حد غلو کی علامت ہے۔ حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ کا موقف ہے کہ روح واحد ہے اور وہ روح محمدی ہے۔ روح کی اقسام سے مراد روح کے تعینات ہیں، جیسے درخت کا بیج ایک ہوتا ہے اور درخت کا پھیلاؤ اسی ایک بیج کے تعینات میں سے ہے لہٰذا شاخ، تنا، پتہ، پھول، پھل اور کانٹے سب اس بیج کے تعینات ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اور دیگر متکلمین کے مطابق روح واحد نہیں بلکہ لاتعداد ارواح ہیں جیسا کہ حدیثِ نبوی ہے۔ **ان الارواح جنود مجندہ** یعنی روحیں لشکروں کی صورت میں ہیں۔ اس فرمانِ رسول سے ارواح کے متعدد ہونے کی دلیل حاصل ہوتی ہے اور یہ دلیل شرعی ہے نہ کہ کشفی لہٰذا اس کا یقینی ہونا روزِ روشن سے بھی زیادہ تابناک ہے۔ البتہ روح محمدی کو روحِ اعظم کہا جاتا ہے۔ حضرتِ مجدد الف ثانی روح کے متعلق ارقام فرماتے ہیں:

> "روح بھی چونکہ عالم بیچونی سے ہے اس واسطے اس کے لیے بھی لامکان ہونا متحقق ہے لیکن اس کی بیچونی بمقابلہ وجوبِ ذاتِ حق عین چون ہے اور اس کا لامکان ہونا حقیقی لامکان کی لامکانیت کے سامنے عین مکانیت ہے گویا عالم ارواح اس عالم اور مرتبہ بیچونی کے مابین برزخ ہے۔ چونکہ روح میں دونوں رنگ پائے جاتے ہیں اس لیے عالم بیچون اسے بے چون جانتے ہیں لیکن اصلی بیچون کے مقابلہ میں عین

> چون ہے۔ یہ برزخ ہونے کی نسبت اسے اس کی اصلی فطرت کے اعتبار سے حاصل ہے لیکن جب اس کا تعلق ایک ہیکل اور قفسِ عنصری سے ہو جاتا ہے تو عام برزخیت سے نکل کر بالہام عالم چون میں اتر آتا ہے اس واسطے بیچونی کا رنگ اس سے جاتا رہتا ہے۔ اس کی مثال ہاروت و ماروت کی سی ہے۔" (مبدء و معاد منہا ۱۳، مطبوعہ لاہور)

جب وجودِ آدم کو تخلیق فرمایا گیا تو اس میں روح پھونکی گئی۔ اب یہ جاننا ضروری ہے کہ جس طرح جسم کو روح سے بے شمار فوائد حاصل ہوئے ہیں اسی طرح روح کو بھی جسم سے بڑے فوائد پہنچے ہیں۔ چنانچہ جسم ہی کی برکت سے اسے سننے، دیکھنے، بات کرنے، مجسم ہونے، مختلف افعال سرانجام دینے اور عالم اجساد سے مناسب ہونے کی طاقت نصیب ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ثواب اور عذاب روح اور جسم دونوں کے لیے متحقق ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے رسالہ مبدء و معاد میں فلسفہ روح کے بارے میں کھل کر لکھا ہے اور فرمایا ہے "روح کے بارے میں مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے سے کشف صریح اور علم صحیح حاصل ہوا ہے اور ساتھ ہی مجھ سے وہ شبہہ دور کر دیا گیا ہے جو بیان کرنے سے روکتا ہے۔ مشہور حدیث پاک میں ہے **ان اللہ خلق آدم علی صورتہ**، بے شک اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر تخلیق فرمایا۔ تخلیقِ آدم اور فلسفہ روح کے متعلق آپ نے کمال درجے کا اجتہادی فکر پیش کیا جس سے اس حدیث پاک کی تشریح بھی ہو گئی اور روح کی کیفیت بھی نکھر کر سامنے آ گئی۔ آپ ارقام فرماتے ہیں:

> "**ان اللہ خلق ادم علیٰ صورتہ**، اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بیچون و بچگون ہے۔ آدم علیہ السلام کی روح کو جو اس کا خلاصہ ہے "بیچونی اور بچگونی کی صورت پر پیدا کیا۔ پس جس طرح حق سبحانہٗ لامکانی ہے، روح بھی لامکانی ہے اور روح کو بدن کے ساتھ وہی نسبت ہے جو حق تعالیٰ کو عالم کے ساتھ ہے۔ نہ داخل ہے نہ خارج ہے نہ متصل ہے نہ منفصل ہے اور قیومیت سے زیادہ اور کوئی نسبت مفہوم نہیں ہوتی اور بدن کے ذرات میں سے ہر ذرہ کا

قیوم روح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ عالم کا قیوم ہے۔ بدن کے لیے حق تعالیٰ کی قیومیت روح کی قیومیت کے سبب سے ہے جو فیض وارد ہوتا ہے اس فیض کے وارد ہونے کا محل پہلے روح ہے اور پھر روح کے ذریعے وہ فیض بدن کو پہنچتا ہے اور چونکہ روح بیچونی اور بچگونی کی صورت میں پیدا کیا گیا ہے اس لیے حقیقی بیچون وبچگون کی اس میں گنجائش ہوگئی۔

لایسعنی ارضی ولاسمائی ولکن یسعنی قلب عبد مومن، میں اپنی زمین و آسمان میں نہیں سما سکتا لیکن مومن آدمی کے دل میں سما سکتا ہوں کیونکہ زمین و آسمان باوجود وسعت و فراخی کے چونکہ دائرہ امکان میں داخل ہیں اور چونی اور چگونی کے نشان سے داغدار ہیں۔ اس لیے لامکانی کی جو چندی اور چونی سے مقدس و پاک ہے گنجائش نہیں رکھتے۔ کیونکہ لامکانی مکان میں گنجائش نہیں رکھتا اور بیچون چون میں آرام نہیں لیتا پس ناچار مومن آدمی کے دل میں جو لامکانی ہے اور چندی اور چونی سے مبرا ہے گنجائش ثابت ہوگئی۔ مومن آدمی کے دل کی تخصیص اس لیے ہے کہ غیر مومن آدمی کا دل لامکانی کی بلندی سے نیچے اترا ہوا ہوتا ہے اور چندی و چونی میں گرفتار ہو کر اسی کا حکم حاصل کیے ہوتا ہے۔ پس نزول اور گرفتاری کے باعث چونکہ دائرہ امکان میں داخل ہو گیا ہے اور چونی کا حکم حاصل کر لیا ہے اس لیے اس نے قابلیت کو ضائع کر دیا ہے۔ **اولٰئک کالانعام بل ھم اضل،** یہ لوگ چارپاؤں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں اور مشائخ میں سے جس نے اپنے دل کی وسعت کی نسبت خبر دی ہے اس کی مراد قلب کی لامکانیت ہے کیونکہ مکان خواہ کتنا ہی وسیع ہو پھر بھی تنگ ہی ہے۔ عرش اپنی فراخی و عظمت کے باوجود چونکہ مکانی ہے اس لیے لامکانی کے مقابلے میں جو روح ہے دانہ رائی کا حکم رکھتا ہے بلکہ اس

سے بھی کم معلوم ہوتا ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ جب یہ قلب انوارِ قدس کی تجلی کا محل ہے اور قدیم کے ساتھ بقا حاصل کر چکا ہے تو عرش و مافیہا کو اگر اس میں ڈال دیں تو محو و متلاشی ہو جائیں اور ان میں سے کچھ باقی نہ رہے جیسے کہ سید الطائفہ (حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ) نے اس مقام کے بارے میں فرمایا ہے۔ **ان المحدث اذا قورن بالقدیم لم یبق لہٗ اثر** کہ جب حادث قدیم کے ساتھ مل جائے تو اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔ یہ ایسا یکتا لباس ہے جو خاص روح کے قد پر سیا ہوا ہے۔ ملائکہ کو بھی یہ خصوصیت حاصل نہیں ہے کیونکہ وہ بھی دائرہ امکان میں داخل ہیں اور چون کے داغ سے موسوم ہیں۔ اسی واسطے انسان خلیفۂ رحمٰن بن گیا۔ ہاں شے کی صورت اس شے کا خلیفہ ہوتی ہے اور جب تک شے کی صورت پر مخلوق نہ ہو شے کی خلافت کے لائق نہیں ہوتا۔ اپنے اصلی امانت کے بوجھ کو نہیں اٹھا سکتا۔ بادشاہ کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں۔۔۔۔ اگر کسی عبارت میں ایسا لفظ واقع ہو جائے جس سے حق تعالیٰ کی شان میں ظرف یا مظروف ہونے کا وہم گزرتا ہو تو اس کو میدانِ عبارت کی تنگی پر محمول کرنا چاہیے اور کلام کی مراد کو اہلِ سنت و جماعت کی آراء کے موافق سمجھنا چاہیے”

(مکتوب ۲۸۷، دفتر ۱)

قلب صنوبری موردِ الہام ہے:

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی یہ عادتِ مبارکہ ہے کہ آپ صوفیہ کرام کے مکشوفات کو قرآن وحدیث کی روشنی میں پرکھتے ہیں۔ اگر قرآن وحدیث سے ان کی تائید مل جائے تو قبول کرتے ہیں ورنہ انہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ آپ کی عظمتِ شان ہے کہ آپ کے مکشوفات کی تائید قرآن وحدیث سے مل جاتی ہے۔ یہاں قلبِ صنوبری یعنی انسانی جسم کے اندر گوشت کے لوتھڑے کے بارے میں اختلاف پیدا ہوا ہے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ کے نزدیک جب نفس مطمئنہ کو مقامِ قلب تک رسائی

نصیب ہو جائے تو الہامات وتکوینات اس پر وارد ہوتی ہیں۔ گویا وہ نفس مطمئنہ کو الہامات کا مورد قرار دیتے ہیں جبکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ الہامات کا مورد قلب صنوبری یعنی وہی گوشت کا لوتھڑا ہے جسے مضغہ کہا جاتا ہے۔ آپ ارقام فرماتے ہیں:

> "جب بدن عنصری اپنی جائے قرار میں آ جاتا ہے تو لطائف ستہ کی جدائی اور ان کے عالم امر میں چلے جانے کے بعد اس جہان میں ان کا خلیفہ بلاشک وشبہ یہی بدن رہ جاتا ہے اور یہی ان سب کے کام کرتا ہے۔ بعد ازاں اگر الہام ہوتا ہے تو گوشت کے اسی ٹکڑے کو جو حقیقت جامعہ قلبیہ کا خلیفہ ہے اور اس حدیث نبوی "**من اخلص لله اربعین صباحاً ظهرت منابیع الحکمة من قلبه علیٰ السانه**" یعنی جو شخص چالیس دن اللہ تعالیٰ کی عبادت اخلاص سے کرتا ہے۔ حکمت کے چشمے اس کے دل سے اس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔ میں قلب سے مراد واللہ اعلم یہی گوشت کا ٹکڑا ہے اور دوسری حدیثوں میں بھی یہی مراد مقرر ہے.... جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دل کے واسطے اطمینان کی درخواست کی تو اس وقت آپ کی مراد اسی گوشت کے ٹکڑے سے تھی نہ کہ کسی اور چیز سے کیونکہ آپ کا حقیقی دل تو بلاشک وشبہ مطمئن تھا بلکہ آپ کا نفس بھی آپ کے حقیقی دل کی سیاست کی وجہ سے مطمئن تھا۔ (مبدء ومعاد منہا ۱۳)

یہاں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے اجتہادی فکر وعرفان کے لیے اور بھی احادیث نبویہ کو پیش کیا ہے، مثلاً

☆......**ان فی جسد بنی ادم لمضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله، الا وهی القلب**، بے شک بنی آدم کے جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جب وہ سنور جاتا ہے تو سارا جسم سنور جاتا ہے۔ جب وہ خراب ہوتا ہے تو سارا جسم خراب ہوتا ہے۔ خبردار وہ دل ہے (مبدء ومعاد منہا ۱۳)

☆......**قلب المومن بین اصبعین من اصابع الرحمن**، مومن کا دل رحمان کی دو انگلیوں کے درمیان ہے (جو اس کی شان کے لائق ہے) (ایضاً)

☆......**قلب المومن کریشة فی ارض فلاة**، مومن کا دل بیابان کے گھاس کی طرح ہے (ایضاً)

☆......**اللّٰھم ثبت قلبی علیٰ طاعتک** اے اللہ! میرے دل کو اپنی اطاعت پر ثابت رکھنا۔ (ایضاً)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ عقلِ معاد پر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے جو نفسِ مطمئنہ کی ہمسائیگیت کے شوق کا باعث ہوتا ہے یہاں تک کہ نفس مطمئنہ کو اس کے مقام تک پہنچاتا ہے اور جسم کو خالی چھوڑتا ہے۔ اس وقت تعلقِ تذکر و تعقل بھی قلبی ٹکڑے میں قرار پکڑ لیتا ہے۔ "**ان فی ذلک لذکری لمن کان له قلب** و ح" یعنی صاحبِ قلب و ح کے لیے اس میں ذکر ہے۔ وہی قلب خود آپ ہی اپنا ترجمان ہو جاتا ہے۔ اس وقت عارف کو قالب سے پالا پڑتا ہے۔ ناری جزو جس کے وجود سے "**انا خیر منه**" میں اس سے اچھا ہوں کی آواز نکلتی تھی۔ فرمانبردار ہونے لگتا ہے اور ہوتے ہوتے اسلامِ حقیقی کے شرف سے مشرف ہو جاتا ہے۔ تب ابلیسی جامہ اس سے اتار کر نفس مطمئنہ کے اصلی مقام میں پہنچاتے ہیں اور اس کا نائب مناب بنا دیتے ہیں پس قالب میں قلب حقیقی کا خلیفہ یہی گوشت کا ٹکڑا ہے اور نفس مطمئنہ کا نائب مناسب جزو ناری ہے۔

زر شد مس وجودِ من از کیمیائے عش

چھ آئینوں کی اجتہادی توجیہ

حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری قدس سرہٗ کا فرمان ہے کہ ہر شیخ کے آئینے کے دو رخ ہیں لیکن میرے آئینے کے چھ رخ ہیں۔ یہ فرمان بہت دقیق ہے جس کے متعلق کسی بزرگ نے کلام نہیں کیا حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ارقام فرماتے ہیں:

> "اس میں کلام نہیں کہ آج تک اس بزرگ خانوادہ کے کسی خلیفہ نے اس کلمہ قدسیہ کی شرح بیان نہیں کی بلکہ اشارتاً اور کنایتاً بھی اس بارے میں کوئی بات نہیں کی، مجھ حقیر اور قلیل البضاعۃ کی کیا حیثیت کہ اس کی شرح کی جرأت کر سکے اور اس کے کشف کے لیے زبان کھولے لیکن چونکہ حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اس معما کا بھید مجھ پر

منکشف فرمایا ہے اور کماحقہٗ اس کی حقیقت مجھ پر ظاہر فرمائی ہے اس واسطے اس پوشیدہ بھید کو بیان کی انگلیوں سے رشتہ تحریر میں پروتا ہوں اور زبانِ ترجمان سے بھی تقریر میں لاتا ہوں۔ استخارہ کے بعد اسے اور اللہ تعالیٰ سے غلطی سے بچنے کی توفیق کی دعا کر کے شروع کرتا ہوں۔

واضح رہے کہ آئینہ سے مراد عارف کا دل ہے جو روح اور نفس کے مابین برزخ ہے۔ آئینے کے دونوں رخوں سے مراد ایک رخ روح کا اور دوسرا رخ نفس کا لیا ہے۔ جس وقت مشائخ مقام قلب پر پہنچتے ہیں تو ان دونوں رخوں سے وہ علوم و معارف جو قلب کے مناسب ہوتے ہیں منکشف ہونے لگتے ہیں۔ برخلاف اس کے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کے طریقہ میں بدایت ہی میں نہایت مندرج ہے۔ اس طریقہ میں آئینے کے چھ رخ ہو جاتے ہیں۔ اس کی مفصل حقیقت یہ ہے کہ اس طریقہ علیہ کے بزرگوں پر منکشف ہو رہے ہیں کہ جو کچھ تمام افراد انسانی میں ثابت ہے وہ چھ لطیفوں سے اکیلے دل میں متحقق ہے، ان چھ طرفوں سے مراد نفس، قلب، روح، سرّ، خفی، اخفیٰ لیے ہیں۔ باقی تمام مشائخ کی سیر قلب کے ظاہر تک محدود ہے لیکن نقشبندیہ بزرگوں کی سیر قلب کے باطن تک بلکہ اس سیر کے ذریعے اس کے اندرونی سے اندرونی نقطے تک ہے اور انہیں ان چھ لطیفوں کے علوم و معارف مقام قلب میں منکشف ہوتے ہیں لیکن وہ علوم منکشف ہوتے ہیں جو مقام قلب کے مناسب ہیں۔ یہ ہے حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے کلمہ قدسیہ کا بیان۔ مجھ حقیر کو ان بزرگوں کی برکت سے اور زیادہ تحقیق و تدقیق معلوم ہوئی۔ سو میں اس تحقیق و تدقیق میں سے کچھ اشارتاً اس آیت کریمہ وامّا بنعمة ربک فحدث کے بموجب بیان کرتا ہوں۔ واضح رہے کہ قلبِ قلب میں بھی قلب کی طرح لطائف پائے جاتے ہیں لیکن قلبِ قلب

میں یا دائرہ کی تنگی یا کسی اور بھید کی وجہ سے مذکورہ بالا چھ لطیفوں میں سے دو لطیفے بطریق جزو یعنی لطیفہ نفس اور لطیفہ اخفیٰ ظاہر نہیں ہوتے اور یہی حالت اس دل کی ہے جو تیسرے مرتبے میں ہو کیونکہ اس میں خفی بھی ظاہر نہیں ہوتا اور یہی حالت اس دل کی ہے جو چوتھے مرتبے میں ہو کیونکہ اس میں صرف قلب و روح کا ظہور ہوتا ہے۔ سر کا نہیں ہوتا۔ پانچویں مرتبے میں لطیفہ روح کا بھی ظہور نہیں ہوتا۔ صرف قلب ہی قلب رہ جاتا ہے جو بسیط محض اور نا قابلِ اعتبار ہے۔ اس موقع پر بعض معارف عالیہ کا معلوم کرنا ضروری ہے تاکہ ان کے ذریعے واضح ہو جائے کہ نہایت النہایت اور غایت الغایت سے کیا مراد ہے۔ میں ان معارف کو بتوفیقِ الٰہی بیان کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ جو کچھ عالمِ کبیر میں مفصل طور پر ظاہر کیا گیا ہے وہ عالم صغیر میں مجمل طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ عالم صغیر سے میری مراد انسان ہے۔ پس جب عالم صغیر کو صیقل کر کے منور کر لیا جاتا ہے تو اس میں آئینے کی طرح عالم کبیر کی تمام چیزیں مفصل طور پر دکھائی دینے لگتی ہیں۔ علیٰ ھذا القیاس دل تیسرے، چوتھے اور پانچویں مرتبے میں بہ سبب صقالت و نورانیت سابقہ مراتب کی تمام چیزوں کو مفصلاً دکھانے لگتا ہے۔ اسی طرح جو دل پانچویں مرتبے میں بسیطِ محض اور نا قابل اعتبار ہوتا ہے جب اسے پورے طور پر صیقل کیا گیا ہے تو اس میں عالم کبیر، عالم صغیر اور صغرا اور بعد کے باقی تمام عوالم کی چیزیں مفصلاً دکھائی دینے لگتی ہیں، سو وہ تنگ لیکن سب سے فراخ اور بسیط سے بسیط، نہایت چھوٹا لیکن سب سے بڑا ہے۔ اس وصف کی کوئی اور چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کی۔ اس لطیفہ بدیعہ سے بڑھ کر کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مناسبت نہیں رکھتی۔ اس واسطے فرمایا، **لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المومن**، عالم کبیر اگرچہ

بلحاظ ظہور نہایت وسیع ہے اور اس کی کثرت وتفصیل کی وجہ سے اسے اس چیز کے ساتھ جس میں کثرت وتفصیل بالکل نہ ہو، کوئی مناسبت نہیں۔ وہ تنگ لیکن بہت وسیع ہے اور بسیط الابسط ہے۔ بہت ہی تھوڑا ہے لیکن ساتھ بہت ہی کثیر بھی ہے۔ جب وہ عارف جو بلحاظ معرفت مکمل اور از روئے شہود اکمل ہو اس مقام پر پہنچتا ہے جو عزیز الوجود اور شریف رتبہ ہے تو وہ عارف تمام جہان اور اس کے ظہورات کے لیے بمنزلہ دل ہو جاتا ہے، تب اسے ولایت محمدیہ حاصل ہوتی ہے۔۔۔۔ یہ معارف پوشیدہ اسرار اور مخفی رموز سے ہیں، بڑے اولیاؤں میں سے کسی نے بھی ان کا ذکر نہیں کیا اور بڑے بڑے اصفیاء میں سے کسی نے بھی ان کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اسرار اپنے اس بندے کو اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے عطا فرمائے اور ان کے ظاہر کرنے کا حکم دیا۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔

اگر بادشاہ بر در پیرزن
بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

اللہ تعالیٰ کی قبولیت کسی شے یا سبب پر منحصر نہیں، جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کر لیتا ہے اور وہ فضل عظیم کا مالک ہے (مبداء معاد منھا۱۲)

شاہق الجبل اور اطفال اہل شرک:

انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت حق تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ورحمت ہے جس کے ذریعے مخلوق کو خالق کا عرفان نصیب ہوتا ہے۔ یونان کے قدیم فلسفیوں نے دانا وبینا ہونے کے باوجود وجود صانع کی طرف ہدایت نہ پائی اور وجود کائنات کو دہر یعنی زمانے کی طرف منسوب کیا۔ جب انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت وبعثت کے انوار کا سورج طلوع ہوا تو متاخر فلسفیوں نے اپنے متقدمین کے مذہب کو رد کر دیا اور وہ وجود صانع کے قائل ہو گئے اور انھوں نے حق تعالیٰ کی وحدت کو ثابت کیا کائنات میں کچھ ایسے انسان بھی

رہتے تھے جن کو اپنی دورافتادگی کی وجہ سے انبیائے کرام کی دعوت نصیب نہ ہوئی۔ وہ پہاڑوں کی بلندیوں اور غاروں میں رہنے کی وجہ سے توحید ورسالت کے انوار سے منور نہ ہو سکے ایسے لوگوں کو ''شاہق الجبل'' کی اصطلاح سے یاد کیا گیا ہے۔ پھر اہل شرک کے اطفال تک بھی توحید ورسالت کا فیضان نہیں پہنچا تو اب مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ کیا شاہق الجبل اور اطفالِ اہل شرک بھی خلود فی النار کے حکم میں داخل ہیں یا نہیں۔ اس مسئلے میں امت کا بہت اختلاف ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ اہل شرک کے اطفال کا حشر اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے۔ بعض کا قول ہے کہ اطفال اپنے آباواجداد کے تابع ہوں گے یعنی مسلمانوں کے بچے جنت میں اور مشرکوں کے بچے جہنم میں ہوں گے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ وہ جنت اور دوزخ کے درمیان برزخ میں ہوں گے کیونکہ انہوں نے کوئی نیکی نہیں کی جو کہ جنت میں جائیں اور کوئی گناہ نہیں کیا جو دوزخ میں جائیں۔ بعض علماء کا قول ہے کہ وہ اہل جنت کے خادم ہوں گے۔ یہ ایک ضعیف روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ اہل شرک کے اطفال کا قیامت کے دن امتحان لیا جائے گا۔ ان کو ایک آگ دکھائی جائے گی۔ جو اس میں داخل ہوگا وہ بچ جائے گا اور جو داخل ہونے سے انکار کرے گا وہ عذاب سے دوچار ہوگا، امام بزار نے اپنی سند سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا گمان ہے کہ جو شخص ایام فترت میں فوت ہو گیا اس کو پاگل کو اور چھوٹے بچے کو بلایا جائے گا وہ تینوں اپنے عذر پیش کریں گے پھر ان کا آگ سے امتحان لیا جائے گا امام بزار نے فرمایا ہے کہ ہم اس روایت کو صرف فضیل سے پہچانتے ہیں۔ امام طبرانی نے اس روایت کو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہٗ سے روایت کیا ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ فترت میں مرنے والے (جن تک انبیاء کرام کی دعوت نہیں پہنچی) اور مجنون کا امتحان صحیح اسناد سے ثابت ہے۔ فترت میں مرنے والا شخص کہے گا کہ اے پروردگار! میرے پاس تیرا کوئی رسول نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پختہ عہد لے گا پھر اس کے پاس ایک پیغام اکبر بھیجے گا اور وہ کہے گا کہ دوزخ میں داخل ہو جاؤ، اگر وہ دوزخ میں داخل ہو جائے گا تو وہ اس کے لیے سلامتی والی بن جائے گی۔ حضرت امام بیہقی نے بھی کتاب الاعتقاد میں یہی لکھا ہے کہ فتر میں مرنے والے اور مجنون کے لیے امتحان منعقد ہوگا۔ یہ مذہب صحیح ہے، بعض علماء کا قول ہے کہ اہل شرک کے اطفال مٹی ہو جائیں گے۔ امام احمد کے اصحاب کا مذہب ہے کہ وہ دوزخ میں ہوں گے، بعض علماء کا قول ہے کہ ان کے متعلق توقف کرنا چاہیے، حضرت امام نووی فرماتے ہیں کہ مذہب صحیح اور مختار یہی ہے کہ وہ جنت میں

ہوں گے۔ (ملخصاً عمدۃ القاری ۲۱۳/ ۸، مطبوعہ مصر، فتح الباری ۲۴۶/ ۳ مطبوعہ لاہور)

اصحاب ماتریدیہ کا مؤقف ہے کہ شاہق الجبل وغیرہ کافر اور داخل جہنم ہیں، حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ کا مؤقف ہے کہ ان کے لیے قیامت کے دن ایک پیغمبر مبعوث ہوگا اور اس کی دعوت کے انکار و اقرار کے موجب ان کو دوزخ و جنت کا حکم سنایا جائے گا۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے کشفِ صریح سے اس مسئلے کا یہ حل بیان فرمایا ہے!

> ''بہت مدت کے بعد خداوند تعالیٰ کی عنایت نے راہنمائی کی اور اس معما کو حل کر دیا اور منکشف فرمایا کہ یہ لوگ نہ بہشت میں رہیں گے نہ دوزخ میں بلکہ آخرت کے بعث و احیاء کے بعد ان کو مقام حساب میں کھڑا رکھ کر گناہوں کے اندازہ کے موافق ان کو عتاب و عذاب دیں گے اور حقوق پورے کر کے غیر مکلف حیوانوں کی طرح ان کو معدوم مطلق اور لاشے محض کر دیں گے۔ پس خلود کس کے لیے اور مخلد کون ہوگا۔ اس معرفتِ غریبہ کو جب انبیائے کرام علیہم السلام کے حضور پیش کیا گیا تو سب نے اس کی تصدیق فرمائی اور اس کو مقبول فرمایا۔ **والعلم عنداللہ سبحانہٗ** فقیر پر یہ بات بہت ناگوار گزرتی ہے کہ حق تعالیٰ باوجود اپنی کمال رافت و رحمت کے بغیر اس بات کے کہ انبیاء کرام کے ذریعے ابلاغ مبین فرمائے، صرف عقل کے اعتبار پر جس میں غلطی اور خطاء کی مجال ہے اپنے بندے کو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں ڈال دے اور ہمیشہ کے عذاب میں گرفتار کرے جس طرح کی باوجود شرک کے اس کے لیے جنت میں ہمیشہ رہنے کا حکم کرنا ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کہ جنت و دوزخ کے درمیان واسطہ کے قائل نہ ہونے کے باعث امام اشعری کے مذہب سے لازم آتا ہے۔ پس حق وہی ہے جو مجھے الہام ہوا کہ قیامت کے دن محاسبہ کے بعد ان کو معدوم کیا جائے گا اور فقیر کے نزدیک دار الحرب

کے مشرکین کے اطفال کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔ کیونکہ بہشت میں داخل ہونا ایمان پر وابستہ ہے۔ خواہ ایمان اصالت کے طور پر ہو یا تبعیت کے طور پر، اگرچہ تبعیت دارالاسلام میں ہوتی ہے جیسے کہ اہل ذمہ کے لڑکوں کے لیے لیکن ان کے حق میں ایمان مطلق طور پر مفقود ہے پس بہشت میں ان کا داخل ہونا متصور نہیں ہوتا اور دوزخ میں داخل ہونا اور اس میں ہمیشہ رہنا تکلیف کے ثابت ہوتے کے بعد مشرک پر منحصر ہے اور یہ بھی ان کے حق میں مفقود ہے، پس ان کا حکم حیوانوں کا سا حکم ہے کہ بعث ونشور کے بعد حساب کے لیے کھڑا کریں گے اور ان سے حقوق پورے کر کے ان کو معدوم اور نیست ونابود کر دیں گے اور ان مشرکوں کے حق میں بھی جو پیغمبروں کی فترت کے زمانہ میں ہوئے ہیں اور جن کو کسی پیغمبر کو دعوت نصیب نہیں ہوئی۔ (مکتوب ۲۵۹، دفتر ۱)

اگر کوئی شخص یہ روایت بیان کرے جو حضرت امام احمد نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کی اولاد کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا، جنت میں ہوگی اور مشرکین کی اولاد کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا، جہنم میں ہوگی، اگر تم چاہو تو میں تمہیں جہنم میں ان کے چلانے کی آوازیں سنوادوں اور کہے کہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا اجتہاد اس روایت سے ٹکرا رہا ہے لہٰذا غیر معتبر ہے، جواباً عرض ہے کہ حضرت امام عینی علیہ الرحمۃ نے اس روایت کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ روایت بہت ہی ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں نہیہ کے مولیٰ ابو عقیل جیسا متروک راوی موجود ہے۔ (عمدۃ القاری ۸/۲۱۲ مطبوعہ مصر) باقی جن روایات میں امتحان لینے اور قیامت کے دن کسی پیغمبر کے مبعوث کرنے کا ذکر ہے وہ بھی اضطراب سے دوچار ہیں اور مضامین میں متعارض ہیں۔ حدیثِ مضطرب سے استدلال نہیں کیا جاتا جیسا کہ علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے جنگلی گدھے کے گوشت کے بارے میں تصریح فرمائی ہے (شرح مسلم ۳/۳۱۸، مطبوعہ لاہور) اہل فترت، شاہق الجبل اور دارالحرب کے مشرکین کے اطفال دوزخ میں نہیں جائیں گے۔ یہ قرآنِ پاک

کی اس آیت سے ثابت ہے۔ وما کنا معذبین حتیٰ نبعث رسولاً جب تک ہم کوئی رسول نہ بھیجیں عذاب دینے والے نہیں (سورۃ الاسراء، آیت ۱۵) پھر ان سے شرک اور کفر کی رسومات بھی ثابت ہیں تو ان کا جنت میں داخلہ بھی عجیب ہے کیونکہ نص قطعی ہے من یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیه الجنة، جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کردی۔ اگر ان کو اصحابِ اعراف میں تصور کیا جائے تو بھی مناسب نہیں کیونکہ اصحابِ اعراف بھی بالآخر جنت میں داخل ہوجائیں گے۔ اگر یہ کہا جائے کہ قیامت کے دن ان کے لیے کوئی پیغمبر مبعوث ہوگا تو یہ بھی یومِ قیامت کے مقصد کے خلاف ہے کیونکہ وہ دارالتکلیف نہیں ہے۔ اب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا اجتہاد ہی مناسب دکھائی دیتا ہے کہ ان کو بعث ونشور کے بعد حیوانوں کی طرح معدوم کردیا جائے گا۔ (واللہ اعلم ورسولہ بالصواب)

حضرت خضر علیہ السلام کی حقیقت:

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرتِ خضر علیہ السلام کی ملاقات کا ذکر قرآنِ پاک اور صحیح احادیث میں مذکور ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جلیل القدر رسول ہونے میں کوئی اختلاف نہیں جبکہ حضرت خضر علیہ السلام کا معاملہ نہایت پراسرار ہے۔ علمائے امت ان کے متعلق شدید قسم کے اختلاف کا شکار ہیں۔ پہلے ہم علمائے امت کی آراء اور پھر آخر میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی رائے پیش کرتے ہیں۔ حضرت وہب بن منبہ کی روایت میں ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کا نام "بلیا" ہے، حضرت ابوحاتم بجستانی کے مطابق ان کا نام "خضرون" ہے، ایک قول ہے کہ ان کا نام "ارمیاہ" ہے، حضرت مقاتل کے مطابق ان کا نام "الیسع" ہے۔ ان کو خضر اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ جب زمین پر بیٹھتے تو وہاں سبزہ پیدا ہوجاتا، ان کی کنیت ابوالعباس ہے، ایک قول کے مطابق ان کا شجرہ نسب بھی مذکور ہے۔ بلیا بن ملکان بن فانع بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام، حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ، ان کو "اسرائیلی" قرار دیتے ہیں جیسا کہ ان کے ایک خطبہ سے ثابت ہے۔ اے اسرائیلی آج محمدی کا کلام بھی سنتا جا، ان کی نبوت کے بارے میں بھی خاصا اختلاف ہے۔ امام قشیری کا قول ہے کہ وہ ولی ہیں، ایک جماعتِ علماء کے نزدیک وہ نبی ہیں۔ امام ثعلبی اور محدث ابنِ جوزی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کے متعلق بھی علماء کرام میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک وہ قیامت تک زندہ رہیں گے۔

علامہ ابن الصلاح فرماتے ہیں۔ جمہور علماء اور صالحین اور عام لوگوں کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں اور بعض محدثین نے ان کی حیات کا انکار کیا ہے اور یہ قول شاذ ہے۔ امام بخاری، امام ابن مناوی اور امام ابن جوزی نے ان کی حیات کا انکار کیا ہے (عمدۃ القاری ۶۰/۲، مطبوعہ مصر) علامہ ابن تیمیہ نے بھی حیات خضر کا انکار کیا ہے۔ حضرت امام نووی نے بھی لکھا ہے کہ جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ وہ زندہ ہیں اور ہمارے ہاں موجود ہیں۔ یہ امر صوفیہ کرام کے درمیان متفق علیہ ہے۔ صوفیہ کرام سے ان کو دیکھنے، ملاقات کرنے اور ان سے علم حاصل کرنے کی متعدد حکایات مشہور ہیں۔ مقدس مقامات میں ان کے موجود ہونے کے بے شمار واقعات منقول ہیں۔ (شرح مسلم ۲۶۹/۲ مطبوعہ کراچی) حضرت امام ابی مالکی نے بھی لکھا ہے کہ لمبی عمر ممکن ہے اور حضرت خضر کی حیات کے متعلق بہت سی حکایات موجود ہیں، (اکمال المعلم ۱۷۲/۶، مطبوعہ بیروت) حضرت امام محمود آلوسی نے حیات خضر کے دلائل اور وفاتِ خضر کے دلائل جمع کر کے اپنا فیصلہ صادر کیا ہے کہ نبی اکرم کی احادیثِ صحیحہ اور دلائل عقلیہ سے ان علماء کے نظریئے کی تائید ہوتی ہے جو حضرت خضر علیہ السلام کی وفات کے قائل ہیں اور ان احادیث کے ظاہر سے عدول کرنے کا کوئی مقتضی نہیں ہے ماسواء ان حکایات کے جو بعض صالحین سے منقول ہیں اور ان کی صحت کے بارے میں اللہ ہی بہتر جانتا ہے (روح المعانی ۳۲۸/۱۵، مطبوعہ بیروت) حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اس مسئلے پر منفرد طریقے سے روشنی ڈالی ہے اور اپنے کشفِ صریح سے حضرت خضر علیہ السلام کی حقیقت اور حیات سے پردہ اٹھایا ہے۔ آپ ارقام فرماتے ہیں!

> ''یار مدت سے حضرت خضر علیہ السلام کے احوال کی نسبت دریافت کیا کرتے تھے چونکہ فقیر کو ان کے حال پر پوری پوری اطلاع نہ دی گئی تھی، اس لیے جواب میں توقف کیا کرتا تھا۔ آج صبح کے حلقہ میں دیکھا کہ حضرت الیاس و خضر علیہما السلام روحانیوں کی صورت میں حاضر ہوئے اور روحانی ملاقات سے حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم عالمِ ارواح میں سے ہیں، حق سبحانہٗ نے ہماری ارواح کو ایسی قدرت کاملہ عطا فرمائی ہے کہ اجسام کی صورت میں متمثل ہو کر وہ کام جو جسموں سے وقوع میں آئیں یعنی جسمانی حرکات و سکنات اور جسدی اطاعات

> وعبادات ہماری ارواح سے صادر ہوتی ہیں۔ اسی اثناء میں پوچھا کہ آپ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب فقہی کے موافق نماز ادا کرتے ہیں۔ فرمایا کہ ہم شرائع کے مکلف نہیں ہیں لیکن چونکہ قطب مدار کے کام ہمارے سپرد ہیں اور قطب مدار امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر ہے اس لیے ہم بھی اس کے پیچھے امام شافعی رحمۃ اللہ کے مذہب کے موافق نماز ادا کرتے ہیں۔ اس وقت یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کی اطاعت پر کوئی جزا مترتب نہیں ہے۔ صرف اطاعت کے ادا کرنے میں اہل اطاعت کے ساتھ موافقت کرتے ہیں اور عبادت کی صورت کو مدنظر رکھتے ہیں۔ (مکتوب ۲۷، دفتر ۱)

یاد رہے کہ احادیثِ صحیحہ میں کہیں بھی حضرت خضر علیہ السلام کا شجرہ نسب موجود نہیں ان کے حسب ونسب کے متعلق کوئی اشارہ مذکور نہیں، علماء اور صوفیہ کے متعارض اقوال اور حیات پر دلالت کرنے والے آثار حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے کشفِ صریح کی روشنی میں اپنے حقیقی مفہوم کے ساتھ نکھر جاتے ہیں، نیز جن لوگوں نے ان کی وفات پر اپنے عقلی نتائج کا سہارا لیا ہے ان کا شافی جواب بھی حاصل ہوجاتا ہے۔ عصر حاضر کے مفسر اور اسکالر حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے اس موقف کے متعلق ارقام فرماتے ہیں:

> ”اللہ تعالیٰ عارف باللہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کو اپنے انوار کا مہبط بنائے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں ایک ایسی بات رقم کی ہے جس سے دلائل کا تضاد بھی رفع ہوجاتا ہے اور انسان کے دل میں اطمینان بھی پیدا ہوجاتا ہے۔ میرے خیال میں یہاں فریقین کے دلائل نقل کرنا تطویل کا باعث ہوگا صرف تفسیر مظہری کی وہ عبارت لکھ دینا کافی ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان کی تحقیق سے جس طرح میری تشویش دور ہوئی، اس کے مطالعہ سے آپ کی پریشانی بھی ختم ہوجائے گی۔ فریقین کے دلائل نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس اشکال کا حل حضرت مجدد الف ثانی کے کلام

کے بغیر ناممکن ہے۔ حضرت مجدد سے حضرت خضر کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ زندہ ہیں یا وفات پا گئے ہیں تو وہ بارگاہِ الٰہی میں حقیقتِ حال کے انکشاف کے لیے متوجہ ہوئے حضرت مجدد الف ثانی نے دیکھا کہ حضرت خضر ان کے پاس کھڑے ہیں آپ نے ان سے ان کی حقیقتِ حال دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ میں اور الیاس زندوں میں سے نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو ایسی قوت بخشی ہے۔ جس سے ہم مجسم ہو جاتے ہیں اور زندوں کے کام کرتے ہیں..... (ضیاء القرآن، جلد ۳ ص ۳۸، مطبوعہ لاہور)

اقوال اولیاء کی توجیہات:

افسوس صد افسوس بعض صوفیہ کرام نے اپنے مخصوص احوال کی وجہ سے ایسے اقوال بیان کیے ہیں جن کی تشریح اور توجیح کی اشد ضرورت تھی اور ان کو ظاہر شریعت کے مطابق پھیرنا بہت لازمی تھا تا کہ عوام الناس کسی قسم کی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے وقت کی اس اہم ضرورت کو پورا فرما کر سالکین تصوف پر بہت بڑا احسان فرمایا ہے۔ آپ سے جب بھی صوفیہ کرام کے اقوال اور احوال کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے ان کی صحیح توجیح بیان کر دی یا قرآن وسنت کی روشنی میں ان کا اصل حکم ظاہر فرما دیا۔ صدیوں سے تشریح طلب اقوال کا صحیح رخ پیش کرنا بھی آپ کے اجتہادی فکر و عرفان کا عظیم الشان کارنامہ ہے، ذیل میں اس کارنامہ کا تفصیلی جائزہ حاضرِ خدمت ہے۔

(۱)

ایک دفعہ میں چند درویشوں سمیت بیٹھا تھا، میں نے اس محبت کے غلبہ کی وجہ سے جو مجھے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کہا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مجھ پر اس طرح غالب ہے کہ میں حق تعالیٰ کو صرف اس واسطے پیار کرتا ہوں کہ وہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب ہے۔ حاضرین یہ سن کر حیران رہ گئے لیکن مخالفت نہ کر سکتے تھے۔ یہ باپ حضرت رابعہ بصری علیہا الرحمۃ کی بات کا بالکل نقیض ہے وہ فرماتی ہیں۔ میں نے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خواب میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت مجھ پر اس درجہ غالب ہے کہ آپ کی محبت کی گنجائش نہیں رہی، یہ دونوں باتیں سکر سے ہیں لیکن

میری بات اصلیت رکھتی ہے۔ رابعہ بصری علیہا الرحمۃ نے محض مستی کی حالت میں کہی ہے اور میں نے ہوش کے آغاز میں، ان کی بات صفات کے مرتبے کے متعلق ہے اور میری بات مرتبہ ذات سے رجوع کرنے کے بعد کی، اس واسطے کہ مرتبہ ذات میں اس قسم کی محبت کی گنجائش نہیں۔ تمام نسبتیں اس مرتبہ سے نیچے ہی رہ جاتی ہیں۔ وہاں پر سر بسر یا حیرت ہے یا جہل بلکہ اس مرتبہ میں بڑے ذوق سے محبت کی نفی کرتا ہے اور کسی طرح سے بھی اپنے آپ کو اس کی محبت کے لائق نہیں جانتا، محبت اور معرفت صرف صفات میں ہوتی ہے جسے محبتِ ذاتی کہتے ہیں، اس سے مراد ذاتِ احدیث نہیں بلکہ ذات مع اعتباراتِ ذات ہے، پس حضرت رابعہ علیہا الرحمۃ کی محبت مرتبہ صفات میں ہے۔ **واللہ اعلم بالصواب** (مبدء و معاد منہا ۳۷)

(۲)

حضرت رابعہ بصری علیہا الرحمۃ کا مشہور واقعہ ہے کہ ان کے ایک ہاتھ میں آگ تھی اور ایک ہاتھ میں پانی، فرمایا میں آگ سے جنت کو جلانے اور پانی سے دوزخ کو بجھانے جا رہی ہوں تا کہ لوگ صرف خداوند تعالیٰ کی رضا کے لیے عبادت کریں نہ کہ جنت کے شوق اور دوزخ کے خوف سے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ''ہاں احوال کے درمیان مقامِ فنا میں دنیا و آخرت کا نسیان میسر ہو جاتا ہے اور آخرت کی گرفتاری کو دنیا کی گرفتاری کی طرح سمجھتے ہیں۔ لیکن جب بقا سے مشرف ہو جائیں اور کام انجام تک پہنچائیں اور کمالاتِ نبوت اپنا پرتو ڈالیں تو پھر دردِ آخرت اور دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگنا لاحق حال ہوتا ہے۔ بہشت اور اس کے درختوں اور نہروں اور حور و غلمان کی دنیا کی اشیاء کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں ہے بلکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے نقیض ہیں جیسے کہ غضب و رضا ایک دوسرے کے نقیض ہیں۔ اشجار و انہار وغیرہ جو بہشت میں ہیں سب اعمالِ صالحہ کے نتائج و ثمرات ہیں۔ حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہشت میں کوئی درخت نہیں ہے۔ اس میں خود درخت لگاؤ۔ یاروں نے عرض کیا کہ ہم کس طرح درخت لگائیں۔ فرمایا کہ تسبیح اور تحمید و تہلیل کے ساتھ۔ یعنی سبحان اللہ کہو تا کہ بہشت میں ایک درخت تمہارے لیے لگ جائے۔ پس بہشت کا درخت تسبیح کا نتیجہ ہے اور جس طرح اس کلمہ میں حروف اصوات کے لباس میں کمال تنزیہ ہے علیٰ ھذا القیاس جو کچھ بہشت میں ہے عمل صالح کا نتیجہ ہے اور جو کمالات و خوبی کہ نہایت تقید میں ہے اور قول و عمل صالح کے لباس میں مندرج ہے بہشت میں وہی کمالات لذتوں اور نعمتوں کے پردہ میں ظہور کریں گے۔ پس وہ لذت و نعمت ضرور حق تعالیٰ کی پسندیدہ،

مقبول اور بقا و وصول کے لیے وسیلہ ہوگی۔ حضرت رابعہ علیہا الرحمۃ (غلبہ حال کی وجہ سے) بیچاری اگر اس راز سے آگاہ ہوتی تو ہرگز بہشت کے جلانے کا فکر نہ کرتی اور اس کی گرفتاری کو حق تعالیٰ کی گرفتاری کے ماسوا نہ جانتی برخلاف دنیاوی لذتوں اور نعمتوں کے جن کا منشاء خبث و شرارت ہے اور ان کا انجام آخرت میں مایوسی اور ناامیدی ہے۔ اعاذنا اللہ منہ، یہ لذت و نعمت اگر مصباح شرعی ہے تو محاسبہ درپیش ہے اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت نے دستگیری نہ کی۔ افسوس صد افسوس اور اگر مباح شرعی نہیں تو وعید کا مستحق ہے۔ یا اللہ ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ہم پر مہربانی اور بخشش نہ فرمائے تو ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گے۔ پس یہ لذت اس لذت کے ساتھ کیا نسبت رکھتی ہے۔ یہ لذت (دنیا) زہر قاتل ہے اور لذت (آخرت) تریاقِ نافع، پس آخرت کا درد یا عام مومنوں کو نصیب ہے یا اخص الخواص کے نصیب، خواص اس درد سے پرہیز کرتے ہیں اور کرامت و بزرگی کے خلاف سمجھتے ہیں۔

آن ایشا نند و من چنینم یا رب
یہ ایسے ہیں، میں ایسا ہوں خدایا

(مکتوب ۳۰۲، دفتر ۱)

(۳)

حضرت خواجہ داؤد طائی علیہ الرحمۃ کا فرمان ہے۔ ''اگر تو بچاؤ چاہتا ہے تو دنیا کو سلام کہہ دے اور اگر تو کرامت چاہتا ہے تو آخرت پر تکبیر کہہ دے۔'' ایک اور بزرگ اس آیت کے موافق فرماتے ہیں کہ بعض تم میں سے دنیا چاہتے ہیں اور بعض تم میں سے آخرت پسند کرتے ہیں۔ گویا دونوں فریقوں سے شکایت ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے اجتہادی فکر و عرفان سے انوکھا نکتہ بیان فرمایا۔ غرض فنا جو ماسوائے حق کے نسیان سے مراد ہے۔ دنیا و آخرت کو شامل ہے اور فنا و بقاء دونوں ولایت کے اجزاء ہیں۔ پس ولایت میں آخرت کا نسیان ضرور ہے اور کمالاتِ نبوت کے مرتبہ میں آخرت کی گرفتاری بہتر اور محمود ہے اور دار آخرت کا درد پسندیدہ اور مقبول ہے بلکہ اس مقام میں آخرت کا درد اور آخرت کی گرفتاری ہے۔ آیت کریمہ ہے، **یدعون ربھم خوفاً و طمعاً**، اپنے رب کو خوف اور طمع سے پکارتے ہیں اور آیت کریمہ ہے۔ **ویخشون ربھم ویخافون عذابہٗ** اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور اس کے عذاب

سے خوف کھاتے ہیں۔ اور آیت کریمہ ہے۔ الذین یخشون ربھم بالغیب ومن الساعة مشفقون ، اپنے رب تعالیٰ سے غیب کے ساتھ ڈرتے ہیں اور قیامت کے ڈر سے کانپتے ہیں۔ اس مقام والوں کے لیے نقد وقت ہے۔ ان کا نالہ و گریہ احوال آخرت کے یاد کرنے سے ہے اور ان کا الم واندوہ احوال قیامت کے ڈر سے ہے۔ ہمیشہ قبر کے فتنے اور دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں اور زاری کرتے ہیں، حق تعالیٰ کا درد ان کے نزدیک دردِ آخرت ہے اور ان کا شوق ومحبت آخرت کا شوق ومحبت ہے۔ اگر لقا ہے تو اس کا وعدہ بھی آخرت پر ہے اور اگر رضا ہے تو اس کا کمال بھی آخرت پر موقوف ہے۔ دنیا حق تعالیٰ کی مبغوضہ اور آخرت حق تعالیٰ کی مرضیہ اور پسندیدہ ہے۔ مبغوضہ کو مرضیہ کے ساتھ کسی امر میں برابر نہیں کر سکتے کیونکہ مبغوضہ کی طرف سے منہ پھر لینا چاہیے اور مرضیہ کی طرف شوق سے بڑھنا چاہئے۔ مرضیہ کی طرف سے منہ پھیرنا عین سکر ہے اور حق تعالیٰ کی مرضی موعود کے برخلاف ہے۔ آیتِ کریمہ ہے واللہ یدعوا الیٰ دار السلام ، اللہ تعالیٰ دار السلام کی طرف بلاتا ہے۔ ان معنوں پر شاہد ہے۔ پس آخرت سے منہ پھیرنا درحقیقت حق تعالیٰ کے ساتھ معارضہ ہے اور اس کی مرضی کے رفع کرنے میں کوشش کرنا ہے۔

حضرت امام داؤد طائی علیہ الرحمۃ نے باوجود اس بزرگی کے کہ ولایت میں قدم راسخ رکھتے تھے۔ ترکِ آخرت کو کرامت کہا مگر نہ جانا کہ اصحاب کرام علیہم الرضوان سب کے سب دردِ آخرت میں مبتلا تھے اور آخرت کے عذاب سے ڈرتے تھے۔ ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اونٹ پر سوار ہوئے ایک کوچہ میں سے گزر رہے تھے کہ کسی قاری نے اس آیت کریمہ کو پڑھا ان عذاب ربک لواقع ماله من دافع بے شک میرے رب کا عذاب آنے والا ہے۔ اس کو کوئی ٹالنے والا نہیں۔ اس کو سنتے ہی آپ کے ہوش جاتے رہے اور اونٹ سے بے خود ہو کر زمین پر گر پڑے۔ وہاں سے ان کو اٹھا کر گھر لے گئے اور مدت تک اسی درد سے بیمار رہے اور لوگ ان کی بیمار پرسی کو آتے رہے۔ (مکتوب ۳۰۳، دفتر ۱)

(۴)

حضرتِ شیخ بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اگر عرش اور جو کچھ عرش میں ہے سب عارف کے دل کے گوشے میں رکھ دیں تو عارف کے قلب کی فراخی کے باعث کچھ محسوس نہ ہو، حضرت شیخ جنید بغدادی علیہ الرحمۃ اس بات کی تائید کرتے ہیں اور دلیل کے ساتھ ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب حادث

قدیم کے ساتھ مل جاتا ہے تو اس کا اپنا اثر کچھ باقی نہیں رہتا، یعنی عرش و ما فیہا حادث ہے اور عارف کا قلب جو انوار قدم کے ظہور کا محل ہے۔ جب اس حادث کو اس قلب کے ساتھ ملنے کا اتفاق ہوتا ہے تو مضمحل اور متلاشی یعنی فانی اور ناچیز ہو جاتے ہے۔ پھر کس طرح محسوس ہو سکے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اس مقام پر فرماتے ہیں بڑے تعجب کی بات ہے کہ جب صوفیہ کرام کے رئیس یعنی سلطان العارفین اور سید الطائفہ اس طرح فرمائیں اور عرش مجید کا قلب عارف کے مقابلہ میں کچھ اعتبار نہ کریں اور عرش کو انوارِ قدم کے ظہورات سے خالی جان کر حادث کہہ دیں اور قلب کو انوار قدم کے ظہورات کے باعث قدیم بیان کریں تو پھر اوروں کا کیا ذکر ہے۔ اس فقیر کے نزدیک جو جذباتِ الٰہی سے تربیت یافتہ ہے۔ یہ ہے کہ عارف کا قلب جب اپنی خاص استعداد کے موافق نہایت النہایت تک پہنچ جاتا ہے اور وہ کمال حاصل کر لیتا ہے جس سے بڑھ کر اور کمال متصور نہیں تو اس بات کی قابلیت پیدا کر لیتا ہے کہ انوارِ عرشی کے ظہور کے لیے بے نہایت لمعات میں سے ایک لمعہ اس پر فائز ہو، اس لمعہ کو ان لمعات کے ساتھ وہ نسبت ہوتی ہے جو قطرے کو دریائے محیط کے ساتھ ہوتی ہے بلکہ اس سے بھی کم ہوتی ہے۔ عرش وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ عظیم فرماتا ہے اور جس پر اسواء کا سر ثابت کرتا ہے، قلب عارف کو جامعیت کے باعث تشبیہ اور تمثیل کے طور پر عرش اللہ کہتے ہیں یعنی جس طرح عرش مجید عالم کبیر میں عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے اور خلق و امر کی دونوں طرفوں کا جامع ہے۔ اسی طرح قلب بھی عالم صغیر میں عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے اور اس عالم کے خلق و امر کے دونوں طرفوں کا جامع ہے۔ پس قلب کو بھی تشبیہ کے طور پر عرش کہہ سکتے ہیں۔ جاننا چاہیے اور غور سے سننا چاہیے کہ انوار قدم کے ظہور کی قابلیت جو ظلیت کی ملاوٹ سے منزہ اور مبرا ہے وہ عرشِ مجید کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ قابلیت عرشِ مجید کے سوا نہ عالم خلق رکھتا ہے۔ نہ عالم امر، عالم کبیر رکھتا ہے نہ عالم صغیر، عارفِ کامل کا قلب بھی جامعیت اور برزخیت کے تعلق کے باعث ان انوار سے نور اقتباس کر لیتا ہے اور سمندر سے ایک چلو بھر لیتا ہے۔ عرش اور کامل معرفت والے عارف کے دل کے سوا اور جس قدر ظہور ہیں سب پر ظلیت کا داغ ہے اور کسی میں اصل کی بو نہیں۔ حضرت بایزید علیہ الرحمۃ اگر سکر کے باعث اس طرح فرما دیں تو مناسب ہے لیکن حضرتِ جنید علیہ الرحمۃ تو صحو کے مدعی ہیں، ان سے اس قسم کے کلام کا صادر ہونا نہایت ہی ناخوش اور نامناسب ہے کیا کریں وہ (اس وقت تک) حقیقت معاملہ سے واقف نہیں ہوئے اور دریائے ظلیت کے بھنور سے کنارے تک نہیں پہنچے تھے۔ یہ

بات اگرچہ اکثر خلق کی نظر میں آج بعید اور عجیب دکھائی دیتی ہے لیکن آج کے آگے کل نزدیک ہے۔ جلدی نہ کریں (مکتوب ۱۰، دفتر ۲)

(۵)

منقول ہے کہ سلطان محمود غزنوی اپنی بادشاہت کے زمانے میں خرقان کے نزدیک فروکش ہوا۔ اس نے اپنے وکیلوں کو حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ کی خدمتِ عالی میں بھیجا اور ملاقات کی التماس کی۔ ساتھ کہہ دیا کہ اگر حضرت شیخ توقف کریں تو تم آیت کریمہ **اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم** کی تلاوت کر دینا جب وکیلوں نے شیخ کی طرف سے توقف معلوم کیا تو آیت مذکورہ پڑھ دی، حضرت شیخ نے جواب میں فرمایا میں **اطیعوا اللہ** میں اس قدر گرفتار ہوں کہ **اطیعوا الرسول** سے شرمندہ ہوں۔ پھر اولی الامر کی اطاعت کا کیا ذکر۔ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے حق تعالیٰ کی اطاعت کو رسول اللہ کی اطاعت کے سوا سمجھا۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے اجتہادی فکر و عرفان کے ساتھ ارقام فرماتے ہیں۔ یہ بات استقامت سے دور ہے۔ مشائخ مستقیم الاحوال اس قسم کی باتوں سے پرہیز کرتے ہیں اور شریعت و طریقت و حقیقت کے تمام مراتب میں حق تعالیٰ کی اطاعت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں جانتے ہیں اور اس اطاعت کو جو اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے سوا ہے۔ عین گمراہی خیال کرتے ہیں۔ (مکتوب ۱۵۲، دفتر ۱)

(۶)

منقول ہے حضرتِ شیخ ابو سعید ابوالخیر علیہ الرحمۃ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے اور خراسان کے بزرگ سادات میں سے ایک سید اجل بھی اسی مجلس میں رونق افروز تھے۔ اتفاقاً اسی اثناء میں ایک مجذوب مغلوب الحال آنکلا، حضرت شیخ نے اس سید اجل پر اس مجذوب کو مقدم کیا تو سید اجل کو یہ بات ناپسند معلوم ہوئی۔ حضرتِ شیخ نے اس سید اجل کو فرمایا کہ تمہاری تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے باعث ہے اور اس مجذوب کی تعظیم حق تعالیٰ کی محبت کے باعث ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے یہاں بھی کمال درجے کا علم و عرفان پیش کرتے ہوئے ارقام فرمایا۔ مستقیم الاحوال بزرگوار اس قسم کے تفرقہ کو بھی جائز نہیں سمجھتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر حق تعالیٰ کی محبت کے غلبے کو سکر حال سے جانتے ہیں

اور فضول اور بے ہودہ تصور کرتے ہیں لیکن اس قدر ضرور ہے کہ مرتبہ کمال میں جو مرتبہ ولایت ہے۔ حق تعالیٰ کی محبت غالب ہے اور مقام تکمیل میں جہاں مقامِ نبوت سے نصیب و حصہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت غالب ہے۔ (مکتوب ۱۵۲، دفتر ۱)

(۷)

بعض فقہا کرام نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ''جوذ'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ارقام فرماتے ہیں۔ اس ''جوذ'' سے مراد یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں وہ خلافت کے حقدار نہیں تھے نہ کہ وہ جوذ جس کا انجام فسق وضلالت ہے تا کہ اہلسنّت کے اقوال کے موافق ہو اور استقامت والے لوگ ایسے الفاظ بولنے سے جن سے مقصود کے برخلاف وہم پیدا ہو پرہیز کرتے ہیں اور خطا سے زیادہ کہنا پسند نہیں کرتے اور کس طرح جائز ہو سکے جب کہ صحیح تحقیق سے معلوم ہو چکا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اور مسلمانوں کے حقوق میں امام عادل تھے جیسے کہ صواعق محرقہ میں ہے اور مولانا جامی علیہ الرحمۃ نے جو خطائے منکر کہا ہے تو زیادتی کی ہے۔ خطا پر جو کچھ زیادہ کریں خطا ہے اور جو کچھ اس کے بعد کہا ہے کہ اگر وہ (امیر معاویہ) لعنت کے مستحق ہیں الخ تو یہ بھی نامناسب کہا ہے۔ اس کی تردید کی کیا حاجت ہے اور اس میں کون سا اشتباہ ہے۔ اگر یہ بات مولانا جامی علیہ الرحمۃ یزید کے حق میں کہتے تو بیشک جائز تھا لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں کہنا برا ہے...... بظاہر ایسا معلوم ہتا ہے کہ یہ بات مولانا جامی علیہ الرحمۃ سے سہو ونسیان کے طور پر سرزد ہوئی ہے نیز انہوں نے انہی بیانات میں نام کی تصریح نہ کر کے کہا ہے کہ وہ صحابی اور ہے یہ عبارت بھی ناخوشی سے خبر دیتی ہے۔ یا اللہ ہم سے بھول چوک پر مواخذہ نہ فرما (مکتوب ۲۵۱، دفتر ۱)

(۸)

حضرت مخدوم فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمۃ کے بارے میں حکایت منقول ہے کہ جب ان کا کوئی صاحبزادہ فوت ہو جاتا اور اس کے فوت ہونے کی خبر ان کو پہنچتی تو ان کی طبیعت میں کچھ تغیر وتبدل نہ آتا اور وہ اس طرح فرمادیتے کہ ''سگ بچہ'' مر گیا ہے، جاؤ اس کو باہر پھینک دو، حضرت امام ربانی الف ثانی قدس سرہٗ اپنے اجتہادی فکر وعرفان کی روشنی میں فرماتے ہیں جب حضور سید البشر کے شہزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ نے

انتقال فرمایا تو آپ ان کے انتقال پر رو پڑے اور نہایت غمناک ہو کر فرمایا **انا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون**، اے ابراہیم تری جدائی سے ہم بہت غمزدہ ہیں۔ یعنی بڑے مبالغے اور تاکید کے ساتھ اپنے غم کا بیان فرمایا۔ پس حضرت گنج شکر (کا قول) بہتر ہے یا حضرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم (کا قول بہتر ہے) عوام کالانعام کے نزدیک معاملہ اول بہتر ہے اور وہ اس کو بے تعلق جانتے ہیں اور دوسرے کو عین تعلق اور گرفتاری سمجھتے ہیں۔ (دفتر ا، مکتوب ۲۷۲)

(۹)

حضرت شیخ بابا آبریز علیہ الرحمۃ کی نسبت منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا جب حق تعالیٰ نے روزِ اول میں حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی گوندھی تو میں اس مٹی میں پانی گراتا تھا، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے اجتہادی فکر وعرفان سے اس قول کی یہ تاویل بیان فرمائی کہ آپ کو جاننا چاہیے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی ظلیہ خدمات میں جس طرح ملائکہ کرام کو دخل دیا ہوا تھا شاید ان کی روح کو بھی دخل دیا ہو اور ان کی عنصری پیدائش اور اس کے کمال کے بغیر اس امر سے ان کو اطلاع دی گئی ہو۔ جائز ہے کہ حق تعالیٰ ارواحِ مجردہ کو وہ طاقت اور قدرت دے کہ ان سے اجسام کے سے افعال صادر ہوں اور اسی قسم کی ہیں وہ باتیں بھی جو بعض کبراء نے اپنے افعالِ شاقہ سے خبر دی ہے جو ان سے ان کے وجود عنصری سے کئی قرن پہلے صادر ہوئے تھے۔ وہ افعال ان کے ارواحِ مجردہ سے صادر ہوئے تھے اور وجود عنصری کے بعد ان کو ان افعال پر اطلاع دی گئی۔ بعض لوگ اس قسم کے افعال صادر ہونے سے تناسخ کے وہم میں پڑ جاتے ہیں۔ حاشاً وکلا کہ کسی دوسرے بدن کا اس سے تعلق ہوا ہو۔ روح مجرد ہے جو حق تعالیٰ کی طاقتِ بخشنے سے بدن کا کام کرتا ہے۔ اور ارباب زیغ یعنی کجرؤوں کو خلاف میں ڈالتا ہے۔ (مکتوب ۲۸، دفتر ۲)

(۱۰)

حضرت شیخ شرف الدین منیری علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ ارشاد الطالبین میں عجیب وغریب قسم کا کلام رقم فرمایا کہ جب تک آدمی کافر نہ ہو اور بھائی کا سر نہ کاٹے اور اپنی ماں کے ساتھ جفت نہ ہو تب تک مسلمان نہیں ہوتا۔ اس کلام کا ظاہر انتہائی خوفناک ہے لیکن حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے اجتہادی فکر وعرفان سے اس کلام کی ایسی تشریح اور توجیح بیان کی ہے کہ اہل تصوف بھی عش عش کر اٹھیں گے اور علمائے ظاہر کو روحانی تسکین نصیب ہوگی۔ آپ ارقام فرماتے ہیں کہ۔ ''واضح ہو کہ کفر سے مراد کفر

طریقت ہے جو مرتبہ جمع سے مراد ہے کہ استتار یعنی پوشیدگی کا مقام ہے۔ اس مقام میں سالک اسلام کی خوبی اور کفر کی برائی میں تمیز نہیں کر سکتا۔ جس طرح اسلام کو پسندیدہ جانتا ہے کفر کو بھی ویسا ہی اچھا جانتا ہے اور دونوں کو اسم ہادی اور اسم مضل کے مظہر جان کر دونوں سے حظ حاصل کرتا ہے اور لذت پاتا ہے یہ وہی کفر ہے جس کی خبر حضرت منصور نے دی ہے اور وہ اسی میں رہے ہیں اور اسی میں فوت ہوئے ہیں۔ انہوں نے خود کہا ہے۔

کفرتُ بدینِ اللہ والکفر واجب
لدی وعند المسلمین قبیح

(ترجمہ) ہوا کافر میں دینِ حق سے مجھ کو کفر بہتر ہے
اگرچہ سب مسلمانوں کے ہاں وہ کفر بدتر ہے

قول انا الحق اور قول سبحانی اور قول لیس فی جبتی سوی اللہ وغیرہ شطحیات سب اسی مرتبہ جمع کے درخت کے پھل ہیں۔ اس قسم کی باتوں کے باعث محبوب حقیقی کی محبت کا غلبہ ہے یعنی سالک کی نظر سے محبوب کے سوا سب کچھ پوشیدہ ہو جاتا ہے اور محبوب کے سوا اس کو کچھ مشہود نہیں ہوتا۔ اسی مقام کو مقامِ جہل اور مقام حیرت بھی کہتے ہیں لیکن یہ وہ جہل ہے جو محمود ہے اور یہ وہ حیرت ہے ممدوح ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس مرتبہ جمع سے بلند تر سیر واقع ہو جائے اور علم اس جہل کے ساتھ جمع ہو جائے اور اس حیرت کے ساتھ معرفت مل جائے اور فرق و تمیز حاصل ہو جائے اور سکر سے صحو میں آ جائے تو اس وقت اسلام حقیقی کی دولت ظاہر ہوتی ہے اور ایمان کی حقیقت میسر ہوتی ہے۔ یہ اسلام و ایمان زوال سے محفوظ ہے اور کفر کے عارض ہونے سے بچا ہوا ہے۔ ماثورہ دعاؤں میں آیا ہے: **اللّٰھم انی اسئلک ایماناً لیس بعدہٗ کفر**، یہ وہی ایمان ہے جو زوال سے محفوظ ہے۔ آیت کریمہ **الا ان اولیآء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون**، اسی ایمان والوں کے حال کا نشان ہے کیونکہ ولایت اس ایمان کے بغیر متصور نہیں اگرچہ مرتبہ جمع میں بھی اسم ولایت کا اطلاق کر سکتے ہیں لیکن نقص و قصور اس مرتبہ کا دامن گیر ہے کیونکہ کمال ایمان اور معرفت میں ہے نہ کہ کفر اور جہل میں۔ خواہ کوئی کفر و جہل ہو۔ پس جو کچھ شیخ نے کہا ہے درست ہے کہ جب تک کفر طریقت سے متحقق نہ ہوں، اسلام حقیقی سے مشرف نہیں ہوتے اور یہ جو شیخ نے کہا ہے کہ جب تک اپنے بھائی کو نہ مارے تب تک مسلمان نہیں ہوتا مراد بھائی سے ہمزاد شیطان ہے جو

انسان کا ساتھی ہے اور ہر وقت اس کو شر و فساد کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ کوئی بنی آدم نہیں جس کا ساتھی ایک جنّ نہ ہو۔ یاروں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ کا ساتھی بھی جنّ ہے۔ فرمایا! ہاں لیکن خدا تعالیٰ نے مجھے اس پر طاقت دی ہے کہ میں اس کے شر سے سالم اور بچا ہوا ہوں۔ یہ معنیٰ اس صورت میں ہے کہ لفظ فاسلم جو حدیث میں واقع ہے اس کا صیغہ متکلم سے روایت کیا جائے اور اگر صیغہ ماضی سے روایت کیا جائے تو اس کے معنی اس طرح ہوں گے کہ میرا ساتھی مسلمان ہو گیا ہے۔ یہ اخیر کے معنی مشہور ہیں اور اس کے مسلمان ہونے یا مارنے سے مراد اس کی تابعداری نہ کرنا اور اس کو ذلیل و خوار رکھنا ہے...... دوسرا جواب یہ ہے کہ شیطان انسان کی خواہشات کی راہ سے آتا ہے اور اس کو مشتبہات کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور نفسِ امارہ کی مدد سے جو گھر کا دشمن ہے۔ آدمی پر غلبہ پا جاتا ہے اور اس کو اپنا فرمانبردار بنا لیتا ہے۔ شیطان کا مکر فی حدِ ذاتہٖ ضعیف ہے لیکن خانگی دشمن کی مدد سے اپنا کام کر جاتا ہے۔ درحقیقت ہماری بلا ہمارا نفسِ امارہ ہی ہے جو ہمارا جانی دشمن ہے۔ اس کمینے کے سوا کوئی بھی اپنے آپ کا دشمن نہیں۔ باہر کا دشمن اسی کی مدد سے اپنا کام کرتا ہے۔ پس اول اپنے نفس کا سر کاٹنا چاہیے اور اس کی تابعداری کو چھوڑنا چاہیے اور اس کو ذلیل و خوار کرنا چاہیے۔ اس جہاد کے ضمن میں بھائی کا سر بھی کٹ جائے گا اور وہ بھی ذلیل و خوار ہو جائے گا۔ اس راستے کے چلنے والے انسان کا حجاب اس کا اپنا ہی نفس ہے اور بھائی مبحث سے خارج ہے جو دور سے شرارتوں کی طرف دعوت دیتا ہے اور سیدھے راستے سے ٹیڑھے راستے کی طرف بلاتا ہے۔ جب نفس تابع ہو جائے تو پھر وہ بیرونی دشمن، اللہ تعالیٰ کی مدد سے بآسانی دفع ہو جاتا ہے۔ **ان عبادی لیس بک علیھم سلطان**، میرے بندوں پر تیرا غلبہ نہیں۔ ان بندوں کے لیے بشارت ہے جو نفس کی غلامی سے آزاد ہو کر معبودِ حقیقی کی عبادت میں مشغول ہیں، واللہ سبحان الموفق اور یہ جو کہا ہے کہ جب تک اپنی ماں سے جفت نہ ہو مسلمان نہیں ہوتا، ہو سکتا ہے کہ ماں سے مراد عین ثابت ہو جو خارج میں وجود کے ظہور کا سبب ہے، اس طائفہ کی اصطلاح میں عین ثابت کو مادر سے تعبیر کرتے ہیں۔ کسی بزرگ نے فرمایا ہے۔

ولدت اُمّی اباھا — **ان ذامن اعجبا**

(ترجمہ) نرالا کام یہ کیا ہی ہوا ہے — مری ماں نے پدر اپنا جنا ہے

مادر سے مراد عینِ ثابت ہے اور اس مادر کا پدر اس اسمِ الٰہی سے مراد ہے جس اسم کا ظل اور عکس اور پرتو

عینِ ثابت ہے۔ چونکہ خارج میں اس اسم کا ظہور عین ثابت کے ذریعے ہوا ہے اس لیے اس ظہور سے مراد ولادت کی تعبیر کر کے مادر کہتے ہیں اور عین ثابت مراد رکھتے ہیں۔ اس عینِ ثابت کو تعین وجوبی بھی کہتے ہیں کیونکہ اس طائفہ کے نزدیک تعینات پانچ ہیں جن کو تنزیلاتِ خمسہ اور حضراتِ خمس بھی کہتے ہیں۔ ان میں سے دو تعین مرتبہ وجوب میں ثابت کرتے ہیں اور تین تعین مرتبہ امکان میں کہتے ہیں۔ وہ دو تعین جو مرتبہ وجوب میں ہیں۔ ایک تعین وحدت ہے۔ دوسرا تعین واحدیت ہے۔ یہ دونوں مرتبہ علم میں ہیں۔ ان میں فرق صرف علمی اجمال و تفصیل کا ہے اور تین تعین جو مرتبہ امکان میں ثابت کرتے ہیں وہ تعینِ روحی، تعینِ مثالی اور تعینِ جسدی ہے۔ چونکہ عین ثابت مرتبہ واحدیت میں ہے اس لیے اس کا تعین وجوبی ہوگا اور جب اس شخص ممکن کی حقیقت بھی عین ثابت ہے جو تعین وجوبی رکھتا ہے اور یہ شخص اس عین کے ظل کی طرح ہے پس اس شخص کی ماں عالم وجوب سے ہوگی جس نے اس کو عالم امکان میں ظاہر کیا ہے اور ماں کے ساتھ جفت ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس شخص کا یہ تعینِ امکانی اس تعین وجوبی کے ساتھ جو اس کی حقیقت ہے متحد ہو جاتا ہے۔

چو ممکن گرد امکاں برفشاند
بجز واجب درو چیزے نماند

یعنی اس کا تعین امکانی نظر سے پوشیدہ ہو جاتا ہے اور اپنی انا کو تعین وجوبی پر اطلاق دیتا ہے۔ نہ اس طرح پر کہ تعین امکانی واقعی تعین وجوبی کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے کیونکہ یہ محال ہے اور اس سے الحاد و زندقہ لازم آتا ہے۔ اس لیے اس جگہ کا معاملہ شہود پر ہے۔ اگر تعین کا زوال ہے تو شہود سے تعلق رکھتا ہے اور اگر اتحاد ہے تو وہ بھی شہود سے متعلق ہے۔

نہ آں ایں گردد نے ایں شہود آں
ہمہ اشکال گردد برتو آساں

جب اس شخص نے اپنے اس تعین کو اس تعین کے ساتھ متحد پایا تو اس بات کا امیدوار ہو گیا کہ امکان کی آلودگیوں سے صاف ہو جائے گا اور مرتبہ وجوب کے اسلام اور انقیاد کی دولت سے مشرف ہو جائے گا۔ جاننا چاہیے کہ تنزیلاتِ خمسہ جو صوفیہ نے بیان کیے ہیں، وجود میں صرف اعتبارات ہی ہیں اور کشف و شہود

سے تعلق رکھتے ہیں نہ یہ کہ درحقیقت تنزل اور تغیر و تبدل ہے۔ **فسبحان اللہ من لا یتغیر بذاتہ ولا بصفاتہ ولا فی اسماء بحدوثِ لالوان**، پاک ہے وہ اللہ تعالیٰ جو کون و مکان کے حدوث سے اپنی ذات و صفات و اسماء میں متغیر نہیں ہوتا، صوفیہ اپنی دید کے اندازے کے موافق سکر اور غلبہ حال کے وقت اس قسم کی بہت سی باتیں زبان سے نکالتے ہیں۔ ان کو ظاہر پر محمول نہ جاننا چاہیے بلکہ اس کی توجیح میں مشغول ہو جانا چاہیے کیونکہ مستوں کا کلام ظاہر سے پھیر کر توجیح پر معلوم کیا جاتا ہے۔ تمام امور کی حقیقتوں کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ چونکہ آپ نے یہ بیقرار کرنے والی باتیں ایک بزرگ سے نقل کی تھیں اس لیے ان کے حل میں کچھ لکھا گیا ورنہ یہ فقیر اس قسم کی مخالف باتوں کی طرف توجہ نہیں کرتا اور ان کے رد و بدل میں زبان نہیں کھولتا۔ (دفتر ۳، مکتوب ۳۳)

(۱۱)

بعض عارفوں نے فرمایا کہ ہم حق تعالیٰ کے کلام کو سنتے ہیں اور ہم اس کے ساتھ ہم کلام ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا میں ایک آیت کو بار بار پڑھتا رہا حتیٰ کہ میں نے اس کو اس کے متکلم سے سن لیا اور رسالہ غوثیہ سے بھی جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی طرف منسوب ہے، اسی طرح مفہوم ہوتا ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے اجتہادی فکر و عرفان سے اس مغلق عبارت کا معنیٰ اور مفہوم بیان فرمایا۔ جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ کا کلام بھی اس کی ذات و صفات کی طرح بیچون ہے اور اس کلام بیچون کا سننا بھی بیچون ہے کیونکہ چون کو بیچون کی طرف کوئی راستہ نہیں۔ وہ سننا سمع کی حس پر وابستہ نہیں ہے کیونکہ وہ سراسر چون ہے، وہاں اگر بندہ سے استماع ہے تو تلقی روحانی سے ہے جو بیچونی کا حصہ رکھتا ہے اور حروف و کلمات کے واسطے کے بغیر ہے اور اگر بندہ سے کلام ہو تو وہ بھی القائے روحانی کے طور پر ہے جو بغیر حروف و کلمات کے ہے اور یہ کلام بیچونی سے حصہ رکھتا ہے جو بیچون سنائی دیتا ہے یا ہم یہ کہتے ہیں کہ کلامِ لفظی جو بندہ سے صادر ہوتا ہے حق تعالیٰ اس کو بھی حروف و کلمات کے واسطے کے بغیر بیچونی سماع سے استماع فرماتا ہے اور تقدیم و تاخیر کے بغیر سن لیتا ہے۔ **اذلا یجری علیہ تعالیٰ زمان یسع فیہ التقدیم والتاخیر** کیونکہ حق تعالیٰ پر زمانہ کے احکام جاری نہیں ہو سکتے تا کہ تقدیم و تاخیر کی گنجائش ہو اور اس مقام میں اگر بندہ سے سماع ہے تو کلی طور پر سامع ہے اور اگر کلام ہے تو کلی طور پر متکلم ہے یعنی ہمہ تن کان اور ہمہ تن زبان ہے۔ روز میثاق ذات مخرجہ نے قول

الست بربکم کو بلاواسطہ اپنی اپنی کلیت کے طور پر سن لیا اور اپنی کلیت کے طور پر جواب میں بلیٰ کہا، یعنی ہمہ تن کان اور ہمہ تن زبان تھے کیونکہ اگر کام زبان سے متمیز ہوتے تو سماع وکلام بیچونی حاصل نہ ہوتے اور بیچونی ارتباط کے لائق نہ ہوتے، بادشاہ کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ وہ معنی متلقی جو روحانیت کے طور پر اخذ کیے جاتے ہیں دوبارہ عالم خیال میں جو انسان میں عالم مثال کی تصویر ہے۔ حروف وکلماتِ مترتبہ کی صورت میں متمثل ہوتے ہیں اور وہ تلقی والقاء سماع وکلامِ لفظی کی صورت میں مرتسم ومنتقش ہو جاتا ہے کیونکہ اس عالم میں ہر ایک معنی کی ایک صورت ہے اگرچہ وہ معنی بیچون ہیں لیکن وہاں بیچون کا ارتسام اور انتقاش چون کی صورت پر ہے جس پر فہم وافہام وابستہ ہے جو اس ارقسام وانتقاش کا اصلی مقصود ہے۔ جب سالک متوسط اپنے آپ میں حروف وکلماتِ مترتبہ پاتا ہے اور کلامِ لفظی وسماع محسوس کرتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ ان حروف وکلمات کو اصل سے سنا ہے اور بلا تفاوت وہاں سے اخذ کیا ہے۔ نہیں جانتا کہ یہ حروف وکلمات اس معنی متلقی کی خیالی صورتیں ہیں اور یہ لفظی سماع وکلام بیچونی سماع وکلام کی تصویر ہے۔ عارف تمام المعرفت ہوں چاہیے تاکہ ہر مرتبہ کے حکم کو جدا کردے اور ایک کو دوسرے کے ساتھ نہ ملائے۔ پس ان بزرگواروں (حضرت امام جعفر صادق اور حضرت شیخ جیلانی) کا سماع وکلام جو مرتبہ بیچونی پر وابستہ ہے تلقی اور القاء روحانی کا قسم سے ہے اور یہ کلمات وحروف جن کے ساتھ اس معنی متلقی کی تعبیر کرتے ہیں، مثالی صورتوں کی قسم سے ہیں (مکتوب ۹۲، دفتر ۳) اور وہ لوگ جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم اس بارگاہ جل شانہٗ سے حروف وکلمات کے ساتھ استماع کرتے ہیں۔ دو فریق ہیں جن میں ایک گروہ کے لوگ جن کا حال بہتر اور اچھا ہے کہتے ہیں کہ یہ حروف وکلمات حادثہ مسموعہ اس کلام نفسی قدیم پر دلالت کرنے والے ہیں اور دوسرے گروہ کے لوگ حق تعالیٰ کے کلام کے سماع پر قول کا اطلاق کرتے ہیں اور انہی حروف وکلماتِ مترتبہ کو حق تعالیٰ کا کلام جانتے ہیں اور اس بات میں کچھ فرق نہیں کرتے کہ کون سا کلام حق تعالیٰ کے شان کے لائق ہے اور کون سا نہیں، یہ لوگ جاہل مکار ہیں، نہیں جانتے کہ کون سی چیز کا اطلاق اس پر جائز ہے اور کون سی چیز کا ناجائز ہے۔ (ایضاً)

(۱۲)

حضرت ملا حسن کشمیری علیہ الرحمۃ نے خط لکھا کہ شیخ عبدالکبیر یمنی نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ ''عالم الغیب'' نہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے نہایت سختی سے اس کا رد بیان فرمایا۔ فقیر ایسی باتوں

کے سننے کی قطعاً تاب نہیں رکھتا اور بے اختیار میری فاروقی رگ حرکت میں آجاتی ہے اور تاویل وتوجیہ کی فرصت بھی نہیں دیتی، ایسی باتوں کا قائل شیخ کبیر یمنی ہو یا اکبر شامی، یہاں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام درکار ہے نہ کہ محی الدین ابن عربی، صدر الدین قونوی اور عبد الرزاق کاشی کا ہمیں نص سے کام ہے نہ کہ فص سے، فتوحاتِ مدنیہ نے ہمیں ''فتوحاتِ مکیہ'' سے بے نیاز کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے خود کلام مجید میں علم غیب کے ساتھ اپنی تعریف فرمائی ہے اور اپنے لیے عالم الغیب فرمایا ہے۔ حق تعالیٰ سے علم غیب کی نفی کرنا بہت ہی بری بات ہے بلکہ حقیقت میں حق تعالیٰ کی تکذیب ہے، غیب کا کوئی اور معنیٰ بتانا بھی اس برائی سے نہیں بچاتا، **کبرت کلمة تخرج من افواههم**، کاش، میں جانتا کہ انہیں شریعتِ مطہرہ کے اس درجہ صریح خلاف بات کہنے پر کیا چیز ابھار رہی ہے۔ (مکتوب ۱۰۰، دفتر اول)

(۱۴)

شہر سامانہ میں ایک خطیب نے خطبہ جمعہ سے حضراتِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے اسماء خارج کر دیئے تو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے اجتہادی فکر وعرفان اور غیرتِ ایمان کا مظاہرہ کرتے ہوئے اہل سامانہ کی طرف مکتوب لکھا آپ نے ارقام فرمایا خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا ذکر پاک اگرچہ شرائط خطبہ سے نہیں لیکن شعائر اہلسنّت شکر اللہ سعیہم سے ضرور ہے۔ ان کے مبارک ذکر کو دانستہ یا سرکشی کے ساتھ وہی ترک کرے گا جس کا دل مریض اور باطن خبیث ہے، اگر ہم فرض بھی کر لیں کہ اس نے تعصب یا عناد سے ایسا نہیں کیا تو بھی **من تشبه بقوم فهو منهم** کی وعید کا جواب کیا ہوگا۔ مقام تہمت سے خلاصی کس طرح ملے گی جبکہ فرمانِ رسالت ہے۔ **اتقوا مواضع التهم**، تہمت کی جگہوں سے بچو۔ اگر حضراتِ شیخین کی تقدیم وتفضیل میں یہ شخص توقف کرتا ہے تو طریق اہلسنّت کا تارک ہے اور حضراتِ ختنین کی محبت میں شک رکھتا ہے تو بھی اہل حق سے خارج اور دور ہے...... معلوم نہیں کہ ایسا بدبودار پھول ہندوستان میں آج تک کہیں کھلا ہو، بعید نہیں کہ یہ معاملہ پورے شہر سامانہ کو بدنام کر دے بلکہ سرزمینِ ہند سے اعتماد اٹھ جائے (مکتوب ۱۵، دفتر ۲)

حضرتِ امام ربانی قدس سرہٗ نے ایسے مستحب مسائل میں بھی بہت زیادہ مستعدی سے کام لیا کیونکہ آپ سرمایہ ملت کے نگہبان تھے اور نگہبان کا فرض ہے کہ کسی معمولی سے معمولی چیز کو بھی ضائع نہ ہونے دے، گائے کی قربانی کا مسئلہ بھی اس نہج پر ہے۔ کسی فقیہ نے نہیں کہا کہ گائے کی قربانی ہی واجب ہے۔

ایک مسلمان اونٹ، بکری، مینڈھے وغیرہ کی قربانی بھی کرسکتا ہے لیکن حضرت امام ربانی قدس سرہ نے اپنے اجتہادی فکر وعرفان سے گائے کی قربانی کو شعائر اسلامی قرار دیا اور مسلمانوں کو بہت زیادہ تاکید فرمائی کہ وہ جگہ جگہ گائے کو قربان کر کے شعائر اسلامی کو رواج دیں، نیز آپ کے اجتہاد سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر کسی امر مباح کو روکا جائے تو اس کو ادا کرنا اور اسلامی معاشرے میں رواج دینا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

(۱۴)

حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق مرقوم ہے کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال پر گرویدہ تھے اور ان کے ہجر و فراق میں گریہ زن رہے، حضرت شیخ نور الحق محدث دہلوی جیسے بلند پایہ عالمِ دین بھی اس عجیب معاملے کی عقدہ کشائی میں بیقرار تھے کہ کیا ماسوی اللہ کی محبت میں اس قدر مبالغہ ایک پیغمبر برحق کی شان کے مطابق ہے۔ حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے اجتہادی فکر وعرفان کی روشنی میں اس معاملے کا ایسا حل ارقام فرمایا کہ ہر دانشور عش عش کر اٹھتا ہے، آپ فرماتے ہیں! فقیر کو بھی مدت سے اس امر کے انکشاف کا شوق تھا۔ جب آپ کا شوق اس شوق کے ساتھ مل گیا تو بے اختیار ہو کر ہمہ تن اس دقیقہ کے کشف کی طرف متوجہ ہوا اور سرسری نظر میں ظاہر ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی خلقت اور ان کا حسن و جمال اس عالم دنیا کی خلقت اور حسن و جمال کی قسم سے نہیں ہے اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ ان کا جمال بہشتیوں کے جمال کی قسم سے ہے اور مشہود: را کہ باوجود اس جہان کے ان کا حسنِ صباحت حور وغلمان کے حسن کی مانند ہے۔

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استادِ ازل گفت ہماں میگویم

آخرت کا حسن و جمال اور وہاں کی لذتیں اور نعمتیں دنیا کے حسن و جمال اور یہاں کی لذتوں اور نعمتوں کی مانند نہیں ہیں کیونکہ وہ حسن و جمال خیر در خیر ہے اور وہ لذت و نعمت حق تعالیٰ کو مقبول اور پسندیدہ ہے اور یہ حسن و جمال سراسر نقص و شر ہے اور یہ لذت و نعمت نامقبول و ناپسند ہے۔ اس واسطے دار آخرت دار رضا ہے اور دار دنیا مولیٰ جل شانہٗ کے غضب کا مقام ہے...... حضرت یوسف علیہ السلام کا وجود اگرچہ اس جہان میں پیدا ہوا ہے لیکن اس جہان کے تمام موجودات کے برخلاف ان کا وجود عالم آخرت سے ہے اور ان کے وجود

کی جانب کو ترجیح دے کر اس حسن و جمال کا مظہر بنایا ہے جو اسماء و صفات کے وجود سے تعلق رکھتا ہے اور عدمیت کی آمیزش کو جو ان کے نفس یا اصل سے تعلق رکھتی ہے منفی کیا ہے اور عدم کی علت سے کہ ہر قبح و نقص کا منشاء ہے، ان کو اور ان کے اصل کو پاک کیا ہے اور نورِ وجود کے غلبہ کے سوا جو بہشتیوں کے نصیب ہے، ان میں کچھ نہیں چھوڑا اسی واسطے ان کے حسن و جمال کی گرفتاری بہشت و اہل بہشت کے حسن و جمال کی طرح محمود اور پسندیدہ ہے اور کاملوں کے نصیب ہوئی ہے اور محبّ جس قدر زیادہ کامل ہوگا اسی قدر آخرت کے حسن و جمال کا زیادہ گرفتار ہوگا اور اسی قدر حق تعالیٰ کی رضامندی میں اس کا قدم بڑھ کر ہوگا کیونکہ آخرت کی گرفتاری آخرت کے صاحب یعنی حق تعالیٰ کی عین گرفتاری ہے۔ اس لیے کہ عالم آخرت حق تعالیٰ کی حکمت کا طلسم ہے اور ردائے کبریا کی طرح پردگی کا روپوش نہیں ہے، **واللہ یدعوا الی دار السلام**، اللہ تعالیٰ دار السلام کی طرف بلاتا ہے۔ اس مسئلے میں نص قاطع ہے اور **واللہ یرید الاخرۃ**، اللہ تعالیٰ آخرت کو پسند کرتا ہے۔ اس مطلب پر حجت واضح ہے۔ جن لوگوں نے آخرت کی گرفتاری کو دنیا کی گرفتاری کی طرح مزموم جانا ہے اور اس کو حق تعالیٰ کی گرفتاری کے سوا سمجھا ہے انہوں نے آخرت کی حقیقت کو پورے طور پر نہیں جانا۔ (مکتوب ۱۰۰، دفتر ۳)

(۱۵)

بعض صوفیہ کرام نے توحید و اتحاد کے اسرار و دقائق بیان کرتے ہوئے اس جہان کے مظاہر جمیلہ کو سامنے رکھ کر عشق کی باتیں کی ہیں اور ان کے ضمن میں مشہود و مشاہدہ ثابت کیا ہے اور ان کے حسن و جمال کو مولا جل شانہٗ کا حسن و جمال سمجھا ہے، چنانچہ کسی نے فرمایا ہے۔

امروز چوں جمال تو بے پردہ ظاہر است
در حیرتم کہ وعدۂ فردا برائے چیست

کسی نے فرمایا ہے، **ذقتک فی کل طعام لذیذ**، میں نے تجھے ہر طعامِ لذیذ میں چکھا ہے۔
اور کسی نے فرمایا ہے۔

عاطشاں گر در قدح آبے خورند
در درونِ آب حق را ناظر اند

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے اجتہادی فکر و عرفان کی روشنی میں ارقام فرماتے ہیں:

اس جہان میں اس قسم کی باتوں کا صادق آنا اس فقیر کے فہم و دریافت سے دور ہے۔ فقیر اس جہان میں اس قسم کی نازک باتوں کے اٹھانے کی طاقت معلوم نہیں کرتا اور اس کو اس قسم کی دولت کے قبول کرنے کے قابل نہیں جانتا۔ اگر اس جہان میں یہ طاقت و قابلیت ہوتی تو مولیٰ جل شانہٗ کے غضب کا محل نہ ہوتا اور حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام، الدنیا ملعونۃ دنیا ملعون ہے نہ فرماتے۔ وہ بہشت ہی ہے جو ان کرامات کے لائق ہے اور ان مقامات کے مقابل ہے اور ذقتک فی کل طعامٍ لذیذ، طعام بہشتی میں صادق آتا ہے، نہ طعام دنیوی میں کہ جس کے ساتھ عدم کا زہر آب ملا ہوا ہے۔ اس واسطے اس کا اختیار کرنا پسندیدہ نہیں، فقیر کے نزدیک ہر شخص کا بہشت اس اسم الٰہی کے ظہور سے مراد ہے جو اس شخص کا مبداء تعین ہے اور اس اسم نے اشجار و انہار اور حور و قصور اور ولدان و غلمان کی صورت اور لباس میں ظہور فرمایا ہے۔ جس طرح اسماء الٰہی میں بلندی اور پستی اور جامعیت و عدم جامعیت کے اعتبار سے فرق ہے اسی طرح جنتوں میں بھی ان کے اندازہ کے موافق فرق ہے۔ اگر ظہور کے ضمن میں شہود و مشاہدہ ثابت کیا جائے تو بہتر اور زیبا ہے اور شے کا اپنی مناسب جگہ میں استعمال کرنا ہے لیکن اس موضع کے سوا اس قسم کی باتوں کا اطلاق کرنا جرأت ہے اور شے کو نامناسب جگہ پر استعمال کرنا ہے، اس میں کچھ شک نہیں کہ صوفیہ علیہ نے فرطِ محبت اور کمال اشتیاق سے جو مطلوب کے ساتھ رکھتے ہیں، جس قدر مطلوب کی خوشبو ان کی جان کے دماغ میں پہنچتی ہے غنیمت جانا ہے اور اس سکر اور غلبہ محبت کو عین مطلوب و مقصود سمجھا ہے اور اس قسم کی عشق بازیاں جو نفس مطلوب کے ساتھ ہونی چاہئیں اختیار کر کے حظ و لذت حاصل کی ہے اور مشاہدہ و مکاشفہ ثابت کیا ہے، چنانچہ ایک بزرگ کہتے ہیں۔

کہیں سے پاؤں کی آہٹ کو میں جس وقت پاتا ہوں
تو بیخود مست دیوانہ تری جانب کو آتا ہوں

ہاں اس قسم کے معاملات عاشقی اور محبت کی بے آرامی میں جائز و پسندیدہ ہیں، چونکہ یہ سب باتیں خدا تعالیٰ کے واسطے اور بے مثل مطلوب کے شوقِ دیدار کے لیے ہیں، اس لیے ان کی خطا صواب کا حکم رکھتی ہے اور ان کا سکر صحو کا حکم رکھتا ہے، حدیث میں آیا ہے سینُ بلالٍ عند اللہ شینٌ بلال کا سین اللہ تعالیٰ کی

نزدیک شین ہے۔ ع

براشہد تو خندہ زند اسہد بلال

(۱۶)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے حضور اقدس، سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت پر بہت زیادہ زور دیا ہے، آپ نے اپنے اجتہادی فکر و عرفان کی روشنی میں اس کے سات درجے بیان فرمائے ہیں، آپ فرماتے ہیں:

○ **پہلا درجہ:** عوام اہل اسلام کے لیے ہے یعنی تصدیقِ قلبی کے بعد اطمینان نفس سے پہلے جو درجہ ولایت سے وابستہ ہے، احکام شرعیہ کا بجالا اور سنیت سنیہ متابعت ہے اور علمائے ظاہر اور عابد و زاہد جن کا معاملہ ابھی تک اطمینانِ نفس تک نہیں پہنچا سب متابعت کے اس درجہ میں شریک ہیں اور اتباع کی صورت کے حاصل ہونے میں برابر ہیں، چونکہ اس مقام میں نفس ابھی کفر و انکار ہی پر اڑا ہوا ہوتا ہے اس لیے یہ درجہ متابعت کی صورت پر مخصوص ہے، متابعت کی یہ صورت متابعت کی حقیقت کی طرح آخرت کی نجات اور خلاصی کا موجب ہے اور دوزخ کے عذاب سے بچانے والی اور جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری دینے والی ہے، اللہ تعالیٰ نے کمالِ کرم سے نفس کے انکار کا اعتبار نہ کر کے تصدیقِ قلبی پر کفایت فرمائی ہے اور نجات کو اس تصدیق پر وابستہ کیا ہے۔

مے توانی کہ دہی اشکِ مرا حسنِ قبول
اے کہ دُر ساختۂ قطرۂ بارانی را

☆ ......**دوسرا درجہ:** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور اعمال کا اتباع ہے جو باطن سے تعلق رکھتا ہے، مثلاً تہذیبِ اخلاق کہ بری صفات کا دور کرنا اور باطنی اور اندرونی امراض کا رفع کرنا وغیرہ جو مقامِ طریقت کے متعلق ہیں، اتباع کا یہ درجہ اربابِ سلوک کے ساتھ مخصوص ہے جو طریقہ صوفیہ کو شیخ مقتداء سے اخذ کر کے سیر الی اللہ کی وادیوں اور جنگلوں کو قطع کرتے ہیں۔

☆ ......**تیسرا درجہ:** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احوال و اذواق و مواجیہ کی اتباع ہے جو مقام ولایت خاصہ سے تعلق رکھتے ہیں، یہ درجہ ان اربابِ ولایت کے ساتھ مخصوص ہے جو مجذوب سالک یا

سالکِ مجذوب ہیں، جب مرتبہ ولایت ختم ہوجاتا ہے اور طغیان و سرکشی سے ہٹ جاتا ہے تو اس وقت جو کچھ متابعت کرتا ہے وہ متابعت کی حقیقت ہوتی ہے اگر نماز ادا کرتا ہے تو متابعت کی حقیقت بجالاتا ہے اور اگر روزہ ہے یا زکوٰۃ ہے تو اس کا بھی یہی حال ہے، غرض تمام احکامِ شریعت کے بجالانے میں متابعت کی حقیقت حاصل ہوتی ہے۔

☆......چوتھا درجہ: نفس کے مطمئن ہونے اور اعمالِ صالحہ کی حقیقت کے بجالانے کا درجہ متابعت کا چوتھا درجہ ہے، پہلے درجے میں اس متابعت کی صورت تھی اور یہاں اتباع کی صورت ہے، اتباع کا یہ چوتھا درجہ علمائے راسخین کے ساتھ مخصوص ہے جو اطمینان نفس کے بعد متابعت کی حقیقت کی دولت سے متحقق ہیں اگرچہ اولیاء اللہ کو بھی قلب کی متابعت کے بعد تھوڑا سا اطمینانِ نفس حاصل ہوتا ہے لیکن کمالِ اطمینانِ نفس کمالاتِ نبوت کے حاصل کرنے میں ہوتا ہے۔ جن کمالات سے علمائے راسخین کو وراثت کے طور پر حصہ حاصل ہوتا ہے۔ پس علمائے راسخین نفس کے کمالِ اطمینان کے باعث شریعت کی حقیقت سے جو اتباع کی حقیقت ہے، مستحقق ہوتے ہیں اور دوسروں کو چونکہ یہ کمالات حاصل نہیں ہوتے اس لیے کبھی شریعت کی صورت سے اور کبھی اس کی حقیقت سے متحقق ہوتے ہیں۔ علمائے راسخین کا میں ایک نشان بتاتا ہوں تاکہ کوئی ظاہر دان رسوخ کا دعوٰی نہ کرے اور اپنے نفسِ امارہ کو مطمئنہ خیال نہ کرے، عالم راسخ وہ شخص ہے جس کو کتاب وسنت کی متشابہات کی تاویلات سے بہت سا حصہ حاصل ہو اور حروفِ مقطعات کے اسرار کو جو قرآنی سورتوں کے اول ہیں بخوبی جانتا ہو، متشابہات کی تاویل پوشیدہ اسرار میں سے ہے تو خیال نہ کرے کہ یہ تاویل بھی اسی طرح ہے جس طرح ید کی تاویل قدرت سے اور وجہ کی تاویل ذات سے کرتے ہیں کیونکہ اس کا تعلق علم ظاہر سے ہے، اسرار کے ساتھ اس کا کچھ واسطہ نہیں، ان اسرار کے مالک انبیاء کرام ہیں اور ان رموز و اشارات سے انہی بزرگواروں کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے یا وہ لوگ جن کو وراثت و تبعیت کے طور پر اس دولت سے مشرف فرمائیں۔

☆......پانچواں درجہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کمالات کا اتباع ہے جن کے حاصل ہونے میں علم و عمل کا دخل نہیں بلکہ ان کا حاصل ہونا اللہ تعالیٰ کے محض فضل و کرم پر موقوف ہے، یہ درجہ نہایت ہی بلند ہے، اس درجہ کے مقابلے میں پہلے درجوں کی کچھ حقیقت نہیں، یہ کمالات اصل میں اولوالعزم

پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہیں یا ان لوگوں کے ساتھ جن کو تبعیت و وراثت کے طور پر اس دولت سے مشرف فرمائیں۔

☆……چھٹا درجہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کمالات کا اتباع ہے جو آپ کے مقام محبوبیت کے ساتھ مخصوص ہیں جس طرح پانچویں درجے میں کمالات کا فیضان محض فضل واحسان پر تھا اس چھٹے درجے میں ان کمالات کا فیضان محض محبت پر موقوف ہے جو تفضل واحسان سے برتر ہے۔ متابعت کا یہ درجہ بھی بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ پہلے درجے کے سوا متابعت کے یہ پانچ درجے مقاماتِ عروج کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا حاصل ہونا صعود پر وابستہ ہے۔

☆……ساتواں درجہ: متابعت کا ساتواں درجہ وہ ہے جو نزول و ہبوط سے تعلق رکھتا ہے، یہ درجہ پہلے تمام درجات کا جامع ہے کیونکہ مقامِ نزول میں تصدیق قلبی بھی ہے۔ تمکین قلبی بھی ہے اور نفس کا اطمینان بھی ہے اور اجزائے قالب کا اعتدال بھی ہے جو طغیان و سرکشی سے باز آ گئے ہوتے ہیں۔ پہلے درجے گویا اس درجے کے اجزاء ہیں اور یہ درجہ ان اجزاء کا کل ہے۔ اس مقام میں تابع اپنے متبوع کے ساتھ اس قسم کی مشابہت پیدا کر لیتا ہے کہ تبعیت کا نام ہی درمیان سے اٹھ جاتا ہے اور تابع ومتبوع کی تمیز دور ہو جاتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا تابع متبوع کی طرح جو کچھ لیتا ہے اصل سے لیتا ہے۔ دونوں ایک چشمے سے پانی پیتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے ہم آغوش، ہمکنار اور ایک بستر پر ہیں اور شیر وشکر کی طرح ہیں، معلوم نہیں ہوتا کہ تابع کون ہے اور متبوع کون اور تبعیت کس کے لیے ہے، نسبت کے اتحاد میں تغائر کی نسبت کچھ گنجائش نہیں۔ عجب معاملہ ہے کہ اس مقام میں جہاں تک غور کی نظر سے مطالعہ کیا جاتا ہے، تبعیت کی نسبت کچھ نظر نہیں آتی اور تابعیت ومتبوعیت کا امتیاز ہرگز مشہود نہیں ہوتا البتہ اس قدر فرق ہے کہ اپنے آپ کو اپنے نبی کا طفیلی اور وارث جانتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ تابع اور ہوتا ہے اور طفیلی اور وارث اور، اگرچہ تبعیت کی قطار میں سب برابر ہیں لیکن تابع میں بظاہر متبوع کا پردہ درکار ہے، طفیلی اور وارث میں کوئی پردہ درکار نہیں، تابع پس خوردہ کھانے والا ہے اور طفیلی (اور وارث) ضمنی ہمنشین ہے، غرض جو دولت آئی ہے انبیاء کرام کے واسطے سے آئی ہے اور یہ امتوں کی سعادت ہے کہ انبیاء کرام کے طفیل اس دولت سے حصہ پاتے ہیں اور ان کا پس خوردہ تناول کرتے ہیں۔

در قافلہ کہ اوست دانم نرسم
ایں بس کہ رسد نہ دور بانگِ جرسم

کاملِ تابعدار وہ شخص ہوتا ہے جو متابعت کے ان ساتوں درجوں سے آراستہ ہو اور وہ شخص جس میں متابعت کے بعض درجے ہیں اور بعض نہیں، درجوں کے اختلاف کے بموجب مجمل طور پر تابع ہے (ملخصاً مکتوب ۵۴، دفتر دوم)

(۱۷)

ایمان کے زیادہ ہونے یا کم ہونے میں علما کرام کا اختلاف ہے، حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ، کا فرمان ہے، ''الایمان لایزید ولاینقص، ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے نہ کم'' اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کا فرمان ہے! ''یزید و ینقص، ایمان زیادہ ہوتا ہے اور کم ہوتا ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے اجتہادی فکر و عرفان کی روشنی میں یہ مسئلہ بخوبی حل فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: اس میں کچھ شک نہیں کہ ایمان قلبی تصدیق اور یقین سے مراد ہے جس میں زیادت و نقصان کی گنجائش نہیں اور وہ جو زیادت و نقصان کو قبول کرے، دائرہ ظن میں داخل ہے نہ یقین میں، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اعمال صالحہ کا بجالانا اس یقین کو روشن کر دیتا ہے اور برے اعمال کا بجالانا اس یقین کو مکدر اور سیاہ کر دیتا ہے، پس زیادت و نقصان اعمال کے اعتبار سے اس یقین کے روشن ہونے میں ثابت ہوئی نہ کہ نفسِ یقین میں، بعض نے اس یقین کو جب منجلی اور روشن معلوم کیا تو اس یقین کی نسبت جو انجلا اور روشنی نہیں رکھتا زیادہ نہیں کہہ دیا، گویا بعض نے غیر منجلی یقین کو یقین نہ جانا اور انہی بعض نے منجلی کو یقین جان کر ناقص کہہ دیا اور بعض دوسروں نے جو زیادہ تیز نظر رکھتے تھے جب دیکھا کہ یہ زیادت اور نقصان صفاتِ یقین کی طرف راجع ہے نہ کہ نفسِ یقین کی طرف تو اس سبب سے یقین کو غیر زائد و ناقص کہہ دیا جس طرح کہ دو آئینے جو باہم برابر ہوں لیکن انجلا اور نورانیت میں تفاوت رکھتے ہوں تو ایک شخص اس آئینہ کو جو زیادہ روشن ہے اور زیادہ نمائندگی رکھتا ہے کہہ دے کہ یہ آئینہ بہ نسبت اس آئینہ کے جس میں ویسی روشنی اور انجلا نہیں ہے، زیادہ ہے اور دوسرا شخص کہہ دے کہ یہ دونوں آئینے برابر ہیں اور ان میں کسی قسم کی زیادت اور نقصان نہیں ہے، فرق صرف انجلا اور نمائندگی میں ہے جو ان دونوں آئینوں کی صفات ہیں، پس دوسرے شخص کی نظر صائب ہے

اور حقیقتِ شے تک نافذ ہے اور شخص اول کی نظر کوتاہ ہے اور صفت سے بڑھ کر ذات تک نہیں پہنچی، اللہ تعالیٰ ایمان داروں کو بلند کرتا ہے اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ لوگ بلند درجات کے مالک ہیں، اس تحقیق سے کہ جس کے اظہار کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس فقیر کو توفیق بخشی مخالفوں کے وہ سب اعتراض جو انہوں نے ایمان کے کم وبیش نہ ہونے پر کیے ہیں زائل ہو گئے اور عام مومنوں کا ایمان تمام وجود میں انبیاء کرام کے ایمان کے طرح نہ ہوا کیونکہ انبیاء کرام کا ایمان جو کامل طور پر منجلی اور نورانی ہے عام مومنوں کے ایمان سے جو مومنوں کے درجوں کے اختلاف کے بموجب بہت سی ظلمتیں اور کدورتیں رکھتا ہے اور اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان جو وزن میں اس امت کے ایمان سے زیادہ ہے، انجلاء اور نورانیت کے اعتبار سے سمجھنا چاہیے اور زیادت کو صفاتِ کاملہ کی طرف راجع کرنا چاہیے، کیا نہیں دیکھتے کہ انبیاء کرام نفسِ انسانیت میں عام لوگوں کے ساتھ برابر ہیں اور حقیقت اور ذات میں سب متحد ہیں، تفاضل یعنی ایک کا دوسرے سے افضل ہونا صفاتِ کاملہ کے اعتبار سے ہے اور جس میں یہ صفاتِ کاملہ نہیں ہیں گویا وہ اس نوع سے خارج ہے اور اس نوع کے فضائل وخواص سے محروم ہے لیکن باوجود اس تفاوت کے نفسِ انسانیت میں زیادت اور نقصان کا کوئی دخل نہیں اور نہیں کہہ سکتے کہ وہ انسانیت زیادت اور نقصان کے قابل ہے، واللہ سبحانہ، الملھم للصواب۔ (مکتوب ۲۶۶، دفتر اول)

(۱۸)

حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ کا فرمان ہے کہ **لوالی ارفع من لواءِ محمد** میرا جھنڈا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے سے بلند ہے۔ حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے اجتہادی فکر وعرفان سے اس انتہائی نازک کلام کی توجیح بیان فرمائی ہے، آپ ارقام فرماتے ہیں:

> "جب سالک کی سیر اس اسم میں واقع ہوتی ہے جو اس کے یقین کا مبداء ہے اور وہ اسم مجمل طور پر تمام اسماء کا جامع ہے، کیونکہ انسان کی جامعیت اسی قسم کی جامعیت کے باعث ہے پس ناچار اس ضمن میں وہ اسماء بھی جو دوسرے مشائخ کے تعینات کے مبداء ہیں، مجمل طور پر اس سیر میں قطع کرے گا اور ہر ایک سے گزر کر اس اسم کے منتہا تک پہنچ جائے گا اور اپنی فوقیت کا وہم پیدا کرے گا اور نہیں جانتا کہ

مقاماتِ مشائخ سے جو کچھ اس نے دیکھا ہے اور ان سے گزر گیا ہے ان کے مقامات کا نمونہ ہے نہ کہ ان مقامات کی حقیقت، اور جب اس مقام میں اپنے آپ کو جامع معلوم کرتا ہے اور دوسروں کو اپنے اجزا خیال کرتا ہے تو اپنے اولیٰ ہونے کا وہم پیدا کرتا ہے، اسی مقام میں شیخ بسطام علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔ میرا جھنڈا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے سے بلند ہے۔ وہ غلبہ سکر کے باعث نہیں جانتے کہ ان کے جھنڈے کی بلندی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے سے نہیں بلکہ ان کے جھنڈے کے نمونے سے ہے جو ان کے اسم کی حقیقت کے ضمن میں مشہور ہوا ہے۔ (مکتوب ۲۴۰، دفتر اول) آپ ایک اور مقام پر ارقام فرماتے ہیں، جب سالک کی سیر اس اسم میں جو اس کا رب ہے، واقع ہوتی ہے تو بسا اوقات خیال کرتا ہے کہ بعض بزرگوار جو یقیناً اس سے افضل ہیں، اس کے وسیلے سے بلند مقامات میں پہنچے ہیں اور انہوں نے اس کے وسیلے سے ترقی کی ہے، یہاں بھی سالکوں کے قدم پھسلنے کا مقام ہے، اللہ تعالیٰ پناہ دے اس کمال سے کہ کوئی اپنے آپ کو افضل جانے اور ہمیشہ خسارہ حاصل کرے، اچھا اگر بادشاہِ عظیم الشان کسی زمین دار کی مدد سے جو اس کی سلطنت میں داخل ہے، جائے اور اس زمین دار کے وسیلے سے بعض مقامات میں پہنچے اور اس کے ذریعے سے بعض جگہوں کو فتح کرے تو اس میں کون سی تعجب کی بات ہے اور اس میں کیا فضیلت ہے۔ (ایضاً)...... اس درویش کو بھی اس قسم کے اشتباہ بہت واقع ہوئے تھے اور اس قسم کی خیالی باتیں بہت پیدا ہوتی تھیں اور مدتوں تک یہ حالت رہی لیکن باوجود اس کے فضلِ خداوندی شامل حال رہا کہ دائمی یقین میں تذبذب پیدا نہ ہوا اور متفق علیہ اعتقاد میں فتور واقع نہ ہوا، تمام نعمتوں

پر اللہ کی حمد اور احسان ہے اور جو کچھ مجمع علیہ کے خلاف ظاہر ہوتا تھا، اس کا کچھ اعتبار نہ کرتا تھا اور اس کو نیک توجیح کی طرف پھیرتا تھا۔ (ایضاً)

محترم قارئین! حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مکتوبات اور رسائل علوم و معارف کا بحرِ اخار ہیں، چند جواہر پارے آپ کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دیے جن کی چمک دمک سے آپ کے اجتہادی فکر و عرفان کی کرنیں ظاہر ہو رہی ہیں۔ مولا کریم آپ کے فیوضات کو عام فرمائے اور آپ کے مزار پرانوار پر کھربوں رحمتوں کا نزول فرمائے آپ کی توجیہات سے ہم جیسے تشنہ کاموں کو سیراب فرمائے۔

تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
تیرے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی

☆……☆……☆

نصر من اللہ وفتح قریب

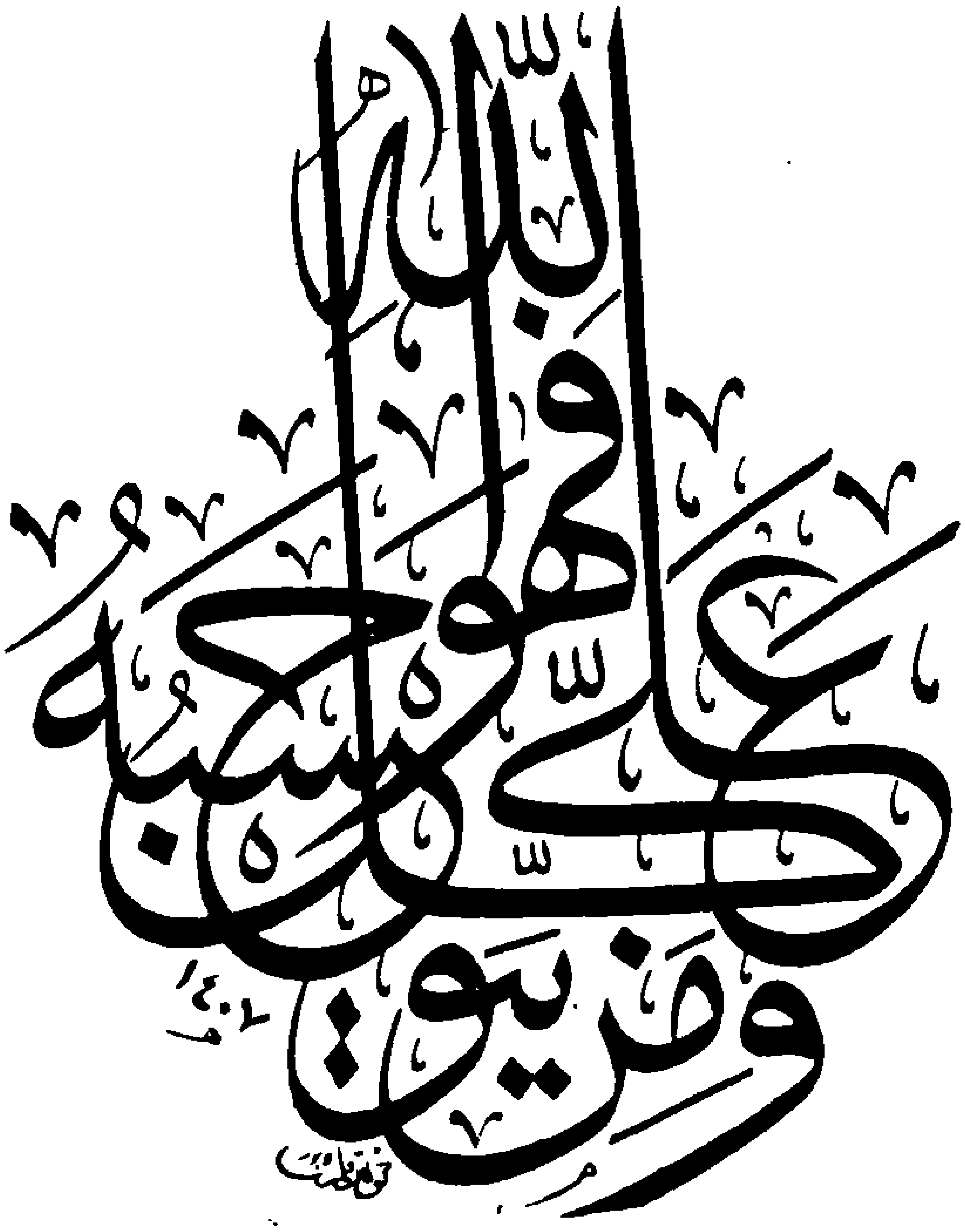
ومن يتوكل على الله فهو حسبه
١٤٠٢

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باقیاتِ جہان امام ربانی

جلد دوم...... باب دوم

* * *

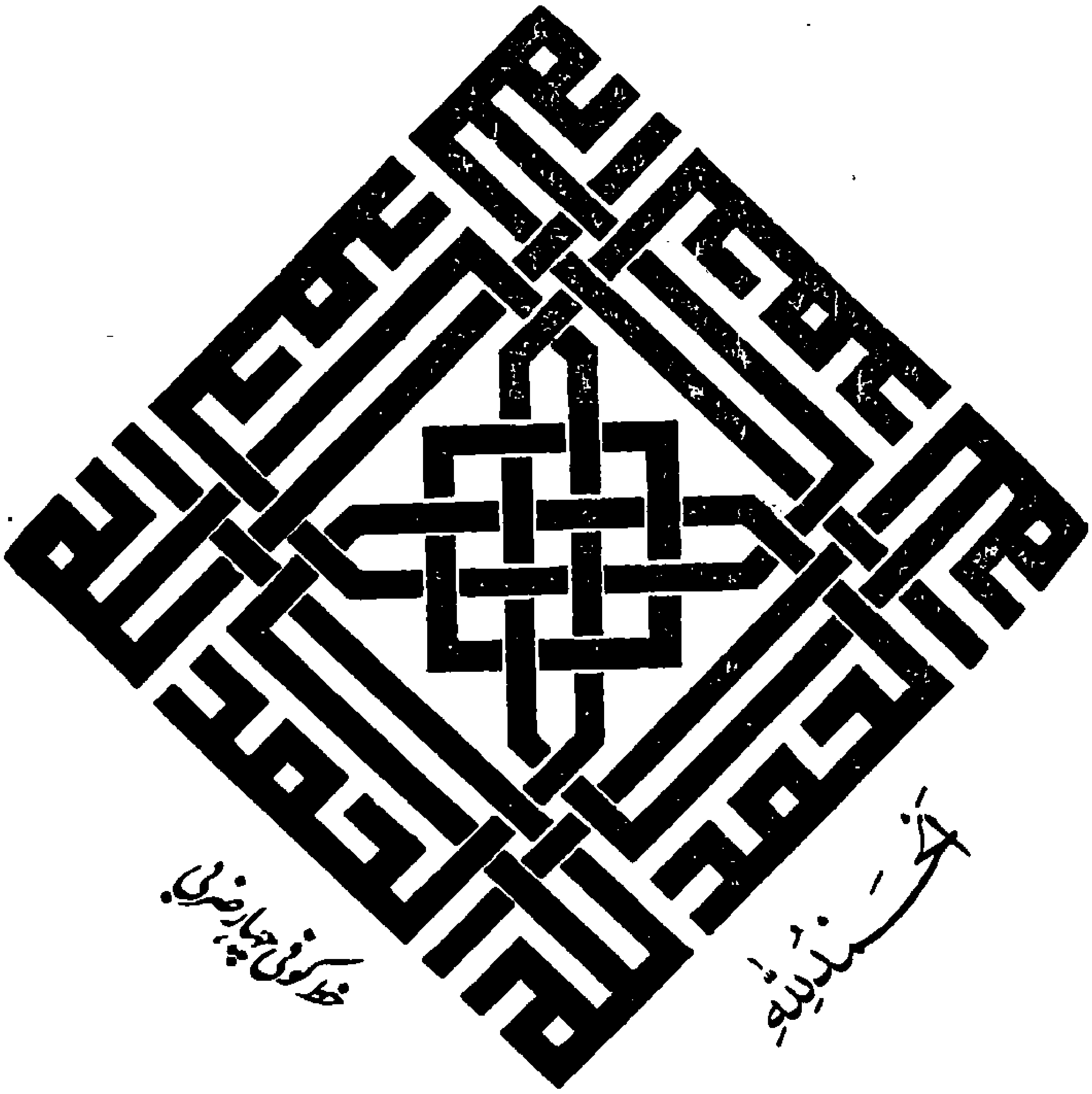
خط کوفی چہار ضربی
الحمد للہ
حرم الیف
۱۹۰۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

عہد اکبری مکتوبات امام ربانی کے آئینہ میں

پروفیسر پیر نثار احمد جان سرہندی مجددی

(میرپور خاص، سندھ)

☆☆

وہ کیسا نازک دور اسلام پر آیا تھا جب چاروں طرف سے کفر کی کالی گھٹا آفتاب اسلام پر اُمڈ آئی تھی، ہر طرف کفر و شرک کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا رہا تھا۔ لگتا تھا کہ یہ تاریکی، یہ ظلمت اس آفتاب اسلام کو نعوذ باللہ ڈھانپ لے گی۔ مگر اچانک امید کا ستارہ طلوع ہوا۔ ایک مردِ مومن جلوہ آرا ہوا۔ اس کے نفس گرم سے ایک ایسی بادِ صَر صَر چلی جو کفر کی اس کالی گھٹا کو اُڑا کر لے گئی اور اسلام کا تاباں اور منور آفتاب ایک مرتبہ پھر افقِ ہند پر جگمگانے لگا۔ یعنی وہ مردِ مومن اندھیرے میں امید کا چراغ بن کر نمودار ہوا۔ دنیا جس کو امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے لقب سے مفتخر کرتی ہے۔ کہتے ہیں کہ اکبر بادشاہ نے خواب دیکھا کہ ایک تیز آندھی چلی، جس نے اس کو اس کے تخت سمیت زور سے زمین پر دے مارا[1]۔ لاریب! یہ اللہ کی بھیجی ہوئی آندھی آپ کی ذات گرامی تھی۔ جن کو خلعتِ مجدد الف ثانی پورے ایک ہزار برس تک کے لیے عطا فرمائی گئی۔ آپ کے والد ماجد خواجہ عبدالاحد نے خواب میں دیکھا کہ تمام جہان اندھیرے میں گھرا ہوا ہے۔ بندر، ریچھ اور سور آدمیوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔ آپ کے سینہ مبارک سے نور کا ایک شعلہ نکلا۔ اس میں ایک تخت ظاہر ہوا اس تخت پر ایک بزرگ تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ ان کے سامنے تمام ظالم، بے دین اور ملحد ہلاک ہو گئے۔ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے یہ خواب حضرت شاہ کمال کیتھلی علیہ الرحمۃ سے بیان کیا۔ حضرت شاہ کمال علیہ الرحمۃ بزرگ کامل اور قطب زمانہ تھے۔ آپ نے فرمایا:

> ''تمہارے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا، جس سے تمام بدعتوں کا خاتمہ ہوگا''[2]

اکبر ۹۶۳ھ/ ۱۵۵۶ء میں تخت نشین ہوا[3]۔ وہ قطعی ان پڑھ تھا۔ وہ ایک صحیح العقیدہ مخلص مسلمان تھا۔ مگر علماء سوء کی کج بحثی اور زراندوزی نے اس کو اسلام سے برگشتہ کر دیا۔ ابوالفضل، فیضی اور ان کے والد مُلا مبارک اور دیگر ملحدوں کے زیر اثر وہ رفتہ رفتہ اسلام سے ہی بغاوت کر بیٹھا۔ مکار برہمنوں[4] اور علماء سوء نے اسے یقین دلایا کہ نعوذ باللہ اسلام کے ہزار سال پورے ہو چکے ہیں۔ اب ایک نئے دین کی حاجت ہے[5]۔ اس نے اپنے جلوس کے اٹھائیسویں سال ۹۹۰ھ میں اپنے نئے دین ''دین الٰہی'' کو نافذ کیا[6]۔ پھر اس نے اسلام کے نام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی حتی الامکان کوشش کی۔ اقبال نے بجا طور پر حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے بارے میں یہ فرمایا ہے۔

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار[7]

یہ حقیقت ہے کہ اگر حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی ذات گرامی نہ ہوتی تو اسلام کا ہندوستان سے خدانخواستہ نام ونشان تک مٹ جاتا[8]۔ استاذ محترم حضرت مسعود ملت فرماتے ہیں:

> ''ایسے پُر آشوب دور کی ایک تصویر غیر مسلم مؤرخوں نے پیش کی ہے۔ جنہوں نے اکبر بادشاہ کو اکبر اعظم کا خطاب دیا اور اس کو اس قدر بڑھایا چڑھایا کہ (تاریخ میں) شاہجہاں اور اورنگ زیب کے چراغ ٹمٹمانے لگے۔ ۔۔۔ تاریخی اور مذہبی حیثیت سے جب دور اکبری کا جائزہ لیا جاتا ہے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس دور حکومت میں الحاد اور بے دینی کو بہت فروغ ہوا جو شاید کسی مسلم بادشاہ کے عہد میں نہ ہوا ہوگا، غالبًا اسی لیے یہ مسلمان بادشاہ غیر مسلموں کا محبوب ترین مسلم حکمران ہے''[9]

علاوہ ازیں چونکہ شخصی حکومت میں تمام اختیارات کا منبع ایک ذات ہو جاتی ہے اس پر نکتہ چینی کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ لہٰذا سرکاری، درباری مؤرخ اور وقائع نگار بالعموم کاسہ لیس اور ناقابل اعتبار ہوتے ہیں۔ چنانچہ دور اکبری کے وقائع نگار ابوالفضل وغیرہم نے خوشامد، جھوٹ اور چاپلوسی کے سارے

پچھلے ریکارڈ توڑ دیے۔

عہد اکبری کی ایک سچی اور حقیقی تصویر اس عہد کے ناقد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات شریف کے آئینے میں اور مُلا عبد القادر بدایونی نے اپنی تالیف ''منتخب التواریخ'' میں پیش کی ہے۔ جو پہلی تصویر کے سراسر برعکس ہے۔ خبر وہی قابل اعتبار کہی جاسکتی ہے جو دیانت دار اور آزاد ذرائع سے حاصل ہوئی ہو۔ لہٰذا ایک ولی کامل کے مکتوبات شریفہ کسی بادشاہ کے عہد کو جانچنے کا ایک انتہائی قابل اعتماد ذریعہ ہیں۔ ملا عبد القادر بدایونی تو صرف اکبری دور کے چالیس سال کے واقعات بیان کر کے رہ گئے۔ مگر آپ نے اکبری دور کے الحاد اور گمراہی کا ہر سطح پر مقابلہ کیا۔ آپ نے معاشرے کا کوئی ایسا طبقہ نہیں چھوڑا جس تک اسلام کا حقیقی پیغام نہ پہنچا دیا ہو۔

آپ کے مکتوبات شریفہ تقریباً دو سو مختلف اکابرامت و اراکین سلطنت کے نام ہیں۔ پانچ سو چھتیس مکتوبات پر مشتمل اور فل اسکیپ سائز کے تیرہ سو صفحات کے تین دفاتر (در المعرفت، نور الخلائق اور معرفت الحقائق) پر مشتمل ہیں۔ آپ کی تجدید و احیائے دین کا اعلیٰ ترین کارنامہ اور عظیم ترین شاہکار ہیں۔ جو ان شاءاللہ رہتی دنیا تک آپ کی یادگار رہیں گے[۱۰]۔

ان مکتوبات شریفہ کے انتخاب میں آپ کی زبردست انشاء پردازی کی وجہ سے میری عاجزی اور بیچارگی کا یہ عالم تھا کہ جب بھی میں آپ کے کسی مکتوب گرامی کو مختصر کرنے کی کوشش کرتا تو اس کے تحریر کردہ الفاظ اور جملے جو موتیوں کی مالا کی طرح اپنی جگہ پر چمک رہے ہیں وہ میرا دامن پکڑ کر روک لیتے اور مجھے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو جاتا کہ میں کس مکتوب شریف کو لوں اور کس کو چھوڑ دوں۔ اور پھر منتخب کردہ مکتوب شریف کا ہر لفظ میرا سدّ راہ ہو جاتا۔ ایک ایک جملہ میرے قلم کا دامن پکڑ لیتا تھا کہ۔

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جا است!

ہر مکتوب اپنی اپنی جگہ عہد اکبری اور اس کے تتمہ دور جہانگیری کی ناقابل تردید داستان بیان کرتا ہے۔ اب ہم اسلام کے اس مایۂ ناز عالم و عارف ''مجدد الف ثانی'' کے مکتوبات کے آئینہ میں عہد اکبری اور اس کے تتمہ دور جہانگیری کو دیکھنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

ایک مکتوب گرامی میں خان اعظم کو تحریر فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ آپ کو شرعی احکام کے بلند کرنے میں دشمنانِ اسلام پر مدد و نصرت عطا فرمائے۔ مُخبر صادق علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوٰۃ افضلھا ومن التسلیمات اکملھا نے فرمایا ہے کہ "اسلام غریب (بے وطن و بے کس) ہی ظاہر ہوا اور عنقریب ایسا ہی ہو جائے گا جیسا کہ شروع میں تھا پس غریبوں کے لیے خوشخبری ہے" اسلام کی غربت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ کافر کھلم کھلا اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں۔ بے خوف وخطر ہر کوچہ و بازار میں کفر کے احکام جاری اور اہل کفر کی تعریف کرتے ہیں اور مسلمان اسلام کے احکام جاری کرنے سے روک دیے گئے ہیں اور شریعت کے احکام بجالانے کی صورت میں ان کی مذمت اور ان پر طعنہ زنی کی جاتی ہے۔

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز
بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است
(ترجمہ: پری تو رخ کو چھپائے ہے دیو ناز کرے
یہ حال دیکھ کے حیرت سے ہوش جاتے رہے)

سبحان اللہ وبحمدہٖ (اللہ پاک ہے اور اس کی تعریف ہے) عقلندوں نے کہا شریعت تلوار کے نیچے ہے اور شرع شریف کی رونق بادشاہوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور اب قضیہ برعکس ہو گیا ہے اور معاملہ بدل گیا ہے۔ ہائے افسوس صد افسوس! آج ہم آپ کے وجود شریف کو غنیمت جانتے ہیں اور اس ضعیف اور شکست خوردہ معرکہ میں آپ کے سوا کسی کو دشمن کے مقابلہ میں آنے والا بہادر اور لڑاکا نہیں جانتے۔

حق تعالیٰ اپنے نبی مکرم (ﷺ) اور آپ کی بزرگ آل علیہم الصلوٰۃ

والتسلیمات والتحیات والبرکات کے طفیل آپ کا مددگار و ناصر ہو'' ۱۱

لالہ بیگ کو ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:

''تقریباً ایک صدی سے اسلام پر اس قسم کی غربت چھا گئی ہے کہ کفار، اسلامی شہروں میں کھلم کھلا کفر کے احکام کے اجراء پر ہی بس نہیں کرتے بلکہ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکل ہی ختم ہو جائیں، اور اسلام اور اہل اسلام کا کوئی نشان ہی نظر نہ آئے اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی اسلامی شعار کا اظہار کرتا ہے تو قتل کیا جاتا ہے۔ ذبیحہ گاؤ جو کہ ہندوستان میں اسلام کا ایک بہت بڑا شعار ہے (ختم ہو چکا ہے) کفار جزیہ دینے پر تو شاید راضی ہو جائیں لیکن گائے کے ذبح کرنے پر راضی نہ ہوں گے (اب چونکہ جہانگیر کی سلطنت کا آغاز ہے) اگر آغاز سلطنت میں اسلامی عقائد نے رواج پا لیا اور مسلمانوں نے کچھ حیثیت اختیار حاصل کر لی تو بہتر ہے ورنہ نعوذ باللہ یہ کام توقف میں جا پڑا تو مسلمانوں پر کام بہت مشکل ہو جائے گا۔ **الغیاث الغیاث! ثم الغیاث الغیاث!** فریاد ہے فریاد ہے! اور پھر فریاد ہے فریاد ہے! دیکھیں کون سعادت مند اس سعادت کو حاصل کرتا ہے اور کون سا شاہین اس دولت کو پہنچتا ہے'' ۱۲

اپنے خلیفہ میر محمد نعمان بدخشی کو تحریر فرماتے ہیں:

''تو لازماً اسلام کمزور ہو چکا ہے، کفار ہند بے تحاشا مسجدوں کو گرا کر وہاں اپنے معبد و مندر تعمیر کر رہے ہیں۔ چنانچہ تھانیسر میں حوض کرکھیت کے اندر ایک مسجد اور ایک بزرگ کا مقبرہ تھا اس کو گرا کر اس کی جگہ بڑا بھاری مندر بنایا ہے۔ نیز کفار اپنی رسموں کو کھلم کھلا بجا

لا رہے ہیں اور مسلمان اکثر اسلامی احکام کے جاری کرنے میں عاجز ہیں ایکا وشی کے دن، ہندو کھانا ترک کر دیتے ہیں، بڑی کوشش کرتے ہیں کہ اسلامی شہروں میں کوئی مسلمان روٹی نہ کھائے اور نہ بیچے اور وہ کفار ماہ مبارکہ رمضان میں برملا طعام پکاتے اور بیچتے ہیں۔ مگر اسلام کے مغلوب ہونے کے باعث کوئی روک نہیں سکتا۔ ہائے افسوس! بادشاہ وقت ہم میں سے ہو اور پھر ہم فقیروں کا اس طرح خستہ وخراب حال ہو''۱۳

شیخ فرید بخاری کو تحریر فرماتے ہیں:

''آپ جانتے ہیں کہ گزشتہ صدی میں اہل اسلام کے سر پر کیا کیا مصیبتیں گزری ہیں۔ گزشتہ صدیں (یعنی ابتدائے اسلام) میں نہایت قلت وغربت کے باوجود اہل اسلام کی خرابی وتباہی بھی اس سے زیادہ نہیں ہوئی تھی کہ مسلمان اپنے دین پر اور کفار اپنے طریقہ پر قایم تھے۔ آیہ کریمہ **لکم دینکم ولی دین** (سورہ کافرون:۱۰۹/۶) (تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین) میں اسی حقیقت کا بیان ہے۔ اور گزشتہ صدی میں کفار غلبہ پا کر دار السلام میں کھلم کھلا کفر کے احکام جاری کرتے تھے اور مسلمان اسلام کے احکام جاری کرنے سے عاجز تھے اگر وہ کرتے تھے تو قتل کر دیے جاتے تھے۔ ہائے ہلاکت! ہائے مصیبت! ہائے افسوس اور غم! حق تعالیٰ کے محبوب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والے ذلیل وخوار تھے اور آپ کے منکر لوگ عزت والے اور معتبر تھے۔ مسلمان زخمی دلوں کے ساتھ اسلام کی ماتم پرسی کرتے تھے اور مخالف دشمن ہنسی مذاق کے ساتھ ان کے زخموں پر نمک چھڑکتے

تھے۔ ہدایت کا آفتاب گمراہی کے پردے میں چھپا ہوا تھا اور حقانیت نورِ باطل کے پردوں میں گوشہ گیر ہو گیا تھا۔ گزشتہ صدی میں جو بھی مصیبت اسلام اور اہل اسلام کے سر پر آئی وہ اسی جماعت (علماءِ سوء) کی بدبختی و بے باکی کی وجہ سے تھی۔ یہی لوگ (علماءِ سوء) بادشاہوں کو راہ راست سے بھٹکاتے تھے۔ بہتّر فرقے جنہوں نے گمراہی کا راستہ اختیار کیا ہے ان سب کے مقتداء و پیشوا یہی برے علماء ہوتے ہیں۔ بہت کم لوگ ہیں جو علماء کے بغیر گمراہ ہوئے ہوں اور ان کی گمراہی کا اثر دوسرے لوگوں تک پہنچا ہو اور اس زمانے کے اکثر صوفی نما جاہل لوگ علماءِ سوء (بُرے علماء) کا حکم رکھتے ہیں، ان کا فساد بھی متعدی ہے (یعنی اس کی برائی بھی دوسروں تک پہنچتی ہے) اور ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص امداد کی طاقت کے باوجود کسی قسم کی مدد میں بھی کمی کرے اور اسلام کے کارخانے میں خلل واقع ہو جائے تو وہ امداد میں کوتاہی کرنے والا شخص معتوب (سزا کا مستحق) ہوگا۔ سی لیے یہ کم سرمایہ حقیر فقیر بھی چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو اسلا مددگاروں کے گروہ میں داخل کرے اور اس بارے میں کوشش کر **من کثر سواد قوم فهو منهم** (جس نے کسی قوم کی جمیع۔ زیادہ کیا وہ ان ہی میں سے ہے) کے موافق امید ہے کہ اس ۔ استطاعت کو بھی اس بزرگ جماعت (مددگاران اسلام) میں داخل کرلیں، یہ فقیر اپنے آپ کو اس بڑھیا کی مانند خیال کرتا ہے جس نے اپنا تھوڑا سا سُوت لے کر حضرت یوسف علیہ السلام کے خریداروں کے سلسلے میں شامل کرلیا تھا۔ آنجناب کی بزرگ ذات سے توقع ہے کہ جب حق سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو ذاتی قوت و طاقت اور بادشاہت کا

قرب پورے طور پر عطا فرمایا ہے تو حضرت محمد مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوٰۃ افضلھا ومن التسلیمات کی شریعت کے رواج دینے میں خلوت اور جلوت اور ظاہر و باطن میں کوشش کرتے رہیں گے اور مسلمانوں کو ذلت وپستی سے نکالیں گے'' ۱۴

ان ہی شیخ فرید بخاری کو تحریر فرماتے ہیں:

''میرے سیادت پناہ مکرم! آج اسلام بہت غریب اور بے کس ہو رہا ہے۔ آج اس کی تقویت میں ایک جیتل کا صرف کرنا کروڑوں روپیوں کے بدلے قبول کرتے ہیں۔ دیکھیے کس شہباز بہادر کو (دین کی) اس دولت عظمیٰ سے مشرف فرماتے ہیں۔۔۔'' ۱۵

اکبر کے دور میں لوگ نبوت کا انکار کر رہے تھے ان کے رد میں آپ نے رسالہ ''اثباۃ النبوۃ'' لکھا جس کا ملحدین اور منکرین کوئی جواب نہیں دے سکے۔ اس میں آپ فرماتے ہیں:

''جب میں نے اس زمانے میں لوگوں کے اعتقاد میں اصل نبوت کے متعلق (فتور دیکھا) پھر ایک شخص مُعیّن (اکبر) کی نبوت کے ثبوت اور تحقیق میں اور نبوت کے مشروع کردہ امور میں (فتور دیکھا) اور لوگوں میں اس کا شائع ہونا متحقق ہوگیا یہاں تک کہ شرائع کی پیروی اور رسولوں پر یقین میں پختہ ہونے کی وجہ سے ہمارے زمانے کے بعض جابروں نے بہت سے علماء کو مختلف سختیاں اور ایذائیں پہنچائیں۔۔۔ بہت سے علماء اہل اسلام قتل کر دیے گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس مجلس میں خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام کی تصریح ترک کردی گئی۔ اور جس کا یہ اسم شریف رکھا گیا تھا اسے بدل کر دوسرا نام رکھا گیا۔ گائے کا ذبح کرنا ممنوع قرار دیا گیا۔۔۔ مساجد اور مسلمانوں کے مقابر ویران کردیے گئے۔ کفار کی عبادت گاہوں اور ان کی رسوم وعبادات کے دنوں کی تعظیم کی گئی۔

مختصر یہ کہ اسلام کے شعائر اور اس کی علامتیں باطل قرار دی گئیں۔ اور کفار کی رسوم اور ان کے ادیان باطلہ رائج کیے گئے۔ حتیٰ کہ کفارِ ہند کے احکام ظاہر کیے گئے اور انھیں ان کی زبان سے فارسی میں منتقل کیا گیا تا کہ اسلام کے سارے آثار مٹا دیں۔ اور میں نے جان لیا کہ شک وانکار کا مرض وسیع ہوگیا ہے۔ یہاں تک کہ اطباء (علماءِ سوء) خود بیمار ہو چکے ہیں اور مخلوق ہلاکت کے قریب ہوگئی ہے۔۔۔ میں نے ایسے افراد سے مناظرہ بھی کیا جنہوں نے فلسفہ اور کافروں کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور جن کو فضل کی فضیلت کا دعویٰ بھی ہے (یعنی ابوالفضل) ان لوگوں نے خلق خدا کو گمراہ کیا ہے اور اصل نبوت کے تحقق اور ایک خاص شخص (اکبر) کے لیے اس کے ثبوت کے سلسلے میں خود بھی بھٹکتے اور دوسروں کو بھی بھٹکایا ہے۔۔۔''[۱۶]

شیخ فرید بخاری کو ایک اور مکتوب شریف میں تحریر فرماتے ہیں:

''سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ شریعت کو رواج دینے میں اور اس کے حکموں میں سے کسی حکم کے زندہ کرنے میں کوشش کی جائے، خاص کر ایسے زمانہ میں جبکہ اسلامی شعائر (نشانات) بالکل مٹ گئے۔ کروڑہا روپیہ خدا تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا شرعی مسائل میں سے ایک مسئلہ کو رواج دینے کے برابر نہیں ہے۔۔۔''[۱۷]

اپنے مرشد زادہ خواجہ عبداللہ علیہ الرحمۃ کے نام ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

''اس وقت تمام جہان بدعتوں کے بکثرت ظاہر ہونے کے باعث بحرِ ظلمات کی طرح نظر آرہا ہے، اور سنت کا نور اپنی غربت اور قلت کے باعث اس بحرِ ظلمانی میں کرمہائے شب افروز (جگنوؤں کی طرح) محسوس ہو رہا ہے۔ اور بدعت کا عمل اس ظلمت کو اور بھی زیادہ

کر رہا ہے اور سنت کے نور کو کم کرتا جاتا ہے۔۔۔'' ۱۸

ایک اور مکتوب میں رقم طراز ہیں:

''ایک دنیا بدعت کے دریا میں ڈوبی ہوئی ہے اور بدعت کی تاریکیوں میں آرام کر رہی ہے۔ کس کی مجال ہے کہ بدعات کو ختم کرنے کے لیے دَم مارے اور احیائے سنت کے لیے لب کھولے؟ اس زمانے کے اکثر علماء نے بدعات کو رواج دیا ہے اور سنت کو مٹایا ہے'' ۱۹

اپنے فرزند گرامی کو ایک مکتوب شریف میں تحریر فرماتے ہیں:

''اے فرزند! یہ وقت اس وقت جیسا ہے کہ جب سابقہ امتوں میں ان حالات میں کہ ظلمت سے پُر ہیں اولوالعزم پیغمبر کو مبعوث کیا جاتا تھا اور نئی شریعت کی بنیاد رکھی جاتی تھی، یہ امت جو خیر الامم ہے اور پیغمبر اس کا خاتم الرسل ہے، علماء کو انبیاء کا مرتبہ دیا گیا اور علماء کے وجود سے انبیاء کی کمی پوری فرمادی گئی ہے، اس وقت (ایسا) عالم و عارف جو معرفت میں انتہا کو پہنچا ہو اس امت کو درکار ہے جو انبیاء اولوالعزم کا قایم مقام ہو'' ۲۰

ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

''کچھ شک نہیں کہ توفیق الٰہی نے حضرت ممدوح (حضرت امام ربانی) کے وجود گرامی ہی کے لیے یہ مرتبہ خاص کر دیا تھا، انبیاء اولوالعزم کی نیابت قایم مقامی یعنی مقام عزیمت و دعوت کا خلعت صرف ان ہی کے جسم پر چُست آیا'' ۲۱

اپنے فرزندان گرامی حضرت خواجہ محمد سعید اور حضرت خواجہ محمد معصوم کو ایک مکتوب میں ان لوگوں کے بارے میں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا خیال کرتے ہیں، تحریر فرماتے ہیں:

''جن محروموں نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہا اور دوسرے انسانوں کی طرح ان کو تصور کیا تو لازمی طور پر وہ آپ کے

منکر ہوگئے اور سعادت مندوں نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رسالت ورحمت عالمیان کے عنوان سے جانا اور باقی تمام لوگوں سے ممتاز دیکھا وہ ایمان کی دولت سے مشرف ہوگئے اور نجات پاگئے''[۲۲]

دور اکبری کے صوفیہ کا اس طرح ذکر فرمایا ہے:

''صوفیان خام اور ملحدان ناعاقبت اندیش اس کے درپے ہیں کہ حلقہ شریعت سے اپنی گردن چھڑالیں اور احکام شرعیہ کو صرف عوام کے لیے مخصوص کردیں، وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ خواص تو صرف معرفت کے مکلف ہیں اور بس۔ جب معرفت حاصل ہوگئی تو پھر تکلیفات شرعیہ ساقط ہوگئیں''[۲۳]

ایک اور مکتوب گرامی میں فرماتے ہیں:

''اور بعض لوگ توحید وجودی کی غلط تاویل سے الحاد وزندقہ میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ یہ لوگ ہر شے (خیر وشر) کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرتے ہیں۔ بلکہ سب کو خدا سمجھتے ہیں''[۲۴]

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

''بعض گمراہ خواہ مخواہ مسند مشیخت پر بیٹھ گئے ہیں اور تناسخ اور آواگون کا حکم دیتے ہیں اور ان لوگوں میں سے ایک گروہ نے نماز کو دور از کار سمجھ کر اس کی بنیاد کو ''غیر اور غیریت'' پر محمول کیا ہے''[۲۵]

ایک اور مکتوب میں شیخ نظام تھانیسری کو تحریر فرماتے ہیں:

''متعدد لوگوں سے سنا ہے کہ تمہارے بعض خلفاء کو ان کے مرید سجدہ کرتے ہیں''[۲۶]

حضرت مرزا بدیع الزمان نے اپنے کسی مراسلہ میں حضرت امام ربانی کی شان والا میں فرط عقیدت سے ''خدیو نشأتین'' کا لفظ استعمال کرلیا۔ آپ نے فوراً ان کی گرفت کی اور فرمایا:

> ''اے میرے سعادت مند! آپ کے مکتوب میں یہ فقرہ لکھا ہوا تھا ''خدیونشأتین'' یعنی دونوں جہانوں کا بادشاہ! یہ ایسی نعمت وتعریف ہے جو حضرت واجب الوجود جل شانہ کے لیے مخصوص ہے۔ بندہ مملوک کو جو کسی شے پر قادر نہیں ہے کیا لائق ہے کہ کسی وجہ سے خدائے تعالیٰ کے ساتھ شرکت کرے'' ۲۷

اکبر کے دور میں الحاد وکفر کی ایسی گرم بازاری ہوئی کہ لوگ اپنے آپ کو فخریہ کافر کہلانے لگے۔ مرزا عبدالرحیم خان خاناں کے ایک ہم نشین نے ''کفری'' کا لقب اختیار کیا۔ آپ نے خان خاناں کو تحریر فرمایا:

> ''بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ کے ہم نشیں فاضل شاعروں میں ایک شخص شعر میں اپنے آپ کو ''کفری'' کے لقب سے ملقب کرتا ہے۔ حالانکہ وہ بزرگ سادات اور شریف خاندان سے ہے۔ ہائے افسوس! اس کو اس برے اسم پر جس کی برائی ظاہر ہے کس چیز نے برانگیختہ کیا۔۔۔؟'' ۲۸

عہد اکبری میں عورتوں میں رائج بعض برائیوں کی نشاندہی میں ایک صالحہ (خاتون) کو یہ مکتوب تحریر فرمایا:

> ''دکھ درد اور بیماریوں کے دور کرنے کے لیے اصنام اور طاغوت یعنی بتوں اور شیطانوں سے مدد مانگنا جو جاہل مسلمانوں میں شائع ہے۔ عین شرک و گمراہی ہے اور تراشیدہ اور ناتراشیدہ پتھروں سے حاجتوں کا طلب کرنا واجب الوجود جل شانہ کا محض کفر و انکار ہے۔۔۔ عورتیں شرک اور اہل شرک کے رسموں کے ادا کرنے میں گرفتار ہیں۔ خاص کر جدری مرض کے وقت جس کو ہندی زبان میں سیتلا (ماتا) اور چیچک کہتے ہیں، اکثر عورتوں سے یہ بات مشہود ومحسوس ہوتی ہے شاید ہی کوئی عورت ہوگی جو اس شرک سے خالی ہو۔۔۔ ہندوؤں کے بڑے دنوں کی تعظیم کرنا اور ان کی مشہور

> رسموں کو بجالانا سراسر کفر و شرک ہے۔ جیسے کہ کافروں کی دیوالی کے دنوں میں جاہل مسلمان خاص کر ان کی عورتیں کافروں کی رسموں کو بجالاتی اور اپنی عید مناتی ہیں اور کافروں اور مشرکوں کی طرح ہدیہ اور تحفہ بیٹیوں اور بہنوں کو بھیجتی ہیں۔ اور اس موسم میں اپنے برتنوں کو رنگ کر کے سرخ چاولوں سے بھر کر بھیجتی ہیں اور اس موسم کا بڑا اعتبار اور شان بتاتی ہیں۔ سب شرک اور دین اسلام کا کفر ہے''[۲۹]

خواجہ شرف الدین حسین کے نام ایک مکتوب میں کافروں کی چیرہ دستی کو یوں ارقام فرماتے ہیں:

> ''آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ حال ہی میں دار الحرب کے کافروں نے نگر کوٹ کے مسلمانوں اور ان کے شہروں پر کس قدر ظلم و ستم ڈھائے ہیں۔ اور ان کی کتنی اہانت کی ہے۔ اللہ سبحانہٗ ان کو ذلیل و خوار کرے۔ آخری زمانہ کے تقاضوں کے مطابق اس قسم کے بدبودار پھول بہت کھلیں گے۔۔۔''[۳۰]

ایسی صورت حال میں آپ نے نیک نفس امیر شیخ فرید بخاری کو تحریر فرمایا:

> ''ذرا خیال تو کریں کہ معاملہ کہاں تک پہنچ چکا ہے، مسلمانی کی بو بھی باقی نہ رہی۔ ایک دوست نے کہا ہے کہ تم لوگوں میں جب تک کوئی دیوانہ نہ ہوگا مسلمانی تک پہنچنا مشکل ہے۔ اسلام کا بول بالا کرنے کے لیے اپنے نفع و نقصان کا بھی خیال نہ کرنا۔ یہ ہے دیوانگی۔ اسلام رہے تو کچھ بھی ہو (کوئی پروا نہیں) اور نہ رہے تو پھر کچھ بھی نہ رہے۔ اگر مسلمانی ہے تو پھر خدا کی رضا اور اس کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی بھی ہے اور آقا کی رضا سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں''[۳۱]

اکبر ۱۰۱۴ھ/ ۱۶۰۵ء میں بے نیل مرام فوت ہوا اور اس کا بیٹا جہانگیر حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے مخلص مریدوں کی مدد سے سریر آرائے سلطنت ہوا۔ استاذ محترم حضرت مسعود ملت لکھتے ہیں:

> ''غالباً حضرت مجدد کی اس قسم کی ترغیبات سے متاثر ہو کر تخت نشینی کی جدو جہد میں شیخ فرید بخاری نے جہانگیر کا ساتھ دیا۔ جس کی تفصیل یہ ہے:
>
> اکبر بادشاہ کی زندگی ہی میں جہانگیر کا بیٹا خسرو اپنی جانشینی کے لیے سرکشانہ کوشاں تھا۔ بیشتر امراء اس کے طرف دار تھے مگر حضرت مجدد کے معتقد خاص اور جہانگیر کے معتمد خاص شیخ فرید بخاری اور ان کے ساتھیوں نے اس شرط پر جہانگیر کی حمایت کا وعدہ کیا کہ وہ حصول اقتدار کے بعد اسلام کا پورا پورا تحفظ کرے گا'' ۳۲

آپ شیخ فرید بخاری کو اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''آج بے چارے اسلام کے لیے اس طرح کی گمراہی کے بھنور میں نجات کی امید بھی خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات اکملھا کے اہل بیت کی کشتی ہے۔ آپ اپنی بلند ہمتی کو پوری طرح سے اس بات (ترویج شریعت) پر لگادیں تا کہ یہ بہت بڑی سعادت حاصل ہو جائے''

جہانگیر نے شیخ فرید بخاری کو علماء کی ایک کونسل قایم کرنے کے لیے کہا جس کے چار ممبر ہوں۔ حضرت مجدد انہیں خبردار کرتے ہیں کہ ایسے علماء کی تعداد بہت قلیل ہے جو دین دار ہوں۔ اور حبِ جاہ یا حب ریاست سے علیحدہ ہوں۔

> زمانۂ گزشتہ (عہد اکبری) میں علمائے سوء کے اختلاف نے ہی دنیا کو ہلا دیا تھا۔ میرے نزدیک صرف ایک عالم کو اس غرض کے لیے منتخب کیا جائے تو بہتر ہوگا۔ علمائے آخرت میں سے کوئی عالم میسر ہو تو اس سے اچھی کیا بات ہے۔ اس کی صحبت کبریت احمر کا حکم رکھتی ہے'' (ملخصاً)

برے علماء (علماء سوء) کی مذمت میں ملا حاجی محمد لاہوری کو تحریر فرمایا:

''اکابرین میں سے ایک بزرگ نے شیطان ملعون کو دیکھا کہ فارغ (بیکار) بیٹھا ہے اور گمراہ کرنے اور بہکانے سے بے فکر ہو چکا ہے۔ اس بزرگ نے اس سے اس فراغت کی وجہ دریافت کی۔ اس نے جواب دیا کہ اس زمانے کے برے علماء نے خود ہی اس کام میں میری بہت بڑی مدد کی ہے اور انھوں نے مجھے اس اہم کام سے فارغ کر دیا ہے''

جہانگیر کے استاد مفتی صدر جہاں کو اپنے مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:

''احکام شرعیہ کے جاری کرنے اور مذہب مصطفوی علیہ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے دشمنوں کی ذلت وخواری کی باتیں سن کر ماتم زدہ مسلمانوں کے دل کو خوشی اور روح کو تازگی حاصل ہوئی۔ اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ زمانہء سابق (دور اکبری) میں جو فساد پیدا ہوا تھا وہ علماء سوء کی بدبختی کی وجہ سے ظہور میں آیا تھا اس لیے امید ہے کہ پورے پورے تتبع (چھان بین کو) مدنظر رکھ کر دیندار علماء کا انتخاب کر کے پیش قدمی کریں گے۔ علماء سوء جو دین کے چور اور ڈاکو ہیں ان کا مقصود حبِ جاہ اور ریاست اور مخلوق کے نزدیک قدر ومنزلت حاصل کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے فتنہ سے بچائے۔۔۔''

ان ہی مفتی صدر جہاں کو ایک مکتوب صادر فرمایا:

''اب جبکہ سلطنتوں میں انقلاب واقع ہوا ہے اور اہل مذاہب کی عداوت کی تیزی درہم برہم ہوگئی ہے۔ اسلام کے پیشواؤں یعنی بڑے بڑے وزیروں اور امیروں اور بزرگ عالموں پر لازم ہے اپنی تمام ہمت کو روشن شریعت کی ترویج میں لگائیں۔ اور سب سے اول اسلام کے گرے ہوئے ارکان کو قایم کرائیں۔ کیونکہ تاخیر میں

خیریت ظاہر نہیں ہوتی، اور غریبوں کے دل اس تاخیر سے نہایت بے قرار ہیں۔ گزشتہ زمانہ کی سختیاں ابھی تک مسلمانوں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ پھر ان کا تدارک نہ ہو سکے۔ اور اسلام کی غربت اس سے بھی زیادہ ہو جائے۔ جب بادشاہ سنت سنیہ مصطفویہ علیٰ صاحبھا الصلوٰۃ والسلام کی ترقی میں سرگرم نہ ہوں اور بادشاہوں کے مقرب بھی اس بارے میں (اپنے) آپ کو الگ رکھیں اور چند روزہ زندگانی کو عزیز سمجھیں تو پھر اہل اسلام بیچاروں پر زمانہ بہت ہی تنگ ہو جائے گا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں:

آں چہ از من گم شدہ گر از سلیماں گم شدے
ہم سلیماں ، ہم پری، ہم اہرمن بگریستے

(ترجمہ: جو میں نے کھو دیا اس کو سلیماں بھی اگر کھوتے وہ خود روتے، پری بھی جن بھی بلکہ اہرمن روتے)

صبت علی مصائب لو انھا
صبت علی الایام صرن لیا لیا

(مصائب نے مجھے اس طرح گھیرا، اگر گردوں پہ ہوں ہو جائے تاریک)''

مگر افسوس جہانگیر اپنے سارے قول و قرار بھول گیا، عہد اکبری کی بہت سی برائیاں برقرار رہیں۔ حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ خان جہاں، جن کو جہانگیر کے دربار میں بہت اثر و رسوخ حاصل تھا ان کو ایک مکتوب گرامی میں ہندی بت پرستوں اور شیعوں کے عقائد باطلہ پر ایک مختصر تبصرہ فرمانے کے بعد (کہ حکومت کو اس وقت یہی روگ لگے ہوے تھے) آخر مکتوب میں پھر اپنے مطلب پر آجاتے ہیں:

''وہ دولت جس کے ساتھ حق تعالیٰ نے آپ کو ممتاز فرمایا ہے اور لوگ اس دولت سے غافل ہیں بلکہ قریب ہے کہ آپ بھی اس دولت کو

محسوس نہ کریں۔ وہ یہ ہے کہ بادشاہ وقت سات پشت سے مسلمان چلا آتا ہے اور اہل سنت و جماعت میں سے اور حنفی مذہب پر ہے۔ اگرچہ چند سال ہوئے ہیں کہ اس زمانہ میں جو قربِ قیامت اور عہد نبوت کے بُعد کا زمانہ ہے بعض طالب علموں نے اپنی طمع کی کم بختی و ذلت سے جو کہ باطن کی خباثت سے پیدا ہوئی ہے، بادشاہوں کے امراء کے ساتھ تقرب حاصل کیا۔ اور خوشامدی بن گئے اور دینِ مُتین میں تشکیکات اور اعتراضات کیے ہیں اور شبہے نکالے ہیں۔ اور سادہ لوح اور بے وقوفوں کو بہکا رہے ہیں ۔ جب ایسا عظیم الشان بادشاہ آپ کی باتوں کو اچھی طرح سن لیتا اور قبول فرماتا ہے تو یہ کس قدر بھاری دولت ہے کہ آپ تصریح یا اشارہ کے طور پر کلمہء حق یعنی کلمہء اسلام کو اہل سنت و جماعت کے معتقدات کے موافق اس کے گوش گزار کر دیں۔ اور جہاں تک ہو سکے اہل حق کی باتیں پیش کریں، بلکہ ہمیشہ امیدوار اور منتظر رہیں کہ کوئی ایسا موقع مل جائے جس میں مذہب و ملت کی نسبت گفتگو کی جائے تاکہ اسلام کی حقیقت ظاہر ہو جائے اور کفر و کافری کے بطلان و برائی کا بیان کیا جائے۔۔۔''

اسی مکتوب میں آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

''اب ہم اصل بات کا بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کو معلوم ہے کہ بادشاہ روح کے مانند ہے اور تمام انسان جسم کی طرح۔ اگر روح درست ہے تو بدن بھی درست ہے اگر روح بگڑ جائے تو بدن بھی بگڑ جاتا ہے۔ پس بادشاہ کی اصلاح میں کوشش کرنا گویا تمام بنی آدم کی اصلاح میں کوشش کرنا ہے۔۔۔''

ان ہی خان جہاں کو ایک اور مکتوب میں رقم طراز ہیں:

> ''یہی خدمت جو آپ اب کر رہے ہیں اگر اس کو شریعت کی بجا آوری کے ساتھ جمع کریں تو گویا انبیاء علیہم السلام کا سا کام کریں گے''

لیکن بالآخر دشمنان اسلام اپنی ریشہ دوانیوں میں کامیاب رہے اور جہانگیر آپ کی اصلاحی تحریک کو زیادہ دیر برداشت نہ کرسکا کیونکہ اسلام کی اصلاحی تحریک سے ہر فرعون اور جابر لرزتا ہے۔ اس کو اپنا تخت و تاج خطرے میں پڑتا نظر آتا ہے۔ جہانگیر نے چند جھوٹے مقدمے قایم کر کے آپ سے جواب طلبی کی۔ آپ نے نہایت معقول جواب دے کر اس کا منہ بند کر دیا۔ پھر اس نے مطالبہ کیا کہ آپ سجدہ کریں۔ آپ نے نہایت سختی سے انکار کر دیا۔ ہر طرح سے کوشش کی گئی کہ آپ صرف ذرا سی گردن جھکا دیں۔ آپ نے نہایت سختی سے انکار فرمایا اور ارشاد فرمایا:

> ''یہ گردن صرف اللہ تعالیٰ کے آگے جھکتی اور جھکے گی کسی انسان کے آگے ہرگز نہیں''

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیِ احرار

جہانگیر نے غضبناک ہو کر آپ کو گوالیار کے قلعہ میں مقید کیا۔ جہاں پورے ہندوستان کے نامی گرامی مجرم مقید تھے۔ اور آپ کے دولت خانے کو لوٹنے کو حکم دیا۔ آپ کے قدوم کی برکت سے قید خانہ کا پورا ماحول تبدیل ہو گیا۔ پانچ سو قیدی مسلمان ہو گئے۔ قید خانہ سے آپ نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو تحریر فرمایا:

> ''مصائب و شدائد میں اگرچہ تکلیف اٹھانی پڑتی ہے، تاہم اللہ تعالیٰ کی کرم فرمائیوں سے بہرہ ور ہونے کی امید ہوتی ہے۔ اس دنیا کی عظیم دولت غم واندوہ اور اس کے دسترخوان کی بہترین خوش ذائقہ نعمت درد و الم ہے۔ ان شکر پاروں کو اللہ تعالیٰ نے تلخ دوا کے باریک خول میں لپیٹ دیا ہے۔ اور اس طریقہ سے آزمائش کا راستہ کھول دیا ہے۔ سعادت مند لوگ ان کی شیرینی پر نظر رکھتے ہیں اور ان کی تلخی سے شیرینی کی طرح شادکام ہوتے ہیں''

اپنے فرزندان گرامی حضرت خواجہ محمد سعید و حضرت خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمۃ کے نام جو مکتوب صادر فرمایا وہ بھی عزیمت کا شاہکار ہے۔

''فرزندان گرامی! اگرچہ ابتلا و مصیبت کا وقت تلخ و بے مزہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر (اس میں) فرصت دے دیں تو غنیمت ہے۔ چونکہ تم کو اس وقت فرصت مل گئی ہے۔ لہٰذا اللہ جل شانہ کی حمد بجالائیں۔ ۔۔اور چاہیے کہ تین چیزوں میں سے کسی ایک میں مشغول رہیں۔
(۱) قرآن مجید کی تلاوت (۲) طویل قرأت کے ساتھ نماز
(۳) کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کی تکرار
چاہیے کہ کلمہ لا سے اپنے نفس کی خواہشوں کے الٰہ (معبود) کی نفی کریں۔ اور اپنی مرادوں اور مقاصد کو دور کریں۔ کیونکہ اپنی مراد کو طلب کرنا اپنی خدائی کا دعوٰی کرنا ہے۔۔۔ اطلاع دینا ضروری ہے، شاید ملاقات ہو یا نہ ہو۔ بس یہی نصیحت ہے کہ کوئی مراد و ہوس باقی نہ رہے۔۔۔ حتیٰ کہ میری (قید سے) رہائی بھی تم لوگوں کے اہم مقاصد میں سے ہے وہ بھی تمہاری مراد نہ ہو۔۔۔ حویلی، سرائے، کنواں، باغ، کتابیں اور دوسری تمام اشیاء کا غم بیکار ہے۔ ان میں سے کوئی چیز بھی تمہارے وقت میں مزاحم نہ ہونی چاہیے اور حق جل وعلا کی مرضیات کے سوا تمہاری کوئی مراد و مرضی نہ ہو۔ اگر ہم مرجائیں تو یہ چیزیں بھی ہم سے چھوٹ جائیں گی۔ اگر ہماری زندگی میں چلی گئیں تو کوئی فکر کی بات نہیں۔۔۔ اگر حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو منظور ہوا تو ہوسکتا ہے کہ ایک دوسرے کی ملاقات ہو جائے، ورنہ اس کی تقدیر پر راضی رہیں اور دعا کریں کہ دارالسلام (جنت) میں ہم سب جمع ہوں، اور حق تعالیٰ کے کرم سے دنیا کی ملاقات کی تلافی کو آخرت کے حوالے کریں۔ الحمد للہ علیٰ کل حال''

ایک سال کے بعد جہانگیر آپ کو رہا کرنے پر مجبور ہوا۔ مگر آنجناب کو پابند کیا کہ لشکر کے ساتھ رہیں کیونکہ وہ آپ کی ذات قدسی صفات سے خطرہ محسوس کرتا تھا۔ آپ نے لشکر گاہ میں رہنا پسند فرمایا۔ تاکہ آپ کی اصلاحی تحریک لشکر و دربار میں چلتی رہے۔ اپنے فرزندان گرامی کو ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں:

> ''بادشاہ کی طرف سے جو تکلیف ہے اسے اپنے بزرگ و برتر آقا کی کمال مہربانی اور رضا مندی کا دروازہ سمجھتا ہوں اور اس قید کو اپنے لیے باعث سعادت گردانتا ہوں۔۔۔''

اس قیام کے دوران بادشاہ کے ساتھ صحبتیں بھی رہیں اور گفتگوئیں اور مذاکرات بھی ہوئے۔ اس کی اصلاح کو ہر وقت مدنظر رکھا گیا۔ اپنے فرزندان عالی قدر کو ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''اس جگہ کے حالات بہت اچھے اور شکر کے قابل ہیں۔ شب و روز عجیب و غریب صحبتوں میں گزر رہے ہیں۔ اللہ کے فضل و کرم سے دینی امور اور اسلامی اصولوں کے سلسلے میں جو مذاکرات اور گفتگوئیں ہوتی ہیں ان میں ذرہ بھر غفلت و مُداہنت راہ نہیں پاتی۔ وہی باتیں جو خلوتوں اور خصوصی مجلسوں میں ہوتی ہیں اللہ پاک کی توفیق سے ان معرکوں میں بیان ہو رہی ہیں۔ ایک مجلس کا ذکر بھی کروں تو دفتر درکار ہے۔ خصوصاً آج رات رمضان المبارک کی سترہویں رات تھی۔ بادشاہ کے سامنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقصد بعثت، بعثت، عقل کی ناپختگی، ایمان بالآخرت، اس کے عذاب و ثواب، اللہ تعالیٰ کے دیدار، ختم نبوت، ہر صدی کے مجدد، خلفائے راشدین کی پیروی، تراویح کی سنتوں، تناسخ کا باطل ہونے، جن اور جنیوں کا ذکر اور ان کے عذاب و ثواب کا مسئلہ اور اسی نوعیت کے مسائل کا ذکر رہا۔۔۔ الحمدللہ! کہ بادشاہ دلجمعی سے سنتے رہے اور کسی قسم کا کوئی تغیر ان کی حالت میں رونما نہ ہوا۔۔۔''

جہانگیر اس کے امراء اور اعیان سلطنت کو بالآخر آپ کا فیض صحبت دین اسلام کی طرف لے آیا۔

چنانچہ جب آپ کی دعا سے کانگڑہ کا قلعہ فتح ہوا تو بقول خواجہ بدرالدین سرہندی (مجمع الاولیاء) جہانگیر وہاں گیا اور (چلتے وقت) آپ سے کہا کہ اگر آپ ہمارے ساتھ چلیں تو اس قلعے میں گائے ذبح کریں گے، بت گرائیں گے، مسجدیں بنائیں گے اور اسلام کی اشاعت کریں گے۔ آپ بادشاہ کے ساتھ قلعہ میں آئے بادشاہ نے جو کچھ کہا تھا کر دکھایا۔

فتح کانگڑہ کا واقعہ بھی جہانگیر نے حیرت واستعجاب کے عالم میں بیان کیا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے:

> ''جمعرات یکم محرم الحرام ۱۰۳۰ھ کو یہ فتح حاصل ہوئی جو کسی سطوت وشوکت رکھنے والے بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئی تھی، جسے ظاہری اسباب پر نظر رکھنے والے کم فہم لوگ بہت مشکل سمجھتے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص لطف وکرم ہے''

آگے وہ لکھتا ہے:

> ''میں نے قاضی اور میر عدل کو حکم دیا کہ جو اسلامی اور شرعی امور ضروری سمجھیں بجالائیں۔۔۔ بتوفیق ایزدی اذان دلوا کر نماز اور خطبہ پڑھوایا اور اپنے سامنے گائے ذبح کرائی۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدۂ شکرانہ بجالا کر اس قلعہ کے اندر ایک عالیشان مسجد تعمیر کیے جانے کا حکم دیا''

آگے لکھتا ہے:

> ''یہاں ایک دنیا کو گمراہی کے بیاباں میں سر ٹپکتے دیکھا۔۔۔''

ہم نے اسلام کے حوالے سے مکتوبات امام ربانی کی روشنی میں اکبر بادشاہ کے آخری دور حکومت کی تصویر پیش کی اور ساتھ ہی ساتھ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی اصلاحی تحریک اور اس کے اثرات کا بھی جائزہ لیا جس سے آپ کی مجددانہ اور مصلحانہ عظمت وشوکت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں آپ نے مغلیہ سلطنت کو دوبارہ صراط مستقیم پر ڈال دیا۔ جہانگیر، شاہجہاں اور اس کے بعد اورنگ زیب عالمگیر سب آپ کی فکر عالی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

وقت آ گیا ہے کہ کوئی ایسا مرد دانا پیدا ہو جو اسلام کے اس عظیم مدبر و مفکر، متکلم، منطقی، مفسر و محدث اور عالم و عارف کے فلسفہء حیات کو سمجھے اور اس کی تعلیمات کی روشنی میں ہم کو صراط مستقیم پر لگا دے۔ اقبال نے کس درد و سوز سے التجا کی تھی:

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی!

☆……☆……☆

حواشی:

۱......روضۃ القیومیہ، ص۵۴ تا ۵۸، بحوالہ حضرت مجدد الف ثانی

۲......مجدد اعظم، ص۱۹/۲۰

۳......سیرت مجدد الف ثانی از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ص۱۱۹

۴......منتخب التواریخ: ملا عبدالقادر بدایونی، ص۵۱۲

۵......ایضاً، ص۴۹۶

۶......ایضاً

۷......بال جبریل: علامہ اقبال، ص۲۱۱

۸......بیاض قلمی: محمد ہاشم جان مجددی سرہندی

۹......سیرت مجدد الف ثانی پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ص۱۱۸

۱۰......حضرت مجدد الف ثانی: مولانا سید زوار حسین شاہ، ص۴۶۴

۱۱......مکتوبات امام ربانی: دفتر اول، مکتوب ۶۵

۱۲......ایضاً، دفتر دوم، مکتوب: ۸۱

۱۳......ایضاً، دفتر دوم، مکتوب: ۹۲

۱۴......ایضاً، دفتر دوم، مکتوب: ۴۷

۱۵......ایضاً، دفتر دوم، مکتوب: ۱۹۳

۱۶......اثبات النبوۃ، حضرت مجدد الف ثانی، ص ۵۰۔۵۱، مطبوعہ کراچی

۱۷......مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۴۸

۱۸......ایضاً، دفتر دوم، مکتوب ۲۳

۱۹......تذکرہ مجدد الف ثانی، منظور نعمانی، ص ۱۲۷، بحوالہ سیرت مجدد الف ثانی، ص ۱۵۲

۲۰......تذکرہ، ابوالکلام آزاد، ص ۵۷۔۲۵۶ بحوالہ مجدد الف ثانی، حالات، افکار و خدمات، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ص ۸۷

۲۱......ایضاً، ص: ۱۵۳

۲۲......مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۶۴

۲۳......تذکرہ مجدد الف ثانی، منظور نعمانی، ص ۷۰، بحوالہ سیرت مجدد الف ثانی، ص ۱۵۰ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

۲۴......تذکرہ مجدد الف ثانی، منظور نعمانی، ص ۱۱۱، بحوالہ سیرت مجدد الف ثانی، ص ۱۵۰ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

۲۵......تذکرہ مجدد الف ثانی، منظور نعمانی، ص ۱۱۲، بحوالہ سیرت مجدد الف ثانی، ص ۱۵۰ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

۲۶......تذکرہ مجدد الف ثانی، منظور نعمانی، ص ۱۱۴، بحوالہ سیرت مجدد الف ثانی، ص ۱۵۰ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

۲۷......مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۴۷

۲۸......ایضاً، مکتوب ۲۳

۲۹......ایضاً، دفتر سوم، مکتوب ۴۱

۳۰......ایضاً، دفتر دوم، مکتوب ۶۸

۳۱......ایضاً، دفتر سوم، مکتوب ۱۶۳

۳۲......سیرت مجدد الف ثانی: از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ص ۱۹۰

☆......☆......☆

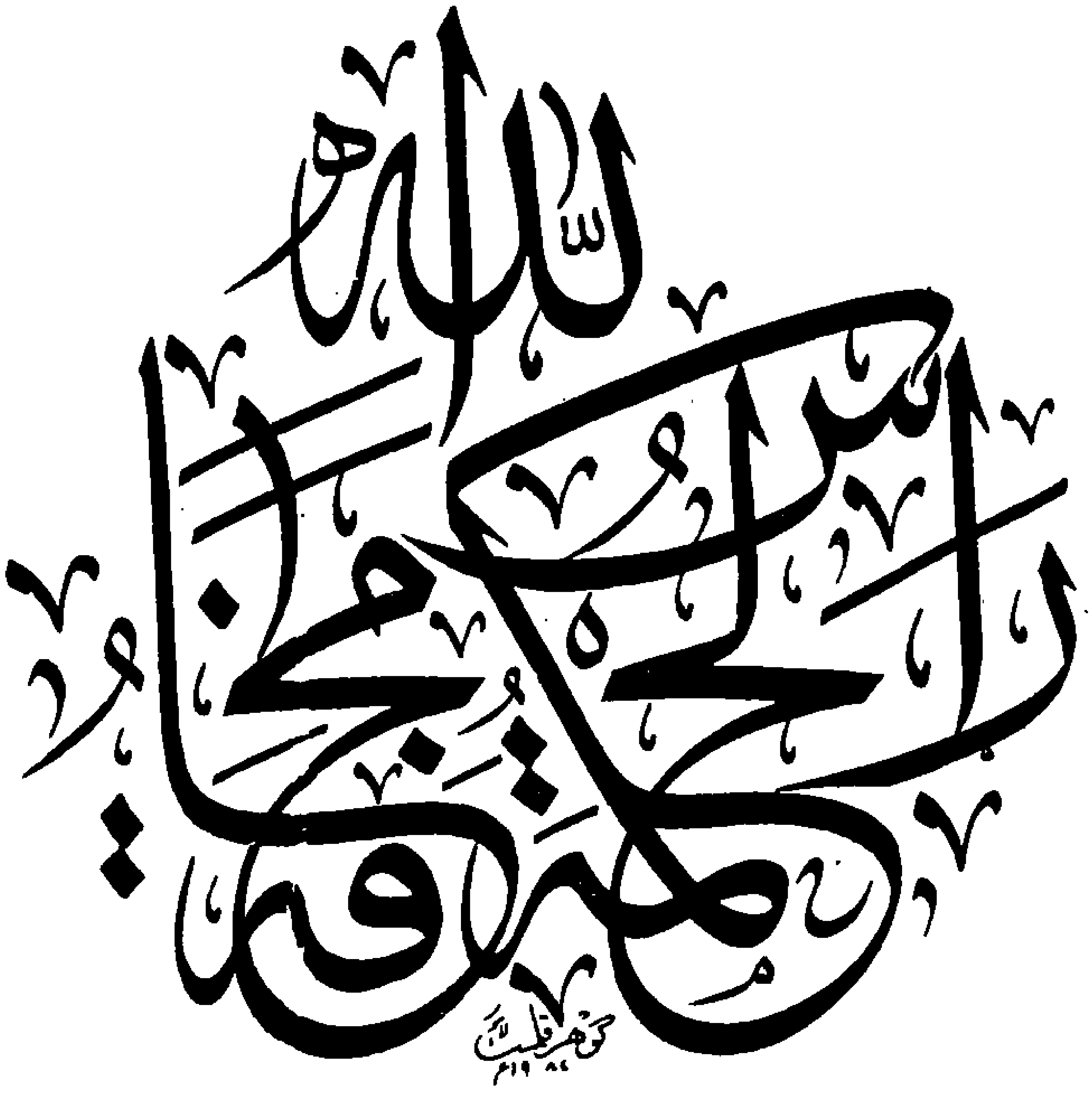
رأس الحكمة مخافة الله

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

نفاذِ شریعت، مکتوبات امام ربانی کے آئینہ میں

پروفیسر محمد عامر بیگ
المرکز الاسلامی، کراچی

☆☆

نظام شریعت اور اس کے نفاذ کی ضرورت:

نظام شریعت وہ ضابطۂ حیات ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرزندان اسلام کے لیے متعین فرمایا ہے۔ مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی کامیابی اسی ضابطۂ حیات کی پابندی میں مضمر ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نظام شریعت کے نفاذ کو اسلامی ریاست یا مسلم ریاست کی اولین ذمہ داری قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ (سورۂ حج: ۴۱)
>
> ”وہ لوگ جنہیں اگر ہم زمین پر اقتدار بخشیں تو وہ قایم کرتے ہیں نماز کو اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ اور حکم دیتے ہیں لوگوں کو نیکی کا اور روکتے ہیں انھیں برائی سے“

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں پہلی اسلامی ریاست کے قیام کے فوری بعد ہی نفاذ شریعت کا آغاز کر دیا اور عبادات و معاملات، سیاست و معیشت، معاشرت و اخلاقیات اور حدود الٰہی سے متعلق جو احکامات نازل ہوتے رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے فوری نافذ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے دست مبارک سے اسلام کی پہلی آئیڈیل ریاست وجود میں آئی۔ آپ کے وصال کے بعد خلفائے راشدین کے دور میں اسلامی ریاست مزید مستحکم اور مضبوط ہوئی اور اسلام

کے تمام احکامات اپنی پوری روح کے ساتھ نافذ العمل رہے۔ خلافت راشدہ کے بعد اگرچہ اسلام کا سیاسی نظام اپنی اصل روح کے ساتھ نہ رہ سکا لیکن اسلام کے وہ احکام جن کا تعلق عبادات و معاملات، معیشت و معاشرت اور حدود اللہ سے تھا وہ بڑی حد تک ہر دور حکومت میں نافذ العمل رہے۔ کسی بڑے سے بڑے فاسق و فاجر حکمران کو بھی اسلام کے بنیادی احکامات یا حدود اللہ میں تبدیلی و ترمیم کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

لیکن اسلامی تاریخ کے ایک ہزار سال مکمل ہونے پر ہندوستان کی مسلم ریاست میں ایسا حکمران مسلط ہوا جو نہ صرف خود گمراہ ہوا بلکہ اس نے دنیا دار مفاد پرست نام نہاد درباری علماء کی ایما پر اور ہندو راجاؤں مہاراجاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے نہ صرف دین اسلام کی تعلیمات کو مسخ کرنے کی ناپاک کوشش کی بلکہ وحدت ادیان کے پُرفریب نعرے اور پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر ایک نئے دین یعنی دین الٰہی کی بنیاد ڈالی۔ جس کا مقصد دین اسلام کے تشخص کا خاتمہ کر کے تمام ادیان باطلہ کو اسلام کے مساوی مقام دلانا تھا۔ اس مقصد کے لیے اکبر بادشاہ نے نہ صرف شعائر اسلامی اور اسلامی اقدار کا خاتمہ کرنا چاہا بلکہ مساجد و مدارس کو بھی منہدم کیا گیا اور اس کی جگہ مندر قایم کیے گئے۔ کافروں کی رسوم کو جاری کیا گیا اور علماء حق کو قتل کیا گیا اور برملا اسلامی احکامات پر طعن کیا گیا۔ ان حالات سے متاثر ہو کر بہت سے مسلمان بھی بدعات و منکرات میں گرفتار ہو کر مشرکانہ رسوم کا ارتکاب کرنے لگے جبکہ علماء حق و مشائخ عظام نے گوشہ نشینیمیں عافیت جانی۔

ان نامساعد حالات میں اللہ رب العزت نے اپنے فضل و کرم سے سرہند کی زمین پر ایک ایسی بزرگ ہستی کو تیار کیا جس نے نہ صرف ہندوستان میں اسلام کی اس ڈوبتی کشتی کو سہارا دیا بلکہ اسے بھنور سے نکال کر پار بھی لگا دیا۔ اس بزرگ ہستی کو امت آج حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی کے نام سے یاد کرتی ہے۔

اکبری دور میں اسلام کی بیخ کنی کا کام جس قوت اور منصوبہ بندی سے کیا گیا تھا وہ آپ کے دردمند دل اور غیور اسلامی طبیعت کو مضطرب کرنے کے لیے کافی تھا لیکن اپنی تکمیل حال اور باطنی تیاریوں میں مشغولیت کی بنا پر اور کچھ اس لیے کہ وہ فتنہ اپنے پورے شباب پر تھا اور ابھی وہ سرا ہاتھ نہیں آیا تھا جس کے ذریعہ آپ سلطنت کے رجحان اور اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اس کی سیاست پر اثر انداز ہو سکیں جس کے باعث اکبری دور میں آپ نے اپنا تجدیدی و اصلاحی کام پوری قوت کے ساتھ شروع نہیں فرمایا اگر

کچھ فرمایا بھی تو تاریخ میں یا آپ کے مکتوبات میں اس کی زیادہ تفصیل نہیں ملتی البتہ آپ نے خان خاناں سید صدر جہاں اور شیخ فرید بخاری کے ذریعہ بادشاہ کو نصیحت آمیز پیغامات بھیجے جنہیں بادشاہ کا قرب اور اعتماد حاصل تھا۔ جبکہ اکبر کے مقابلہ میں جہانگیر بادشاہ کو نہ تو اسلام سے کوئی عناد تھا اور نہ ہی وہ کسی نئے دین و آئین کو جاری رکھنے میں دلچسپی رکھتا تھا۔ حضرت مجدد نے بادشاہ کی اس طبیعت سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان سے ان اثرات کو ختم کرنے کا ارادہ کیا جو سابقہ سلطنت میں پیدا ہوئے تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے پیش نظر صرف ان بدعات و منکرات کا خاتمہ کرنا تھا جو عامۃ المسلمین میں عام ہو چکی تھیں بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین و شریعت کا نفاذ، دین الٰہی کا خاتمہ کر کے اسلام کو اس کی حقیقی بنیادوں اور اصل روح پر جاری و ساری کرنا، بادشاہ اور رعایا کے تعلقات کو اسلامی اصولوں کی بنیاد پر استوار کرنا تھا۔

اس مقصد کے حصول کے لیے حضرت مجدد کے پاس دو راستے تھے ایک یہ کہ بادشاہ کو اسلام کا مخالف اور دشمن دین قرار دے کر اس کے خلاف ایک دینی محاذ قایم کر لیتے اور اس کی مستقل مخالفت کرتے ہوئے اس کے خلاف صف آرائی کر لیتے اور تخت سلطنت پر کسی دین دار اور صالح شخص کو بٹھانے کی کوشش کرتے۔ دوسرا یہ کہ امراء دربار اور ارکان سلطنت سے تعلقات استوار کرتے ان کی دینی حمیت کو ابھار کر ان کے دلوں میں ایمان کی جو چنگاریاں دبی ہوئی تھیں ان کو فروزاں کر کے بادشاہ کو نیک مشورہ دینے پر آمادہ کرتے تا کہ وہ بادشاہ کو اسلام کی حمایت اور گزشتہ دور کی تلافی پر آمادہ کرتے اور خود ہر طرح کے جاہ و منصب سے دور رہتے اور مکمل زہد و استغناء کا ثبوت دیتے۔

جہاں تک پہلے راستے کا تعلق ہے وہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی حکمت دعوت اور جذبۂ خیر خواہی و نصیحت سے مناسبت نہیں رکھتا تھا اس لیے آپ نے اس طرف بالکل التفات نہیں فرمایا اور بادشاہ سے براہ راست تصادم سے مکمل گریز کیا۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے سلطنت کو فکری و نظری الحاد اور بدعات و منکرات سے پاک کرنے کے لیے جو راستہ اختیار کیا وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے نہ صرف ممتاز ہے بلکہ آنے والے ہر دور کے داعیان اسلام کے لیے مشعل راہ ہے۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ جو خود علوم دینیہ اور علوم باطنیہ سے سرشار تھے آپ کی نگاہ ولایت دیکھ رہی تھی

کہ اکبری دربار کے امراء میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو اگرچہ اکبر کے خلافِ اسلامی منصوبوں میں شریک نہیں تھے مگر وہ اکبر کے ان اقدامات کو ناپسند کیا کرتے تھے لیکن مجبوری کی وجہ سے وہ کچھ نہ کر سکتے تھے ان امراء میں نواب سید مرتضٰی عرف شیخ فرید بخاری، خان اعظم، صدر جہاں، لالہ بیگ اور مہابت خان وغیرہ سرفہرست تھے۔

آپ نے ان امراء اور ارکان سلطنت سے مراسلت کا سلسلہ شروع کیا یہ مکتوبات اپنے درد و اخلاص، جوش و تاثیر اور زورِ قلم کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہیں۔ سیکڑوں برس گزر جانے کے باوجود ان میں آج بھی وہی اثر پذیری ہے جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے مخاطب کے دلوں پر کیا اثر ڈالا ہوگا۔

آپ نے جہانگیری دور کے اوائل میں اپنے اس عظیم مشن کا آغاز کیا؛ اس وقت ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی کسمپرسی کا جو عالم تھا اس کا اظہار آپ اپنے ایک مکتوب بنام شیخ فرید بخاری میں جو اکبر و جہانگیر کے درویش صفت امراء میں سے تھے یوں فرماتے ہیں:

> ''آپ جانتے ہیں کہ گزشتہ صدی میں اہل اسلام کے سر پر کیا کیا مصیبتیں گزری ہیں اس سے قبل جو صدیاں گزری ہیں اس میں نہایت قلت و غربت کے باوجود اہل اسلام کی خرابی و تباہی اس سے زیادہ نہیں ہوئی حتیٰ کہ مسلمان اپنے دین پر اور کفار اپنے طریقے پر قایم تھے۔ آیہ کریمہ **لکم دینکم ولی دین** میں اسی حقیقت کا بیان ہے۔ جبکہ گزشتہ صدی یعنی اکبری دور میں کفار غلبہ پا کر اسلام میں کھلم کھلا کفر کے احکام جاری کرتے تھے اور مسلمان اسلامی احکام کے جاری رکھنے سے عاجز تھے اور وہ ایسا کرتے تو قتل کر دیے جاتے تھے۔ ہائے ہلاکت! ہائے مصیبت، ہائے افسوس و غم! حق تعالیٰ کے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والے تو ذلیل و خوار تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر لوگ عزت والے اور معتبر تھے۔ مسلمان زخمی دلوں کے ساتھ اسلام کی ماتم پرسی کرتے تھے اور مخالف دشمن ہنسی اور مذاق کے ساتھ ان زخموں پر نمک چھڑکتے

> تھے۔ ہدایت کا آفتاب گمراہی کے پردے میں چھپا ہوا تھا اور حقانیت کا نور باطل کے پردوں میں چھپا ہوا تھا'' (مکتوب: ۴۷، دفتر اول)

اسی مکتوب میں آپ شیخ فرید بخاری کی توجہ جہانگیر بادشاہ کے سلیم الطبع ہونے کی طرف دلاتے ہیں اور انہیں اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بادشاہ کو دین کی حمایت کے لیے آمادہ کرنے کی دعوت دیتے ہیں:

> ''آج جبکہ دولت اسلام کی رکاوٹوں کے زوال کی خوش خبری اور بادشاہ اسلام کی تخت نشینی کی بشارت خاص و عام کے کانوں تک پہنچی ہے تو اہل اسلام نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ وہ بادشاہ کے معاون و مددگار ہوں اور شریعت کو رواج دینے اور مذہب کو قوت پہنچانے میں اس کی رہنمائی کریں۔ خواہ یہ امداد دینا اور قوت پہنچانا زبان سے ہو سکے یا ہاتھوں سے میسر ہو۔ سب سے بڑی امداد یہ ہے کہ کتاب و سنت اور اجماع امت کے مطابق مسائل شرعیہ کو بیان کیا جائے اور صحیح عقائد کو ظاہر کیا جائے تا کہ گمراہ و بدعتی شخص درمیان میں آ کر بادشاہ کو راستے سے نہ ہٹا دے اور کام خراب نہ کر دے۔ اس طرح کی امداد علمائے حقانی کے ساتھ مخصوص ہے جو آخرت کی طرف توجہ رکھتے ہیں۔ دنیا دار علماء جن کا مقصد کمینی دنیا حاصل کرنا ہے ان کی صحبت زہر قاتل ہے اور ان کا فساد متعدی ہے'' (ایضاً)

اسی مکتوب میں آپ مزید فرماتے ہیں:

> ''اگر کوئی شخص امداد کی طاقت کے باوجود کسی قسم کی مدد میں کمی کرے جس سے اسلام کے کارخانے میں کوئی خلل واقع ہو جائے تو وہ امداد میں کوتاہی کرنے والا شخص معتوب ہے اسی لیے یہ بے مایہ حقیر فقیر بھی چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو دولت اسلام کے مددگاروں کے گروہ میں داخل کرے اور اس بارے میں کوشش کرے'' (ایضاً)

اسی مقصد کی طرف نشاندہی کرتے ہوئے لالہ بیگ کے نام ایک مکتوب میں آپ فرماتے ہیں:

> ”تقریباً نصف صدی سے مسلمانوں پر وہ غربت چھا گئی ہے کہ کفار اسلامی شہروں میں کھلم کھلا کفر کے احکام جاری کرنے پر راضی نہیں ہوتے بلکہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکل ہی ختم ہو جائیں اور اسلام واہل اسلام کا کوئی نشان نظر نہ آئے۔ نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی اسلامی شعار کا اظہار کرتا ہے تو قتل کر دیا جاتا ہے۔ گائے کا ذبیحہ تو اسلام کا ایک بڑا شعار ہے ختم ہو چکا ہے کفار جزیہ دینے پر شاید راضی ہو جائیں لیکن گائے کے ذبح کرنے پر ہرگز راضی نہیں ہوں گے۔ اب چونکہ ابتدائے سلطنت کا زمانہ ہے اگر اس وقت اسلامی عقائد نے رواج پالیا اور مسلمانوں نے کچھ خشیت حاصل کر لی تو بہتر ہے ورنہ نعوذ باللہ یہ کام توقف میں جا پڑا تو مسلمانوں پر یہ کام بہت مشکل ہو جائے گا۔ فریاد ہے! پھر فریاد ہے! دیکھیے کون صاحب نصیب اس سعادت کو حاصل کرتا ہے“
>
> (مکتوب: ۸۲، جلد اول)

اس مکتوب میں بھی حضرت مجدد نے لالہ بیگ جیسے بادشاہ کے مقربین کو متحرک کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ وہ حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اور موقع کی مناسبت سے احیائے دین کے لیے اپنی ذمہ داری ادا کریں اس سے پہلے کہ ایک بار پھر بہت دیر ہو جائے اور دشمنان اسلام جہانگیر بادشاہ کو بھی دین سے برگشتہ نہ کر دیں۔

دربار جہانگیری کی ایک اور بااثر شخصیت امیر کبیر خان جہاں جو بادشاہ کے معتمد خاص تھے اور ان سے بڑی محبت کرتے تھے ان کے نام اپنے ایک مکتوب میں آپ لکھتے ہیں:

> ”آپ جس خدمت پر فائز ہیں اگر اس کو شریعت مصطفوی پر عمل کرنے کے لیے جمع کر لیں تو انبیاء والا کام کریں گے اور دین متین کو منور و معمور کر دیں گے۔ ہم فقراء گر سالہا سال جان کھپائیں تو اس

عمل میں آپ جیسے شہبازوں کی گرد کو نہیں پہنچ سکتے ہیں''

(مکتوب: نمبر ۵۴، دفتر سوم)

ایک مفصل مکتوب میں خان جہاں کو آپ لکھتے ہیں:

> ''جہانگیر جیسا بادشاہ جب آپ کی بات غور والتفات سے سنتا ہے اور اس کو وقعت دیتا ہے تو کیسا نادر موقع ہے کہ آپ صراحتاً یا اشارۃً کلمہ حق کو جو اہل سنت وجماعت کے مطابق ہو بادشاہ کے گوش گزار کرادیں اور جس قدر گنجائش سمجھیں اہل حق کی باتوں کو پیش کرتے رہیں بلکہ برابر اس بات کی کوشش کرتے رہیں کہ کوئی ایسی تقریب پیدا ہو کہ مذہب وملت کی بات درمیان میں آئے تاکہ اسلام کی حقانیت اور کفر کے بطلان کے اظہار کا موقع ملے''

(مکتوب: ۶۷، دفتر دوم)

خان اعظم جو اکبر بادشاہ کے ہم عمر اور ہم شیر تھے ہمیشہ شاہی قرابت اور نوازشوں سے سرفراز رہے۔ جہانگیر نے بھی آپ کو خوب عزت دی ان کے نام اپنے ایک مکتوب میں آپ فرماتے ہیں:

> ''اسلام کی غربت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ کافر کھلم کھلا اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں۔ بے خوف وخطر ہر کوچہ و بازار میں کفر کے احکام جاری ہیں اور مسلمان اسلام کے احکام جاری کرنے سے روک دیے گئے ہیں'' (مکتوب: ۶۵، دفتر اول)

اسی مکتوب میں اسلام اور مسلمانوں کی حالت زار بیان کرنے کے بعد خان اعظم کو آپ دین اسلام اور مسلمانوں کی حمایت کے لیے یوں آمادہ کرتے ہیں:

> ''میں آپ سے التماس کرتا ہوں کہ جب حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس بزرگ خاندان کے بزرگوں یعنی حضرات نقشبندیہ کے ساتھ آپ کی محبت کی برکت سے آپ کی بات میں یہ تاثیر بخشی ہے اور آپ کی مسلمانی کی عظمت اہل زمانہ کی نظروں میں ظاہر ہوگئی ہے تو آپ

کوشش فرمائیں کہ کم از کم اتنا تو ہو کہ اہل کفر کے بڑے بڑے احکام یعنی شعائر کفر جو اہل اسلام میں رائج ہو گئے ہیں مٹ جائیں اور نیست و نابود ہو جائیں اور اہل ایمان ان خلاف شریعت امور سے محفوظ رہیں۔ اس سے پہلی سلطنت یعنی اکبری دور میں دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنی معلوم ہوتی تھی اور اس موجود سلطنت میں ظاہری طور پر وہ عناد نہیں ہے اگر ہے تو بے علمی کی وجہ سے ہے۔ ڈر یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ یہاں بھی عناد و دشمنی تک نوبت آ جائے اور مسلمانوں پر معاملہ اس سے بھی زیادہ تنگ ہو جائے'' (ایضاً)

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی تجدیدی کاوشوں کے نتیجے میں سلطنت میں جو انقلابی تبدیلیاں آئیں اور دین اسلام کو جو فروغ حاصل ہوا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صدر جہاں کے نام اپنے ایک مکتوب میں آپ فرماتے ہیں:

> ''احکام شریعت کے جاری ہونے اور ملت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی ذلت وخواری کی خبریں سن کر غمزدہ مسلمانوں کے دلوں کو فرحت اور روح کو تازگی حاصل ہوئی۔ اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے اور اللہ تعالیٰ مالک وقدیر سے سوال ہے کہ وہ اپنے نبی بشیر ونذیر صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اس اہم کام میں ترقی عطا فرمائے۔ یقین ہے کہ قائدین اسلام خواہ وہ سادات عظام ہوں یا علمائے کرام خلوت وجلوت میں دین متین کی ترقی اور صراط مستقیم کی تکمیل میں سرگرم رہیں گے'' (مکتوب: ۱۹۴، دفتر اول، حصہ دوم)

اور اسی مکتوب میں علمائے کرام کی طرف بادشاہ کے التفات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

> ''معلوم ہوا ہے کہ بادشاہ اسلام جہانگیر اسلامی استعداد کی خوبی حاصل ہو جانے کی وجہ سے علماء کا خواہاں ہے۔ الحمد للہ علیٰ

ذلک. آپ کو معلوم ہے زمانہ سابق میں جو فساد پیدا ہوا تھا وہ علماء سوء کی بدبختی کی وجہ سے ظہور میں آیا تھا۔ اس لیے امید ہے کہ آپ پوری طرح چھان بین کر کے دین دار علماء کا انتخاب کر کے پیش قدمی کریں گے۔ علماء سوء جو دین کے چور اور ڈاکو ہیں ان کا مقصود حبِ جاہ و ریاست اور مخلوق کے نزدیک قدر و منزلت حاصل کرنا ہے اللہ تعالیٰ ان کے فتنے سے بچائے'' (ایضاً)

نفاذ شریعت اور احیائے دین کے اس عظیم مشن کی تکمیل کے لیے آپ کو قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑیں۔ مفاد پرست درباری علماء کے اصرار پر جب جہانگیر نے آپ کو ملاقات کے لیے دربار میں طلب کیا تو آپ دربار میں تشریف لے گئے لیکن شاہی آداب جو شریعت کے خلاف تھے ادا نہیں کیے۔ اس کے بعد بادشاہ نے دربار کے دستور کے مطابق آپ سے سجدۂ تعظیمی کرنے کا مطالبہ کیا آپ نے فرمایا میں نے اللہ کے سوا کبھی کسی کو سجدہ کیا ہے نہ کروں گا۔ جس سے ناراض ہو کر بادشاہ نے آپ کو گوالیار کے قلعے میں قید کرنے کا حکم دے دیا۔ جہاں آپ ایک سال تک رہے۔ اسی دوران کچھ وقت آپ نے لشکر اسلام کے ساتھ گزارا۔ اس قید کے دوران حضرت نے سنت یوسفی کو ادا کرتے ہوئے رفقاء زندان میں تبلیغ و اشاعت کا کام پوری سرگرمی سے شروع کیا۔ آپ کی دعوت کی یہ گونج قلعے کی دیواروں کے باہر بھی پہنچی۔ گوالیار کی اس نظر بندی کے دوران جب بادشاہ آپ کے علمی اور باطنی کمالات اور آپ کے زہد و تقویٰ سے آگاہ ہوا۔ بادشاہ بہت متاثر ہوا اور اسے اس اقدام پر ندامت ہوئی اور اس نے آپ کی رہائی کا فیصلہ کیا اور آپ کو کشمیر بلایا جہاں اس کا پڑاؤ تھا، بڑا اعزاز و اکرام کیا، خلعت اور اشرفیاں پیش کیں اور آپ سے درخواست کی کہ چند روز ہمارے لشکر میں رہیں۔ آپ نے منظور فرمایا اور اس رفاقت سے بادشاہ اور لشکر کو بہت فائدہ پہنچا۔ لشکر اور قلعہ آگرہ کے دربار میں بادشاہ سے ملاقاتیں رہیں۔ آپ نے اس عرصے میں بادشاہ کے دل میں حمیت اسلام کو بیدار کر دیا۔ جس کے فوائد تھوڑے ہی عرصے میں پوری سلطنت میں نظر آنے لگے۔ اور ایک وقت وہ آیا جب جہانگیر بادشاہ نے سلطنت میں یہ تاکیدی حکم جاری کیا کہ ہر قسم کی بدعت اور غیر اسلامی رسموں کو ملک سے دور کیا جائے۔ اپنے آپ سجدہ کرانے سے لوگوں کو منع کر دیا اور اس حرام فعل سے توبہ کی۔ اور سلطنت میں گائے کے ذبیحہ کا اذن عام دیا اور قلعہ کانگڑہ فتح ہونے کے بعد حضرت

مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی موجودگی میں گائے ذبح کرائی اور ایک مسجد بنائی گئی اور ساتھ ہی جہانگیر نے سلطنت سے تمام کفریہ شعائر کو ختم کرنے کا اعلان کیا۔ اور شریعت کو رواج دینے کا حکم دیا۔ اس طرح حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے ہندوستان میں احیائے دین اور نفاذ شریعت کا بے مثل کارنامہ انجام دیا۔

حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کی تحریک نفاذ شریعت اور احیائے دین کی کامیابی آپ کی حکمت عملی کی کامیابی کا بہترین نمونہ ہے۔ آپ نے ایک طرف ان ارکان سلطنت کو جو دین سے محبت رکھتے تھے اپنے مکتوبات شریف کے ذریعے بیدار کیا اور سلطنت کی ہندونواز حکومت کے خلاف اسلام کی برتری کا جذبہ بیدار کیا اور دوسری طرف ہم عصر علمائے کرام و مشائخ عظام کو جرأت و ہمت پر آمادہ کیا اور ایک اجتماعی دینی قوت کو منظم کرلیا۔ آپ کے مکتوبات شریف نے جہاں سیاسی اور علمی بیداری پیدا کی وہاں مختلف صوفیہ کرام اور مشائخ عظام کو روحانی تربیت کے لیے بھی تیار کیا۔ اس حکمت عملی کا نتیجہ یہ نکلا کہ برصغیر میں جہاں ایک اجتماعی سیاسی اور علمی بیداری پیدا کی وہاں مختلف صوفیہ کرام اور مشائخ عظام کو روحانی تربیت کے لیے بھی تیار کیا۔ اس حکمت عملی کا نتیجہ یہ نکلا کہ برصغیر میں ایک اجتماعی قیادت ابھری: جو درباری امراء، با اثر علماء حق، مشائخ عظام اور مغل افواج پر مشتمل تھی۔ اس اجتماعی قیادت نے ظاہر ہوکر اکبر اور جہانگیر بادشاہ کی بدعات و منکرات کے محلات کی تمام دیواریں گرادیں اور درباری علماء، بے دین امراء اور جاہل صوفیاء اس تحریک کے سامنے بے بس نظر آئے۔ پھر وہ وقت آیا کہ جس مغل دربار سے اذان، مساجد، مدارس دینیہ، علمائے حق اور مشائخ عظام کے خلاف احکام جاری ہوتے تھے اسی دربار کے حکمران حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی تعلیمات سے فیض یاب ہوکر مساجد کے معمار، خانقاہوں کے نگہبان، نفاذ شریعت کے علمبردار اور غرباء و مساکین کے حقوق کے محافظ بن گئے۔

☆……☆……☆

الحسد يأكل الحسنات
كما تأكل النار الحطب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

فتنہءدورِ اکبری وعہد جہانگیری اور مجدد الف ثانی

افتخار ضمیری

☆☆

ہندوستاں کی سرزمیں مغلوں کے تھی زیر نگیں
اکبر کا سکہ تھا رواں خوشا حال تھا ہندوستاں
لیکن یہ تھا فرماں روا بے گانہ از خوفِ خدا
بے بہرہ اسلام تھا مسلم برائے نام تھا
تھی کفر سے دل بستگی اور دین حق سے سرکشی
اس حال میں فتنہ نیا ”دین الٰہی“ کا اُٹھا
کفر و ضلالت ، گمرہی ساری فضا پر چھا گئی
ماتھوں پہ قشقے لگ گئے اصنام کو سجدے ہوئے
اسلام کا یہ حال تھا بازیچہء اطفال تھا
تھے رہنما جو دین کے الحاد کے حامی ہوئے
اُن کو طلب تھی جاہ کی
اور چاہ تھی اک واہ کی
اکبر ہی پر کیا منحصر عہدِ جہانگیری مگر
یہ داد دی توحید کی خود بُت گری شرما گئی

تلبیس مکر و زور کا ہر سُو تھا ہنگامہ بپا
یہ فتنۂ باطل تھا کیا اک خود سری کا دور تھا
گویا یہاں تک تھا روا سجدہ برائے شاہ تھا
اور ملکۂ نورِ جہاں عہدِ جہانگیری کی جاں
حامی تھی اس تحریک کی اسلام کی تضحیک کی
دیکھی جو یہ تذلیل دیں! غیرت کی پھر ٹھنکی جبیں!
ایمان کو جوش آگیا پھر کیا تھا اک مردِ خدا
پیدا ہوا سرہند سے ’’تجدید دیں‘‘ کے واسطے
یہ شیرِ حق مردِ خدا تلبیس کو للکارتا
اس جوش ایماں سے اٹھا
ہندوستاں تھرا گیا
اس مردِ حق آگاہ نے درویشِ عالی جانے
سب کو سنایا برملا حکم خدا و مصطفیٰ
یعنی برائے ماسوا سجدہ نہیں ہرگز روا
تھی شیخ احمد کی نظر حشر آفریں ، جادو اثر
اٹھی مثالِ مہ جدھر روشن ہوے قلب و جگر
تائب ہوئی خلقِ خدا
ایمان تازہ ہوگیا
دیکھی جو یہ تجدید دیں باطل ہوا چیں بہ جبیں

سجدے سے یہ برگشتگی شاہی کی اک توہین تھی
کب تھا گوارا جاہ کو سجدہ نہ پیش شاہ ہو
یہ کفر و دیں کی جنگ تھی اور جنگ نام و ننگ تھی
اک سمت اک فرماں روا اک سمت فقرِ بے نوا
رن حق و باطل کا پڑا دے تو جسے اب دے خدا
المختصر جب یہ خبر پہنچی بہ شاہِ خود نگر
درویش ہے اک بے نوا اک مرد ہے بے باک سا
برگشتہ ہے وہ شاہ سے اور اس کے رسم و راہ سے
تب شاہ کا یہ حال تھا غصے سے چہرہ لال تھا
فرمایا شاہی میں میری ایسا بھی خود سر ہے کوئی
حاضر کرو اس کو ابھی دیکھیں ہم اس کی سرکشی
القصہ جب دربار میں ابلیس کی سرکار میں
آیا وہ مردِ ہوشمند گردن فراز و سربلند
اس کرّ وفر کو دیکھ کر اونچی نظر کو دیکھ کر
پھر شاہ کو طیش آگیا
غصے میں آتش پا ہوا

(نوٹ: اس سے آگے اشعار دستیاب نہ ہو سکے۔ مرتبین)

(ماہنامہ ''تبیان'' داد والی شریف ضلع گوجرانوالہ ''مجدد الف ثانی نمبر'' مارچ اپریل ۱۹۵۴ء، ص ۵۵۔۵۶)

☆……☆……☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

تضمینِ اقبال درشان مجددِ باکمال

غلام مصطفیٰ مجددی (شکرگڑھ)

☆☆

تیری نظروں میں یہ کیسا ہے پیام اے ساقی   درد دِل کرنے لگا دِل میں قیام اے ساقی
تشنہ لب جھوم کے کہتا ہے سلام اے ساقی   ”لا ایک بار وہی بادہ و جام اے ساقی
ہاتھ آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی“
دامن کر تہی ، گوشہء تدقیق تہی   دل بہ اسرار تہی ، جان بہ توثیق تہی
آہ کیا دور ہے، کیوں صدق سے تصدیق تہی   ”شیر مردوں سے ہوا بیشہء تحقیق تہی
رہ گئے صوفی وملّا کے غلام اے ساقی“
شمع ارمان بجھی عشق کے پروانے بند   حُسن نے پردہ کیا شوق کے پروانے بند
زلفِ لیلیٰ میں ہوے دشت کے دیوانے بند   ”تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے تیرا فیض ہو عام اے ساقی“
غم سے مارے ہوے غمناک کو مغموم نہ رکھ   لوحِ قسمت کو کسی حال میں مذموم نہ رکھ
مجھ کو معدوم اندھیروں میں اے مخدوم نہ رکھ   ”تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
تیرے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی“
واعظِ قوم کی لی پختہ خیال کس نے   بانگ سے روحِ بلال آج نکالی کس نے
چھین لی عقل سے تلقینِ غزالی کس نے   ”عشق کی تیغِ جگر دار اُڑا لی کس نے
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی“

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باقیاتِ جہان امام ربانی

جلد دوم...... باب سوم

☆

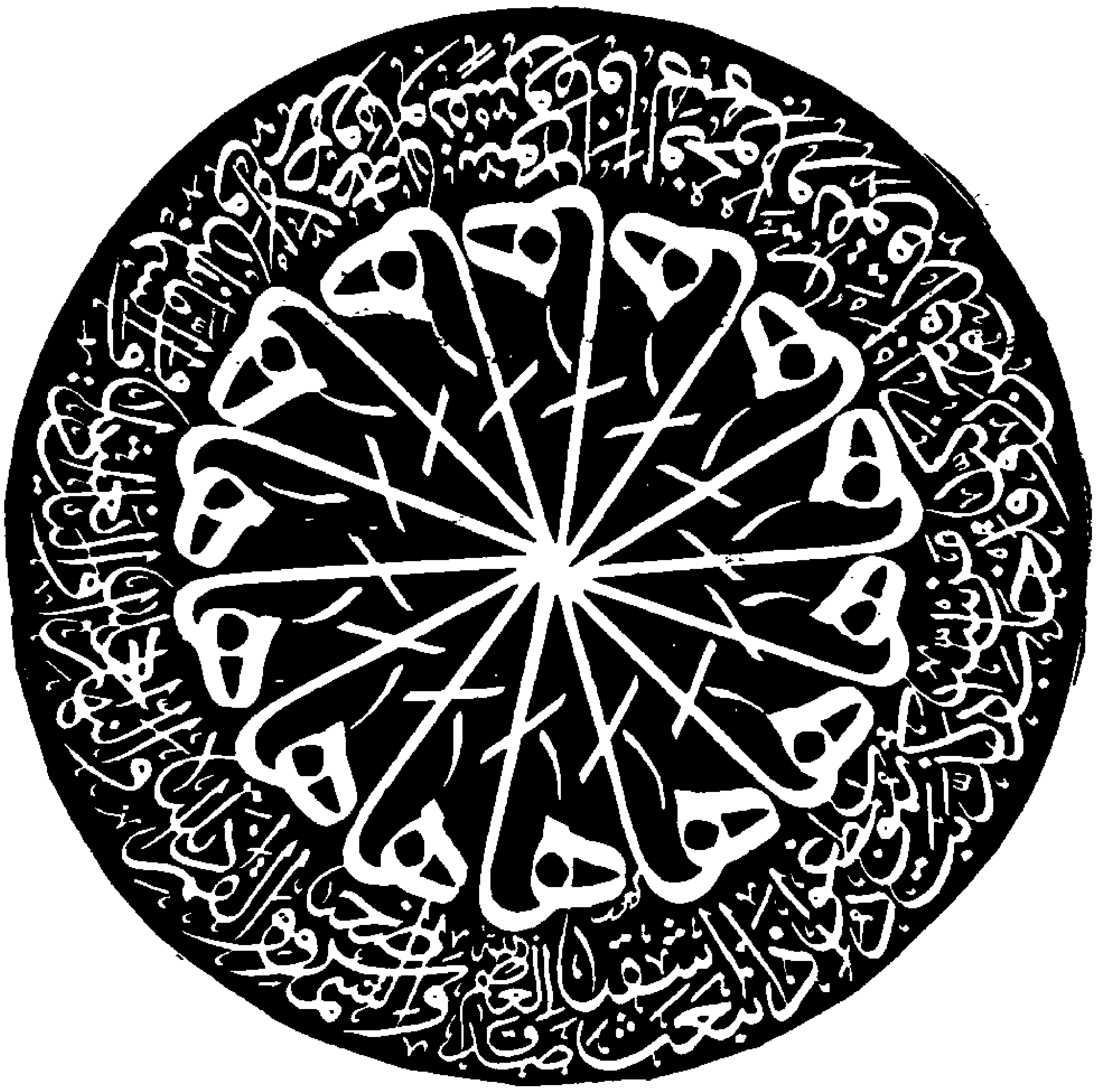

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

حضرت خواجہ یعقوب چرخی

(حالات وارشادات)

محبوب احمد بھٹی

☆☆

حضرت خواجہ یعقوب چرخی علیہ الرحمۃ حضرت خواجہ بزرگ سید بہاء الدین نقشبند قدس سرہٗ کے ارشد اصحاب میں سے ہیں۔ لیکن چونکہ آپ کی تکمیل حضرت خواجہ علاء الدین عطار علیہ الرحمۃ سے ہوئی اس سبب سے انہی کے خلفاء میں شمار کیے جاتے ہیں۔

ولادت باسعادت:

حضرت خواجہ یعقوب چرخی علیہ الرحمۃ کی ولادت غزنی کے قریب واقع چرخ نامی گاؤں میں تقریباً ۷۶۲ھ/۶۱ ۔ ۱۳۶۰ء میں ہوئی۔ چرخ گاؤں کی نسبت سے چرخی کہلائے۔ آپ کا نسب مبارک یوں ہے۔ حضرت خواجہ یعقوب بن عثمان بن محمود بن محمد بن محمو الغزنوی ثم الچرخی ثم السررزی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

والد بزرگوار:

آپ نے اپنی معروف کتاب ”تفسیر چرخی“ میں چند جگہ پر اپنے والد بزرگوار کا ذکر خیر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والد بزرگوار ارباب علم و مطالعہ سے تھے اور پارسا وصوفی تھے۔ ان کی ریاضت کا یہ حال تھا کہ ایک روز پڑوسی کے گھر سے پانی لائے چونکہ پانی یتیم کے پیالہ میں تھا اس لیے نہ پیا۔ آپ نے یہ رباعی اپنے والد بزرگوار سے پڑھی تھی۔

جز فضل تو راہ کہ نماید مارا
جز جود تو بندگی کہ شاید مارا

گرچہ ہر دو کون طاعت داریم
بے لطف تو کار برنیا یدا مارا

تحصیل علم:

آپ نے جامعہ ہرات (افغانستان) اور مصر میں تعلیم حاصل کی۔ حضرت شیخ زین الدین خوافی علیہ الرحمۃ (م ۸۳۳ھ) آپ کے ہم درس تھے اور آپ نے حضرت مولانا شہاب الدین احمد بن محمد بن محمد سیرامی مصری علیہ الرحمۃ (م۔ آخر رمضان ۸۰۴ھ/اپریل ۱۴۰۲ء) جو اپنے زمانے کے مشہور عالم تھے سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ فتویٰ کی اجازت آپ نے علماء بخارا سے حاصل کی تھی۔

حضرت خواجہ نقشبند کی خدمت میں حاضری:

حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمۃ (۷۹۱ھ/۱۳۸۹ء) کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے آپ کو ان سے بڑی عقیدت اور محبت تھی۔ جب آپ اجازت فتویٰ حاصل کر کے بخارا سے واپس چرخ جانے لگے تو ایک دن حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نہایت عاجزی سے عرض کیا میری طرف بھی توجہ فرمائیں۔ حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے فرمایا کیا اس وقت جبکہ تم سفر کی حالت میں ہو۔ آپ نے عاجزی سے کہا کہ میں آپ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کیوں؟ آپ نے عرض کیا کہ اس لیے کہ آپ بزرگ ہیں اور عوام الناس میں مقبول ہیں۔

حضرت خواجہ قدس سرہ نے فرمایا کوئی اچھی دلیل؟ ممکن ہے کہ یہ قول شیطانی ہو۔ آپ نے بڑے ادب و احترام سے کہا کہ صحیح حدیث ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ بندے کو اپنا دوست بناتا ہے اس کی محبت اپنے بندوں کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ حضرت خواجہ نے تبسم فرماتے ہوئے کہا ما عزیزانیم! حضرت خواجہ کے یہ فرمانے سے آپ کا حال دگرگوں ہو گیا کیونکہ اس واقعہ سے ایک ماہ قبل انھوں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت خواجہ نقشبند ان سے فرماتے ہیں ”مرید عزیزاں شو“ اور حضرت مولانا یعقوب چرخی علیہ الرحمۃ یہ خواب بھول چکے تھے جب حضرت خواجہ نے فرمایا کہ ما عزیزانیم تو آپ کو یہ خواب یاد آ گیا۔ اس کے بعد حضرت خواجہ یعقوب چرخی علیہ الرحمۃ نے حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ سے التماس کی کہ میری طرف بھی توجہ فرمائیں۔ حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت عزیزان رحمۃ اللہ علیہ سے

توجہ طلب کی تو انھوں نے فرمایا کہ غیر توجہ میں نہیں رہتا کوئی چیز ہمارے پاس رکھو تا کہ جب میں اسے دیکھوں تو تم یاد آ جاؤ۔ پھر حضرت خواجہ نے آپ سے فرمایا کہ تمہارے پاس ایسی چیز نہیں ہے جو ہمارے پاس رکھ جاؤ لہٰذا میری ٹوپی ساتھ لے جاؤ۔ جب اسے دیکھ کر ہمیں یاد کرو گے تو ہمیں پاؤ گے اور اس کی برکت تمہارے خاندان میں رہے گی۔ پھر فرمایا کہ اس سفر میں مولانا تاج الدین سے دشت کولکی میں ضرور ملنا کیونکہ وہ اولیاء وقت سے ہیں۔

وطن روانگی اور مولانا تاج الدین دشتی کولکی سے ملاقات:

آپ کے دل میں خیال گزرا کہ میرا ارادہ بلخ جانے کا ہے پھر وہاں سے اپنے وطن جاؤں گا۔ بلخ کہا اور دشت کولکی کہاں۔ آپ حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ سے رخصت ہوکر بلخ روانہ ہوئے اتفاقاً ایسی ضرورت پیش آئی کہ جس کی وجہ سے آپ کو دشت کولکی جانا پڑا۔ اس وقت حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کا ارشاد آپ کو یاد آیا۔ بہت حیران ہوئے۔ آپ نے یہاں مولانا تاج الدین سے ملاقات کی۔ اس ملاقات اور مولانا تاج الدین دشتی کولکی کا جو رابطہ محبت حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ سے تھا، نے حضرت خواجہ یعقوب علیہ الرحمۃ کے دل پر اس قدر اثر کیا کہ وہ دوبارہ بخارا کی طرف چل پڑے اور یہ پختہ ارادہ کرلیا کہ جا کر حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ کے ہاتھ مبارک پر بیعت کریں گے۔

بخارا کے ایک مجذوب سے ملاقات:

بخارا شریف میں ایک مجذوب تھے جن سے حضرت خواجہ یعقوب چرخی علیہ الرحمۃ کو بڑی عقیدت تھی۔ انھوں نے ان کو سر راہ بیٹھے دیکھا، ان سے پوچھا کہ کیا میں حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ کی خدمت میں جاؤں انھوں نے کہا کہ جلدی جاؤ وہ وقت آ گیا ہے کہ تو مقبولوں میں سے ہو۔ اس مجذوب نے اپنے سامنے زمین پر بہت سی لکیریں کھینچیں۔ حضرت یعقوب چرخی علیہ الرحمۃ نے خود سے کہا کہ ان لکیروں کو گنوں اگر مفرد ہوئیں تو میرے ارادے کی دلیل ہوگی کیونکہ ان اللہ فرد ویحب الفرد (اللہ ایک ہے اور ایک کو پسند کرتا ہے) چنانچہ لکیروں کو گنا تو وہ مفرد تھیں۔ اس واقعہ کے بعد حضرت خواجہ یعقوب چرخی علیہ الرحمۃ کا اشتیاق بڑھا کہ وہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کی خدمت میں جائیں اور ان کے مریدوں میں شامل ہوکر ان کی نظر التفات سے مشرف ہوں۔ آپ کو یقین ہوگیا کہ حضرت خواجہ نقشبند کامل اور مکمل ولی اللہ ہیں۔

حضرت خواجہ کی خدمت میں دوسری حاضری:

جب آپ حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ کی اقامت گاہ قصر عارفاں پہنچے تو حضرت خواجہ سر راہ آپ کے منتظر تھے۔ حضرت خواجہ آپ سے بڑے لطف و احسان سے پیش آئے۔ نماز کے بعد آپ نے حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں درخواست کی کہ آپ مجھے اپنے حلقہ ارادت میں شامل فرمائیں۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے:

> ''العلم علمان علم القلب فذلک علم نافع علم الانبیاء والمرسلین وعلم اللسان فذلک حجۃ اللّٰہ علٰی ابن آدم''
>
> علم دو ہیں ایک قلب کا علم جو نفع بخش ہے اور یہ نبیوں اور رسولوں کا علم ہے، دوسرا زبان کا علم اور یہ بنی آدم پر حجت ہے۔

فرمایا امید ہے کہ علم باطنی سے تمہیں کچھ نصیب ہوگا اور فرمایا کہ حدیث میں آیا ہے:

> ''اذا جالستم اھل الصدق فاجلسوھم بالصدق فاطغم جواسیس القلوب یدخلون فی قلوبکم وینظرون الی ھممکم ونیاتکم''
>
> جب تم اہل صدق کی صحبت میں بیٹھو تو ان کے پاس صدق سے بیٹھو کیونکہ ہ دلوں کے بھید جانتے ہیں وہ تمہارے دلوں میں داخل ہو جاتے ہیں اور تمہارے ارادوں اور نیتوں کو دیکھ لیتے ہیں۔

فرمایا اور ہم مامور ہیں ہم خود کسی کو قبول نہیں کرتے آج رات دیکھیں گے کہ کیا اشارہ ہوتا ہے۔ اسی پر عمل کیا جائے گا اور اگر انھوں نے تجھے قبول کیا تو ہم بھی قبول کر لیں گے۔ یہ رات آپ کے لیے بہت بھاری تھی۔ آپ کو یہ غم کھائے جا رہا تھا کہ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ مجھ کو قبول کیا جاتا ہے یا رَد کر دیا جاتا ہے۔ جب صبح ہوئی نماز فجر کی ادائیگی کے بعد حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ مبارک ہو قبولیت کے لیے اشارہ کیا گیا ہے۔ ہم کسی کو کم قبول کرتے ہیں کیونکہ کوئی کسی نیت سے آتا کوئی کیسے وقت آتا ہے۔

اس کے بعد حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ نے اپنے مشائخ کا سلسلہ طریقت حضرت خواجہ عبدالخالق

غجدوانی قدس سرہ تک بیان فرمایا اور پھر آپ کو وقوف عددی میں مشغول کیا اور فرمایا کہ یہ علم لدنی کا پہلا سبق ہے جو حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت خواجہ بزرگ خواجہ عبدالخالق غجدوانی علیہ الرحمۃ کو پہنچایا۔

بیعت کے بعد آپ کچھ عرصہ تک حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ کی خدمت میں رہے اور اس دوران حضرت خواجہ علاء الدین عطار علیہ الرحمۃ سے تکمیل تعلیم و تربیت بھی کرتے رہے۔

حضرت خواجہ کی آخری نصیحت:

پھر حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ نے آپ کو بخارا سے جانے کی اجازت مرحمت فرمائی اور رخصت کے وقت فرمایا:

> ''ہم سے جو کچھ ملا ہے اس کو بندگان خدا تک پہنچاؤ اور مناسب حال حاضرین کو بخطاب اور غائبین کو بذریعہ خط و کتابت تبلیغ کرنا تاکہ سعادت کو موجب بنے۔ پھر تین بار فرمایا ترا بخدا سپردیم (ہم نے تجھے خدا کے سپرد کیا) اور ساتھ ہی حضرت علاء الدین عطار علیہ الرحمۃ کی پیروی کا اشارہ فرمایا''

جب آپ بخارا سے چل کر شہ کش (ماوراء النہر کا ایک گاؤں) میں پہنچے اور وہاں کچھ عرصہ مقیم رہے۔ اسی اثناء میں حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ کی رحلت کی خبر ملی۔ آپ کو بڑا صدمہ ہوا اور ساتھ ہی خوف بھی کہ مبادا عالم طبیعت کی طرف میلان ہو جائے اور طلب کی خواہش نہ رہے۔ آپ نے حضرت خواجہ کی روح مبارک کو دیکھا اور انھوں نے آپ کا وہم ایک اشارہ کے ساتھ دور کر دیا۔

حضرت خواجہ علاء الدین عطار کی خدمت اقدس میں حاضری:

کچھ عرصہ موضع کش میں قیام کرنے کے بعد آپ بدخشاں چلے گئے۔ یہاں پہنچنے پر آپ کو چغانیاں سے حضرت خواجہ علاء الدین عطار علیہ الرحمۃ کا مکتوب شریف ملا جس میں انھوں نے آپ کو اپنی متابعت کا اشارہ کیا۔ آپ چغانیاں کو روانہ ہو گئے اور حضرت خواجہ علاء الدین عطار کی صحبت کا شرف حاصل کیا۔ آپ چند برس تک ان کی صحبت میں رہے اور ان سے خرقہ خلافت پایا۔ حضرت خواجہ علاء الدین عطار علیہ الرحمۃ آپ پر بے حد لطف فرماتے تھے۔

جب حضرت خواجہ علاء الدین عطار علیہ الرحمۃ نے ۲۰ر ربیع الاول ۸۰۲ھ/ ۲۰ر نومبر ۱۳۹۹ء کو اس

دار فانی سے عالم بقا کی طرف رحلت فرمائی تو اس کے بعد آپ چغانیاں سے واپس حصار تشریف لے آئے۔

مسند ارشاد:

آپ نے حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ کے اس ارشاد کی تعمیل کرنی چاہی کہ جو کچھ ہم سے تمہیں پہنچا ہے اسے بندگان خدا تک پہنچا دینا اور مناسب حال حاضرین کو بطریق خطاب اور غائبین کو بذریعہ خط و کتابت تبلیغ کرنا۔ کم وبیش نصف صدی تک آپ نے اس وصیت پر عمل کیا اور بندگان خدا کی خدمت کی۔ تصنیف و تالیف ترویج علوم اور تربیت سالکین میں ہمہ وقت مصروف رہے۔

وفات:

آپ نے بروز ہفتہ ۵/صفر ۸۵۱ھ/ ۲۲/اپریل ۱۴۴۷ء کو حصار میں وفات پائی۔ آپ نے تقریباً ۸۹/سال عمر پائی۔

قطعہ تاریخ وفات:

شد بر اوج چرخ چوں منزل گزین
حضرت یعقوب محبوب خدا
رحلتش (شمس الہدایت) گفتہ اند
نیز (حق آمود مطلوب خدا)
واصل (کامل ملک سیرت) بخوان
ہم بدان (یعقوب محبوب خدا)

(مقدمہ تفسیر چرخی از محمد نذیر رانجھا، ص ۳۴)

مزار پرانوار:

صاحب رشحات نے لکھا ہے کہ آپ کا مزار مبارک موضع بلفتو میں واقع ہے جو حصار کا ایک گاؤں ہے۔ جبکہ معروف ایرانی محقق و دانشور سعید نفیسی مرحوم (م۔ ۱۴/نومبر ۱۹۶۶ء) اپنی کتاب تاریخ نظم و نثر در ایران و در زبان فارسی میں لکھتے ہیں کہ:

''مولانا یعقوب چرخی علیہ الرحمۃ نے حصار شادمان میں وفات پائی۔ ان کا مزار اب تاجکستان کے صدر مقام دوشنبہ سے ۵ کلومیٹر کے فاصلے پر چغانیاں میں واقع ہے۔ حصار شادمان شہر پہلے اسی جگہ آباد تھا اور بعد میں حصارات سے شہرت پائی اس شہر کے آثار میں سے ایک حمام اور دو مزار باقی ہیں''

(مقدمہ تفسیر چرخی از محمد نذیر رانجھا، ص ۳۴، حوالہ تاریخ نظم ونثر در ایران و در زبان فارسی، جلد دوم ص ۷۷۸، ۷۷۹)

اولاد امجاد:

حضرت خواجہ یعقوب چرخی علیہ الرحمۃ کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد یوسف چرخی اپنے والد گرامی کے جانشین تھے۔ ان کا مزار دوشنبہ سے تقریباً ۴۰ کلومیٹر کے فاصلے پر اس جگہ موجود ہے جو چرتک کے نام سے مشہور ہے اور اس پر امیر تیمور کے مقبرہ کی طرح کا مقبرہ بنا ہوا ہے۔ یہاں پہاڑ کے دامن میں ایک بڑی خانقاہ بنائی گئی ہے جہاں چند حجرے ہیں۔ (مقدمہ رسالہ نائیہ از محمد نذیر رانجھا ص ۳۳)

حضرت خواجہ یعقوب چرخی کے دوسرے صاحبزادے سولہ سال آٹھ ماہ کی عمر میں وصال فرما گئے تھے۔

شاعری:

حضرت خواجہ یعقوب چرخی علیہ الرحمۃ کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ یہ رباعی آپ کی ہے:

تا در طلب گوہر کانی کانی
تا زندہ بوئے وصل جانی جانی
فی الجملہ حدیث مطلق از من بشنو
ہر چیز کہ در جستن آنی آنی

(ترجمہ) اگر تو کان سے ہیرے حاصل کرنا چاہتا ہے تو (خود) کان بن جا اگر تو محبوب کے وصال کی خوشبو سے زندگی بنانا چاہتا ہے تو (خود) محبوب بن جا۔

مختصر طور پر یہ پکی بات مجھ سے سن لے کہ تو جس چیز کی جستجو میں ہے تو
(خود) وہی بن جا۔

تصنیفات:

۱...... ابدالیہ (فارسی): اس کا موضوع اثبات وجود اولیاء اور ان کے مراتب ہے اس کا اردو ترجمہ جناب محمد نذیر رانجھا نے کیا ہے اور اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور سے ۱۹۷۸ء میں شائع ہو چکی ہے۔

۲...... اُنسیہ (فارسی): یہ چند فصول اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ جو یہ ہیں۔

(۱) فصل فضیلت دوام وضو (۲) فصل ذکر خفی (۳) فصل نفلی نمازیں

خاتمہ۔ بعض فوائد جو مصنف کو حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمۃ اور ان کے خلیفہ حضرت خواجہ علاء الدین عطار علیہ الرحمۃ سے پہنچے۔

اس کا اردو ترجمہ ۱۹۸۱ء میں حضرت علامہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی نے مکتبہ نبویہ لاہور سے رسائل نقشبندیہ کے ساتھ شائع کیا۔ جبکہ دوسرا ترجمہ (اردو) جناب محمد نذیر رانجھا کی طرف سے ہوا اور یہ اردو ترجمہ فارسی متن کے ساتھ ۱۹۸۴ء میں مکتبہ سراجیہ موسیٰ زئی شریف سے شائع ہوا۔

۳...... تفسیر چرخی (فارسی): یہ آخری دو پاروں کی تفسیر ہے۔ یہ ۸۵۱ھ میں مکمل ہوئی۔ فارسی متن تو مختلف اداروں سے بار بار چھپ چکا ہے۔ البتہ اس کے پہلے اردو ترجمہ کا شرف بھی جناب محمد نذیر رانجھا کو حاصل ہوا ہے۔ اور یہ اردو ترجمہ جمعیت پبلی کیشنز لاہور سے اکتوبر ۲۰۰۵ء میں شائع ہو چکا ہے۔

۴...... حورائیہ: جمالیہ شرح رباعی ابو سعید ابو الخیر فارسی

۵...... شرح اسماء الحسنٰی (فارسی)

۶...... طریقہ ختم احزاب (فارسی): یعنی منازل تلاوت قرآن مجید

(یہ تینوں رسائل سہ رسائل حضرت خواجہ یعقوب چرخی علیہ الرحمۃ کے نام سے میاں اخلاق احمد اکیڈمی لاہور سے ۱۹۹۸ء میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کا اردو ترجمہ جناب محمد نذیر رانجھا نے کیا ہے۔)

۷...... نائیہ رسالہ (فارسی): اس کا موضوع شرح دیباچہ مثنوی معنوی مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمۃ ہے۔ اور اس کے آخر میں خواجہ یعقوب چرخی نے حکایت بادشاہ و کنیزک، قصہ شیخ دقوقی، قصہ شیخ سررزی، حکایت بایزید بسطامی، کرامات درویش، واقعہ حضرت بہلول، حکایت حضرت موسیٰ علیہ السلام، مسئلہ

فنا و بقاء، درویش کامل اور قصہ وکیل صدر جہاں کا اضافہ کیا ہے۔ حضرت خواجہ یعقوب چرخی علیہ الرحمۃ کی یہ شرح نائیہ معارف و عرفان الٰہی کا خزینہ ہے۔ اور پڑھنے کے لائق ہے۔ اس رسالہ کا اردو ترجمہ بھی جناب محمد نذیر رانجھا نے کیا ہے اور جمعیت پبلی کیشنز لاہور سے ۲۰۰۴ء میں شائع ہو چکا ہے۔

۸...... رسالہ در بارہ اصحاب و علامات قیامت (فارسی): اس کا قلمی مخطوطہ موجود ہے۔ بخط نستعلیق تیرہویں صدی ہجری کاتب محمد بن داملا آدینہ محمد خواجہ ایستر خانی مجال سرای بروز چہار شنبہ صفر آغاز ناقص (مجموعہ مخطوطات نمبر ۵۴۷۸ بنیاد خاور شناسی تاشقند نسخہ ہائے خطی جلد ۹ ص ۷۸ از زیر نظر محمد تقی دانش پژوہ تہران ۱۳۵۸ھ ش۔

ارشادات قدسیہ:

۱...... فرمایا، اولیاء حق کو پہچاننا مشکل ہے مگر اس (اللہ تعالیٰ) کی عنایت سے ولی کو اس (نشانی) سے پہچانا جا سکتا ہے کہ اس کو اللہ تبارک و تعالیٰ غیر شرعی کاموں سے محفوظ رکھتا ہے اور اگر اس سے کوئی غیر شرع کا کام ہو (بھی) جائے تو اللہ تعالیٰ اسے توبہ کرنے کی توفیق دیتا ہے جس طرح کہ شیخ صنعان کو (توفیق نصیب ہوئی۔

۲...... خلقت کی آنکھ خاص اولیاء اللہ کو دیکھنے سے محروم ہے جو شخص ہوائے نفس میں مشغول ہے اسے ان کی معرفت نصیب نہیں ہو سکتی وہ (اولیاء) خلقت کو اپنی طرف بلاتے ہیں لیکن ان کی طرف نہیں جاتے۔

۳...... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **"اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله تعالىٰ"** (یعنی مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے) جب بندہ ایمان حقیقی سے مشرف ہوتا ہے اور شہود کے ذریعے اللہ کی تعالیٰ کی معرفت پاتا ہے تو سات آسمانوں اور زمینوں کے اندر اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی۔

۴...... جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا اور عقبیٰ (دونوں) میں روا ہے جس طرح کہ طوالع (کتاب طوالع الانوار از قاضی عبد اللہ بن عمر البیضاوی م ۶۸۵ھ) اور دوسری کتابوں سے معلوم ہوتا ہے اور معتزلی (اس کے) مطلقاً منکر ہیں۔ بعض (اسے) عقبیٰ میں جائز سمجھتے ہیں اور اہل حق کے مذہب میں جو اہل سنت و جماعت اور اولیاء اللہ کا مذہب ہے یہ دنیا اور عقبیٰ دونوں میں جائز اور درست ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

۵...... اللہ تعالیٰ کے بندوں کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھا جائے اور مشائخ کبار پر اعتراض نہ کریں کیونکہ ان

کے حال سے کسی کو آگاہی نہیں ہوتی اور وہ صفات الوہیت کا مظہر بن چکے (ہوتے) ہیں لہٰذا ان کی (ظاہری) صورت کو (حقارت سے) نہیں دیکھنا چاہیے۔

۶...... مثنوی

چوں رجا و خوف در دلہا روان
نیست مخفی بروئے اسرار جہان
دل نگہ دارید اے بے حاصلان
در حضور حضرت صاحب دلان

(ترجمہ) دلوں میں امید اور ڈر (روح کی طرح) رواں ہے اس پر جہان کے چھپے ہوئے راز پوشیدہ نہیں ہیں۔ اے مفلسو! دل کی حفاظت رکھو اہل دل کی مجلس کی حاضری میں)

جاننا چاہیے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر بن جاتا ہے اور علم الٰہی کا مظہر بن جاتا ہے تو پھر آسمانوں اور زمینوں میں کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں رہتی جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اور نوادر (**نوادر الاصول فی معرفة اخبار الرسول** از عبداللہ محمد بن علی بن حسن بن بشیر المؤذن الحکیم الترمذی م ۲۵۵ھ) میں مذکور ہے اور اس امت کے اولیاء کی تعریف (کے ضمن) میں حدیث قدسی میں آیا ہے کہ "**یکون علیھم من علمی**" (وہ میرے علم سے ایک چیز رکھتے ہیں) اور ہمیں اس کا مشاہدہ ہمارے خواجہ نقشبند قدس سرہ اور ان کے خلیفہ بزرگوار حضرت خواجہ علاء الدین عطار قدس سرہ سے ہوا ہے جو فرمایا کرتے تھے:

''تمام روئے زمین اولیاء اللہ کے سامنے دسترخوان کی مانند ہے اور اس فقیر کے سامنے روئے زمین ناخن کی طرح ہے''

۷...... کبراء میں سے ایک نے فرمایا ہے کہ تو اولیاء اللہ اور ان کے (ظاہری) احوال کو اپنے حال سے قیاس نہ کر (کیونکہ) ان کو پہچاننا محض عنایت الٰہی کے سوا ممکن نہیں ہے اور اس میں حدیث قدسی کی طرف اشارہ ہے۔

''**اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم غیری**''

(میری قبا کے نیچے میرے اولیاء ہیں جن کو میرے سوا کوئی نہیں جانتا)

(یعنی) اولیاء اللہ کو تائید الٰہی سے (ہی) پہچانا جا سکتا ہے (کیونکہ) ان کا ظاہر خلقت سے اور باطن اللہ تعالیٰ سے (مشغول رہتا) ہے۔

۸...... چونکہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو کن فیکون کا مظہر بنایا ہے لہٰذا (وہ) اللہ تعالیٰ کی عنایت سے جو کچھ چاہے وہ ہو جاتا ہے۔ ہمارے خواجہ بہاء الحق نقشبند قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ بیس سال سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ مقام عنایت فرمایا ہے لیکن ادب اس (چیز) کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ ولی محبوب اپنی ارادت کو اللہ تعالیٰ کی ارادت کے تابع بنائے اور اگر یہ صفت اس سے ظاہر ہو جائے تو (یہ) اس کی اپنی مرضی کے مطابق نہ ہوگی اور اسی لیے کہا گیا ہے "کن عبد رب و لایکن رب عبد" (یعنی رب کا بندہ بن جا اور کسی کا رب نہ بن)

۹...... جاننا چاہیے کہ اولیاء کے عرفانی کلمات کی برکت سے طالبوں کے مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں اور جب (اولیاء) نگاہ لطف فرماتے ہیں تو طالب حیات ابدیہ اور ایمان حقیقی تک رسائی پا لیتے ہیں۔

۱۰...... جب دل اولیاء کی نظر کی برکت سے زندہ اور نفسانی وسوسوں اور شیطانی خیالات سے پاک ہو جاتا ہے تو جو مقصود اصلی ہوتا ہے وہ ہاتھ لگ جاتا ہے۔

۱۱...... فنا صفات بشریت سے نیست و نابود اور بقا صفات الوہیت سے متصف ہونے کا نام ہے۔

۱۲...... ہمارے خواجہ (حضرت بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمۃ) قبض (کی حالت) میں استغفار پڑھنے اور بسط میں شکر کرنے کا حکم فرماتے تھے۔

۱۳...... ایک دفعہ میں نے حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا آپ کو قیامت میں کس عمل سے پاؤں فرمایا شریعت پر عمل کرنے سے۔

۱۴...... درویش کے لیے سوائے لقائے مولیٰ کوئی چیز مطلوب نہیں ہونی چاہیے تا کہ رب تعالیٰ کے انوار و تجلیات کا کماحقہ مشاہدہ کر سکے۔

۱۵...... اس سے جوڑ جو تجھ سے قطع تعلق کرے اور کٹے۔

۱۶...... کبرا نے کہا ہے کہ تمام عبادتوں کا مقصود ذکر ہے، ذکر جان کی طرح ہے اور تمام عبادتیں دل کی مانند ہیں اگر عبادتوں میں اللہ تعالیٰ سے غافل رہے تو ان سے اتنا فائدہ نہیں ہوتا۔

۱۷...... جاننا چاہیے کہ جس ذکر میں اخلاص نہ ہو وہ اتنا فائدہ اور نتیجہ نہیں دیتا۔

۱۸...... ہمیشہ وقوف عددی میں مشغول رہنے سے دل جلدی ذاکر ہو جاتا ہے اور میں نے حضرت خواجہ (نقشبند علیہ الرحمۃ) سے سنا ہے کہ کہا کرتے تھے

دل چو ماہی و ذکر چوں آبست
زندگی دل بذکر وہاب ست

جب دل ذاکر ہو جائے اور اس کی علامات ظاہر ہو جائیں تو اس کے بعد وقوف قلبی میں مشغول ہو جانا چاہیے۔

۱۹...... شیخ کامل مکمل کی ایک باطنی نگاہ سے باطن کی وہ صفائی حاصل ہو جاتی ہے جو زیادہ ریاضتوں سے بھی میسر نہیں آتی۔ جیسا کہ عارف رومی کہتے ہیں۔

آنکہ بہ تبریز دید یک نظر شمس دین
طعنہ زند بر دہ سخرہ کند بر چلہ

یعنی جس نے شمس دین (مرشد کامل) کی زیارت کا شرف حاصل کر لیا ہے وہ دس روزہ اور چالیس روزہ خلوت گزینی کا مذاق اڑاتا ہے اور اس پر طعنہ زنی کرتا ہے

۲۰...... شیخ ابو یوسف ہمدانی قدس سرہ العزیز کا قول ہے خدا تعالیٰ کے ساتھ صحبت رکھو اور اگر تم کو خدا تعالیٰ کی صحبت میسر نہ آئے تو اس شخص کے ساتھ صحبت رکھو جو خدا تعالیٰ کا مصاحب ہو۔ خواجہ علاء الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ صحبت مع اللہ فنا کے بعد ہاتھ آتی ہے اور اگر خدا تعالیٰ سے صحبت نہ رکھ سکو تو اہل فنا کے ساتھ صحبت رکھو۔

۲۱...... حقائق التفسیر میں آیا ہے کہ کبرا میں سے ایک سے پوچھا گیا کہ کیا بہشت میں ذکر ہوگا انھوں نے جواب دیا کہ ذکر کی حقیقت یہ ہے کہ غفلت نہ رہے چونکہ بہشت میں غفلت نہیں ہوگی لہٰذا تمام ذکر ہوگا۔

۲۲...... (حضرت خواجہ) فرمایا کرتے تھے کہ اخلاص کی حقیقت فنا کے بعد ہاتھ آتی ہے جب تک بشریت غالب ہے میسر نہیں ہوتی۔

۲۳...... ہمارے خواجہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے خلوت شہر ہے اور شہرت آفت ہے۔ ہمارے خواجگان

قدس سرہم کا قول ہے کہ خلوت در انجمن، سفر در وطن، ہوش در دم، نظر در قدم۔ ہمارے خواجہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ذکر جہر اور سماع سے جو حضوری اور ذوق حاصل ہوتا ہے وہ ہمیشہ باقی نہیں رہتا، وقوف قلبی میں ہمیشہ مشغول رہنے سے جذبہ حاصل ہوتا ہے اور جذبہ سے مقصود مل جاتا ہے۔

۲۴...... یہ فقیر جب ابتدائے حال میں چرخ میں ہوتا تھا تو کسب علم کے لیے سفر کا ذوق ہوا لیکن میرے پاس اس کے لیے وسائل نہ تھے۔ میں نے توجہ سے خواجہ خضر علیہ السلام کو خواب میں دیکھا انھوں نے مجھے فرمایا کہ تحصیل علم کے لیے جاؤ اور جہاں کہیں اور جس وقت بھی کوئی مشکل پیش آئے ہمیں یاد کرنا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور مجھے تجربہ سے یقین ہوگیا کہ وہ خواب رحمانی تھا۔

۲۵......صادق اور عاشق لوگوں کی صحبت اختیار کرو تا کہ تم بھی ویسے ہو جاؤ۔

۲۶...... اس فقیر کے پیر حضرت مخدومی قطب الارشاد خواجہ بہاء الحق والدین البخاری المعروف بہ نقشبند قدس سرہ العزیز فرماتے تھے کہ اگر کامل مکمل (ولی اللہ) چاہے تو شہر کے (سب) لوگوں کو ایک جذبہ سے عالم حقیقت تک پہنچا سکتا ہے۔

کوری آنکہ گویدت بندہ بحق کجا رسد
برکف ہریکی شمع صفا کہ ہم چنیں

یعنی وہ ایک اندھا ہے جو تجھ سے کہے کہ بندہ حق تک کہاں پہنچتا ہے، تو
اس طرح کی شمع صفا ہر ایک کی ہتھیلی پر رکھ دے۔

۲۷......عارف کو چاہیے کہ وہ اپنے ظاہر و باطن کو پاکیزہ بنائے اور اللہ رب العزت کے علاوہ دوسروں سے التفات نہ کرے تا کہ اس کا باطن اس کے ظاہر کے مطابق مکر، حسد اور فریب سے پاک ہو جائے۔

۲۸......حضرت خواجہ عبداللہ انصاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اگر تو ہوا میں اڑے تو تو ایک مکھی ہے اور اگر پانی پر چلے تو تو ایک تنکہ ہے ایک دل کو قابو کر تا کہ تو ایک آدمی بن جائے۔

۲۹......اس فقیر کا ایک بیٹا تھا جس کی عمر سولہ سال اور آٹھ ماہ تھی اور وہ انواع کمالات سے آراستہ اور صاحب حسن صوری و معنوی تھا۔ جب وہ فوت ہوا تو مجھے بے حد صدمہ ہوا میں اس کی قبر پر متوجہ تھا اس کی روح سے یہ شعر میرے خیال میں آیا۔

بادو قبلہ در رہ توحید نتواں رفت راست

یا رضائے دوست باشد یا رضائے خویشتن

یعنی دو قبلہ کے ساتھ توحید کا راستہ صحیح طریقے سے طے نہیں کیا جا سکتا یا دوست (اللہ تعالیٰ) کی رضا پر خوش رہنا ہوگا (اور) یا اپنے نفس کی رضا پر۔

۳۰...... بزرگان دین نے فرمایا ہے کہ جو آدمی مختلف مصیبتوں میں مبتلا ہو اسے استغفر اللہ بہت زیادہ پڑھنی چاہیے۔

۳۱...... (حضرت خواجہ) عزیزاں (علی رامتینی علیہ الرحمۃ) سے منقول ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب تین دل جمع ہو جائیں تو بندے کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ دل رات، دل قرآن جو (سورۂ) یٰسین ہے اور دل مومن۔

۳۲...... حضرت خواجہ ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں اس خواہش سے زیادہ خبیث تر کوئی چیز پیدا نہیں فرمائی جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو اور اہل طریقت کے نزدیک مرد اس وقت بالغ ہوتا ہے جب وہ نفس کی خواہش سے نجات حاصل کر لے۔

خلق اطفال اند جز مست خدا
نیست بالغ جز رہندہ از ہوا

یعنی لوگ بچے ہیں سوائے اللہ کے عاشقوں کے ان میں کوئی بالغ نہیں ہے سوائے اس کے جو خواہش نفس سے نجات پا چکا ہو۔

۳۳...... حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سرکشی کی دو قسمیں ہیں۔ علم کی سرکشی اور مال کی سرکشی۔ علم کی سرکشی یہ ہے کہ خود پر بھروسہ ہو اور تکبر کرے اور مال کی سرکشی یہ ہے کہ زہد سے منکر ہو جائے اور عبادت سے رہ جائے۔

۳۴...... (درویش کو) ایسے آدمی (کی صحبت) سے دور رہنا چاہیے جس نے خود کو صالحین اور زاہدوں کی طرح بنا رکھا ہو اور شیخ بن بیٹھا ہو اور دنیا کے حرام (مال) کو حاصل کرتا ہو اور حقیقت سے اسے کچھ بھی نصیب نہ ہو اور جو مریدوں کو حرام کھانے اور لینے سے منع نہ کرتا ہو۔ **نعوذ باللہ من ذٰلک** (ہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں) درحقیقت (یہ بندہ) دین کے دشمنوں میں سے ہے کیونکہ (ایسے لوگ) انسانوں میں شیطان

ہیں درویش اللہ تعالیٰ سے اس کی پناہ طلب کرے۔

۳۵......شیخ ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ بندے کا اللہ تعالیٰ سے راضی ہونا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی نعمت، مصیبت اور دکھ اسے پہنچے وہ اس پر راضی رہے۔

۳۶......**قال النبی علیه الصلوٰة والسلام بئس العبد عبد هوا یضله** (مجمع الزوائد: ۲۴۴) یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے برا آدمی وہ ہے جو گمراہ کرنے والی خواہش کا غلام ہو۔

حضرت خواجہ محمد (ابن علی حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ گمراہ کرنے والی خواہش امور (زندگی) اور عبادتوں میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔

یہ فقیر (حضرت خواجہ یعقوب چرخی علیہ الرحمۃ) کہتا ہے کہ میں بخارا میں تھا اپنے اندر کاہلی اور دل کی کدورت مشاہدہ کی میں نے کہا کہ چند دن روزہ رکھوں تا کہ دل کی یہ کدورت دور ہو جائے میں نے روزہ کی نیت کی اور اپنے شیخ حضرت خواجہ بہاء الدین (نقشبند علیہ الرحمۃ) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب انھوں نے مجھے دیکھا تو فرمایا کہ کھانا لایا جائے اور مجھ ناتواں کو فرمایا کہ کھاؤ اور یہ حدیث **بئس العبد** آخر تک پڑھی اور اس کی شرح بیان فرمائی اور فرمایا کہ ہم نے تجربہ کیا ہے نفس کی خواہش پر روزہ رکھنے سے زیادہ بہتر کھانا ہے۔

۳۷......حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا کہ نفلی عبادت شیخ فانی اللہ کی اجازت سے ہونی چاہیے کیونکہ وہ ہوا (خواہش نفس) سے پاک ہو جاتی ہے اور ہوا (خواہش نفس) کو رد نہیں کیا جا سکتا (کیونکہ) کوئی پختہ انگور ترش نہیں ہوتا اور کوئی پختہ میوہ دوبارہ نیا پھل نہیں بنتا۔

اس فقیر (حضرت خواجہ یعقوب چرخی) نے ان (خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ) سے پوچھا کہ اگر ایسا شیخ کہیں نہ ملے تو میں کیا کروں؟ فرمایا، جب بھی عبادت کرو تو اس کے بعد استغفار کرو۔

ہمارے خواجہ (حضرت بہاء الدین نقشبند) کے خلیفہ خواجہ علاء الدین عطار علیہ الرحمۃ نے اس فقیر کو فرمایا کہ ہر نماز کے بعد بیس دفعہ استغفار پڑھو اور یہ سب ایک سو بار ہو جاتا ہے (اور وہ استغفار یہ ہے)

استغفر الله الذی لا اله الا هو الحی القیوم و اتوب الیه
یعنی میں بخشش طلب کرتا ہوں اللہ سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور
وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا اور ہمیشہ قایم رہنے والا ہے اور میں اس کی

طرف رجوع کرتا ہوں۔

۳۸...... حضرت ابن عطار علیہ الرحمۃ نے کہا کہ کس چیز نے تجھے دھوکہ دیا ہے کہ تو نے اپنے رب سے تعلق توڑ لیا ہے اور تو اس کی محبت نہیں رکھتا اور اس کے علاوہ غیر کی محبت رکھتا ہے۔

محققین (صوفیہ کرام) کا قول ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ہم نشین بنو اور اگر یہ نہیں کر سکتے تو اس آدمی کی صحبت اختیار کرو جو اللہ تعالیٰ کا ہم نشین ہے۔

غرق آبیم می طلبیم
در و صالیم بے خبر زوصال

یعنی ہم پانی میں غرق ہیں اور پانی طلب کر رہے ہیں ہم وصال میں ہیں اور وصال سے بے خبر ہیں۔

اس سے بڑا کوئی دکھ نہیں ہوگا کہ بندہ رات اور دن اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے میں مشغول رہے۔

اللہ رب العزت رات دن ہمارے ساتھ ہے اور ہم رات دن ماسوٰی اللہ کے ساتھ رہتے ہیں بندے کو (کل قیامت میں) یہ خطاب ہوگا کہ ہم تیرے تھے اور تیرے ساتھ (رہتے) تھے اور تو ہمارے علاوہ دوسروں کے ساتھ کیوں مشغول رہتا تھا۔

۳۹..... حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ تیرا ہاتھ ہمارا ہاتھ ہے جس کسی نے تیرا ہاتھ پکڑا اس نے ہمارے ہاتھ کو پکڑا ہے۔

۴۰..... اسے (یعنی انسان کو) اس دنیا میں عالم بقا کا طالب ہونا چاہیے اور نیک اعمال کرنے چاہییں تا کہ وہ محبوب حقیقی کے وصال و جمال سے مشرف ہو جائے۔

☆......☆......☆

کتابیات:

۱..... مشائخ نقشبندیہ مجددیہ، از مولانا محمد حسن نقشبندی، قادری رضوی کتب خانہ لاہور ۲۰۰۳ء
۲. تاریخ مشائخ نقشبندیہ، پروفیسر صاحبزادہ محمد عبدالرسول للہی، زاویہ پبلشرز گنج بخش روڈ لاہور ۲۰۰۰ء

۳...... تاریخ مشائخ نقشبندیہ (جماعتیہ) محمد صادق قصوری زاویہ پبلشرز گنج بخش روڈ لاہور ۲۰۰۳ء

۴...... جواہر نقشبندیہ، محمد یوسف مجددی، مکتبہ انوار مجددیہ فیصل آباد ۲۰۰۳ء

۵...... ملفوظات نقشبندیہ، محمد صادق قصوری، زاویہ پبلشرز گنج بخش روڈ لاہور ۱۹۹۸ء

۶...... نفحات الانس، مولانا عبدالرحمٰن جامی مترجم از سید احمد علی چشتی، شبیر برادرز لاہور ۲۰۰۲ء

۷...... شرح دیباچہ مثنوی مولانا روم المعروف رسالہ نائیہ، مولانا یعقوب چرخی، ترجمہ محمد نذیر رانجھا، جمعیت پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۴ء

۸...... حضرات کرام نقشبندیہ، حافظ نذیر احمد نقشبندی، خانقاہ سراجیہ کندیاں، میانوالی ۱۴۱۰ھ

۹...... حضرات القدس دفتر اول علامہ بدرالدین سرہندی، مترجم محمد اشرف نقشبندی، مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ ۱۴۰۱ھ

۱۰...... تفسیر چرخی، حضرت مولانا یعقوب چرخی، مترجم محمد نذیر رانجھا، جمعیت پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۰۵ء

۱۱...... ابدالیہ، حضرت مولانا یعقوب چرخی، مترجم محمد نذیر رانجھا، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۷۸ء

۱۲...... اُنسیہ رسالہ فارسی، حضرت مولانا یعقوب چرخی، مترجم محمد نذیر رانجھا، مکتبہ سراجیہ موسیٰ زئی شریف ضلع ڈیرہ اسماعیل خان ۱۴۰۴ھ

۱۳...... رسائل نقشبندیہ مترجم پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور ۱۹۸۱ء

۱۴...... سہ رسائل حضرت مولانا یعقوب چرخی، مترجم محمد نذیر رانجھا، میاں اخلاق اکیڈمی شادباغ لاہور ۱۹۹۷ء

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدهٗ و نصلی علٰی رسوله الکریم

خواجہ شمس الدین سید امیر کلال

(حالات وارشادات)

ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

☆☆

حضرت خواجہ شمس الدین سید امیر کلال کا طریقت میں انتساب حضرت بابا محمد سماسی قدس سرہ سے ہے۔ آپ قصبہ سوخار (جو قصبہ سماس سے پندرہ میل اور بخارا سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے) میں ۶۷۶ھ/۱۲۷۸ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کوزہ گری کا شغل رکھتے تھے۔ فارسی زبان میں کوزہ گر کو کلال کہتے ہیں۔ لہٰذا آپ امیر کلال کے نام سے آسمان طریقت و معرفت پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔

آپ اوائل جوانی میں کشتی لڑا کرتے تھے۔ ایک روز آپ رامتین میں کشتی لڑنے میں مشغول تھے حضرت بابا محمد سماسی کا ادھر سے گزر ہوا۔ اور وہ یہ نظارہ دیکھنے کے لیے ایک دیوار کے سایہ میں ٹھہر گئے اور آپ پر توجہ مرکوز کر کے محو ہو گئے۔ حضرت بابا کے خدام میں سے ایک نے عرض کیا آپ ان لوگوں پر جو امور بدعت میں مصروف ہیں، کیوں حیراں و پریشاں ہیں۔ حضرت نے ارشاد کیا کہ اس میدان میں ایک ایسا مرد ہے اور اس شکار گاہ میں ایک ایسا شکار ہے جس کی صحبت سے کاملین زمانہ فیضیاب ہوں گے کیونکہ اس کی پرواز نہایت بلند و بالا ہے۔ ہم اسی مرد کے منتظر ہیں۔ اسی اثناء میں حضرت امیر کلال کی نظر حضرت بابا پر پڑی حضرت بابا نے اپنی قوت جاذبہ سے اپنی طرف کھینچ لیا۔ اس طرح آپ بے اختیار پیچھے پیچھے بابا جی کے دولت کدہ پر پہنچے۔ حضرت بابا نے اسی وقت آپ کو طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی تلقین فرمائی اور اپنی فرزندی میں قبول کر لیا۔ اس کے بعد آپ کبھی بھی کشتی کے دنگل میں یا بازار میں دکھائی نہ دیے اور حضرت خواجگان کے طریقہ کے مطابق مشغول ریاضت و مجاہدہ رہے یہاں تک کہ درجۂ تکمیل و ارشاد تک پہنچ گئے۔

آپ کے انتقا

قصبہ سوخار کا پوچھا۔ لوگوں کے پوچھنے پر انھوں نے بتایا وہ حضرت سید امیر کلال کی زیارت کے لیے آئے ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ حضرت تو رحلت فرما گئے ہیں۔ ان صوفیہ نے خواہش ظاہر کی کہ ان کی اولاد و امجاد سے ملیں گے۔ چنانچہ وہ سوخار آئے اور حضرت امیر کی اولاد سے ملے اور حضرت کے کمالات کا ذکر کرنے لگے۔

لوگوں نے کہا کہ حضرت امیر تو کبھی مکہ اور مدینہ گئے ہی نہیں۔ آپ انھیں کیسے جانتے ہیں؟ صوفیہ بولے کہ حرمین شریفین میں ان کے متعدد مرید موجود ہیں جن میں ہم لوگ بھی شامل ہیں۔ ہم گزشتہ بائیس سال سے ان کے ساتھ حج کرتے رہے۔ اس سال انھیں نہ دیکھا تو ان کے جمال کی کشش نے ہمیں یہاں کھینچ لیا مگر افسوس کہ وہ انتقال فرما گئے۔

مذکورہ جماعت صوفیہ حضرت امیر کے مزار مقدس پر حاضری دی اور ارادت مندوں کی طرح آنسو بہائے اور لوگوں سے کہا کتنے افسوس کی بات ہے کہ ایسے صاحب ل کی قدر تم نے نہیں کی۔ اس کی قدر عرب میں جا کر دیکھو اور پھر سب خدا حافظ کر چل دیے۔

قدر گل و مُل بادہ پرستاں دانند
نے تنگ دلاں و تنگ دستاں دانند
اے بے خبر، از بے خبری ، معذوری
سریست دریں شیوہ کہ مستاں دانند

آپ کا شجرۂ نسب فخر موجودات، سرور کائنات، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔
آپ ۸/ جمادی الاول ۷۷۲ھ/ ۱۳۷۰ء بروز جمعرات بوقت صبح صادق خالق حقیقی سے جا ملے۔
آپ کا مزار شریف قصبہ سوخار نزد بخارا میں ہے۔

ارشادات قدسیہ:

☆...... جب تک تم زندہ رہو طلب علم سے ایک قدم بھی دور نہ رہو۔ کیونکہ طلب علم تمام مسلمانوں پر فرض ہے اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے سر مو تجاوز نہ کرو کیونکہ جملہ سعادتیں اسی عمل سے حاصل ہوتی ہیں۔ اول علم ایمان، دوم علم نماز، سوم علم روزہ، چہارم علم زکوٰۃ، پنجم علم حج، ششم والدین کی خدمت کا علم، ہفتم صلہ رحم اور رعایت ہمسایہ کا علم، ہشتم خرید و فروخت کا

علم، فہم حلال وحرام کا علم ان امور سے ناواقفی کی بنا پر لوگ تباہی کے بھنور میں جا گرتے ہیں۔

☆......عزیزو! یقین جانو کہ دنیا داروں کی دوستی اللہ کے راستے کی بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ خدا داں بنو اور خدا خواں بھی تا کہ تمہارے دین وایمان کا زیاں نہ ہو۔ ہر حالت میں خدا سے ڈرتے رہو اور یاد رکھو کہ خدا ترسی سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں۔ جو شخص خدا سے نہیں ڈرتا اس سے مت ڈرو۔ ہاں جو خدا سے ڈرتا ہے اس سے تم بھی ڈرو، خدا ترس کو تکلیف مت دو، ایسا نہ ہو کہ اس کی بدعا سے مبتلائے مصیبت ہو جاؤ۔

☆......میرے عزیزو! اخلاص اختیار کرو اور دوسروں پر رحم کرو تا کہ نجات پاؤ۔

☆......فرمایا، سالک تائب رہے کیونکہ توبہ سب ساعتوں کا سرچشمہ ہے۔ توبہ یہ ہے کہ پہلے اپنے کیے پر دل میں شرمندہ ہو، پھر ترک گناہ کی نیت کرے اور اس کے بعد ان گناہوں کا ارتکاب نہ کرے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور گناہوں کی معافی مانگے۔

☆......فرمایا، اتنی گریہ وزاری کرو کہ اپنی توبہ کی قبولیت کا یقین ہو جائے اور تائب کے لقب کے سزاوار بن سکو۔ روزی کا غم دل سے نکال دو اور آخرت کے غم سے فکر مند رہو۔ عبادت کرتے رہو کیونکہ یہ بندہ ہونے کی علامت ہے۔

☆......ارشاد فرمایا، جانتے ہو، ارادت کیا ہے؟ رضائے خداوندی کا حصول ہے، یہ بری عادتیں ترک کرنے، وفائے عہد، ادائے امانت اور ترک خیانت کا نام ہے۔ دیکھے تو اپنی غلطی کو اور نہ دیکھے تو اپنے اعمال کے مرتبے کو اور ہمیشہ خدا کے ذکر میں مشغول رہے۔ اللہ کا نام لیے بغیر کوئی کام شروع نہ کرو تا کہ قیامت کے دن کے اپنے عمل کی وجہ سے دین سے نادم نہ ہو۔ عزیزو! کوئی کام کرنے سے قبل خوب سوچ لیا کرو۔

☆......عزیزو! ہر حالت میں امر بالمعروف نہی عن المنکر کے فرائض بجالاتے رہو۔ غیر شرعی باتوں اور بدعتوں سے بچتے رہے۔

حضرت فضیل عباس کا واقعہ ہے انھوں نے سردی کے موسم میں حضرت شیخ عبد العلام کو پسینہ میں شرابور دیکھا، پوچھا، اس موسم میں آپ کی مبارک پیشانی پر یہ پسینہ کیسا؟ فرمایا، یہاں نہی عن المنکر کا ایک موقعہ تھا میں برائی سے منع کرسکتا تھا مگر نہ کیا اب بے قرار ہوں کہ اس سستی کا ازالہ کیسے کروں اور قیامت

دن کس تدبیر سے نجات پاؤں۔ عزیزو! غور کرو تم ہر روز امر معروف اور نہی منکر سے کس قدر غفلت برتتے ہو۔ تمہیں اپنی اور دوسروں کی اصلاح کی کتنی فکر ہے؟

☆……عزیزو! اپنے اعمال کی کسوٹی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بناؤ جو کام اس کسوٹی پر پورا اترے وہ مقبول ہے ورنہ غلط اور گمراہی ہے۔

☆……عزیزو! اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے حقوق کا خیال رکھو، اس کی بشارتوں سے خوش رہو اور وعیدوں سے ڈرو، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے اور ہر کام میں احکام خداوندی کا خیال رکھو۔

☆……عزیزو! جمع مال کی ہوس نہ رکھو۔ جو ملے اسے خرچ کرتے رہو۔ احتیاج سے جو بچے بچانے میں ہرج نہیں، مگر بھروسہ اس ذخیرہ پر نہ ہو، خدا پر ہو، نیند آئے تو سوؤ جس سے اطاعت کی قوت بحال ہو سکے۔ عزیزو! اللہ کو یاد کیے بغیر مت سوؤ۔ غافل نہ ہو جاؤ۔ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جاہل کی عبادت سے عالم کی نیند بہتر ہے۔

☆……میرے عزیزو! تمہیں چاہیے کہ ادائے زکوٰۃ کا اہتمام کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو زکوٰۃ نہ دے، اس کی نماز، روزہ، حج اور جہاد نامقبول رہتے ہیں۔ ایک دوسرا ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ بخیل اللہ کی رحمت، اس کے بندوں کے دلوں اور بہشت سے دور ہے اور دوزخ سے قریب ہے۔ سخی اللہ کی رحمت، اس کے بندوں کے دلوں اور بہشت سے قریب اور دوزخ سے دور۔

☆……عزیزو! اچھے اخلاق اور جوانمردی سے آدمی واقعی انسان بنتا ہے۔

☆……عزیزو! لوگ وصال حق سے اس لیے محروم رہتے ہیں کیونکہ انھوں نے دنیائے دوں کو اپنا مقصود بنا رکھا ہے۔ لیکن صوفی کو چاہیے کہ ذات باری کی معرفت کے بارے میں اپنا عقیدہ درست رکھے اور بدعت سے بچے۔ اسے چاہیے کہ ہر بات کی دلیل پر غور کرے تاکہ بوقت پرسش بتا سکے۔ میرے عزیزو! حیف ہے اگر تمہیں دین کے بارے میں پوچھیں اور تم بتا نہ سکو۔ دوسروں کا پوشیدہ باتیں طبقۂ صوفیہ کی خاطر آشکارا ہوتی ہیں۔ پھر آپ علم و دانش سے غفلت برت کر اہل ظاہر کے پیچھے کیوں رہ جاؤ۔ عزیزان من! طبقۂ صوفیہ میں ہر زمانہ اللہ تعالیٰ ایک دوست رکھتا ہے جس کی برکت سے دوسروں کی لغزشیں معاف ہوتی رہتی ہیں۔ اس دوست خدا اور مرد حق کو تلاش کرو تاکہ دونوں جہاں کی نعمتوں سے مالا مال ہو جاؤ۔ لیکن علمائے دین کی

خدمت کرنے میں پیش قدم رہو۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے وارثان انبیاء کہا ہے۔ اور یہ کہ جس نے علم اور انبیاء کو چاہا اس نے زندگی بے خطا گزار دی۔

☆......عزیزو! دنیا کے طالبوں کی ہمنشینی نہ کرو اور جاہلوں سے دوری اختیار کرو۔

☆......بے وقوف کی صحبت آدمی کو خدا سے دور کر دیتی ہے۔ تم لوگ سماع اور رقص کرنے والوں کی محفل میں نہ جاؤ۔ کیونکہ یہ لوگ دل کی صلاحیت کو خراب کر دیتے ہیں۔

☆......عزیزو! رخصت و رعایت سے استفادہ نہ کرو تاکہ صاحب عزم بنو، رعایات سے مستفید ہونا کمزوروں کا شیوہ ہے۔ اس سے زیادہ کیا کہوں۔ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی جو قطب عارفین، برہان محققین اور مرشد سالکین تھے ارشادات پر اکتفا فرماتے تھے کیونکہ عاقل کے لیے اشارہ کافی ہوتا ہے۔ العاقل تکفیہ الاشارۃ

ازیں بہ نصیحت نہ گوید کسی
دگر عاقلی یک اشارت بس است

☆......☆......☆

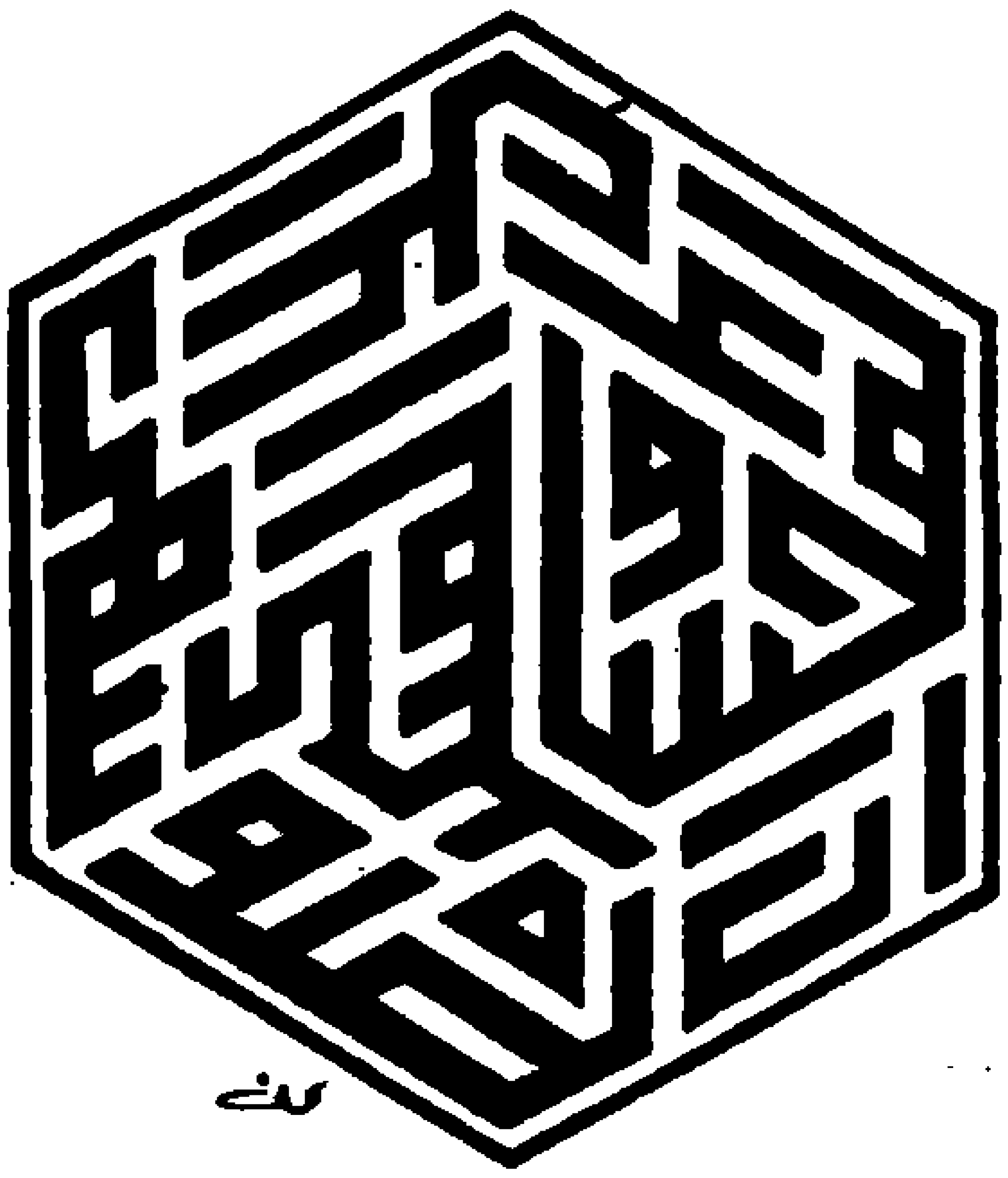

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

ملفوظات شریف
خواجہ محمد عارف ریوگری

محبوب احمد بھٹی

☆☆

زبدۃ العارفین خواجہ محمد عارف ریوگری قدس سرہ کی نسبت باطنی حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ آپ حضرت خواجہ کے اعظم خلفاء میں سے ہیں۔ تمام عمر اپنے پیر روشن ضمیر کی خدمت بابرکت میں رہے اور باطنی فیوض و برکات سے مالا مال ہوئے۔ علم وحلم، زہد وتقویٰ، عبادت وریاضت اور رشد وہدایت میں عالی شان رکھتے تھے۔

حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد سجادہ نشین بنے اور ایک خلق کو راہ ہدایت پر گامزن کیا۔ آپ کی ولادت قصبہ ریوگر میں ہوئی جو کہ بخارا سے ۱۸ر میل اور غجدوان سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ولادت ۲۷ر رجب المرجب ۵۵۱ھ مطابق ۱۵ر ستمبر ۱۱۵۶ء میں ہوئی اور وصال مبارک بھی ریوگر میں یکم شوال ۶۱۶ھ مطابق ۱۲۲۰ء کو ہوا۔ آپ کا مزار مبارک ریوگر میں مرجع الخلائق ہے۔

آپ کی تاریخ وصال میں اختلاف ہے۔ بعض نے تاریخ وصال یکم شوال ۷۱۵ھ لکھی ہے جبکہ آپ کی تصنیف ''عارف نامہ'' کے آخر میں قطعہء تاریخ وفات اس طرح درج ہے:

افسوس شد نہاں مہ تاباں بزیر خاک
کلکم سیاہ پوش جگر ریش و سینہ چاک
تاریخ بہر رحلت او جستم از قلم
قطب زمان و عارفِ باللہ زد رقم

............۶۳۴ھ

(ترجمہ) افسوس کہ چمکتا ہوا چاند زمین کے نیچے پوشیدہ ہو گیا اس لیے میرا قلم ماتمی و رنجیدہ جگر کو پارہ پارہ کرنے والا ہو گیا اور سینہ کو چاک کرنے والا ہو گیا۔

میں نے آپ کی تاریخ وصال قلم سے تلاش کی تو قلم نے لکھا:

''قطب زماں عارف باللہ''

(جس کے عدد ٦٣٤ھ ہیں جو کہ آپ کا سال وصال ہے)

آپ صاحب تصنیف تھے، آپ کا ایک رسالہ ''عارف نامہ'' (فارسی) خانقاہ موسیٰ زئی شریف ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں جنہوں نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے اکابرین کی انتہائی نادر و نایاب کتب و رسائل شائع کر کے اہل طریقہ کی گراں قدر خدمت کی ہے اس رسالہ عارف نامہ کی اشاعت کا شرف بھی آپ ہی کو حاصل ہوا۔

١٤١٣ھ/ ١٩٩٣ء میں حیدر آباد سندھ سے فارسی متن شائع ہوا اور ١٩٩٧ء میں اس رسالہ کا اردو ترجمہ شائع ہوا۔

ارشادات:

فرمایا:

١......کسی انسان کی سعادت اس میں ہے کہ وہ خود کو ملائکہ کا مشابہ بنائے یعنی نفس کی ذلت سے بری، پاک باز، ذاکر اور ہر وقت کی بندگی کے عہد کو پورا کرنے کی کوشش کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی غیر سے تعلق نہ رکھے اور نہ اس کی طرف التفات کرے۔ ہمیشہ نیک اور اچھے لوگوں کی صحبت میں رہے۔ اس لیے کہ ''وقت کاٹنے والی تلوار ہے'' پلک جھپکنے کے برابر بھی وقت کو بیکار اور غفلت میں ضائع نہ کرے اور حق سبحانہ وتعالیٰ کے غیر سے محظوظ (فائدہ اٹھانے والا) نہ ہو۔

٢......اے عارف! تو پاک رہ اور پاک اعتقاد رکھنے والا ہو اس لیے کہ کدورت والا دل جسم کو خبیث (برا) کر دیتا ہے۔ رد کرنے یا قبول کرنے کے لحاظ سے دل ہی کا اعتبار ہے۔

٣......اے عارف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے **کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل** (تو دنیا میں اس طرح رہ گویا مسافر ہے یا راستہ چلنے والا ہے) مومن کو چاہیے کہ جب اپنے گھر میں

آ ئے تو قبر کو اپنی قرار گاہ فرض کرے اور یقین کرے کہ اس کے بعد اس جگہ سے نکلنا ہو یا نہ ہو اور جب گھر سے باہر آئے تو یہ یقین رکھے کہ دوبارہ گھر میں داخلہ ہو گا یا نہیں۔

۴...... اے عارف سالکین کے طریقوں کی ابتداء اور مریدوں کی سعادت کی کنجی توبہ ہے۔ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے "گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں (التائب من الذنب کمن لا ذنب له) توبہ کی حقیقت اور اس کے معنی میں دوری کے راستہ سے قرب کے راستہ کی طرف لوٹنا۔

۵...... اے عارف! ایک پرندہ جس کے ساتھ بھاری وزن بندھا ہوا ہو تو وہ نہیں اڑ سکتا ہے۔ وہ سالک کہ جس کے تعلقات بہت ہوں وہ کس طرح فنا فی اللہ کے بیاباں کی فضا میں پرواز (ترقی) کرے گا اور اپنا قدم طلب کے میدان میں کھولے گا یعنی طلب معرفت حق نہ کر سکے گا۔

۶...... اے عارف! شیطان لعین ہر صبح کو عارف سے کہتا ہے کہ آج کیا کھائے گا وہ جواب میں کہتا ہے کہ موت، پھر کہتا ہے کہ کیا پہنے گا وہ جواب میں کہتا ہے کہ کفن، پھر کہتا ہے کہ کہاں قیام کرے گا وہ جواب دیتا ہے کہ قبر میں۔

۷...... اے عارف! کلام مجید اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مشائخ کے کلام کا سننا توفیق (زیادتی، شوق) کا موجب، قلب کی رقت کا سبب، ماسوا اللہ سے نفرت دلانے کا باعث اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی ترغیب دلاتا ہے۔

مشائخ کے کلام سے (مندرجہ ذیل ہے)

۱...... جب تک تو فقر (تنگ دستی) سے خوف زدہ رہے گا اس وقت تک منافق ہو گا۔

۲...... جو شخص درویشوں کے مقابلہ میں مال دار لوگوں کی صحبت اختیار کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ دل کی موت میں مبتلا کر دیتا ہے یعنی اس کا دل مردہ ہو جاتا ہے۔

۳...... ادب احرار کا زیور ہے۔

۴...... اولیاء کی تین علامتیں ہیں:

☆...... بلند مرتبہ ہونے کے باوجود تواضع وانکساری اختیار کرنا

☆...... قدرت ہوتے ہوئے زہد و پرہیز گاری اختیار کرنا

☆......قوت وطاقت کی موجودگی میں انصاف کرنا۔

۵......جب تو مرید کو دیکھے کہ وہ دنیا کی طلب میں زیادتی کرتا ہے تو یہ بدبختی اور اس کی ذلت کی نشانی ہے۔

۶......ولی وہ ہے کہ جو اولیاء اللہ سے دوستی رکھتا ہے اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھتا ہے۔

۷......توحید یہ ہے کہ تیرے دل میں اس (اللہ) کے سوا کسی کا خیال نہ آئے۔

۸......بھوکا رہنا زاہدوں کی غذا ہے اور اللہ کا ذکر کرنا عابدوں کی غذا ہے۔

۹......دنیا میں اپنے بدن کے ساتھ اور آخرت میں اپنے دل کے ساتھ رہ یعنی بدن کو دنیا کے کام میں مشغول رکھے لیکن دل میں آخرت کے انجام کو یاد رکھے۔

۱۰......ہر وہ شخص جو اپنے (نیک) عمل کو ظاہر کرتا ہے وہ ریاکار و مکار ہے اور وہ شخص جو اپنے حال و کیفیت کو ظاہر کرتا ہے وہ مدعی (اپنی پارسائی کا دعویٰ کرنے والا) ہے عاصی یعنی گناہ گار سے بہتر ہے۔

۱۱......دنیا وہ ہے جو تجھ کو اللہ تعالیٰ سے محجوب کر دے۔

۱۲......جس شخص کے لیے خدا تعالیٰ کی عطا و منع (دینا یا نہ دینا) یکساں ہو تو وہ اللہ کی حد درجہ محبت میں پہنچا ہوا ہے۔

۱۳......حق سبحانہ وتعالیٰ بندہ سے اس وقت راضی ہوتا ہے جبکہ وہ نعمت کی طرح تکلیف یا آزمائش پر شاکر ہوتا ہے۔

۱۴......جو شخص اپنی تدبیر کے دام میں دھنسا ہوا ہے وہ دوزخ کا مال ہے اور جو اللہ کی تقدیر پر شاکر ہے وہ جنتی ہے۔

۱۵......اے عارف! مرشد وہ ہے جو مخلوق کو دنیا سے آخرت یا گناہ سے اطاعت و فرمانبرداری، حرص سے زُہد و پارسائی، بخل سے سخاوت، کبر سے تواضع و انکساری، غفلت سے آگاہی اور غرور و پندار سے پرہیزگاری کی طرف راستہ دکھائے اور آخرت کا دوست اور دنیا کا دشمن بنائے اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر مغرور نہ بنائے اور خدا ترسی کا علم سکھائے۔

۱۶......اے عارف! حضرت فضیل عیاض قدس سرہٗ (م۔ ۱۸۷ھ) ایک روز اپنے بیٹے سے دوستی و محبت ظاہر کرتے تھے۔ ان کے بیٹے نے ان سے کہا کہ اے ابا جان آپ مجھے دوست رکھتے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں پھر کہا کہ خدا کو مانتے ہیں انھوں نے جواب دیا کہ ہاں تو بیٹے نے کہا کہ آپ کے کتنے دل

ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ ایک ہے۔ (بیٹے نے کہا) کہ ایک دل کے ساتھ دو دوست کس طرح رہ سکتے ہیں۔ جیسے کہ ایک ہی طرف پانی بھی ہے اور آگ بھی ہے۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے جان لیا کہ غیب اور غیرت حق کی طرف سے تنبیہ ہے اور اپنے سر اور چہرہ کو زمین پر مارنے لگے فرزند کو گود سے نیچے اتارا اور اسی حالت میں جان جاناں یعنی اللہ کے سپرد کر دی، یعنی فوت ہو گئے۔

۱۷...... اے عارف سالک! حضرت خواجہ (عبدالخالق غجدوانی) نے فرمایا کہ جو شخص تین چیزوں کو بہت پسند کرتا ہے وہ اس کو دوزخ میں لے جائیں گی اول وہ لذیذ کھانے پسند کرتا ہے دوم وہ نفیس لباس پہنتا ہے تیسرے وہ فقیروں کے مقابلہ میں مالداروں کو دوست رکھتا ہے۔ اس وجہ سے کہ یہ تینوں کام نفس کی مراد اور خیر خواہی کے سبب ہوتے ہیں۔

۱۸...... حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسلام کی بنیاد تین چیزوں پر ہے۔ ہر اطاعت وعبادت جس کو تو بجالائے اس کا علم ہونا چاہیے اور جو علم کہ تو سیکھے اس پر عمل کرنا چاہیے اور ہر عمل جو کرے وہ پورے اخلاص اور صدق دل کے ساتھ ہونا چاہیے۔

۱۹...... فرمایا کہ حضرت خواجہ (مولانا عبدالخالق غجدوانی) نوراللہ مرقدہ کی عمر آخر ہوئی۔ بعض اصحاب حضرت خواجہ کے سرہانے موجود تھے۔ نیک عمل کرنے کی وصیت کی اور فرمایا کہ اے میرے دوستو! تم کو خاص طور سے بشارت ہو کہ حق تعالیٰ کی طرف سے بشارت ملی ہے کہ جو کوئی اس راہ روشن (طریقہ سلسلہ نقشبندیہ) پر ہوگا میں نے اس کو بخش دیا۔ کوشش کروں کہ اس راہ (طریقہ) پر چلو اور اس طریقہ سے دور نہ ہو جاؤ۔ کچھ دیر بعد غیب سے ندا آئی:

"ارجعی الی ربک راضیة مرضیه فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی"
(سورة الفجر: ۸۹، ۷۔۸)

اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف آ کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ہے۔

☆......☆......☆

کتابیات:

۱...... مشائخ نقشبندیہ مجددیہ، از مولانا محمد حسن نقشبندی، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۳ء

۲......حضرات القدس، دفتر اول، از علامہ بدرالدین سرہندی، مترجم محمد اشرف نقشبندی، مطبوعہ سیالکوٹ ۱۴۰۱ھ

۳......حضرات کرام نقشبندیہ از حافظ نذیر احمد نقشبندی، مطبوعہ میانوالی ۱۴۱۰ھ

۴......نفحات الانس، مولانا عبدالرحمٰن جامی، مترجم سید احمد علی چشتی، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء

۵......تاریخ مشائخ نقشبندیہ (جماعتیہ) مولانا محمد صادق قصوری، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۳ء

۶......جواہر نقشبندیہ، محمد یوسف مجددی، مطبوعہ فیصل آباد ۲۰۰۳ء

۷......عارف نامہ (فارسی) از حضرت خواجہ محمد عارف ریوگری، مطبوعہ حیدر آباد ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۳ء

۸......ملفوظات نقشبندیہ از پروفیسر صاحبزادہ محمد عبدالرسول للٰہی، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۰ء

۹......عارف نامہ (اردو ترجمہ) از حضرت خواجہ محمد عارف ریوگری، مترجم، قدیر محمد قریشی اکبر آبادی، مطبوعہ حیدر آباد ۱۹۹۷ء

۱۰......ملفوظات نقشبندیہ از محمد صادق قصوری، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۸ء

۱۱......تاریخ مشائخ نقشبندیہ، از پروفیسر محمد عبدالرسول للٰہی، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۰ء

☆......☆......☆

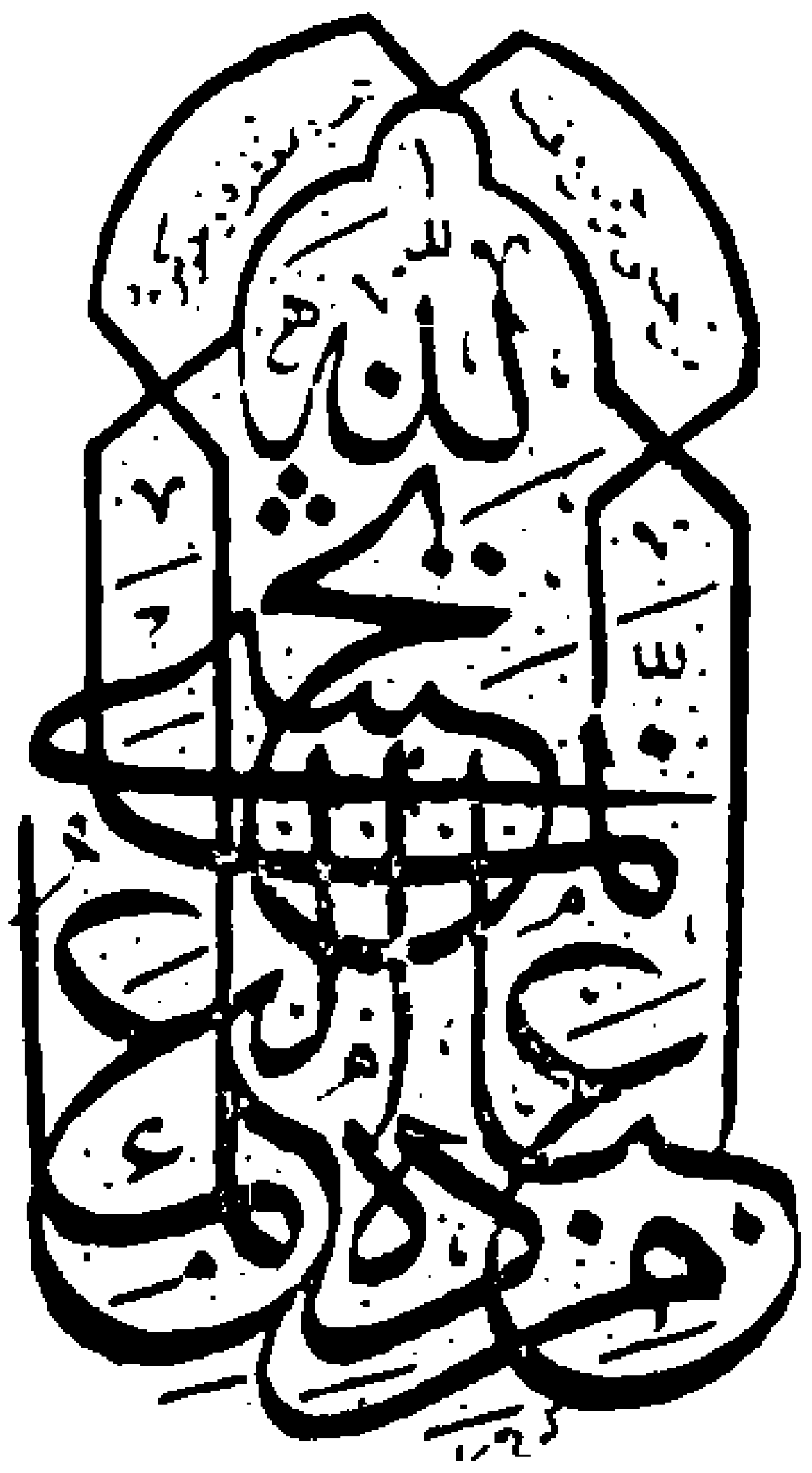

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

صد سالہ و ہزار سالہ مجدد

میاں فضل احمد حبیبی

(بانی ''نورٌ علیٰ نور فاؤنڈیشن'' گجرات)

☆☆

وہ مجدد جو سو سالہ ہے، اس کی تجدید کے دنوں کی تعداد قمری سال کے لحاظ سے (35500=100X355) پینتیس ہزار پانچ سو دن بنتے ہیں، اور وہ مجدد جو ہزار سالہ ہے اس کی تجدید کے دنوں کی تعداد قمری سال کے مطابق (355000=1000X355) تین لاکھ پچپن ہزار دن بنتے ہیں، یعنی ہزار سالہ مجدد کے ایام (319500=35500-355000) تین لاکھ انیس ہزار پانچ صد دن تعداد میں زیادہ ہیں، اسی نسبت میں مجدد ہزار سالہ کے کمالات میں سو سالہ مجدد سے عظیم تر ہیں۔

جس نسبت سے چھوٹے اور بڑے دنوں میں فرق پایا جاتا ہے اسی نسبت سے سو سالہ اور ہزار سالہ مجدد کے درجات اور کمالات میں فرق پایا جاتا ہے، بلکہ اس سے کہیں زیادہ فرق ہے، جو اگلے صفحات میں نظر آتا ہے۔

اتباع شریعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا فضل بھی شامل حال ہونا لازم ہے، جس کا باعث توبہ ہے، جس کا ذکر سورہ بقرہ کی آیت ٣٧ میں ہے، جس کے معنی کے مطابق جب توبہ قبول ہو جاتی ہے، تو خطا اور بھول کو معاف کر دیا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں توبہ کرنے والے شخص کا اللہ تعالیٰ دوست ہو جاتا ہے، اور جب اللہ دوست ہو جاتا ہے، تو پھر اس کے غضب اور قہر کا خطرہ معدوم ہو جاتا ہے، اپنے دوستوں کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (**لا خوف علیھم ولا ھم یحز نون**)۔

ہزار سالہ مجدد وہ ہو سکتا ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے ان کمالات کا حامل جوان کو عالم بالا میں شجر ممنوعہ کے کھانے سے پہلے عطا کیے گئے تھے اور وہی ایسا فرد ہے جس کو حضرت آدم علیہ السلام سے براہ راست اویسی طریق سے کمالات منتقل ہوئے ہوں، جو قرآن کی ترتیب نزولی میں پائے جانے والے

کمالات ہیں، جن کو بغیر کسی تکلف کے عطا کیا جاتا ہے، غالباً یہی باعث ہے کہ امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ اپنے بارے میں فرماتے ہیں، کہ میری تربیت کا آغاز آفاق وانفس کی وادیوں سے وراء کیا گیا، اور عالمِ انفس بھی عالمِ آفاق کی طرح ظل ہے۔ یہاں تک وہ عالم انفس سے باہر ٹہلتا ہے[1]۔

چونکہ سو سالہ مجدد کا تعلق عالم زیریں کے چھوٹے دنوں سے ہوتا ہے، وہ دن ان اوصاف کے حامل ہیں جو قرآن کی ترتیب صعودی میں اوصاف پائے جاتے ہیں، جن کو قانون شریعت کا مکلف بنایا گیا ہے، اور مجدد ہزار سالہ کا تعلق عالم بالا کے طویل دنوں سے ہوتا ہے، جس میں آدم علیہ السلام کو بغیر کسی عمل کرنے کے خلیفہ بنالیا گیا اسی ایک بنیاد پر دیکھا جائے تو ہزار سالہ مجدد کے کمالات، سو سالہ مجدد سے اسی نسبت سے اعلیٰ و بالا ہوتے ہیں اور اس حقیقت پر سے وہ تعلیمات پردہ اٹھاتی ہیں، جو ہزار سالہ مجدد کے صحن سینہ سے ظہور پا کر حروف والفاظ کی صورت میں منصۂ شہود پر آتی ہیں۔

چنانچہ ہزار سالہ مجدد سیدنا شیخ احمد سرہندی قدس سرہ العزیز کی وہ پاکیزہ اور مقدس ہستی ہے، جن کی عبارتیں ان کے کمالات پر شاہد ہیں، ان کی تحریروں میں ایسی حرارت اور حرکت پائی جاتی ہے کہ اس راہِ سلوک کے مسافر کو منزل مقصود پر پہنچا دینے والی ہیں، ان تحریروں میں سے ایک مکتوب کی عبارت کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے تاکہ اہل علم وفضل حضرات اس کے مطالعہ کے بعد خود فیصلہ فرمائیں کہ ہزار سالہ مجدد کے کمالات کس اعلیٰ درجہ کے ہیں۔

مکتوب نمبر ۵۴ دفتر دوم سید شاہ محمد کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ رسول اللہ ﷺ کی متابعت کے درجات اور مراتب مختلف ہیں اور اس کے سات درجے ہیں اور ہر ایک درجے کی دوسرے پر فضیلت کا بیان، اور ان سے متعلقہ مسائل۔

الحمد للہ و کفٰی و سلام علٰی عبادہ الذین اصطفی.

رسول اللہ ﷺ کی متابعت جو کہ دین اور دنیاوی سعادتوں کا سرمایہ ہے، کئی ایک مراتب اور درجات رکھتی ہے۔

پہلا درجہ عوام اہل اسلام کا ہے، جو کہ شریعت کے احکام اور سنت سنیہ کی متابعت سے وابستہ ہے، جب کہ اس کے ساتھ دل کی تصدیق تو ہو لیکن اطمینان نفس ابھی حاصل نہ ہوا ہو، کیونکہ وہ درجہ ولایت کے

ساتھ تعلق رکھتا ہے، اور علماء ظاہر اور وہ عابد اور زاہد لوگ جن کا معاملہ ابھی اطمینان نفس کے ساتھ وابستہ نہیں ہوا، سب اسی درجہ متابعت میں شریک ہیں اور اتباع کی ظاہری صورت کے حصول میں سب برابر ہیں اور چونکہ نفس اس مقام میں کفر اور انکار سے آزاد نہیں ہوتا، تو لازمی طور پر یہ خاص درجہ صرف متابعت کی صورت رکھتا ہے، اور متابعت کی یہ صورت حقیقی متابعت کی طرح آخرت کی کامیابی اور خلاصہ کا ذریعہ ہے، اور جہنم کے عذاب سے نجات اور جنت کے داخلے کی بشارت دینے والی ہے، خداوند تعالیٰ نے اپنی کمال بخشش سے نفس کے انکار کا کوئی اعتبار نہیں کیا، اور صرف دل کی تصدیق پر کفایت فرمائی ہے، اور نجات کا دارومدار اسی تصدیق پر رکھا ہے۔

میتوانی کہ دہی اشکِ مرا حسن قبول
اے کہ دُر ساختہء قطرہَ بارانی را

(اے وہ ذات کہ جس نے بارش کے ایک قطرے کو موتی بنا دیا، تو یہ بھی کر سکتا ہے، کہ میرے آنسو کے قطرے کو حسن قبول عطا کرے)

متابعت کا دوسرا درجہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال و اعمال کی اتباع ہے، جو کہ باطن سے تعلق رکھتا ہے، اس میں اخلاق کی تہذیب اور۔۔۔ صفات کی مدافعت اور امراض باطنی اور معنوی بیماریوں کا ازالہ ہے، جو کہ طریقت کے مقام سے متعلق ہیں، اور اتباع کا یہ درجہ ان ارباب سلوک کے ساتھ خاص ہے، جنہوں نے صوفیہ کے طریقہ کو اپنے مقتداء شیخ سے اخذ کیا ہو، اور سیر الی کے صحراؤں اور بیابانوں کو قطع کر رہے ہوں۔

متابعت کا تیسرا درجہ آنحضرت علیہ و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احوال اور اذواق اور مواجید کی متابعت ہے، یہ درجہ ولایت خاصہ کے مقام

سے تعلق رکھتا ہے، اور یہ ان ارباب ولایت کے ساتھ خاص ہے، جو کہ مجذوب سالک ہوں، یا سالک مجذوب۔

جب کہ ولایت کا مرتبہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا، تو نفس مطمئنہ ہو گیا، اور سرکشی اور نافرمانی سے باز آ گیا، اور انکار سے اقرار میں اور کفر سے اسلام میں آ جاتا ہے، اس کے بعد اب متابعت کی جو بھی کوشش کرے گا، وہ حقیقی متابعت ہو گی، اگر نماز ادا کرے گا، تو متابعت کی حقیقت بجا لائے گا، اور اگر روزہ ہے، تو اس کا بھی یہی حال ہو گا، اور اگر زکوۃ ہو گی، تو وہ بھی اسی طریقہ پر ہو گی، وعلیٰ ھذا القیاس، شریعت کے تمام احکام کی بجا آوری میں اتباع کی حقیقت موجود ہو گی۔

سوال:۔ نماز روزہ کی حقیقت کا کیا مطلب ہے؟ کیونکہ نماز روزہ مخصوص افعال ہیں، اگر وہ افعال ارشاد شارع کے مطابق ادا ہو جائیں گے، تو ان کی حقیقت ادا ہو جائے گی ان کی ظاہری صورت کیا ہے، اور اس سے وراء حقیقت کیا ہے؟

جواب:۔ مبتدی کا نفس جب تک امارہ ہے، جو اصل میں آسمانی احکام کا منکر ہے، اس سے احکام شرعیہ کی ادائیگی صورت کے اعتبار سے ہو گی، اور منتہی کا نفس جب مطمئنہ ہو جاتا ہے، اور شریعت کے احکام کو برضا و رغبت قبول کر لیتا ہے، تو اس سے احکام کی ادائیگی حقیقت کے اعتبار سے ہوتی ہے، اس کی مثال منافق اور مسلمان کی سی ہے، کہ دونوں نماز ادا کرتے ہیں، منافق چونکہ باطن میں انکار رکھتا ہے، اس لیے صرف نماز کی صورت ادا کرتا ہے، اور مسلمان باطنی فرمانبرداری کے ذریعہ سے نماز کی حقیقت سے مزین ہے، تو معلوم ہوا کہ صورت اور حقیقت کا اعتبار باطنی انکار و اقرار کے اعتبار سے ہے، یہ درجہ یعنی اطمینان نفس اور اعمال صالحہ کی حقیقت کا درجہ ولایت

خاصہ کے کمالات جو درجہ سوم سے متعلق ہیں ، کے حصول کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

متابعت کا چوتھا درجہ وہ ہے جو پہلے درجہ میں تھا، پہلے درجے میں اس کی صورت تھی، اور اس درجہ میں اتباع کی حقیقت ہے، اور یہ چوتھا درجہ اتباع علماء راسخین شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے ساتھ مخصوص ہے، جو نفس کے اطمینان کے بعد متابعت کی حقیقت کی دولت سے متحقق ہیں، اولیاء اللہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کو ہر چند تمکین قلب کے بعد ایک طرح کا اطمینان نفس حاصل ہوتا ہے، لیکن نفس کو کمال درجہ کا اطمینان کمالات نبوت کے حصول سے حاصل ہوتا ہے، جو کہ بطریق وراثت علمائے راسخین کو کمالات حاصل ہوتے ہیں، پس علماء راسخین بواسطہ کمال اطمینان نفس شریعت کی حقیقت سے جو حقیقی اتباع ہے، موصوف ہے، اور دوسروں کو چونکہ کمالات حاصل نہیں ہوتے، لہذا کبھی تو وہ شریعت کی صورت سے موصوف ہوتے ہیں ، اور کبھی شریعت کی حقیقت سے متصف۔

علماء راسخین کی علامت بیان کر دیتا ہوں، تا کہ ہر ظاہر دان عالم راسخ ہونے کا دعوٰی نہ کر سکے، اور اپنے نفس امارہ کو نفس مطمئنہ نہ سمجھنے لگے، عالم راسخ وہ ہے، جس کو کتاب وسنت کے متشابہات کی تاویل سے حصہ حاصل ہو، اور قرآن مجید کی سورتوں کے اوائل میں جو حروف مقطعات ہیں، ان کے اسرار سے بہرہ ور ہو، اور متشابہات کی تاویل بہت ہی دقیق اسرار میں سے ہے، یہ نہ سمجھ لینا کہ تاویل ید (ہاتھ) کی تاویل قدرت کی طرح ہے، اور وجہ (چہرہ) کی تاویل ذات کی طرح ہے، کیونکہ یہ تاویلیں تو ظاہری علوم سے پیدا ہوتی ہیں، ان کا اسرار سے کوئی تعلق نہیں ہے، ان اسرار کے اصل مالک تو انبیاء

علیہم الصلوات والتسلیمات ہیں، اور یہ رموز انہی کے معاملات کی طرف اشارہ ہیں، اور یا پھر وہ لوگ ہیں، جن کو تبعیت اور وراثت کے طور پر اس دولت عظمیٰ سے سرفراز کیا اور اس درجہ متابعت کا حصول جو کہ اطمینان نفس اور صاحب شریعت علیہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کی حقیقت کو پالینے سے تعلق رکھتے ہے، کبھی تو بغیر وسیلہ فنا و بقا اور بغیر سلوک وجذبہ کے ہوتا ہے، اور ہوسکتا ہے کہ احوال ومواجید اور تجلیات وظہورات قسم کی چیزوں میں سے کوئی چیز بھی درمیان میں نہ آئے اور یہ دولت حاصل ہو جائے، لیکن اس دولت تک ولایت کی راہ سے پہنچنا بہت زیادہ قریب ہے، بہ نسبت اس کے جو دوسری راہ سے پہنچے، اور وہ دوسری راہ اس فقیر کے خیال میں نسبت سنیہ (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کی اتباع کا التزام اور بدعت کے نام ونشان سے بھی پرہیز کرنے سے حاصل ہوتی ہے، اور بدعت حسنہ سے بھی جب تک بدعت سیئہ کی طرح پرہیز نہ کرے گا، اس دولت کی خوشبو بھی اس کی جان کے دل ودماغ میں نہ پہنچے گی[۲]۔

اور یہ بدعت سے اجتناب آج کل تو بہت مشکل ہو گیا ہے، کہ ساری دنیا بدعت کے دریا میں غرق ہو چکی ہے، اور بدعت کے اندھیروں میں آرام حاصل کر رہی ہے، کہ بدعت کو دور کرنے کا دم مارے، اور سنت کو زندہ کرنے کے لیے لب کشائی کرے، اس وقت کے اکثر علماء بدعت کو رواج دینے والے اور سنت کو مٹانے والے ہیں، عالمگیر بدعات کو خلق کا تعامل قرار دیتے ہوئے اس کے جواز بلکہ اس کے استحسان کا فتوی دیتے ہیں، اور لوگوں کو بدعت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، اچھا یہ بتائیں کہ کیا فتوی دیتے ہو، اس صورت میں کہ گمراہی عام پھیل جائے، اور باطل متعارف ہو جائے، اور لوگ اس

پر عمل کرنے لگیں؟ جو کہ علماء کو یہ بھی معلوم نہیں کہ مطلقاً تعامل استحسان کی دلیل نہیں ہے، اور وہ تعامل جو معتبر ہے وہ ہے جو کہ ابتدائی دور سے آرہا ہو، اور یا پھر تمام لوگوں کے اجماع سے حاصل ہو، جیسا کہ فتاویٰ غیاثیہ میں ذکر کیا گیا ہے، شیخ شہید رحمۃ اللہ سبحانہ نے فرمایا کہ:

ہم ''مشائخ بلخ کے استحسان کو قبول نہیں کرتے، بلکہ ہم اپنے متقدمین اصحاب کے اقوال کو قبول کرینگے، کیونکہ ایک شہر کا تعامل جواز پر دلالت نہیں کرتا، جواز پر وہ تعامل دلالت کرے گا، جو کہ اسلام کے ابتدائی دور سے لے کر مسلسل آرہا ہو، تاکہ یہ رسول ﷺ کی تقریر پر دلیل ہو، کہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو اس پر چھوڑا، تو آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت ہوگا، اور اگر ایسا نہ ہو، تو پھر لوگوں کا فعل حجت نہیں ہوگا، ماسوائے اس صورت کے کہ تمام شہروں کے تمام آدمی اس پر عمل کریں، تاکہ یہ اجماع ہو جائے اور اجماع حجت ہے، کیا تم اس بات پر غور نہیں کرتے، کہ اگر کچھ لوگ شراب کی تجارت یا سود کے رواج کو تعامل بنالیں، تو ان کے حلال ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔''

اور اس میں شک نہیں ہے، کہ تمام لوگوں کے تعامل اور تمام شہروں اور بستیوں کے عمل کا علم حاصل کرنا بشری طاقت سے باہر ہے، باقی رہا ابتدائی دور کا تعامل جو کہ حقیقت میں رسول اللہ ﷺ کا لوگوں کو اس عمل پر برقرار رکھنا ہے، اور حقیقت میں وہ آپ ہی کی سنت ہے، وہ تعامل بدعت کیسے ہو سکتا ہے، اور بدعت حسنہ وہ کب ہے؟

صحابہ کرام کو تمام کمالات کے حصول میں صرف خیر البشر علیہ الصلوات والتسلیمات کی صحبت ہی کافی تھی، اور علماء سلف میں سے جو بھی رسوخ کی دولت سے مشرف ہوا ہے، اور صوفیہ کے طریق

کے اختیار کرنے اور سلوک اور جذبہ سے قطع مسافت کرنے کے بغیر اس دولت سے مشرف ہوا ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کی سنت سنیہ کی دوامی متابعت اور ناپسندیدہ بدعات سے پرہیز کرنے کی وجہ سے اس مرتبہ پر پہنچا ہے، اے اللہ ہمیں بحرمت صاحب سنت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سنت کی متابعت پر ثابت قدم رکھ، اور بدعات کے ارتکاب سے بچا، آمین۔

متابعت کا پانچواں درجہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے کمالات کی اتباع کا ہے، کہ ان کمالات کے حصول میں علم اور عمل کو کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے وابستہ ہے، اور یہ نہایت ہی بلند مقام ہے، پہلے ذکر شدہ مراتب کو اس مرتبہ سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔

اصل میں یہ کمالات اولوالعزم انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہیں، اور تبعیت و وراثت کے طور پر جس کو بھی اس دولت سے مشرف فرمادیں۔

اور متابعت کا چھٹا درجہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ان کمالات کی اتباع ہے، جو آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام محبوبیت کے ساتھ مخصوص ہیں، جس طرح درجہ پنجم میں کمالات کا فیضان محض فضل اور احسان سے تھا، اسی طرح اس چھٹے درجہ میں آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے کمالات کا فیضان صرف محبت سے ہے، جو کہ پہلے فضل اور احسان سے بلند ہے، اور متابعت کا یہ درجہ بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔

پہلے درجہ کو چھوڑ کر متابعت کے باقی پانچ درجے سب کے سب عروج کے مقامات سے تعلق رکھتے ہیں، اور ان کا حصول عروج سے وابستہ

ہے۔

اور متابعت کا ساتواں درجہ وہ ہے، جو نزول وہبوط سے تعلق رکھتا ہے، اور متابعت کا یہ ساتواں درجہ پہلے تمام درجات کا جامع ہے، اس لیے کہ اس مقام میں نزول بھی تصدیق قلب اور اطمینان نفس ہے، اور جسم کے عناصر اربعہ کا اعتدال بھی اس میں ہے، کہ وہ سرکشی اور نافرمانی سے باز آجائے، یوں سمجھیں کہ پہلے درجات اس متابعت کے اجزاء تھے، اور یہ درجہ ان کے لحاظ سے کل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس مقام میں پہنچ کر تابع اپنے متبوع سے اس طرح کی مشابہت پیدا کرلیتا ہے، کہ گویا پیروی (تبعیت) کا نام درمیان سے اٹھ جاتا ہے، اور تابع اور متبوع کا امتیاز دور ہو جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تابع اپنے متبوع کی طرح جو کچھ بھی حاصل کرتا ہے، وہ اصل سے براہ راست حاصل کرتا ہے، گویا دونوں ایک ہی چشمہ سے پانی پیتے ہیں اور دونوں ایک ہی پہلو کی آغوش میں ہیں، اور دونوں ایک ہی بستر میں ہیں، اور دونوں شیر وشکر کی طرح ملے ہوئے ہوتے ہیں، تابع کہاں؟ اور متبوع کون؟ اور تبعیت کیسی ہے؟ اتحاد نسبت میں تفاسیر نسبت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

عجب معاملہ ہے، کہ اس مقام میں جتنا بھی گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے، تبعیت کی نسبت بالکل معلوم نہیں ہوتی، اور تابعیت اور متبوعیت کا کوئی امتیاز نظر نہیں آتا، بس اتنا ہے، کہ تابع اپنے آپ کو طفیلی سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو نبی کے کمالات کا وارث جانتا ہے (علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام) یہ تو یقینی بات ہے کہ تابع اور ہوتا ہے اور طفیلی اور وارث اور ہر چند کہ یہ سب بظاہر تابع کی قطار میں نظر آتے ہیں، لیکن یہ تو ظاہر ہے کہ تابع میں متبوع کی حیلولۃ (حائل ہونا

) درکار ہے، اور طفیلی اور وارث کے لیے متبوع کا حائل ہونا درکار نہیں ہے، تابع اپنے متبوع کا بچا کھچا کھانا کھاتا ہے، اور طفیلی ضمنی طور پر ساتھ بیٹھ کر کھانے والا ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ جو دولت بھی آئی ہے، وہ اصل میں انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے لیے آئی ہے، اور امتوں کی سعادتمندی اس میں ہے، کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے طفیل اس دولت سے مستفید ہوں، اور ان کا پس خوردہ تناول فرمائیں۔

در قافلہ کہ اوست دانم نرسم
ایں بس کہ رسد ز دور بانگ جرسم

(جس قافلہ میں وہ ہے، میں جانتا ہوں کہ اس میں نہیں پہنچ سکتا، بس اتنا ہی کافی ہے، کہ دور سے مجھے گھنٹی کی آواز آتی ہے)

کامل متبع وہ شخص ہے جو ان سات درجات میں پوری طرح متابعت سے آراستہ ہو، اور جو بعض درجات میں تو متابعت رکھتا ہو، اور بعض میں متابعت نہ رکھتا ہو، وہ منجملہ تابعین میں سے ہے، گو ان کے درجات الگ الگ ہیں، علماء ظاہر پہلے درجہ میں ہی خوش ہیں، کاش کے وہ اس درجہ کو ہی اچھی طرح سرانجام دیتے، ان لوگوں نے صرف شریعت کی صورت میں ہی متابعت کو منحصر کر رکھا ہے، اور اس کے علاوہ دوسرے کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے، اور صوفیہ کے طریقہ کو جو کہ درجات متابعت کے حصول کا وسیلہ ہے، بیکار تصور کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر مقتداء اور پیر سوائے ہدایہ[3] اور بزدری[4] کے اور کسی کو نہیں سمجھتے۔

چوں آں کرمے کہ در سنگے است
زمینِ و آسمانِ او ہماں است

> (اس کیڑے کی طرح جو کہ پتھر میں پوشیدہ ہے، اس کا آسمان وزمین تو وہی پتھر ہے)
>
> اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں اور تمہیں حضرت مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام و البرکۃ والتحیہ کی پسندیدہ متابعت میں پوری طرح ثابت قدم رکھے، اللہ تعالیٰ ان پر اور ان کے دوسرے بھائیوں انبیاء کرام اور ملائکہ عظام اور ان کے تمام تابعداروں پر قیامت تک اپنی رحمتیں اور سلامتی اور برکات نازل فرمائے آمین'' ۵

مندرجہ بالا مکتوب میں اتباع شریعت کے سات درجات میں سے نمبر ۴ کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ اس درجہ نمبر ۴ میں علماء راسخین کی پہچان بتائی گئی ہے۔

علماء راسخین کی پہچان:

> عالم راسخ وہ ہے جس کو کتاب اور سنت کے متشابہات کی تاویل سے حصہ حاصل ہو، اور قرآن مجید کی سورتوں کے اوائل میں جو حروف مقطعات ہیں، ان کے اسرار سے بہرہ ور ہو، متشابہات کی تاویل بہت ہی دقیق اسرار میں سے ہے، یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ تاویل (ہاتھ) کی تاویل قدرت کی طرح ہے اور وجہ (چہرہ) کی تاویل ذات کی طرح ہے، کیونکہ یہ تاویلات تو ظاہر علوم سے پیدا ہوتی ہیں، ان کا اسرار سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور ان اسرار کے اصل مالک انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں اور یہ رموز ان کے معاملات کی طرف اشارہ ہیں، اور پھر وہ لوگ ہیں جن کو تبعیت اور وراثت کے طور پر اس دولت عظمیٰ سے سرفراز کیا جاتا ہے، (تا آخر)

مندرجہ بالا عبارت جو اتباع شریعت کے چوتھے درجہ کی ہے، اس میں علماء راسخین کے لیے دو کمالات کا حاصل ہونا لازم قرار دیا گیا ہے:۔

ا:۔ حروف مقطعات جو سورتوں کے اوائل میں ہیں، اسرار متشابہات کے اسرار سے نیچے ہیں، اور حروف

مقطعات صرف قرآن میں پائے جاتے ہیں۔

۲:۔ متشابہات جو قرآن اور سنت دونوں میں پائے جاتے ہیں، ان کے اسرار حروف مقطعات کی نسبت مشکل اور اعلیٰ ہیں، ان دونوں کمالات سے حصہ پانے والا فرد ہی عالم راسخ ہے، جس کو یہ کمالات حاصل نہیں وہ عالم راسخ نہیں ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علماء ظاہر اور علماء راسخین میں جو فرق بیان کیا ہے، اس کی مثال تاریخ اسلام میں شاید ہی کوئی مجدد سو سالہ بیان کر پایا ہو، نیز ایک بہت بڑی بھول کی اصلاح بھی ہوگئی ہے، وہ بھول کیا ہے؟

وہ یہ ہے کہ اکثر مفسرین نے حروف مقطعات کے مفاہیم اور معانی کے جاننے سے امت مسلمہ کے افراد کو مستثنیٰ بتایا ہے، جس کے مقابلہ میں امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ واضح کرتے ہیں، کہ علماء راسخین حروف مقطعات اور ان سے بلند تر علوم میں بھی رسوخ رکھتے ہیں، جو متشابہات کے علوم ہیں۔

نتیجہ:۔ چودہ سو سال میں لکھی جانے والی تفاسیر میں اکثر میں لکھا ہے، کہ حروف مقطعات کے اسرار کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کوئی نہیں جانتا، مکتوب کی برکت سے یہ معلوم ہوگیا کہ حروف مقطعات کے اسرار سے علماء امت بھی آگاہ ہیں، بلکہ ان اسرار و رموز سے بلند تر اور مشکل ترین علوم میں بھی رسوخ رکھتے ہیں۔

مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے خصائص کی فہرست طویل ہے، ان میں سے چند جن کا تعلق پیدائش سے ہے ان کو نیچے لکھا جاتا ہے۔

ا:۔ امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ اپنی پیدائش کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔

> آنحضرت ﷺ کے رحلت فرمانے سے ہزار اور چند[۶] سال کے بعد ایک ایسا زمانہ آرہا ہے، کہ حقیقت محمدی ﷺ اپنے مقام سے عروج فرماتی ہے اور حقیقت کعبہ کے مقام سے متحد ہو جائے گی، اور اس وقت حقیقت محمدی ﷺ کا نام حقیقت احمدی ﷺ ہو جائے گا، اور ذات احد جل سلطانہ کا مظہر بن جائے گی، اور دونوں اسم مبارک اپنے مسمیٰ کے ساتھ متحقق ہو جائیں گے، اور پہلا مقام حقیقت محمدی ﷺ سے خالی رہے گا، یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ

> والسلام نزول فرمائیں گے، اور شریعت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے موافق عمل کریں گے، اس وقت حقیقت عیسوی اپنے مقام سے عروج فرما کر حقیقت محمدی ﷺ کے مقام میں جو خالی رہا تھا، قرار پکڑے گی ۷۔

اسی مکتوب میں آگے یوں رقمطراز ہیں۔

> جاننا چاہیے کہ حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رحلت کر جانے سے ہزار سال بعد حضور کی امت کے اولیاء جو ظاہر ہوں گے، اگرچہ وہ قلیل ہوں گے، مگر اکمل ہوں گے، تاکہ اس شریعت کی تقویت پورے طور پر کر سکیں ۸۔

نوٹ: حضرت امام مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ السلام دوسرے ہزار سال کے آخر میں متوقع ہیں، وہ اس لیے کہ پہلا ہزار سال حقیقت محمدی ﷺ کے کمالات کا تھا اور دوسرا ہزار سال کمالات حقیقت احمدی ﷺ کا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تعلق حقیقت احمدی ﷺ سے ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضور ﷺ کی آمد کی بشارت اسم احمد کے ساتھ دی تھی۔

(مؤلف حبیبی)

اسی مکتوب میں مزید آگے جا کر یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

> جاننا چاہیے.......... کہ کعبہ ربانی کی حقیقت، حقیقت محمدی ﷺ کی مسجود ہوگئی، کیونکہ کعبہ ربانی کی حقیقت بعینہ حقیقت احمدی ﷺ ہے کہ حقیقت محمدی ﷺ دراصل طواف کے لیے آتا ہے اور ان سے برکات حاصل کرتا ہے، حالانکہ اس کی حقیقت، حقیقت محمدی ﷺ پر متقدم ہے، تو پھر یہ بات کس طرح جائز ہوگی۔
>
> ۔۔۔ میں (مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) جواب میں کہتا ہوں کہ حقیقت محمدی ﷺ تنزیہ اور تقدس کی بلندی سے محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزول کرنے کے مقامات کی نہایت ہے، اور کعبہ کی حقیقت عروج

> کعبہ کے مقامات کی نہایت ہے، اور حقیقت محمدی ﷺ کے واسطے مرتبہ تنزیہ پر عروج کرنے کے لیے پہلا مرتبہ حقیقت کعبہ ہے اور حقیقت محمدی ﷺ کے عروج کی نہایت سوائے حق تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا، اور جب حضور ﷺ کی امت میں کامل آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عروجات سے پورا پورا حصہ حاصل ہے، تو پھر اگر کعبہ ان بزرگواروں سے برکات حاصل کرے تو کیا تعجب ہے۔؟

مندرجہ بالا مکتوب کی جستہ جستہ عبارتوں سے جن باتوں کا علم ہوتا ہے، وہ درج ذیل ہیں۔

نوٹ:۔ امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے جن باتوں کا انکشاف کیا ہے، یہ انکشاف اس وقت تک بیان نہیں ہو سکتا جب تک پہلے ان باتوں کی معرفت حاصل نہیں ہو جاتی، جب معرفت حاصل ہو جاتی ہے، دلائل کے لیے انشراح صدر بھی ہو جاتا ہے، جب یہ نعمتیں حاصل ہو جاتی ہیں، تو اس کے بعد قرآن وحدیث سے شواہد اور دلائل از خود سامنے آجاتے ہیں، کسی مشقت کی ضرورت نہیں آتی۔

(مؤلف حبیبی)

۱:۔ عبارت کے پہلے اور دوسرے حصہ میں رحلت کے ہزار سال گزرنے کے بعد مجدد کا پیدا ہونا بیان کیا گیا ہے، اور اس مجدد سے مراد امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی ذات ہے۔

۲:۔ حقیقت محمدی ﷺ کا عروج فرما کر حقیقت کعبہ کے مقام سے متحد ہونا۔

۳:۔ حقیقت محمدی ﷺ کا نام حقیقت احمدی ﷺ ہو جانا۔

۴:۔ پھر حقیقت محمدی ﷺ کا ذات احد کا مظہر بن جانا۔

۵:۔ دونوں اسم مبارک (محمد اور احمد) کا اپنے مسمیٰ کے ساتھ متحقق ہو جانا۔

۶:۔ اور پہلا مقام (جو حقیقت محمدی ﷺ کا تھا) وہ حقیقت محمدی ﷺ سے خالی رہنا۔

۷:۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ السلام نزول فرمائیں گے۔

۸:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام شریعت محمدی ﷺ کے موافق عمل کریں گے، اس وقت حقیقت عیسوی اپنے مقام سے عروج فرما کر حقیقت محمدی ﷺ کے مقام میں جو خالی رہا تھا، قرار پکڑے گی۔

۹:۔ حقیقت کعبہ، حقیقت محمدی ﷺ، کی مسجود ہو گئی، کیونکہ حقیقت کعبہ بعینہٖ حقیقت احمدی ﷺ ہے۔

۱۰:۔ حقیقت محمدی ﷺ دراصل حقیقت احمدی ﷺ کا ظل ہے۔

۱۱:۔ پس ناچار حقیقت کعبہ، حقیقت محمدی ﷺ کی مسجود ہوگئی۔

۱۲:۔ اولیاء امت محمدیہ ﷺ کے طواف کے لیے کعبہ کا اولیاء کے پاس آنا۔

۱۳:۔ اور ان اولیاء امت سے برکات حاصل کرنے کے لیے آنا۔

۱۴:۔ حقیقت محمدی ﷺ تنزیہ و تقدیس کی بلندی سے محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزول کے مقامات کی نہایت ہے۔

۱۵:۔ اور حقیقت کعبہ کا عروج کعبہ کے مقامات کی نہایت ہے۔

۱۶:۔ اور حقیقت محمدی ﷺ کے واسطے مرتبہ تنزیہ پر عروج کرنے کے لئے پہلا مرتبہ حقیقت کعبہ ہے۔

۱۷:۔ اور حقیقت محمدی ﷺ کے عروج کی نہایت سوائے حق تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔

۱۸:۔ جب رسالت مآب ﷺ کی امت کے کامل اولیاء کو رسالت مآب ﷺ کے عروجات سے پورا پورا حصہ حاصل ہے، تو پھر اگر کعبہ ان بزرگواروں سے برکات حاصل کرے تو کیا تعجب ہے۔؟

مندرجہ بالا اٹھارہ اصطلاحات درحقیقت انسانی حقائق کا، کائناتی حقائق پر عروج ونزول کا سفر اور کائناتی حقائق میں انسانی حقائق کے استقرار کی داستان ہے، اس عروج ونزول اور استقرار (قیام) کا تعلق باطن سے ہے، جو حضرات باطنی سفر کو کامل طور طے نہ کر پائے ہوں، ان کے بس کی بات نہیں کہ وہ اس سفر پر لب کشائی کرسکیں یہ کمالات امام ربانی قدس سرہ کے لیے مخصوص ہیں۔

اس سفر کو سمجھنے کے لیے مکتوبات امام ربانی کے چند مخصوص مکتوبات ہیں، جن کا بار بار کا مطالعہ ان اصطلاحات کے فہم کی صلاحیت پیدا کرتا ہے، راقم الحروف حبیبی کو مکتوبات کے مطالعہ کی سعادت ۱۹۶۱ء سے حاصل ہے، اور یہ اعتماد ہے کہ ان اصطلاحات کی وضاحت بیان کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

دوسری خصوصیت:

آپ کے وجود کی طینت حضور ﷺ کے وجود کی طینت کا بقیہ ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کے اپنی پیدائش میں جو طینت (مٹی) استعمال کی گئی تھی، اس کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

سنو سنو! اگرچہ اس دولت خاصہ محمدی ﷺ میں کسی دوسرے کی شرکت

نہیں ہے، لیکن اس قدر معلوم ہوتا ہے، کہ آپ ﷺ کی اس دولت خاصہ سے ان کی تخلیق و تکمیل کے بعد کچھ حصہ باقی بچا تھا، کیونکہ شرفاء کی ضیافت کی دولت کے دستر خوان پر کچھ نہ کچھ بچ رہنا لازمی امر ہے، جو کہ پس ماندہ کھانے والے خادموں کا حصہ ہوتا ہے، اس بقیہ کو آپ ﷺ کی امت کے کسی ایک دولت مند پس خوردہ کھانے والے کو عطا فرمایا ہے، اور اس کو اس کے خمیر کا سرمایہ بنا کر اس کی مٹی کو خمیر کیا ہے، اور ان کی وراثت و تبعیت میں آپ ﷺ کی دولت خاصہ کا شریک بنایا۔

برکریماں کارہا دشوار نیست (کریم لوگوں کے لیے کوئی کام مشکل نہیں)

اور یہ بقیہ حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مٹی کے بقیہ کی طرح ہے، جو کہ کھجور کے درخت کی پیدائش کے نصیب ہوا، جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:۔

''اپنی پھوپھی کھجور کی عزت کیا کرو کہ وہ آدم علیہ السلام کی بچی ہوئی مٹی سے پیدا ہوئی ہے۔''

ہاں **والارض من کاس الکرام نصیب** (شرفاء کے پیالہ میں سے زمین کو بھی حصہ ملتا ہے)[9]

مندرجہ بالا خصوصیت نمبر دو میں امام ربانی قدس سرہٗ نے اپنا نام لیے بغیر اپنی پیدائش کے ترکیبی اجزا کی خبر دی ہے، مؤلف حبیبی کے نزدیک یہی خصوصیت سیدنا و امامنا حضرت مجدد الف ثانی قیوم زمانی قدس سرہٗ کی کامرانیوں اور کامیابیوں کی بنیاد ہے۔

تیسری خصوصیت:

مجدد الف ثانی قدس سرہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس دعا کی قبولیت کا مظہر و ثمر ہیں، جو آپ ﷺ نے درود ابراھیمی میں کی ہے، جو ہر نماز میں پڑھی (دہرائی) جاتی ہے۔

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دائرہ کا محیط جو کہ محبوبیت سے عبارت ہے اور جو محبت سے ملا ہوا ہے، تو وہ رسول ﷺ کی امت کے افراد میں سے کسی فرد کی ولایت کا منشا ہے، جو ولایت محمدی مرکزی کے حصول کے باوجود محیط دائرہ سے مناسبت رکھتا ہے، اور اس کے کمالات کو بھی حاصل کیا اور معلوم ہوا کہ دولت ثانی اس کو ولایت موسوی سے حاصل ہوتی ہے، اور وہ ان دو عظیم ولایتوں کے طفیل سے مرکز و محیط کے کمالات کا جامع ہوا ہے، اور یہ تو طے شدہ بات ہے کہ ہر وہ کمال جو امت کو سیر کرتا ہے، وہ کمال اس امت کے نبی کو بھی حاصل ہے، بحکم

"من سن في الاسلام سنه حسنة" (جو اچھا طریقہ نکالے)
پس رسول اللہ ﷺ کو بھی اس فرد کے ذریعہ سے اس دائرہ کے کمالات حاصل ہوئے اور ولایت خلت بھی رسول اللہ ﷺ کے لیے پوری ہوگئی۔ اور دعاء

اللّٰھم صل علیٰ محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم
(اے اللہ! حضرت محمد ﷺ پر بھی اسی طرح رحمت فرما جیسے تو نے ابراھیم علیہ السلام پر رحمت کی)

زمین زادہ بر آسمان تافتہ
زمین و زمان واپس انداختہ

(خاک سے پیدا شدہ آسمان پر جا پہنچا اور زمین و زمان کو پیچھے چھوڑ گیا) ۱۰

ایک ہزار سال کے بعد (دعا) قبول اور مستجاب ہوگئی اور رسول اللہ ﷺ کو ولایت خلت پورا ہونے کے بعد اس سرّ (بھید) اور نشاۃ سے کاروبار ہے، جو کہ مرکز میں ودیعت کیے ہیں اور ان کی تعبیر ملاحت سے ہوئی ہے، اور اس فرد کو امت کی پاسبانی اور حفاظت کے لیے اس قیام سے واپس کیا اور خود غیب الغیب کے خلوت خانہ میں محبوب کے ساتھ خلوت اختیار کر لی، نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں

عاشق مسکین کے لیے تو وہی ہے جو گھونٹ گھونٹ پیتا ہے۔ ''

نوٹ: ۔ مندرجہ بالا عبارت میں جو حاشیہ مکتوبات کے صفحات پہ درج ہے، اس کے مطالعہ سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے، کہ عبارت میں (فرد) سے مراد امام ربانی مجدد الف ثانی ہیں۔ (مؤلف جیبی)

(عرض مؤلف): ۔ دائرہ عالم ارواح جس کا محیط حضرت ابراھیم علیہ السلام کی حقیقت کا دائرہ ہے، اور اس دائرہ کا مرکزی نقطہ رسالت مآب ﷺ کی حقیقت کا نقطہ ہے، جو دائرہ کی صورت میں ہے، اس مرکزی دائرہ کے نقطہ کا بھی ایک محیط ہے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حقیقت ہے، مرکزی نقطہ محبوبیت کا نقطہ ہے، اس کا محیط محبت کا دائرہ ہے اور بڑا دائرہ یا محیط خلت کا ہے۔

(نوٹ) جب کائنات کی تخلیق کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے محبوبیت کے مرکزی نقطہ سے آغاز کیا گیا تھا۔

بنی آدم کو مرکزی نقطہ تک پہنچنے کے لیے پہلے خلت کے محیط سے گزرنا پڑتا ہے، پھر محبت کے دائرہ سے گزر کر محبوبیت کے نقطہ تک رسائی کرنی پڑتی ہے، تو اس سفر اور عمل سے کمالاتِ ولایت ابراھیمی اور کمالات ولایتِ موسوی سے متصف ہو جانا واقع ہے۔ (مؤلف جیبی)

(نوٹ) امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کو جو استعداد اور صلاحیت حاصل ہے، اس کی اصل بنیاد وہ طینت ہے، جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ (مؤلف جیبی)

امام ربانی قدس سرہ مکتوب ۶ دفتر دوم کا آغاز ہی اپنی پیدائش کے مقاصد سے شروع کرتے ہیں، اور اس مکتوب میں پیدائش کے تین مقاصد بیان کیے گئے ہیں۔

۱: ۔ ولایت محمدی کا ولایت ابراھیمی کے رنگ سے رنگین ہو جانا۔

۲: ۔ دو سمندروں کے درمیان رابطہ اور دو گروہوں کے درمیان صلح کرانے والا۔

۳: ۔ کارخانہ کائنات کے عظیم کام کو سرانجام دینا ہے۔

مکتوب کی عبارت نقل کی جاتی ہے۔

چوتھی خصوصیت:

> ''الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ'' میرا گمان ہے! کہ میری پیدائش سے مقصود یہ ہے کہ ولایت محمدی ﷺ، ولایت ابراھیمی علیہ الصلوٰۃ والتحیات کے رنگ

سے رنگین ہو جائے اور اس ولایت کا حسن ملاحت اس ولایت کے جمال صباحت کے ساتھ مل جائے حدیث میں وارد ہے کہ ''میرے بھائی یوسف صبیح ہیں اور میں ملیح ہوں۔'' اور اس رنگ اور ملاوٹ کے ساتھ محبوبیت محمدیہ کا مقام درجہ عُلیا تک پہنچ جائے۔

شاید کہ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت کی اتباع کا حکم اسی دولت عظمیٰ کا حصول ہے اور حضرت ابراہیم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صلوات و برکات کے برابر صلوات و برکات کے حسن سے آگاہ کرتے ہیں۔

پانچویں خصوصیت:

میری پیدائش سے جو مقصود ہے، مجھے معلوم ہے، میرے علم میں پورا ہو گیا اور ہزار سالہ تجدید کی دعا قبول ہوگئی، تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں، جس نے مجھے دو سمندروں کے درمیان رابطہ اور دو گروہوں کے درمیان صلح کرانے والا بنا دیا۔

چھٹی خصوصیت:

اے فرزند! اس معاملے کے باوجود جو میری پیدائش سے وابستہ کیا گیا ہے، ایک اور عظیم کام میرے سپرد کیا گیا ہے، مجھے پیری مریدی کے لیے (دنیا میں) نہیں لایا گیا، میری پیدائش سے مقصود مخلوق کی تکمیل و ارشاد نہیں، ایک دوسرا کام اور معاملہ ہے، جو شخص (مجھ سے) مناسبت رکھتا ہوگا، وہ اس دوسرے کام کے ضمن میں فیض حاصل کرے گا، اگر مناسبت نہ رکھتا ہوگا تو فیض نہ پا سکے گا، اس عظیم کام کی نسبت ارشاد و تکمیل کا کام اس طرح معمولی ہے، جس طرح راستے میں پڑی ہوئی چیز (جیسے تنکا وغیرہ) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت ان کے باطنی معاملات کی نسبت یہی حیثیت رکھتی ہے، اگرچہ

منصب نبوت ختم ہو چکا ہے، لیکن تبعیت و وراثت کے طور پر نبوت کے کمالات وخصائص سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ان کے کامل پیروکار کو بھی کامل حصہ ملتا ہے[۱۲]۔

ساتویں خصوصیت:

امام ربانی مجدد الف ثانی قیوم زمانی قدس سرہ خود اپنے بارے میں یوں اظہار فرماتے ہیں:

> (اور یہ فقیر) عین الیقین اور حق الیقین کے متعلق کیا عرض کرے، اور کچھ عرض کرے بھی تو کون سمجھے گا، اور کون پائے گا اور کیا پائے گا، یہ معارف دائرہ ولایت سے خارج ہیں، ارباب ولایت علماء ظواہر کی طرح ان کے ادراک سے عاجز ہیں، اور ان کے حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔
>
> یہ علوم انوار نبوت علیٰ اربابہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے سینہ سے اخذ کیے گئے ہیں، جو دوسرے ہزار سال کے آغاز کے بعد تبعیت اور وراثت کے طور تازہ ہوئے، اور پوری تازگی کے ساتھ ظہور پذیر ہوئے، ان علوم اور معارف والا اس ہزار سال کا مجدد ہے۔
>
> جیسا کہ اس کے علوم و معارف میں جو ذات وصفات اور افعال سے تعلق رکھتے ہیں، اور جو احوال، مواجید، تجلیات، اور ظہورات سے متعلق ہیں، دیکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں، تو صاحب نظر لوگ جانتے ہیں کہ یہ معارف اور علوم علماء کے علوم اور اولیاء کے معارف سے وراء ہیں، بلکہ ان کے علوم کی نسبت چھلکا ہیں، اور وہ معارف اس چھلکے کا مغز ہیں، اور اللہ سبحانہ تعالیٰ ہی ہدایت دینے والا اور جان لیں کہ ہر سو سال پر ایک مجدد گزرا ہے، لیکن سو سال کا مجدد اور ہے اور ہزار سال کا مجدد اور جس طرح سو اور ہزار میں فرق ہے، ان دونوں مجددوں میں بھی اسی طرح فرق ہے، بلکہ اس سے زیادہ، اور مجدد وہ

ہوتا ہے، کہ فیوض و برکات میں سے جو کچھ اس مدت میں امتیوں کو پہنچتا ہے، اس کے واسطے سے پہنچتا ہے، اگرچہ اس وقت کے قطب اور اوتاد ہوں، اور ابدال و نجباء ہوں۔

خاص کند بندہ مصلحت عام را

”مصلحت عام کی خاطر اللہ تعالیٰ کسی بندے کو خاص کر لیتا ہے۔“ ۱۳

یہ دستور قدرت کا رہا ہے کہ جب بھی کفر و شرک اور فسق و فجور کا اندھیرا چھا جاتا تھا تو اس کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ایک نبی کو مبعوث فرمایا کرتا تھا، جو اس ظلمت کو دور کر کے رشد و ہدایت کے نور سے عالم کو روشن کر دیا کرتا تھا، لیکن چونکہ ہمارے نبی آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آنا اس لیے اب جب بھی کفر و شرک، فسق و فجور کا اندھیرا چھانے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کی امت میں علمائے حق کو ”مجدد“ بنا کر مبعوث فرماتا ہے، جو اپنے رشد و ہدایت کے نور سے ان کفر و عصیاں کی ظلمتوں کو کافور کر دیتے ہیں، چنانچہ اس پر یہ حدیث مبارک شاہد ہے، جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:۔

ان للّٰہ عزوجل یبعث لھذہ الامۃ علیٰ راس کل ماۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا

یعنی اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سرے پر مجدد بھیجتا رہتا ہے، جو اس کے دین کی تجدید کرتا ہے، یعنی اس کو تر و تازہ کرتا ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں یہ بات خاص طور پر قابل غور ہے، کہ جس طرح قرآن پاک میں انبیائے کرام کے لیے بعثت کا لفظ لایا گیا ہے جیسا کہ فرمایا گیا، ”**حتیٰ نبعث رسولا**“ دوسرے مقام پر فرمایا ”**ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولا**“ تیسرے مقام پر فرمایا ”**فبعث اللّٰہ النبیین مبشرین ومنذرین**“ اسی طرح اس مندرجہ بالا حدیث مبارکہ میں ”مجدد“ کے لیے بھی مبعث کا لفظ لایا گیا ہے، جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ”**ان اللّٰہ عزوجل نبعث**“ اس سے پتا چلا کہ جس طرح نبوت میں کسی کی ذاتی محنت اور کسب یا کسی کی تجویز و تائید کو کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ ”وہ من جانب اللہ مبعوث ہوتا ہے“ اسی طرح مجدد بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوتا ہے، اس کے ”منصب مجددیت“ کے ملنے میں اس کی خود اپنی کسی کاوش یا کسی دوسرے کی کسی تجویز و تائید کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

پھر مخلوق خدا کی رشد وہدایت اور معاشرہ میں پھیلی ہوئی برائیوں اور منکرات کو دور کرنے کی جس طرح نبی سعی کرتا ہے، اسی طرح مجدد بھی ان مفاسد سے معاشرہ کو صاف کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور تیسری بات یہ بھی ثابت ہوگئی، کہ چونکہ اب نبوت کا دروازہ بند ہوگیا ہے، اور مجدد اب نبی کے قائم مقام بن کر آتا ہے اور اسی کا کام کرتا ہے، جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا " **علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل** " لہذا جو کمالات، مراتب شانیں اور عظمتیں اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو عطا فرمائیں ان میں سے بعض سے مجدد کو بھی نوازا جاتا ہے، مثلاً نبیوں کی بعثت میں اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ اولوا العزم انبیائے کرام کو ہزار سال بعد مبعوث فرمایا اسی طرح امت مسلمہ میں بھی ہر صدی میں مجدد آئیں گے، لیکن اولوا العزم مجدد ہزار سال کے بعد آئے گا۔

بہر حال جس طرح اللہ تعالیٰ نے انتالیس سال کی عمر کے بعد ربیع الاول کے مہینے میں آنحضرت ﷺ کو بحیثیت نبی کے عالم کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا، اسی طرح آنحضرت ﷺ کے اس متبع خاص یعنی حضرت امام ربانی کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل انتالیس سال کی عمر کے بعد اسی ربیع الاول شریف کے مہینے میں مخلوق خدا کی رہبری وہدایت کے لیے بحیثیت مجدد مبعوث فرمایا اور چونکہ آنحضرت ﷺ سے لے کر آپ کے زمانے تک ہزار سال ہوجاتے ہیں، اس لیے اولوا العزم انبیاء کی طرح آپ کو اولوا العزم مجدد یعنی الف ثانی بنا کر مبعوث فرمایا اور جس طرح سرکار دو عالم ﷺ کی بعثت من جانب اللہ تھی، اسی طرح بحیثیت مجدد آپ کی بعثت بھی منجانب اللہ تھی، اسی لیے آنحضرت ﷺ جو خلیفۃ اللہ ہیں اور آئینہ خدا نما ہیں ان کے ذریعے آپ کو خلعتِ تجدید الف ثانی سے سرفراز فرمایا گیا، چنانچہ آپ کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ جمعہ کے روز دسویں ربیع الاول کو آپ صبح کے وقت حلقہ میں بیٹھے ہوئے تھے، کہ آنحضرت ﷺ تمام انبیاء کرام، ملائکہ مقربین اور مقتدر اولیائے امت کے ہمراہ جلوہ افروز ہوئے اور خود اپنے دست انور سے ایک نہایت شاندار نورانی خلعت حضرت امام ربانی کو پہنائی اور فرمایا کہ یہ تجدید الف ثانی کی خلعت ہے، ہم نے تمہیں اپنی امت کے واسطے اپنا نائب تم کو مقرر کیا ہے۔

شیخ الاسلام احمد جام

شیخ الاسلام احمد جام رحمۃ اللہ علیہ نے " مقامات " میں آپ کی ولادت سے قبل آپ کی تشریف آوری اور " تجدید الف ثانی " کے منصب پر فائز ہونے کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میرے بعد سترہ آدمی

احمد نام کے پیدا ہونگے، جس میں سے آخری شخص آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے ہزار سال بعد ظاہر ہوگا اور وہ امت محمدی کے تمام اولیاء سے افضل ہوگا۔[۱۴]

☆……☆……☆

حواشی:

۱……مکتوب نمبر ۳۱۳ دفتر اول

۲……مکتوبات شریف کے بہت سے مقامات میں حضرت امام ربانی قدس سرہ السامی نے بدعت کی بڑی شدت سے مذمت کی ہے، یہاں تک کہ بعض میں آپ نے فرمایا ہے، کہ کوئی بدعت حسنہ نہیں، اور ہر بدعت سے بچنا ضروری ہے، حضرت امام ربانی کے اس طرح کے الفاظ کو وہ لوگ دلیل بناتے ہیں، جنہیں بدعت کا ہیضہ ہو چکا ہے، اور ہر چیز انہیں بدعت نظر آتی ہے، لیکن دراصل یہ لوگ آپ کی عبارت سے لوگوں کو دھوکے اور مغالطے میں ڈالتے ہیں، جیسا کہ ان کی عادت ہے نظر انصاف سے دیکھا جائے تو بات صرف اس قدر ہے، کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے نزدیک بدعت حسنہ سرے سے بدعت میں داخل ہی نہیں، بلکہ وہ سنت میں داخل ہے، کیونکہ آپ کے نزدیک ہر وہ چیز جس کی اصل کتاب وسنت میں موجود ہے، بدعت نہیں، بلکہ ملحق بالسنۃ ہے، جیسا کہ تعامل اور قیاس فقہی کو آپ نے اسی مکتوب میں ملحق بالسنۃ قرار دیا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف ومسلک کی یہ توجیہ توجیہ بمالا یرضی بہ قائلہ کے قبیل سے نہیں ہے، بلکہ مکتوبات کے محشین کی تصریحات کے علاوہ خود مکتوبات میں اس توجیہ کے زبردست اور واضح شواہد موجود ہیں، یہ شواہد اور بدعت سے متعلق حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک دفتر اول کے مکتوب ۱۸۶ کے حاشیے میں ناچیز نے قدرے تفصیل سے تحریر کر دیا ہے، قارئین حضرات اس کا ضرور مطالعہ فرمائیں، نیز مسئلہ بدعت میں حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ میں مسئلہ بدعت کے عنوان سے کافی تفصیل سے بیان کیا ہے، اور مغالطوں کی حقیقت ازبام کی ہے، اس کا مطالعہ بھی نہایت مفید ہے، تاکہ غلطی نہ ہو۔ (خاکسار محمد سعید احمد غفرلہ)

۳……شیخ الاسلام برہان الدین علی بن ابی بکر حنفی م۔ ۵۹۴ھ کی مشہور تصنیف ہے۔

۴……فخر الاسلام ابو الحسن علی بن محمد بن حسین یزدری

۵……مکتوب نمبر ۵۴ دفتر دوم

۶……سورہ نجم کی حیثیت انسانی وجود کے اندر ریڑھ کی مانند ہے، کائنات کا ڈھانچہ اسی پر قائم ہے، کائنات کے ڈھانچہ کی تحقیق کا اول سے آخر تک نظام اسی میں درج ہے، حضور ﷺ کی زندگی کی داستان عروج ونزول اسی میں درج ہے، گویا سورہ نجم آئین کائنات بھی ہے۔

۷......مکتوب ۲۰۹ دفتر اول

۸......مکتوب ۲۰۹ دفتر اول

۹......مکتوب ۱۰۰ دفتر سوم

۱۰......مکتوب ۲۰۹ دفتر اول

۱۱......مکتوب ۹۴ دفتر سوم ص

۱۲......مکتوب ۶ دفتر دوم

۱۳......مکتوب ۴ دفتر دوم

۱۴......جہان امام ربانی جلد دوم، ص ۶۳۹، ۶۳۳

☆......☆......☆

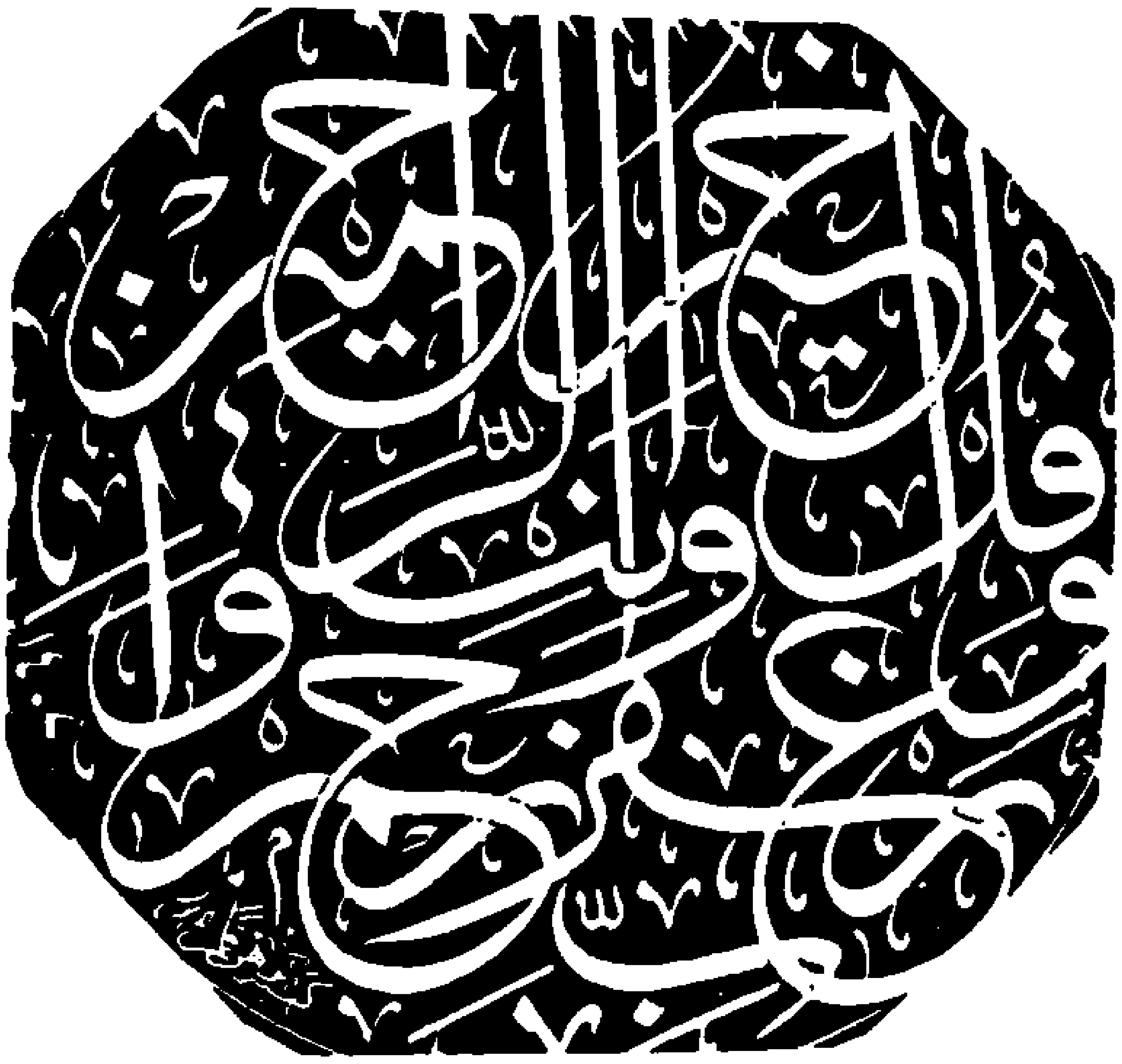

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باقیاتِ جہان امام ربانی

جلد دوم ...... باب چہارم

☆

٣٠٨

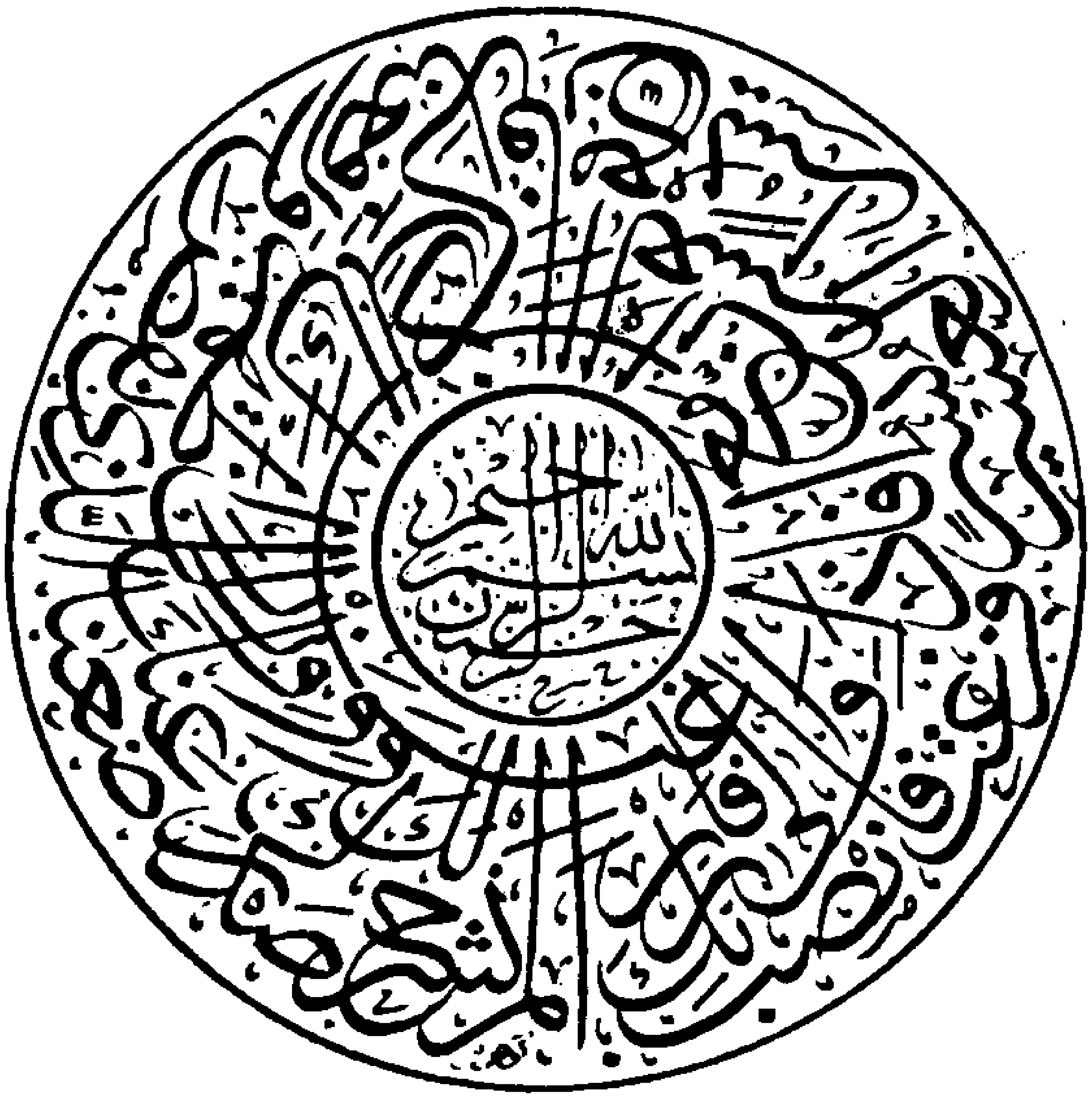
بسم الله الرحمن الرحيم

بسم الله الرحمٰن الرحيم
نحمدہٗ و نصلى علٰى رسوله الكريم

الجنات الثمانيه (مبیضہ)

خواجہ عبدالاحد بن خواجہ محمد سعید

مرتبہ: صاحبزادہ بدرالاسلام صدیقی

الموضوعات

مقدمة التحقيق
نبذة من أحوال الشيخ الامام عبدالأحد
عكس المخطوط (الصفحة الأولى)
عكس المخطوط (الصفحة الأخيرة)
بداية الكتاب
الجنة الاولى فى البشارات المخبرة عن وجود قبل أن يوجد
الجنة الثانية فى نسبه وميلاده
الجنة الثالثه فى انتسابه الى سلاسل المشائخ
الجنة الرابعة فى طريق مصافحته وطريق أسانيدالحديث
الجنة الخامسة فى ذكر مصنفاته العلية
الجنة السادسة فى ذكر كراماته
الجنة السابعة فى ذكر بعض كلماته الطيبة
الجنة الثامنة فى ردالشبهات الواردة على كلامه الشريف
الخاتمة فى البشارات بعلو شأنه قدس سره‘
حسن الخاتمة

بسم الله الرحمن الرحيم

مقدمة التحقيق

إن الحمد لله أحمده وأستعينه وأستهديه وأستغفره، وأتوب إليه وأتوكل عليه والصلاة والسلام والتحية على رسوله خير الأنام الهادى إلى الطريق القويم صاحب الرسالة الجامعة والأنوار الساطعة قدوة الأنام صلى الله عليه وعلى اله الأبرار وصحبه الأخيار وبعد

فهذه رسالة جليلة الجنات الثمانية فى أحوال الإمام الربانى ومجدد الألف الثانى الشيخ الإمام أحمد الفاروقى السرهندى نوّر الله تربته، مشتملة على ثمانية أبواب وخاتمة. قد ألفها حفيد الإمام الربانى الشيخ الفقيه العارف الشيخ عبدالأحد وحدت رحمه الله تعالى فى سفره الثانى أو الثالث إلى الحرمين الشريفين فى معية ابن عمه قطب الوقت حجة الله الشيخ محمد نقشبند الثانى قدس سره العزيز وكانت العُرب علمائها وعوامها مشتاقين إلى معرفة أحوال المجدد للألف الثانى رحمه الله تعالىٰ فطالبوه أن يؤلف كتابا يبيّن عن أحواله ومعارفه وكمالاته الروحية والمؤلفات فى أحواله إن كانت موجودة لكنها كانت فى الفارسية كزبدة المقامات للشيخ محمد هاشم الكشمى رحمه الله وحضرات القدس للعلامة الإمام بدر الدين السرهندى رحمه الله

فكتب الإمام العارف عبدالأحد وحدت هذا السِفر الجليل

فى العربية على حسب اقتراحهم وهذا التاليف مشتمل على بعض مطالب زبدة المقامات وحضرات القدس مع إضافات مفيدة من عنده وهذا أسبق المؤلفات على هذا الموضوع فى العربية وكانت النسخة الفريدة من هذا الكتاب موجودة فى الجامعة على (الهند) فى ذخيرة شيفته فى مجموعة كتب اخرىٰ لهذا المولف على الموضوعات الشتى فحصّل العلامة الدكتور المفتى محمد مكّرم أحمد حفظه الله التصوير الشمسى لهذا المخطوط وأرسله إلى الشيخ الدكتور محمد مسعود أحمد دام ظله فى كراتشى باكستان وتكرم علىّ الشيخ بإرسال هذا التصوير الشمسى إلىّ على حسب إلتماسى جزاهما الله أحسن الجزاء وهذا التصوير ناقص فى بعض المقامات لأن النقوش ممحوة وغير مقروة فى هذه المقامات وقد أكملت هذا العمل المبارك بعون الله سبحانه وتعالىٰ تحت اشراف أستاذى العارف الفقيه العلامة المفتى محمد عليم الدين المجددى زيد علمه وفضله وأعاننى فى سائر الأمور وصححه جزاه الله خيراً.

عملى فى تحقيق هذا الكتاب على الأسلوب التالى

١. نسخت الكتاب بنفسى بدقة النظر ثم قابلته بعكس المخطوط وتحملت متاعب شديدة فى هذا العمل وتركت بياضا فى المقامات التى ماستطعت قراءتها

٢. عزوت الآيات القرآنيه إلى سورها مع ضبط رقم الأيات

ليسهل الرجوع إليها عند الحاجة

٣. خرجت الأحاديث النبوية من المصادر الشتى

٤. وضعت فهرسالأيات القران الكريم

٥. وضعت فهرساللأحاديث النبوية الشريفه

٦. وضعت فهرسالموضوعات الكتاب وجعلتها فى اخر الكتاب تسهيلا للقارئين.

ألـلهـم ربنـا فاطر السموات والأرض عالم الغيب والشهادة تقبل مني انك أنت السميع العليم وتب على انك أنت التواب الرحيم. وصلى الله تعالى على حبيبه سيدنا ومولانا محمد وآله وصحبه أجمعين برحمتك يا أرحم الراحمين.

العبد الضعيف

محمد بدرالاسلام الصديقى كان الله له

الخانقاه السلطانية. جهلم . باكستان

١٥ـ٥ـ١٤٢٨ھ

١ـ٦ـ٢٠٠٧م

يوم الجمعة

نبذة من أحوال الشيخ الإمام

عبدالأحد وحدت

قدس سره العزيز

إسمه و نسبه

هو الإمام الفقيه الصوفى المرشد الشيخ عبدالأحد وحدت بن الشيخ الإمام محمد سعيد بن الإمام الربانى المجدد للألف الثانى الشيخ أحمد الفاروقى نسبا السرهندى مولدا النقشبندى المجددى مشرباً من سلالة الخليفة الثانى سيدنا عمر بن الخطاب رضى الله عنه.

ميلاده

ولد الشيخ الإمام عبدالأحد فى بيت العلم والعرفان ببلدة سرهند من بلاد الهند فى عام ١٠٥٠هـ/ ١٦٤٠م

نشأته

عائلة الإمام عبدالأحد كانت عائلة علمية ذا يد طولى فى العلوم لاسيمافى علم التفسير والحديث، والفقه والمنطق والكلام وغيرها من العلوم الآلية والعالية ومع هذا كانت بيت ورع وتقوى وقرب إلى الله تعالى مجده. تربى فى حجر والده الماجد الشيخ الإمام محمد سعيد وعمه الشيخ الإمام العروة الوثقى محمد معصوم

رحمها الله تعالیٰ. کان الإمام عبدالأحد ذکیا وفطنا ونبیها وذا استعداد کامل لتلقی العلوم والمعارف. وکانت عائلته هی المدرسة الأولی التی نشأ وتربّی فیها. ولم یزل کان مشغولا بالجد والإهتمام فی تحصیل العلوم والمعارف حتی صار من العلماء الکبار والعارفین المشهورین فی الأفاق.

شیوخه

تلمّذ الشیخ عبدالأحد السرهندی رحمه الله علی الشیخ العالم أخوند عبدالحق سجاول السرهندی الذی کان عالما شهیرا ومدرّسا ماهرا فی المدرسة المجددیة بسرهند.

وما عداذلک تلمّذ علی والده الإمام الشیخ محمد سعید رحمه الله والأساتذة الآخرین.

البیعة والخلافة

بایع إبتداء علی ید والده الماجد الشیخ الإمام محمد سعید رحمه الله فی الطریقة. بشّره شیخه ببشارات عظیمة فی أثنا السلوک. بعد تکمیل السلوک النقشبندیة توّجه بتاج الخلافة. فلمامات والده الماجد وشیخه رجع لمزید الإستفادة إلی عمه العروة الوثقی الشیخ العارف الخواجه محمد معصوم رحمه الله تعالی. وحصل الخلافة منه أیضا.

أسفاره إلى الحرمين الشريفين

سافر الشيخ رحمه الله إلى الحرمين الشريفين ثلث مرات للحج والزيارة النبوية السفر الأول كان فى معية والده الماجد الشيخ الإمام الخواجه محمد سعيد رحمه الله وعمه المكرم الإمام العارف الخواجه محمد معصوم رحمه الله والسفر الثانى والثالث كانا مع الشيخ حجة الله محمد نقشبند الثانى رحمه الله.

ألشيخ عبدالأحد من حيث الشاعر

كان الشيخ عبدالأحد رحمه الله شاعرا مجيدا فى الفارسية والأردية وكان يختار التخلص فى الشعر الفارسى "وحدت" وفى الارديه "گل".

كتبه وتاليفاته

ترك الشيخ الموصوف ثروة علمية وأنا أذكر ما وقفت عليه في السطور الأتيه.

١. قراء ة القارئين. (فى أصول القراء ة وضوابطها)
٢. خزائن النبوة (فى السيرة النبوية)
٣. سبيل الرشاد (فى السلوك النقشبندية)
٤. برهان جلي (فى أنواع الذكر وأحكامه)
٥. فيض عام (فى مسائل ضرورية متعلقة بكل شهر من الشهور القمرية)

٦. الجنات الثمانية (فى أحوال جده الأمجد المجدد للألف الثانى قدس سره السامى, هذا السِفر الجليل الذى بين يديک)

٧. بدائع الشرائع.

٨. رسالة فى قراء ة النبى المختار وأصحابه الكبار.

(مشتملة على ماورد من الآثار فى قراء ة النبى وأصحابه صلى الله عليه وعليهم أجمعين)

٩. أسرار الجمعة

١٠. رسالة فى نفى الإشارة فى الصلوة

١١. خير الكلام (فى نفى الإعتراضات على الإمام الربانى مجدد الألف الثانى رحمه الله)

١٢. رساله دربيان طريقه أحمديه (فى السلوک المجددية)

١٣. رسالة وحدت

١٤. رسالة نقشبنديه

١٥. رسالة لطائف (فى بيان لطائف السلوک)

١٦. گلشن وحدت (مجموعة مكاتيبه)

١٧. خيابانِ وحدت (مجموعة منظوماته فى الفارسية)

١٨. چهار چمن

١٩. ديوانِ وحدت (ديوان أشعاره فى الفارسية والأردية)

٢٠. شرح بيت مثنوى

٢١. أسرار الفقر

٢٢. مجالس وحدت (مجموعة ملفوظاته)

وغيرها من المولفات القيمة والعظيمة الشان.

مكانته عندالعلماء الاعلام

كان الشيخ حجة الله محمد نقشبند السرهندى بن العروة الوثقى الخواجه محمد معصوم رحمهما الله يقول

إن مافرق الله سبحانه على آبائنا من العلم والمعرفة جمع فى شخص واحد وهو الشيخ عبدالأحد. (نزهة الخواطر ج٦ ص١٣٣)

قال الإمام العروة الوثقى الخواجه محمد معصوم قدس سره، فى مكتوب إلى ولده الثالث الشيخ الإمام عبيدالله رحمه الله تعالىٰ

بعد ذهابک يجالسنا الشيخ عبدالأحد وحدت. هو نشيط ومتحمس فى معاملاته. ويبقى حاضرا ليلا ونهارا فى مجالسنا. يعيش فى حجرة فى الخانقاه. كيفية الهيام الغريبة معترية عليه. قد ارتقى ارتقاءا وافرا وامره صاعد كل يوم.

(مكتوبات معصوميه ج٣ ص١٥٨، ١٥٩)

وقال البروفيسور عبدالبارى الجامعة الاسلامية على غر.

كان الشيخ عبدالأحد (وحدت) عالما عظيما وعارفا وشاعرا مجيدا. (جهان إمام ربانى ج ٩ ص ٢٢١)

وفاته

توفى الشيخ الإمام عبدالأحد وحدت رحمه الله تعالى لسبع وعشرين خلون من شهر ذى الحجة المباركه سنة ١١٢٦ﻫ في دهلى فحمل جسده المبارک إلى سرهند ودفن فيها

تغمده الله برحمته بجاه سيد المرسلين صلى الله عليه وآله وصحبه أجمعين برحمتک يا أرحم الراحمين.

الجنات الثمانية

لعلاّمة الشيخ عبدالأحد وحدت

بسم الله الرحمن الرحيم

سبحانك يامن بعث على رأس كل مائة سنة من هذه الأمة من يجدد لها دينها وزاد فى كل أن و شأن بشموس الهداية ونجوم الكرامة تنويرها وتنزيهها

صلّ وسلم وبارك وكرّم على سيّد الأنام وصحبه الكرام ما[1] ركع راكع بالحجر وخشع خاشع بالمقام

أما بعد فيقول أضعف البرية عبدالأحد بن الشيخ محمد سعيد خازن الرحمة الصمدية قدس نفسه العلية إني لمّا فزت بزيارة الحرمين الشريفين زادهما الله أبهة وكرامة مع إمام العصر وقطب الزمان الشيخ محمد نقشبند خلف قدوة العارفين غوث الواصلين الشيخ محمد معصوم قدس سره، وتشرّفتُ بإدراك صحبة الكرام فيهما إلتمس جمع منهم أن أؤلف[2] رسالة مشتملة على أحوال جدى المجدد للألف الثاني القطب الرباني الشيخ أحمد العمرى النقشبندى السرهندى قدسنا الله بسره السامي حيث تكون تذكرة لأصحابه وتبصرة لأحبابه فاستخرجتُ من المقامات[3] الفارسية التي صنّف أصحابه الثقات مثل الفاضل الكامل الشيخ بدرالدين السرهندى والعارف المحقق خواجه هاشم الكشمي البرهانفورى رسالة حاوية لما لا بد من أحواله وهي متضمنة على جنات ثمانية

---

[1] فى الأصل اما [2] فى الأصل اوالف [3] فى الأصل مقامات

وخاتمة وحسن خاتمة

ألجنة الأولى فى البشارات التى صدرت بوجوده المسعود قبل ظهوره

ألثانية فى بيان ميلاده ونسبه

ألثالثة فى انتسابه فى سلاسل المشائخ الكرام قدس أسرارهم

ألرابعةفى طريق مصاقحته[1] وسنده فى الحديث وعلم القراءة وغيرها.

ألخامسة فى ذكر مصنفاته .

ألسادسة فى ذكر كراماته .

ألسابعة فى ذكر بعض كلماته الطيبة المتضمنة لمكاشفاته العلية.

ألثامنة فى ردالشبهات الواردة على كلامه.

ألخاتمة فى حكايات السالكين والصالحين الذين تحيروا بكماله وعلو شأنه وأمروا بصحبته العلية

حسن الخاتمة فى ايراد بعض البشرى فى شأنه عظم شأنه وقدس الله أسراره، و رضي عنه

---

[1] فى الأصل مصافحة

الجنة الأولى
فى
البشارات المخبرة عن وجوده قبل أن يوجد

فالأعلى والأفضل والأشرف منها ما أورد العارف بالله خواجه محمد هاشم فى مقاماته إن صاحبالى قال يوما انک تذکر من کمالات شيخک يعنى به المجدد رضى الله عنه مالايذکر من المشائخ الکرام وما يتحير فيه العقول والأفهام ولو کان کذلک لأخبر بوجوده صاحب الوحى عليه الصلاة والسلام کما أخبر بوجود المهدى للأنام قلت لعله أخبر بذلک ولم نطلع عليه لايلزم من عدم العلم بشئ عدم وجود ذلک الشئ قال إن عندى کتاب جمع الجوامع للسيوطى رحمة الله (عليه[1]) فيه أحاديث النبى صلى الله عليه وسلم أتفحص فيه فان کان هناک خبراً مشعرا بحاله أعتقد ففتح الکتاب فاذا فيه هذا الحديث .

وأخرج ابن سعيد عن عبدالرحمن بن يزيد عن جابر بلاغا عنه صلى الله عليه وسلم يکون فى أمتى رجل يقال له صلة يدخل الجنة بشفاعته کذا وکذا [2]

وأنت خبير بأن هذا اللقب مشهور بين أصحابه قدس سره'

---

[1] الإضافة من المحقق [2] (١) کنز العمال ١٢ رقم ٣٤٥٨٩، ج ١٢، ص١٨٥

(١١) الطبقات لابن سعد ٥ / ٣٩٢ کما فى مقاماتِ خير للعلامة ابى الحسن زيد الدهلوى رحمه الله

وذلک لأنّه کتب فی مکاتیبه

ألحمد لله الذی جعلنی صلة بین البحرین ومصلحا[1] بین الفئتین [2] .

وهذا اشارة له لأنه بذل الجهد فی تطبیق أقوال الصوفیة والعلماء وجمع بین الشریعة والطریقة وسمّی نفسه بذلک باتصافه سبحانه .

منها ذکر الفاضل الکامل الشیخ بدرالدین السرهندی فی المقامات إنه وقع فی مقامات شیخ الإسلام أحمد جام [3] صاحب الکرامات التی قلما تذکر مثلها من الأقطاب والأوتاد کما فی نفحات الأنس [4] وغیرهما قدس سرهم أنه نور مرقده قال یجئ من بعدی سبعة عشر رجلا من أهل الله یسمّون بأحمد اخرهم یخرج علی رأس الألف أحسنهم [5] أعلٰهم .

واجتمع جم غفیر من أرباب الکشف أن المراد منه المجدد للألف الثانی ووقع فی مقامات الشیخ ظهیر الدین خلف الشیخ

---

[1] فی الاصل وصلة [2] مکتوبات امام ربانی ج ۲ مکتوب رقم ۲

[3] قوله شیخ الاسلام احمد جام وهو ابونصر احمد بن ابوالحسن الحسین النامقی الجامی رحمه الله من اولاده حضرة جریر بن عبدالله الجبلی الصحابی رضی الله عنه الذی اسلم سنة وصال النبی ﷺ. المولود ۴۴۱ ھ والمتوفی ۵۳۶ ھ النظر للتفصیل نفحات الانس ص۲۴۶ ا الی صفحه ۲۵۳.

[4] حضرات القدس: ۲/ ۴۲ [5] النظر وللتفصیل حضرات القدس ۲/ ۴۲، ۴۳

المذكور قدس سرهما حكاية عجيبة تؤيده هذه البشارة تائيداً جلياً[١]

منها مانقل الثقات من الولى الشهير الشيخ خليل الله البدخشانى قدس سره، أنه وقع فى بعض رسائله أنه سيخرج من سلسلة خواجها روح الله أرواحهم من الهند رجل كبير عظيم صاحب كمال جسيم بلانظيرله فى عصره يا أسفا على لقائه فلمّا توفى الشيخ طلع هذا الكوكب الدرى.[٢]

منها أن قدوة الأولياء خواجكى الأمكنكى قال لخليفته الأكمل وهو امام العرفاء شيخنا خواجه محمد ن الباقى قدس سره، أنه يخرج رجل من الهند على يديك امامافى عصره صاحب الحقائق والأسرار إسرع فإن أهل الله منتظرون لقدوم ذٰلک العزيز فلما توجه قدس سره، من البخارا إلى الهند وأدركه المجدد رضى الله عنه وأخذ منه الطريقة خاطبه بهذا الكلام قد علمت أنک ذلک الرجل المبشر[٣] ولما دخلت بلدة سرهند رأيت رجلا وقيل هذا قطب زمانه فلما رأيتک رأيتک بتلک الحلية والصورة[٤].

وقال أيضاً إنى لما دخلت بلدة سرهند رأيت هناک مشعلة أوقدت فى غاية الرفعة والعظمة كأنّها وصلت إلى السماء وقد امتلأ

---

[١] عبارته فيما يالى از حضرت شيخ الاسلام احمد پرسيدند كه مقامات مشائخ شنيده ايم وكنيت ايشان ديده از هيچ كس مثل ايں حالات كه از شما ظاهر مى شود ظاهر نه شده است. نفحات الانس ص٢٤٧ مطبوعه لاهور.

[٢] حضرات القدس ٢/ ٤٣

[٣] حضرات القدس ٢/ ٤٣

[٤] حضرات القدس ٢/ ٤٤

العالم من نورها شرقا وغربا وتزايد أنوارها ساعة فساعة ويستوقد منها سراجا سراجا وهذا فی شانک[1] .

منها ماذکر أصحاب المقامات أن قدوة الکاملین الشاه کمال الکیتلی القادری الذی أخبار خوارقه وکراماته بلغت حدالتواتر وزع جبته المتبرکة قیل إنها کانت متوارثة من الشیخ الأعظم والغوث الأکرم السید عبدالقادر الجیلانی قدس سره‘ عند حفیده العارف الربانی لشاه اسکندر حین جاد بنفسه وقال لتکن هذه الجبة عندک ودیعة وأمانة حتی یخرج صاحبه فلما کان أوان ظهور المجدد وقال له فی المعاملة أن أوصل هذه إلی الشیخ أحمد السرهندی فإنه أهلها؛ فلم یوصل بها إلیه ثم خاطبه فی عالم السربذلک فلم یفعل ذلک وقال کیف یخرج هذه البرکة من بیتنا فعاتبه فی المرتبة الثالثة فجاء بها إلیه فترتب علی ذلک أمورا عظیمة کما هو مرقوم فی المقامات والملفوظات[2] .

---

[1] حضرات القدس ٢ / ٣٣

[2] (ا) حضرات القدس ٢/ ٥٠ (ا ا) زبدة المقامات ص١٣٣،١٣٥

ألجنة الثانية
فى
نسبه وميلاده

أمانسبه فهكذا لأنه قدس سره، ولدالعارف الكامل العالم العامل غوث زمانه وأوانه الشيخ عبدالأحد السرهندى بن الشيخ زين العابدين بن الشيخ عبدالحى بن الشيخ محمد بن الشيخ حبيب الله بن قدوة الأولياء الكاملين الإمام رفيع الدين بانى قلعة بسرهند بن الشيخ نور بن نصير الدين بن الشيخ سليمان ابن الشيخ يوسف بن الشيخ اسحاق بن الشيخ عبدالله بن الشيخ شعيب بن الشيخ احمد بن الشيخ يوسف بن السلطان قرخ [1] شاه الكابلى سلطان الكابل الذى نقل الثقات عنه انه كان مروجا للاسلام وموهنا لعبدة الأصنام وهو نزيل فى الهند وعلى هذا استشهر لقب أولاده بالكابلى وهوا بن الشيخ نصير الدين بن الشيخ محمود بن الشيخ سليمان بن الشيخ مسعود بن الشيخ عبدالله الواعظ الاصغر بن الشيخ عبدالله الواعظ الأكبر بن الشيخ ابو الفتح بن الشيخ اسحاق بن خواجه ابراهيم بن سيدنا ناصر بن سيدنا ومولانا عبدالله ابن امام العارلين خليفة سيد العالمين عليه الصلاة والسلام أعنى عمر [2] الفاروق رضى الله عنه وأرضاه عنا [3]

---

[1] فى الأصل بفرخ [2] فى الأصل عمر ن الفاروق [3] فى الأصل ارضناه

الملاحظة: هكذا مسطور فى الاصل وهكذا فى لطائف المدينة ص ١١١، ١١٢. لكن بعض الاسماء متروك فيها. والصحيح انه بعد (٢٧) عبدالله (٢٨) عمر بن (٢٩) حفص بن (٣٠) عاصم بن (٣١) ابوعبدالرحمن عبدالله بن (٣٢) امير المؤمنين عمر رضى الله عنه وانظر للتفصيل مقامات خير ص ٣٥ الى ص ٣٩ من ابى الحسن زيد الفاروقى الدهلوى وتقديم لطائف المدنية ص ٧٢ و ٨٣ الى ص ٨٦ من البروفسور محمد اقبال المجددى.

أما بيان ميلاده فكذلك أنه ولد فی شهر شوال سنة إحدى وسبعين وتسع مائة كما نطقت بكلمة ل "خاشع" ببلدة سرهند حرسها الله من كل مكروه.

ومن يتوكل على الله فهو حسبه

ل فی الأصل بالكلمة

ألجنة الثالثة

فی

إنتسابه إلى سلاسل المشائخ الكرام قدس الله أسرارهم

أما فی السلسلة العلية النقشبندية فهكذا انه لبس الخرقة النقشبندية من قدوة العارفين خواجه محمد الباقی بالله وهو من شيخه الكامل المكمل خواجكی الأمكنكی وهو من شيخه ووالده العارف بالله مولانا محمد درويش الأمكنكی وهو من شيخه وخاله الولی الماجد مولانا محمد زاهد وهو من شيخه قطب الكبار خواجه أحرار وهو من شيخه العارف بالله مولانا يعقوب چرخی وهو من شيخه سند العارفين قطب أقطاب[1] العالمين بهاء الملة والدين خواجه نقشبند قدس سره الأمجد وهو عن قطب الربانی خواجه أمير كلال وهو عن قطب الربانی محمد السماسی المعروف بخواجه بابا وهو عن القطب الربانی خواجه علی الراميتنی وهو عن القطب الربانی خواجه محمود أنجير الفغنوی وهو عن القطب الربانی خواجه عارف الريوكری وهو عن القطب الربانی خواجه عبدالخالق الغجدوانی وهو عن القطب الربانی خواجه يوسف الهمدانی وهو عن القطب الربانی أبوعلی الفارمدی وهو عن القطب الربانی الشيخ أبی الحسن الخرقانی وهو عن القطب الربانی سلطان العارفين أبی يزيد طيفور البسطامی وهو عن الامام الهمام جعفر الصادق سبط حبيب الله وهو

---

[1] فی الأصل " الاقطاب"

عن جده من قبل الأم القاسم ابن محمد بن أبی بکرن الصدیق وهو عن صاحب رسول الله سلمان الفارسی وهو عن شیخ[1] المهاجرین والأنصار ثانی إثنین إذهما فی الغار أبی بکرن الصدیق خیر الأخیار وهو عن حضرة[2] سید المرسلین خاتم النبیین النبی المصطفیٰ والرسول المجتبی علیه وعلیٰ اٰله الصلوات والتسلیمات العلی.

وأما انتسابه فی الطریقة القادریة فمن هذا الطریق أنه لبس الخرقة القادریة من شیخه ملاذالعرفاء الشاه أسکندر وهومن جده قدوة الکمّل الشاه کمال وهو من شیخه الشاه فضیل وهومن شیخه السید کدا رحمان[3] وهو من شیخه قطب العالم شمس الدین العارف وهو من شیخه قطب العالم السید کدا رحمن[4] بن السید أبی حسن وهو من شیخه قطب العالم شمس الدین الصحرائی وهومن شیخه قطب العالم السید عقیل وهومن شیخه قطب العالم السید بهاء الدین وهوعن شیخه قطب العالم السید عبدالوهاب ومن شیخه قطب العالم السید شرف الدین القتال وهومن شیخه سید السادات الشاه عبدالرزاق وهومن شیخه الربانی المحبوب[5] الصمدانی غوث الثقلین الأمیر السید محی الدین أبی محمد[6] الشاه عبدالقادر الجیلانی وهومن أبیه وشیخه قطب العالم سید السادات

---

[1] فی الأصل "الشیخ" [2] فی الأصل "حضرت" [3] یقال له گدارحمٰن الثانی. حضرات القدس ج٢ ص٢٩ [4] یقاله له کدا رحمان الاول. حضرات لقدس ج٢ س٢٩، ٣٠ [5] فی الأصل "محبوب" [6] فی الأصل "محمد"

الشاه أبي صالح وهو من شيخه السيد موسىٰ جنكي دوست وهومن شيخه السيد عبدالله مورث وهومن شيخه قطب العالم السيد يحيى الزاهد وهومن شيخه وأبيه الشاه موسىٰ الجون وهومن شيخه وأبيه الشاه داؤد المورث وهو من أبيه قطب العالم الشاه موسى الجون وهومن أبيه الشاه عبدالله وهومن أبيه سيد السادات جامع البركات الحسن المثنى وهو من أبيه امام المؤمنين قدوة المتقين الإمام حسن رضى الله عنه وهومن أبيه امام الهدىٰ سيد التقى علىّ المرتضٰى كرّم الله وجهه ورضى الله عنه وعن أمه بضعة سيد الأنبياء فاطمة الزهراء وهما من حضرة[1] سيد المرسلين خاتم النبين شفيع المذنبين صلوات الله عليه وعلى آلهٖ واخوانه وأصحابه أجمعينٰ.

وأما انتسابه فى الطريقة الجشتية فمن هذا الطريق

أنه لبس الخرقة الجشتية عن شيخه ووالده العارف بالله الشيخ عبدالأحد وهو عن شيخه الكامل الشيخ ركن الدين وهوعن شيخه ووالده الواصل الشيخ عبدالقدوس الغزنوى الحنفى مذهباً ونسباً وهوعن شيخه محمد عارف وهو عن الشيخ أحمد عبدالحق وهوعن الشيخ جلال الدين وهوعن الشيخ شمس الدين الترك وهوعن الشيخ علاؤالدين على بن أحمد الصابر وهوعن أكمل الأولياء الشيخ فريدالحق والدين مسعود المشهور بشكر گنج

---

[1] فى الأصل "حضرت"

وهو عن قدوة الواصلين خواجه قطب الدين بختيار الأوشى الكاكى الدهلوى وهو عن زبدة العارفين قدوة الواصلين خواجه معين الدين السنجرى الجشتى الأجميرى وهو عن الشيخ عثمان الهارونى وهو عن شيخه حاجى شريف الزندانى وهو عن الشيخ مودود الجشتى وهو عن الشيخ أبى يوسف الجشتى وهو عن الشيخ أبى محمدن الجشتى وهو عن الشيخ أبى اسحق الشامى وهو عن الشيخ على الدنيورى وهو عن الشيخ هبيرة البصرى وهو عن الشيخ حذيفه المرعشى وهو عن السلطان إبراهيم أدهم وهو عن جمال الدين فضيل بن عياض وهو عن الشيخ عبدالواحد بن زيد وهو عن إمام التابعين الحسن البصرى قدّس سرهم وهو عن أمير المؤمنين سيدنا ومولانا على المرتضٰى كرّم الله وجهه و رضى الله عنه وهو عن حضور[1] سيد المرسلين حبيب رب العالمين النبى المصطفٰى والمجتبٰى عليه وعلى اٰله وأصحابه الصلوات والبركات العلى.

---

[1] فى الأصل "حضرت"

الجنة الرابعة
فی
طریق مصافحته وطریق أسانیدالحدیث وغیره

أما طریق المصافحة فکذلک أنه صافح الشیخ المعظم عبدالرحمن البدخشی ثم الکابلی وهوصافح الشیخ الحاجی المشهور بالرمزی[1] وهوصافح الحافظ السلطان الأوبهی[2] وهو صافح الشیخ محمود الاسفراری وهوصافح الشیخ سعید المعمرالجشتی وهوصافح حبیب رب العالمین

واعلم أن مصافحة سعید[3] بالنبی الکریم صلی الله علیه والہ وسلم فی عالم الملکوت لافی الناسوت لکن فی خلاصة المناقب مقامات السید علیّ الهمدانی قدس سرہ السامی أنه کان من أصحاب عیسی علیه السلام وکان عیسی یذکر عند أصحابه مناقب سید المرسلین فقال سعید[4] أدع الله لی حتی أدرکه فدعاله حتی طال عمرہ ولقی النبی صلی الله علیه وسلم فصافح معه صلی الله علیه واله وسلم وقال علیه الصلوة والسلام من صافحک بستة وسایط أوسبع دخل الجنة. ودعا هو لطول بقاءه حتی طال دهرا طویلا .

---

[1] وفی حضرات القدس ج۲ ص ۳۰ انه صافح الشیخ عبدالرحمن البدخشی ثم الکابلی المعروف بالحاجی الرمزی. الی هذه الصورة انه شخص واحد. المحقق عفی عنه

[2] فی الأصل "اولهی"

[3] فی الأصل السعید

[4] وفی الأصل السعید

واما سنده فى الحديث المسلسل بالأولية قال سمعت من قدوة المحدثين وزبدة المختصين القاضى بهلول وهو اول حديث سمعت منه قال سمعت من لفظ سيّدى بقية السلف الشيخ المعظم عبدالرحمن بن فهد وهو أوّل حديث سمعته منه قال سمعته من لفظ سيّدى ووالدى عبدالقادر بن عبدالعزيز بن فهد عن لفظ شقيقه سيدى وعمى الحافظ جار الله بن فهد وهو أول حديث سمعته منه قالا حدثنا والدنا الحافظ عزالدين عبدالعزيز بن فهد و أوّل حديث سمعنا منه قال حدثنى به جدى الحافظ الرحلة تقى الدين محمد بن فهدالهاشمى العلوى وهو أوّل حديث سمعته منه. قال حدثنى به جمع من المشائخ الأعلام أجلهم العلامة برهان الدين الأبناسى سماعا من لفظه وقاضى القضاة أبوحامد المطرى بقراءتى عليه بالحرم الشريف مكة وهو أوّل حديث سمعته منهما قالا أخبرنا الخطيب صدر الدين أبوالفتح محمد المبرد المردقى[1] قال الأبناسى وهو أوّل حديث سمعته منه وقال المطرى وهو أوّل حديث رويته عنه أخبرنا الشيخ نجيب الدين عبداللطيف الحرانى وهو أوّل حديث سمعته منه قال أخبرنا الحافظ أبوالفرج بن الجوزى وهو أوّل حديث سمعته منه. قال أخبرنا أبوسعيد اسمعيل بن أبى صالح النيشابورى وهو أوّل حديث سمعنا منه أنه قال أخبرنا أبوصالح أحمد بن

---

[1] فى زبدة المقامات بدله "المبردى"

عبدالملک المؤذن وهو أوّل حديث سمعته منه قال حدثنا أبوطاهر محمد بن محسن الزمادی وهو أول حديث سمعته منه قال حدثنا أبوحامد أحمد البزار وهو أول سمعته منه قال حدثنا عبدالرحمن بن بشير بن الحكيم الغندری[١] وهو أول حديث سمعته منه قال حدثنا سفيان بن عيينه[٢] وهو أوّل حديث سمعته منه عن عمرو بن دينار عن أبی قابوس مولی عبدالله بن عمرو بن العاص عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضی الله عنه أن رسول الله صلی الله عليه واله وسلم قال الراحمون يرحمهم الرحمٰن ارحموا من فی الأرض يرحمكم من فی السماء.

وأخذ قدس سره علم القراءة والفقه من أبيه وشيخه العلامة الشيخ عبدالأحد المذكور وتفقه أيضاً علی الشيخ المحقق مولانا كمال الكشميری وأخذ علم أصول الحديث من قدوة العلماء الشيخ يعقوب الكشميری

وله سند الصحاح الستة وجميع مؤلفات البخاری وعلم التفسير وإجازة كتبه كالوجيز للواحدی[٣] والوسيط والبسيط وأسباب النزول له[٤] والبيضاوی ومنهاج الوصول والغاية القصوی وغيرها له[٥] وكذلك إجازة المشكاة والشمائل الترمذی والجامع الصغير وقصيدة البردة لسعيد البوصيری من الإمام الربانی قدوة أرباب الكمال قاضی بهلول البدخشانی المذكور.

---

[١] فی زبدة المقامات بدله "الصدری"

[٢] فی زبدة المقامات "سفيان بن عيسی"

[٣] فی الأصل "كالواحدی"

[٤] لفظ "له" ليس فی الأصل

[٥] لفظ "له" ليس فی الاصل

الجنة الخامسة
فى
ذكر مصنفاته العلية

فله ثلاث مجلدات[١] من المكاتيب مشحونة بأنواع العلوم والمعارف ومتضمنة على أبواب من الحقائق والدقائق فيها من علم الشريعة تفاصيل شريفة ومن علم الطريقة[٢] تحقيقات عظيمة حرى أن يقال فى حقها ليس لها سابق من جنسها ولانظير لها فى نوعها ولقد أجاد ملاذالعلماء والكبراء ميرك شيخ عندالسلطان المرحوم شاه جهان حين سئل عنه ماذا يرسل إلى سلطان الروم من التحف العالية التى انشعبت من الهند ولانظير لهافى تلك البلاد وهى مكاتيب الشيخ أحمد السرهندى فإنها أعجوبة قدسية لامثال لها فى بلاد[٣] الله وقد كوشف على ملأ بعض العرفاء أن هذه المكاتيب تعرض على الإمام المهدى الموعود رضوان الله عليه وهو يستحسنها ويمدحها.

وقد رأى العارف الكامل الأمير محمد نعمان رسول الله وقال يارسول الله قال شيخى أحمد كذا وكذا قال عليه السلام ماقال الشيخ أحمد فهو مطابق للواقع وقال نوّر الله مرقده المطهر إن يوما وقع فى خاطرى تردّد فى صحة معارف هذه المكاتيب هل مرضى له سبحانه أو لا فالهمنى الله تعالىٰ أن ذلك كله صحيح ومرضى عندى ونشأ من كلامى[٣] .

---

[١] فى الأصل مجلد

[٢] فى الأصل "الشريعة"

[٣] فى الأصل "كلامة"

وله رضي الله تعالى عنه رسالة بديعة في علم الحقائق والسلوك يسمى بالمبدأ والمعاد [1] .

وله رسالة شريفة في علم التصوف والمواجيد مسماة بالمعارف اللدنية .

وله رسالة غائية في علم الكشف والعرفان تسمى بالمكاشفات الغيبية .

وله رسالة في تحقيق معنى الكلمة الطيبة لاإله إلا الله .

وله رسالة في اثبات النبوة مع الرد على الحكماء .

وله شرح رباعيات شيخه القطب الرباني خواجه باقي قدس سره في علم التصوف على اصطلاح القوم .

وله رسالة رائعة في مذاهب الشيعية هذه الرسائل مفيدة (ومقروة) [2] ومشهورة في الآفاق وغير هذا حواش جليلة على أوراق الكتب في حل المشكلات ورد الشبهات على شرح المقاصد والعضدي وشرح المواقف والبيضاوي وغيرها من عجائب أمره وغرائب شأنه أنه فرغ من تحصيل العلوم العقلية والنقلية واشتغل بالتدريس والتعليم وحل المواد المغلقة وفتح الأبواب [illegible] وهو ابن سبعة عشر سنة واشتهر ذلك في الآفاق حيث كتب إليه أرباب العلم الظاهر وأصحاب العلم الباطن ما استشكل عليهم من الدقائق والحقائق من كل جوانب دفاتر ووجد [illegible] بكرم الله من كلامه الشريف سبيلا واضحاً إلى مآربهم و[3] [illegible] كشافا إلى مقاصدهم.

---

[1] في الأصل "الميعاد" [2] الالفاظ التي بين القوسين ممحوة في العكس اضيفت بالتخمين

[3] الراوليست في الأصل

ألجنة السادسة
فى
ذكر كراماته

فاعلم أن كراماته أكثر من أن يحيط بها هذه الرسالة وقد نقل أصحاب المقامات الثقات والرواة مايزيد على سبعمائة كرامة أما أنا فأذكر منها عدة نخبة فإن القليل ينبئ عن الكثير والقطرة تخبر عن الغدير

منها ما ذكر الشيخ بدرالدين فى مقاماته ان سيداً صحيح النسب من أصحابه قدس الله سره قال أُمرنى قدس سره، أن اسير من السرهند إلى بلدة بهروچ بطلب أخ له قدس سره، فسار بسمع على رفقة فلما كنت يوماً فى البرية وتخلفت عن أصحابى لقضاء الحاجة فاذا أنا بأسد عظيم متوجه إلىّ فلما رأيته ذهب عقلى وارتعدت فرائصى فناديت المجدد فقلت يا سيدى أما قلت حين الوداع إذا وقعت فى مهلكة فلتذكرنى وإنى قد وقعت فى هذه المهلكة فهذا أوان المدد قال فظهر سيدنا قدس سره قبل أن أفرغ من كلامى مشافهته وتوجه إلى الأسد وأشار بيده أن اذهب فادبر الأسد هاربا وغاب هو قدس سره من نظرى ولحقت بالرفقة وذكرت القصة قالوا قد رأيناه أيضاً وتعجبوا [١] ـ

منها ماذكر أن سيدا ثقة حكى إنى [٢] كنت فى أقصاء بلاد الهند اذ رأيت فى الصحراء معبداً للكفار وفيه أصنام كثيرة فذكرت

---

[١] (١) حضرات القدس ج٢ ص١٦٥، ١٦٦ (١١) زبدة المقامات ص٢٦٣، ٢٦٤ [٢] فى الأصل "ان"

قول المجدد رضي الله عنه توهين عبدة الأصنام وكسرها جهاد في سبيل الله فأخذت في كسرها وهدم جدرانها فبينما أنا في ذلك اذظهر جماعة عظيمة من الكفار قريب من ألف رجل معهم الات الحرب لعلهم أخبروا بصنعنا فأخذني و[1] من معي من المسلمين خوف شديد وما وجدت مفرّا إلاأني ذكرت المجدد قدس سره.

فقلت يا سيدي فعلت ما فعلت بأمرك وقد أحاط بنا هولاء الكفرة الفجرة فسمعت صوتا من الغيب كأنه صوته قدس سره' يقول ابشر فإنا أرسلنا لعونك فوجاً من المسلمين فأخبرت أصحابي بذلك فاطمئنوا بالجملة فما لبثنا أن ظهر من جانب البرأربعين فارسا مسرعين إلى الكفار حتى هربوا نجّانا الله من شرهم ثم ودعنا الجماعة ذهبوا الى ماشاء الله سبحانه.[2]

منها ما ذكروا أن أميرا من الأمراء حبسه السلطان جهانگير في السجن على تقصير وقع منه فمضى على ذلك دهر [3] فأرسل ليلة إلى المجدد رجلا لأجل خلاصه فقال قدس سره' سيخرج من السجن بإذن الله تعالىٰ فقال الرجل يا سيدي متى هو قال قدس سره' غدا فقام من مجلسه مستبشراً فلما أصبح الرجل وأراد الدخول على ذلك الأمير في السجن مر على مجذوب قوي الجذبة فبرء له أن يستدعي أيضاً خلاص الأمير ياأيها العارف بالله أدع لذلك الأمير

---

[1] لفظة "واو" ليست في الأصل [2] (١) حضرات القدس ١٦٦، ١٦٧ (١١) زبدة المقامات ص ٢٦٢، ٢٦٣ [3] في الأصل "دهرا"

كى يخلصه الله من السجن فقال المجذوب إن شاهباز من سلسلة الخواجها جذبه البارحة كالصيد وخلصه من السجن إلى دعاء أحد فأخرج ذلك اليوم من السجن واستراح .[١]

منها ماذكر السالك المكمل مولانا يوسف السمر قندى قدس سره كان يوما فى الصحراء على فرس وكان معه من أهل الطريقة وأنا فيهم إذا اشتد الحر واغبر الأرض غباراً شديداً الأصحاب لايشكون اليه أدبا لكن[٢] فى قلوبهم عرض أحوالهم فنظر إلىّ هو قدس سره‘ وتبسّم وقال إن أصحابنا لقوا من الحرارة والغبار نصبا فقلت كشف الله عليك الأمر فلاحاجة لعرضنا فرفع طرفهٔ إلى السماء وقرأشيئا فما لبثنا أن خرجت سحابة[٣] من الأفق فجاءت على رأسنا وأظلت على قدر ما أحطنا من الأرض وأمطرت علىٰ جماعتنا خاصة مع رياح طيّبة مبرّدة حتى استراح القوم.[٤]

منها ماذكروا رجل شريف يبغض محاربى على كرّم الله وجهه بغضا قال[٥] فكنت ليلة أطالع مكاتيب المجدد رضى الله عنه فإذا فيه عن الإمام مالك رضى الله عنه إن شتم معاوية كشتم الشيخين فغضبت وألقيت المكاتيب على الأرض ونمت فرأيته قدس سره‘ جاء غضبان ويقول ياحديث السن تعرض على كلامى وتبغض

---

[١] (ا) حضرات القدس ج٢ ص١٩٨، ١٩٩ (اا) زبدة المقامات ص٢٦٩ [٢] فى الأصل "ليكن"

[٣] فى الأصل "سبحاة" [٤] (ا) حضرات القدس ١٦٧/٢ (اا) زبدة المقامات ص ٢٦٥

[٥] هذا اللفظ ليس فى الأصل

أصحاب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم إن لم تكف بكلامى فعليك تَتَبُّعِىْ فجرنى وأدخلنى فى بستان عظيم فإذا فيه رجل كبير فقيل إنه أمير المؤمنين علىّ المرتضى كرّم الله وجهه فنظر إلىّ وقال الحذر ألف مرة من بغض أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم نحن وإخواننا نعمل بيننا مانشاء لاينبغى لأحد أن يقع فينا ولاتخرج من طاعة هذاالرجل يشير إلى المجدد قدس سره، قال الراوى مع هذا لم يخرج من قلبى بغض هولاء فنظر كرم الله وجهه إلى المجدد وقال لم يخرج [٢] هذا الرجل من ظلمة البغض فأدبه فضرب قدس سره، على عنقى ضربة قوية فاستيقظت ووجدت قد خرج من صدرى بغضهم كلية [٣] .

منها مانقل الأمير الكبير همت خان إنى كنت منكرا لكمال المجدد اواقع فيه فرأيت ليلة كأنه قدس سره، جاء غضبان وفى يده سيف مسلول ففررت منه وهو يقول أقطع لسانك فقلت أتوب من الانكار لعله قال سيف لايعيد الى النيام خاليا فخط فى لسانى خطا رقيقا وخرج منه الدم فاستيقظت فإذا لسانى مقطوع والدم جار فجئت عنده قدس سره، مستعذراً واخذت الطريقة ومن هذا القبيل ذكر كراماته كثيراً.

---

[١] فى الأصل "الطاعة"   [٢] فى الأصل "لم تخرج"   [٣] (ا) حضرات القدس ٢/ ١٦٧، ١٦٨ (اا) زبدة المقامات ص٢٦٥

ومما ذكر هو أو بعض إخوانه رأى رجلا مات على بغضه قدس سره' فى صورة خنزير فقيل هذا جزاء منكر المجدد الشيخ أحمد السرهندى والغيب عند الله سبحانه.

منها ماذكر صاحب المقامات أن المجدد للألف الثانى قدّسنا الله بسره السامى قال فى سحر من الأسحار إنى تفحصت احوال أخى الشيخ مسعود الذى راح إلى بلدة قندهار فى قافلتها فلم أجده هناك ثم تفحصت فى البلدة بيتاً بيتا فلم أجده ثم تفحصت فى المنازل من بلدة سرهند إلى قندهار منزلا منزلا وحجرة حجرة فلم أجده ثم تفحصت بقاع الأرض بقعة بقعة فلم أجده لعلّه مات ثم توّجه ساعة فقال ألهمت أنه مات اليوم ورأيت قبره فى قرب عمر فكتبوا التاريخ فجاء الخبر كذلك بلا تفاوت[1] .

منها ماذكره صاحب المقامات أن عمى الشيخ محمد السرهندى كان فى سفر إصبهان قال تخلفت يوما من القافلة لضرورة مَسَّتْنِى حتى غابت عن النظر وبقيت فى البر وحيداً مضطراً فجئت على عين وتوضأت ثم تضرعت إلى حضرة[2] المجدد رضى الله عنه زمانا حتى رأيته بعين الراس راكباً على فرس عراقى فجاء على رأسي ونادانى قال لى هات بيدك فاخذ بيدى وأردفنى ومضى سريعا حتى وصل إلى القافلة فانزلنى وقال أدخل فى القافلة وغاب

---

[1] حضرت القدس ٢/١٧٦،١٧٧ [2] فى الأصل "حضرت"

عن النظر فدخلت القافلة حامدالله[1] .

منهـا مـاذكره جمع من أصحابه الثقات ثم أهل المقامات أن رجـلا صـالـحـاً من الشرفاء من بلدة أجين ذكر إنى كنت جالساً على دكـان فـإذا أنـا بـرجـل زاهـد يـظهـر عـلى وجهه آثار الرياضة وأنوار الهـداية مـال إلـىّ وسـلّـم علىّ وجلس لدىّ وقال إنى رجل منزو علىّ رأس الـجبـل لاأنـزل مـنـه ولا أخـرج من الخلوة لكنى اليوم خرجت لأجـل رايـحة شـيـخـى وإمـامـى المجدد ولما وصلت إليـک زادتنى تـلـک الـرالـحة فعرفت أنها منک فلعلک أيضا. من أصحابه قدّس سـره فـقـلـت نـعـم أنا أيضاً من مريديه فتذاكرنا من كمالاته وشمائله حتـى أن قـال رأيت منه قدّس سره‘ شيئاً عجبا وهو إنى كنت ليلة بعد الـعشـاء عـلـى بابه قدّس سره‘ وكان هناک رجل من أقربائه فقال لى مـعـى إلـى بيتـى ووافـقـنـى فى العشاء فذهبت معه فإذا هو يشكو عنه قـدس سـره‘ ويـقع فيه وينسب إليه مالا ينبغى حتى أوذيت أذى كثيرا والـطـعـام موضوع بين أيدينا فرأيته تقطع جسده‘ قطعة فقطعة وتفرق أعـضاء ه عضواً عضواً حتى دهشت وفررت من ذلک المقام وجئت إلـى بـاب قـطب الأنام فخرج قدس سره‘ من الباب وأخذ بيدى حتى دخـل بيت ذاک الرجل وأقامنى خارج البيت ومكث ساعة ثم خرج من بابه وإذا الرجل معه صحيح[2] خرج من البيت يشايعه فجاء قدس

---

[1] حضرات القدس ۱۷۷/۲

[2] فى الأصـل حتـى صحيح. ونقطة حتى زائدة ÷: من الكاتب. من المحقق عفى عنه

سره‘ إلى منزله الشريف وأمرني أن لايظهر هذا السر للأجانب[1].

منها ماذكروا أن الشيخ بهاء الدين السرهندي ذكر أني كنت حافظ القرآن في صغر السن وذهب عني وبقي عليّ إسم حافظ القرآن فجئت يوما في شهر رمضان الى حضرة [2] المجدد رضي الله عنه قال لي يا حافظ اقرأ لنا القرآن في التراويح فقلت أنا سيدي ذهب مني الحفظ حتى لاأستطيع على حرف إلاماشاء الله تعالٰى وقال تستطيع ذٰلك فقم في المحراب فقلت يامولانا ليس في وسعي ذلك ثم قال وذٰلك في وسعك فقم بإذن الله فقمت امتثالاً لأمره فرأيتني ببركة نفسه بحراً مواجاحتي قرأت ركعتين أكثر من عشرين جزوا قائما وجلس الناس كلهم غير حضرة المجدد فانه صلّى قائماً[3].

منها ماأورد أن رجلا من أهل الحلب إلتمس من جنابه قدّس سره‘ أن يلقي عليه النسبة القادرية قدّس سره‘ فاستجابه له وقال عليك أن تدخل علينا أياما وتصاحبنا كثيرا حتى تحصل مرادك ففعل ذٰلك ثم إن السالكين الذين كان سلوكهم في الطريقة العلية النقشبندية قدرت [4] نفوسهم تعطل ترقيهم في تلك الأيام وانقبضت بواطنهم بعد أن كانوا في بسط بواطنهم فتحيروا من ذٰلك وعرضوا أحوالهم على حضرة [5] المجدد رضي الله عنهم فتبسّم ضاحكا من

---

[1] حضرات القدس ۲/۱۷۹، ۱۸۰ [2] في الأصل "حضرت" [3] حضرات القدس ۲/۱۸۱، ۱۸۲

[4] قوله قدرت اى فترت. المعجم الوسيط ج۱ ص۶۷۷ [5] في الأصل حضرت

قولهم وقال إن لى فى هذه الايام لأجل تربية هذا السالک توجه الى أسرار السلسلة النسبة القادرية أكثر مما كان فى السلسلة الشريفة النقشبندية حتى تلونت بلون نسبتهم العالية ولذا كان أمركم (كما ترون. ثم رجع الى (حالته[١] الاولى) وتخلع بالنسبة النقشبنديه[١]

وتوجه بحالهم حتى فاض عليهم أسرار ذلک السلسلة الكريمة واستغرقوا فى بحار أنوار تلک النسبة المتعالية[٢]

منها ذكر إنى كنت محموما واشتدت الحمّىٰ اشتدادا عظيما إلى أن ييئسوا[٣] على حياتى وكانوا منتظرين لمماتى مستيقظين فى الليالى فتوجهت إلى حضرة[٤] المجدد رضى الله عنه وعرضت عليه قدّس سره' حاجتى فإذا أنابرجل عظيم عليه رداء طويل أبيض فقال هذا رداء أرسله رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى قطب الوقت ألشيخ أحمد الفاروقى النقشبندى وأنه أرسل إليک ليحصل لک الشفاء منه فالقى علىّ ذلک الرداء عيانا فمددت إليه يدى فلم يقع فى يدى شئ لكن خرج الحمّى وبرد جسدى فَظُنَّ أنه احتضر وأخذوا فى الجذع فقلت أمسكوا عن هذا فقد حصل بكرم الله الشفاء فقمت صحيحاً سالماً[٥]

ومنها ماحكاه أرباب المقامات ان أستاذ السلاطين ميرک شيخ ذكر عند السلطان إنى دخلت بلاد الهند وكان فى صدرى غبارا

---

[١] الالفاظ التى بين القوسين ممحوة فى العكس فزيدت بالتخمين [٢] حضرات القدس ج٢ص١٨٦ [٣] فى الأصل "يئيس" [٤] فى الأصل "حضرت" [٥] حضرات القدس ج٢ص١٩٢

وعداوة من المجدد رضى الله عنه لما إنى قد سمعت أنه كتب فى مكاتيبه مالزم منه فضيلته على ابى بكر ن الصديق الأكبر رضى الله عنه وكذا وكذا فلما دخلت بلدة سرهند لقينى هناك رَجُلٌ كان بينى وبينه معرفة قديمة فرأيته في زى الصلاح وحلية التقوى وكان أوّلاً من اهل الفساد فسالته عن ذلك فقال هذا من بركة صحبة شيخى المجدد للألف الثانى رضى الله عنه فقلت كيف يتصور ذلك من صحبته وهو كذا وكذا فقال لى ويحك [١] تنكر عليه قبل أن تراه وهو اليوم قطب عصره إمام زمانه فقلت لاأراه لما فى قلبى منه غبار فقال لى لابدان تزوره وألح علىّ فقلت اذ وردته أخفى فى صدرى ثلث رموز الاوّل يسمينى باسمى ويذكر أسماء ابائى ألثانى ينبئنى عن الشبهة التى ثبتت فى قلبى منه والثالث أن يذكر من أحوال فلان وسمى شيخا من مشائخ الزمان فجئت منزله ودخلت عليه حصلت فى صدرى عظمة (و [٢]) هيبة وأخذت لى رعشة ودهشة فأجازنى بالجلوس فجلست فأخرج من تحت الوسادة كراسا وأعطانى وقال اقرأه فإذا فيه مكتوبه الذى فيه الشبهة التى حملتنى على الإنكار فطالعت المكتوب من أوله إلى اخره مرة بعد أخرى فما وجدت شيئاً مخالفا للعقائد فالتفت الى وقال يافلان وسمّانى باسم أنت كذا وأبوك فلان وجدُّك فلان وأبوه (فلان [٣]) وسمّاهم

---

[١] قوله ويحك: كلمة رحمة . اصله وَىْ: فوصلت بحاء، مرة، وبلام مرة، وبباء مرة، وبسين مرة، القاموس المحيط ص٢٣٧ [٢] الواؤ ليست فى الأصل [٣] هذا اللفظ ليس فى الأصل

بأسمائهم وذكر من أحوالهم وشمائلهم كثيراً ثم ذكر أحوال ذلك الشيخ فعرفت كماله وقدره عندالله وصرت من أهل الإرادة والتسليم[1] .

منها ماوقع في مقاماته أن رجلاً سالكاً صاحب الوجد والحال ذكر أنه لما اشتهر في الأفاق[2] علو مقاماته وأخبار إرشاده أسرعت إلى بلدته فدخلتها بعد مضى ثلث من الليل ونزلت في مسجد فرأني رجل من أهل المحلة فأدخلني بيته وسألني عن حالي فذكرت فلما سمع اسم المجدد طعن وشنع فانقبضت وهو في ذلك إذظهر رضي الله عنه وفي يده سيف مسلول فضرب عنقه ثم غاب فملئت رعبا و خرجت من هناك مسرعا فأتيته مصبحا فعرفني بالكشف عانقني قال مامضى بالليل لايذكر بالنهار[3] .

منها مانقل أصحاب (المقامات)[4] أن رجلا من أصحابه قال وقعت في بلاد فرونج فكنت يوما في البرية إذ رأني رجل من بعيد مشى إليّ مسرعا وقال إني أجد منك ريح شيخي من أنت ومن شيخك فقلت شيخي المجدد للألف الثاني فقال ذاك شيخي ومرشدي فقلت من أين لك هذه الكرامة قال من بركة صحبته والر[5] فيضه ثم قال إني كنت ليلة في حضرته فقال لي إذهب إلى بستان السلطان هو خارج البلد على قدر ميل وعين لي بعض

---

[1] حضرات القدس ۲/ ۱۸۳، ۱۸۵ [2] في الأصل الوفاق [3] حضرات القدس ۲/ ۱۶۳، ۱۶۴

[4] اللفظ بين القوسين غير مقرو في الأصل كتبته بالتخمين [5] في الأصل فائر

المواضع وقال هناك شجرة كذا وكذا وحول الأشجار رجال من الفقراء وتحت شجرة كذا رجل من أهل الله و وصف لى حليته وقال سلم عليه منى وكَلِّمه حتى يجئ إلىّ فذهبت إلى البستان ودخلت الموضع الذى وصفه لى فإذا فيه رجال [1] من الفقراء والرجل الذى طلبه المجدد متكئى بالشجرة كما قال وإذا صورته كما صورلى فلما رأنى الرجل من بعيد وقال لى أطلبنى الشيخ احمد قطب أقطاب زمانه فأجابنى وسار معى حتى دخلنا عليه وأمرنى المجدد بالقهوة والشاى فجئت به وناولت الفنجان بحضرة [2] المجدد فقال إذهب إلى الضيف فناولته إليه وهو على الجانب الآخر فإذا هو حضرة المجدد فتحيرت ثم جئت بآخر ذهبت به إلى حضرة المجدد فإذا هو الرجل فتحيرت ثم أتيت بآخر فإذا فى جانبى البساط كلاهما حضرة الشيخ وليس هناك الرجل ثم جئت بآخر فإذا على طرفى البساط كلاهما هو الرجل وليس هناك حضرتنا وكلّم الرجل عنده قدس سره، فى حقى وقال إنه أخذ من حضرتكم الطريقة القادرية فينبغى أن تريه الشيخ عبدالقادر الجيلانى فى إمام السلسلة قدس سره، فجاء إلى المسجد وقال أنظر إلى قطب الفلك الشمالى فنظرت فرأيت بعين الرأس رجلا خرج منه فى غاية الحسن واللطافة ونزل علينا وتعانق معه قدس سره فقال لى قدس سره هذا الشيخ المعظم عبدالقادر الجيلانى فأدرِكه قبلت رجله [3] ثم ذهب إلى مكانه [4] قدس الله

---

[1] فى الأصل "رجل" [2] فى الأصل "حضرت" [3] فى الأصل "رجل" [4] فى الأصل "مكان"

تعالى سرهما وفى المقامات مايقرب من هذه الحكاية[١] .

منها ماثبت عنه رضى الله عنه أنه طلب يوماً من السوق مويز العنب لحاجة فتكلّمت[٢] حبات المويز وقالت يا مجدد للألف الثانى إن الله سبحانه أودع فينا الشفاء فأمر قدس سره' أن يحفظوها ويعطوها لمن مرض فحفظوها للمرضىٰ[٣] ومالهم عنه أحد منهم الاشفاه الله تعالىٰ حتى تمت ونفذت[٤] .

منها ماذكر من السيّد سعد الدين الذى هو من إخوان إمام خلفاء المجدد أمير محمد نعمان أنه فتح عليه ببركة صحبته قدّس سره' باب من العلم اللدنى وكوشف عليه أسرار الملكوت وكان يرى من وراء الجدران ويخبر من أحوال أهل البلد ماشاء إلاماشاء الله فبينما يوما يصلى إذخطر بباله أن شيخنا المجدد للألف الثانى وإن كان قطب أوانه لكننى لم أرمنه الكرامات مثل مايذكر من المتقدمين فبمجرد ورود هذه الخطرة القبيحة ستر عنه ماكوشف له وذهب علمه كله من الصدر فتحير من ذٰلك وحزن حزناً عظيماً شديداً قال فعلمت أنه أخذت بتلك الخاطر السوء فأتممت الصلوٰة وجئت إلى حضرة المجدد تعذراً ذٰلك فلمّا رأنى قدس سره' قال أيها الناس إن هذا السيّد صار طالب الكرامة والعبرة عندنا للإستقامة فمن كان مريد الكرامة فليطلب شيخا اخر فتاب السيد وندم فتحح

---

[١] حضرات القدس ٨٨/٢ [٢] فى الأصل "فتكلفت" [٣] فى الأصل "للمرض"

[٤] فى الأصل "لقدت"

عليه ثانيا مما كان أولاً والله أعلم[١] .

ويذكر من بعض إخوانه أنه رأى في بلده كأنّ المشائخ النقشبندية إجتمعوا في مكان عظيم فكأنّ وقت الصلاة فقدموا بعد التامل و[٢] الاجتهاد رجلا عظيما فأمّهم وعرفته فكان صورته متصورا في صدرى فلما دخلت الهند وزرت[٣] المشائخ و تفحصت فإذا الصورة التى انتقشت في صدرى هى صورة المجدد فعلمت أنه هو .

وأحسن منه ماثبت من الأمير الكبير محمد نعمان المبرور أنه رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان معه ابوبكر فقال يا أبابكر قل لولدى محمد نعمان إنّ كل من هو مقبول الشيخ احمد السرهندى فهو مقبولي ومن كان مقبولي فهو مقبول الله ومن كان مردود الشيخ أحمد فهومردودى، ومن كان مردودى فهو مردود الله قال السيّد فقلت في قلبى[٤] ألحمد لله انى مقبول لشيخى فقال صلى الله عليه وسلم وأنت، كذلك قاله للأمير المذكور[٥]

وقال أيضا ورأيت جنة عظيمة في غاية الرفعة ولم ير[٦] مثلها في الدنيا وكأنّ فيها العالمين وكان كلهم منظرون إلى الفوق وفي الفوق امير يأمر[٧] الناس وينهاهم بما شاء وأهل الغرض والفقون

---

[١] حضرات القدس ٢/١٦٣، ١٦٥ [٢] لفظة "و" ليست في الأصل [٣] في الأصل "زارت"

[٤] حضرات القدس ٢/٣٠٦ [٥] اللفظ بين القوسين متروك [٦] في الأصل "لم يرى"

[٧] في الاصل "تأمر"

منتظرون مستشرفون وكان الأمير يتكلم بكلمة واحدة فيأخذ كل الأنام من مطالبهم ويفهمون جميع مآربهم منها فقلت من هذا ونظرت إلى الفوق فكوشف لى أنه هو نائب رسول الله صلى الله عليه وسلم الشيخ أحمد السرهندى قدسنا الله بسره السامى[1]

منها ماروينا فى البرهان الجلى عنه قدس سره، أنه قدس سره، العزيز زار قبر مرتضىٰ خان البخارى فجلس عنده، مدة طويلة فلما قام قيل له فيه قال كان روحه محبوسا محاسبا معاتبا فتوجهت لدفع ذلک وتضرعت إلى حضرة القدس فمازلت[2] متضرعا حتى برئ عنه وخلى سبيله ودخل بعض الكبراء من أصحابه قدس سره بلدة لاهور فوجد ثمه رجلا ثقة صالحاً يقص القصة التى جرت عليه إنى كنت رفيق مرتضى خان مدة وكان بينى بينه عهد أن السابق منا إلى الموت يذكر حاله عند الأخر فى المنام فسبقنى هو فكنت كل ليلة اتطهر وأصلى وأستغفرله وما أرى شيئا ومضى حولين حتى ليلة من الليالى نائما رأيت أنه دخل علىّ مسروراً على هيئة من يخرج من السجن العظيم قلت ماشأنک ولِمَ استطعت على مع ذلک العهد قال ياأخى إنى كنت محبوسا محاسبا إلى هذا اليوم فلما خلصت منه أسرعت إليک وكان سبب خلاصى عنه أنه نزل اليوم علىّ الشيخ أحمد السرهندى فمازال متضرعا إلى الله حتى خلصنى فجئت

---

[1] حضرات القدس ٣١٦/٢

[2] فى الأصل "زالت"

عندک قال صاحب المجدد رضی الله تعالی عنه فاستفسرت عن تاريخ ذلک المنام فإذا هو ذلک اليوم الذی دخل فيه المجدد رضی الله عنه علی قبره وکنت إذ ذاک معه والله سبحانه أعلم بصدق المقال وهو المستغفر فی سائر الأحوال والصلاة والتحية علی أفضل البرية والسلام [1]

منها ما أورد فی مقاماته قدّس سره أنه قال يوما أرئ سنی عمری مثل سنی عمر النبی صلی الله عليه وسلم [2] فلما حان زمانه توجه وتخلص أکثر مما کان واختار الخلوة

قيل له فی ليلة البرأة فی هذه الليلة محيت أسماء بعض من ديوان الأحياء واثبت أسماء اخرين فقال کيف بمن يری اللوح المحفوظ ويری أنه قد محی اسمهٔ من ديوان الأحياء يريد به نفسه [3] فتوفی قبل أن تجئ البراءة الآتية ثم صرح بذلک فقال ظهرلی من حضرة [4] الرسول صلی الله عليه وسلم بشارات عظيمة وعنايات کريمة وشرفت [5] بمقام الشفاعة وراثة منه عليه الصلاة والسلام وکتب لی مثالا ومنشورا متضمنا لکرامات عالية وتشريفات متعالية وقال هذا هو المنشور الأخروی عوض المنشور الدنيوی فودع أصحابه وأهله (فوصی[6]) أخلافهم الکرام التزام الشريعة الکبری

---

[1] البرهان الجلی (المخطوط) ورق ۸۹ب [2] زبدة المقامات ص۲۸۲ [3] (ا) زبدة المقامات ص۲۸۵ (اا) حضرات القدس ۲۰۶/۲ [4] فی الأصل "حضرت" [5] فی الأصل "شرف" [6] الالفاظ التی بین القوسین غير مقروة فی الأصل کتبت بالتخمين المحقق عفی عنه

ومتابعة المصطفى وأوصاهم بمايليق بالمتقين ويحرى وأخرهم ماأوصا[١] لخليفتيه [٢] المكرمين أعنى قدوة أفراد الأمة خازن خزائن الرحمة الشيخ محمد سعيد الذى مقاماته اللطائف المدنية [٣] وقطب العالمين ملاذ العارفين الشيخ محمد معصوم الذى مقاماته يواقيت الحسنات الحرمين [٤] قدّس الله سرهما إنه إذا كوشف لكم من الأسرار أمر يوافق كتاب الله وسنة رسوله فذاك نور وهداية وإن كان مخالفا لهما فظلمة وضلالة فلا ترومواحوله ولوكان مثل فلق الصبح.

قلت هذا منه قدّس سره كان أدبا للشريعة الكبرى وتواضعاً لأمر الله تعالى وإلا لايمكن أن يخالف مكاشفاتهم كتاب الله وسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم

وارتحل رضى الله عنه وهو ابن ثلثة وستين عاما يوم الثلثاء ثامن وعشرين من صفر سنة أربعة [٥] وثلثين بعد الألف من الهجرة نوّر الله مرقده وقد رأى الناس عند ارتحاله وقبله وبعده آيات وكرامات عظيمة

منها قال يوما مُشيرا طرفا من البيت إنى رأيت هناك نوراً عظيما يتلألأ كمثل نور الكعبة الربانية فتحيرت منه فنودى أنه من

---

[١] فى الأصل ماواوساهم لعله من سهو الكاتب [٢] فى الأصل "لخليفه" [٣] اَللّطائف المَدنِيَّةُ قد الّفه الشيخ عبدالاحد وحدت فى حياة أبيه خازن الرحمة الشيخ الخواجه محمد سعيد عليه الرحمة قد طبع بلاهور بتحقيق البر وفيسور محمد اقبال المجددى. وقد طبع عنوان الكتاب "لطائف المدينة" هو خطا والصحيح ماهو مسطور فى متن هذا الكتاب [٤] قد طبع هذا الكتاب باسم بيواقيت الحرمين بتحقيق وتقديم وترجمة فى الارديه من البر فسور محمد اقبال المجددى [٥] فى الأصل "اربعين"

أنوار قلبک قد أودع ههنا ليكون مرقدک فيه فلما توفى واجتمعوا واجتمع الناس فتكلموا فى مكان قبره فاتفق الأمر أن يجعلوا عندالمسجد فجعلوا كذالک فإذا هو المكان الذى عيّن قدّس سره مرقده قبل ذلک بعشر سنين فلما دفن إحمر ذٰلک اليوم أطراف السماء غاية مايكون وقد ثبت أنه قدس سره عقد يساره بيمينه على هيئة الصلاة بعد أن ارتحل فكلما بسطوهما ردهما إلى العقد فلما تكرر ذلک تركوه وهو ذهب فى القبر كذالک

وكان رضى الله عنه يخرج من مرقده أحيانا فى الأسحار والليالى ويراه بعض الأنام ومن عجب أمره أنه كان أحيانا يدخل فى صف الصلاة ويذهل عقول الناس أنه مات فلما قضى الصلوٰة إنتهبوا وأسرعوا إليه فإذا هو قدغاب من أعينهم

قال خلفه الأكبر خازن الرحمة الشيخ محمد سعيد كنت أسكن فى حجرة واقعة عند قبره[1] فى الليالى وهو رضى الله عنه ربما كان يخرج من قبره ويدور فى صحن البيت ويجهر بالقران فكنت لاأتعرض[2] له أدبا حتى أن كنت ليلة هناک إذ خرج رضى الله عنه من روضة وتوجه إلىّ حتى دخل الحجرة فقمت له فأخذ فى حجره وجذبنى وغطّنى ثم ذهب ودخل مكانه العالى ومثل هذا ثبت عن ابن السيّد المعظم أمير نعمان

---

[1] فى الأصل "عند القبره"   [2] فى الأصل "لاتعرض"

وأرخ اصحابه له أكثر من مايتى تاريخ بالعربية والفارسية نظما ونثراً منها هذه العشرة

مرات جمال الله.

أكبر اية من أيات ربه

رفيع المناقب

باعث نجات أبد

أكمل الأفاضل

هو أشرف العالمين

"الموت هو جسر يوصل الحبيب إلى الحبيب

العارف الذى وهب له ربه"

"وارث الرسول

خير المناقب".

الجنة السابعة
فى
ذكر بعض كلماته الطيبة

منها ماذكرناه بعينه، ومنها ماعرّبناه من الفارسية

قال رضى الله عنه: إعلم أن العناية الالٰهية جل سلطانه جذبتنى جذب المرادين أولاً ثم يسّرَتْنى علىّ منازل السلوك ثانيا فوجدت الله سبحانه أولاً عين الأشياء كما قال به أرباب التوحيد الوجودى[1] من متاخرى [2] الصوفية ثم وجدت الله تعالى فى الأشياء من غير حلول وسريان ثم وجدت سبحانه مع الأشياء معية ذاتية ثم رأيته بعد الأشياء ثم قبل الأشياء ثم رأيت الله سبحانه ومارأيته شيئا من الأشياء وهو المعنى التوحيد الشهودى وهو المعبر بالفناء وهو قدم أول يوضع فى الولاية وكمال أسبق يحصل فى البداية وهذه الرؤية فى أىّ مرتبة كانت من المراتب المذكورة تحصل أولاً فى الأفاق وثانياً فى الأنفس ثم ترقيت إلى البقاء الذى هو قدم ثان فى الولاية فرأيت الأشياء ثابتا ووجدت الله تعالٰى عينها بل عين نفسى ثم وجدته تعالٰى فى الأشياء بل فى نفسى ثم وجدته به [3] تعالٰى مع الأشياء بل مع نفسى ثم وجدته سبحانه قبل الأشياء بل قبل نفسى [4] ثم رأيته تعالٰى بعد الأشياء بل بعد نفسى ثم رأيت الأشياء ومارأيت الله تعالٰى أصلا وهى النهاية التى الرجوع إلى البداية والعود إلى

---

[1] فى الأصل "الوجودى التوحيد" [2] فى الأصل "متاخرين" [3] هكذا فى الأصل والعل الصحيح "وجدته تعالى" [4] فى الأصل "قبل الاشياء بل قبل الاشياء بل قبل نفسى". بتكرار "قبل الاشياء"

مرتبة العوام وهذا المقام هو أتم مقامات دعوات الخلق إلى الحق سبحانه وأكمل منازل التكميل والإرشاد وأتم[١] المناسبة إلى الخلق المقتضية لكمال الإفادة والإستفادة ذلک فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذوالفضل العظيم[٢] وكل من الأحوال[٣] المذكورة والكمالات المسطورة حصل لى بل كل منه وصل بطفيل أفضل الأنبياء أكمل البشر عليه وعليهم من الصلوٰة أفضلها ومن التسليمات أكملها.

منها قال قدس سره قال صلى الله عليه وآله وسلم إن الله يبعث على رأس كل مائة سنة من هذه الأمة من[٤] يجددلها دينها[٥] وإن سبحان الله سبحانه ألهمنى أنک مجدد المائة الحادية عشر وكوشف علىّ أنک مجدد الألف الثانى يعنى أن من جاء بعده إلى يوم القيامة إنما يصل الفيض من الحضرة الصمدية جلت عظمته إليه بتوسطه وإن كان من الأقطاب والأوتاد والأبدال أعَلِمُوا أولم يعلموا فليس لأحد يصل إلى الله إلابتوسله إلا فردين عيسى عليه السلام والمهدى الموعود عليه الرضوان فإن عيسى عليه السلام صاحب النبوة ولاتوسط فى طريق النبوة، والمهدى وصوله أيضاً من طريق النبوة لامن طريق الولاية كما فصّل فى موضعه

منها قال قدسنا الله بسره ألحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفٰى إعلم أيها الأخ الصديق أن كلامه سبحانه مع البشر قد تكون

---

[١] هذا اللفظ غير مقرو فى العكس فلهذا كتبت هذا مقامه بالتخمين۔ المحقق عفى عنه

[٣] فى الأصل "الاحوالات" [٤] هذا اللفظ متروک فى الأصل [٥] كنز العمال ٦/٢٣٨

شفاها وذلک لأفراد من الأنبياء عليهم الصلوٰة والتسليمات وقد تکون ذلک لبعض[1] الکمل من متابعيهم بالتبعية والوراثة أيضاً وإذا کثر هذا القسم من الکلام مع أحد منهم سمّی محدثا کما کان أمير المؤمنين عمر رضی الله عنه وهذا غير الإلهام وغير الإلقاء فی الروع وغير الکلام الذی مع الملک إنما يخاطب بهذا الکلام الإنسان الکامل الجامع لعالمی الأمرو الخلق والروح والنفس والعقل والخيال والله يختص برحمته من يشاء والله ذو الفضل العظيم ولايلزم من کون الکلام شفاها أن يکون المتکلم مرئياً للسامع يجوز أن يکون السامع ضعيف البصر لايحتمل شعشان أنواره کما قال عليه وعلی اٰله الصلوٰة والسلام فی جواب سوال الرؤية نورٌ إنی أراه ولأن فی شفاه خرق الحجب الشهودی لاالوجودی فافهم فإن هذه معرفة شريفة قلما تکلم بها أحد. والسلام علی من اتبع الهدی.

حضرت خواجه نقشبند قدس الله تعالی بسره الأقدس فرموده اند که "آئينۂ هريک از مشائخ رادوجهت است وآئينۂ مراشش جهت"[2] ماناکه اين کلمه قدسيه را تا اين زمان هيچ يکے از خلفا اين خانوادۂ بزرگ بيان نکرده است بلکه باشاره ورمز دراں باب سخن نرانده واين قليل البضاعت راچه رسد که درشرح آں اقدام نمايد ودر کشف آں زباں کشايد اما چوں حضرت

---

[1] فی الأصل "البعض" [2] نسحات القدس للشيخ محمد هاشم الکشمي (ترجمة الاردية) ص ۵۴

سبحانه وتعالیٰ بمحض فضلِ خویش سرِ این معمارا برین فقیر حقیر بکشود وحقیقت آن کما ینبغی وانمود بخاطر ریخت که این دُرِّ مکنون را به بنانِ بیان درسلک تحریر کشد وبزبان ترجمان درحیز تقریر در آرد بعد از ادائے. استخاره شروع دران باب نموده آمد والمسئول منه سبحانه العصمة والتوفیق

بایددانست که مراد از آئینه قلبِ عارف است که برزخ است بین الروح والنفس وازدو جهت جهتِ[1] روح وجهتِ نفس مراد داشته اندپس مشائخ را در وقت وصول بمقامِ قلب هردو جهت آن منکشف میگردد وعلوم ومعارف آن هردومقام که مناسبِ قلب است فایض می شود بخلاف طریقے که حضرت خواجه بآن ممتاز اندونهایت دران موطن دربدایت مندرج آئینۂ قلب را دران طریق شش جهت پیدامی شود

بیانش آن ست که بر اکابر این طریقه علیه منکشف گردانیده اندکه هرچه در کلیۂ افرادِ انسانی ثابت است از لطائفِ سته درقلب تنها نیز متحقق است از نفس وقلب وروح وسرّو خفی وأخفی واز شش جهت این شش لطیفه را مراد داشته اندپس سیر سائر مشائخ برظاهرِ قلب است سیر این بزرگوران در باطنِ قلب وباین سیر بأَبْطَنِ بطونِ آن میرسند وعلوم ومعارف این هر شش

---

[1] اللفظ الذی بین القوسین متروک فی الأصل.

لطیفه درمقام قلب منکشف میگردد اما علومے که مناسب مقام قلب اند این است بیانِ کلمۀ قدسیه حضرت خواجه قدس الله تعالی سره العزیز

واین حقیر را درین مقام به برکتِ بزرگواران مزید بر مزید است وتدقیق بعد تحقیق وبحکم کریمه وأما بنعمة ربک فحدث[1] رمزی ازان مزید واشارتے ازان تدقیق می نماید منه سبحانه العصمة والتوفیق

بدانکه قلبِ قلب نیز متضمن لطائف است برقیاس قلب لیکن درقلبِ قلب بواسطۀ تنگی دائره یاسرِّ دیگر دو لطیفه از لطائف سته مذکوره بطریق جزئیت ظاهر نمی شود لطیفه نفس ولطیفه اخفی.

منها قال قدس سره إعلم أن قلب القلب أیضا متضمن للطائف الستة کمافی القلب الأوّل لکن لایظهر فیه لضیق الدائرة أو سر آخر بطریق الجزئیة لطیفتان لطیفة النفس ولطیفة أخفی وکذا الحال فی القلب الذی فی المرتبة الثالثة (إلاأنه لایظهر فیه الخفی أیضا وکذا الحال فی القلب الذی فی المرتبة الرابعة[2]) إلاأنه لا یظهر فیه السر أیضا مع ظهور القلب والروح فیه وفی المرتبةالخامسة لایظهر الروح فیه أیضا. فما بقی إلاقلب محض وبسیط صرف لا إعتبار فیه لشئ أصلا

---

[1] سورة والضحی آیت ١١ [2] العبارة التی بین القوسین متروکة فی الأصل وأضیفت من مبدأ ومعاد المطبوعة بلاهور باکستان. المحقق عفی عنه.

ومما ينبغى أن يعلم ههنا من بعض المعارف العالية يتوسل به إلى ماهو نهاية النهاية وغاية الغاية فأقول بتوفيق الله سبحانه أن جميع ماظهر فى العالم الكبير تفصيلا فهو ظاهر فى العالم الصغير إجمالا ونعنى بالعالم الصغير الإنسان فإذا صقل العالم الصغير ونور ظهر فيه بطريق المِرْآتِيَّة جميع مافى العالم الكبير تفضيلا لأنه بالصقالة والتنوير قداتسع وعائه فزال حكم صغره وكذا الحال فى القلب الذى نسبته مع العالم الصغير كنسبة العالم الصغير مع العالم الكبير من الإجمال والتفصيل فإذا صقل العالم الأصغر الذى هو عالم القلب ذهبت الظلمة[١] الطارية عليه ظهر فيه بطريق المِرْآتِيَّة أيض مافى العالم الصغير تفصيلا وهكذا الحال فى قلب القلب بالنسبة إلى القلب من الإجمال والتفصيل وظهور التفصيل فيه بعد أن كان مجملا بسبب التصفية والنورانية وعلى هذا القياس القلب الذى فى المرتبة الثالثة والقلب الذى فى المرتبة الرابعة فى الإجمال والتفصيل وظهور التفصيل الذى فى المراتب السابقه فيهما بسبب الصقالة والنورانية وكذا القلب الذى فى المرتبة الخامسة فإنه مع بساطته وعدم إعتبار شئ فيه يظهر فيه بعد التصفية الكاملة ماظهر فى جميع العوالم[٢] من العالم الكبير والصغير والأصغر وما بعدها من العوالم كمامرّ فهو الضيق الأوسع والبسيط الأبسط والأقل الأكثر

---

[١] فى الأصل "ظلمة"   [٢] فى الأصل "العوامل"

وما خلق شيء من الأشياء بهذه الصفة وما وجد أحد أشد مناسبة بصانعه تعالى وتقدس من هذه اللطيفة البديعة فلا جرم يظهر فيه من عجائب آيات صانعه سبحانه مالا يظهر في أحد من خلقه ولذا قال تعالى في الحديث لايسعني أرضي ولاسمائي ولكن يسعني قلب العبد المؤمن والعالم الكبير وإن كان أوسع المرايا للظهور الاانّه لكثرته وتفصيله لامناسبة له مع من لاكثرة فيه أصلا ولاتفصيل فيه رأسا والحريّ للمناسبة هو الضيق الأوسع والبسيط الأبسط والأقل الأكثر كما لا يخفى فإذا بلغ العارف الأتم معرفة وأكمل شهودا هذا المقام العزيز وجوده وأشرف رتبة يصير ذلك العارف قطبا لعوالمه كلها والظهورات جميعها وهو المتحقق بالولاية المحمدية والمشرف بالدعوة المصطفوية على صاحبها[١] الصلوٰة والسلام والتحية فالأقطاب والأبدال والأوتاد داخلون تحت دائرة ولايته والأفراد والأحاد وسائر فرق الأولياء مندرجون تحت أنوار هدايته لما هو النائب مناب رسول الله والمهدي بهدى حبيب الله وهذه النسبة الشريفة عزيز وجودها مخصوصة باحاد المرادين ليس للمريد من هذا الكمال[٢] نصيب هذا هو النهاية العظمىٰ والغاية القصوىٰ ليس فوقه كمال ولا أكبر منه نوال لو وجد بعد ألوف سنة مثل هذا العارف لاغتنم وجوده ويسرى بركته إلى مدة مديدة وآجال

---

[١] في الأصل "على صاحب" [٢] في الأصل "الكلام"

متباعدة وهو الذى كلامه دواء ونظره شفاء والحضرة المهدى سيوجد على هذه النسبة الشريفة من هذه الأمة الخيرة ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم.

حصول هذه الدولة القصوى منوط بإتمام طريقى السلوك والجذبة تفصيلا مرتبة بعد مرتبة وإكمال مقام الفناء الأتم والبقاء الأكمل درجة بعد درجة وهذا لاتيسر الابكمال متابعة سيّد المرسلين وحبيب رب العالمين عليه وعلىٰ آله من الصلوات أفضلها ومن التسليمات أكملها. ألحمد لله الذى جعلنا من متابعيه والمسؤل من الله سبحانه كمال متابعته والثبات عليه والإستقامة علي شريعته ويرحم الله عبداً قال امينا وهذه المعارف من الأسرار الدقيقة والرموز الخاصة ماتكلم بها أحد من أكابر الأولياء وما أشار إليها أحدمن أعاظم الأصفياء استاثر الله سبحانه هذا العبد بهذه[١] الأسرار وافشائها بصدقة حبيبه عليه وعلى اله الصلوات والتسليمات ولنعم ما قال فى الشعر الفارسى

اگر بادشه بر در پیرزن + بیاید توای خواجه سبلت مکن

ليس قبوله تعالىٰ معلّلا بشئ ولامسببا بسبب يفعل الله مايشاء ويحكم مايريد والله يختص برحمته من يشاء والله ذو الفضل العظيم وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد وآله وسلّم وبارك

---

[١] فى الأصل "بهذا"

وعلیٰ جميع الأنبياء والمرسلين وعلى الملائكة المقربين وعلیٰ عباد الله الصالحين والسلام على من اتبع الهدى والتزم متابعة المصطفیٰ عليه الصلاة والسلام[١].

منها قال قدس سره السامي قد كشف الله عليّ أنه بعثت الأنبياء والرسل فى الهند وأعلمنى بأسمائهم وأماكنهم والقرى التى بعثوا فيهم عرفنى قبورهم وأرى الأنوار متلالئة عليها وانكشف عليّ أسماء من امن بهم ومقاماتهم[٢] ودرجاتهم فلو أشاء لأذكر كل ذلك قال لاأرى مع نبي من الأنبياء الذين بعثوا هناك أكثر من ثلث فنبي ومعه[٣] واحد ورسول ومعه اثنان ومرسل ومعه ثلثة ونبي وليس معه أحد وهو مات ولم يؤمن به إنسان[٤] .

منها قال رضي الله تبارك وتعالیٰ عنه وكثيرا مايقع العروج فى هذه الأيام فوق العرش المجيد وأول ماوقع العروج فوق[٥] العرش وطويت المسافة رأيت جنة الخلد فيما تحته وخطر بالبال أن أرى مقامات الناس هناك وكوشف لى مقامات بعضهم ورأيتهم فيها على تفاوت درجاتهم مكانا ومكانة شوقاو ذوقا وفى مرة أخرى كوشف لي مقامات المشائخ ومقام أهل البيت ومقام الخلفاء الراشدين ومقام حضرة الخاتمية عليه وعليهم السلام والتحية أى

---

[١] مبداء ومعاد ص١٦ الى ٢٣. المطبوعة بلاهور [٢] فى الأصل "مقاتهم"

[٣] فى الأصل "معهم" [٤] (ا) مكتوبات امام ربانى دفتر اوّل (اا) حضرات القدس ١٠١/٢

[٥] لفظ "فوق" متروك فى الأصل

هناک فوق العرش الأعظم فكذٰلک مقامات سائر الأنبياء ومقامات الملاء الأعلى عليهم السلام فوقه على حسب الدرجات وإنى لما عرج بى فوق العرش وقطعت المسافة مثل مابين مركز الأرض إلى العرش رأيت ههنا[1] مقام خواجه نقشبند ورأيت فوق ذلک قليلا بعض المشائخ منهم الشيخ معروف الكرخى والشيخ أبو سعيد الخراز ورأيت بعض المشائخ فى مقامه (وأما الباقون من المشائخ مقامات بعضهم تحته وبعضهم كانوا فى ذلک المقام وأما تحت ذلک المقام[2]) فالشيخ نجم الدين الكبرى والشيخ علاء الدولة وفوق هذا المقام مقام أئمة أهل البيت وفوق ذلک المقام مقام الخلفاء الراشدين رضوان الله عليهم أجمعين ومقامات سائر الأنبياء وفوقهم على طرف كان مقام نبينا عليه وعليهم السلام وكذلک مقامات الملائكة العالين أطراف أُخَرَ ومقامه صلى الله عليه واله وسلم كان أرفع وأعلى من كلهم واعلم أنى كلما أريد العروج المذكور يتيسرلى وربما يقع عنه من غيرقصد[3] .

منها قال قدس سره' العزيز وأما بنعمة ربک فحدث [4]كنت يوما فى حلقة أصحابى فغلب على خاطرى القصور والنقص حتى ظننت أنى لامناسبة لى مع أهل الكمال وأرباب الأحوال فبينما أنا

---

[1] فى الأصل "مقام هنا" [2] العبارة التى بين القوسين ممحوة فى العكس زيدت بعد الترجمة من المكتوب رقم ٥٣ الدفتر رقم١- المحقق عفى عنه .

[3] المكتوبات المجدديه ١/ ٥٣ . [4] سوره والضحى آيت رقم١١

إذانودى فى سرى أن قد غفرت لك ولمن توسل بك إلىّ بواسط أو بغير واسط الى يوم القيامة وتكرر هذا النداء مرة بعد أخرى بحيث لم يبق للريب[1] فيه مجال والحمد لله على ذٰلك حمدا كثيرا طيباً مباركا عليه كما يحب ربنا ويرضى والصلاة والسلام على سيّدنا محمد واٰله كمايحرى ثم أمرتُ بإفشاء هذه المكاشفة إن ربك واسع المغفرة[2] .

منها قال رضى الله تعالىٰ عنه لما شرفت بصحبة شيخى فى سلسلة خواجها النقشبندية قدّست أرواحهم حصل لى ببركة توجهه[3] الجذبة التى تنشعب بعد الإستهلاك فى صفة القيومية به شرفت بإندارج النهاية فى البداية الذى هو من خصائص هذه السلسلة العلية ثم بعد تحقق هذه الجذبة وحصل لى مراتب السلوك ووصلت النهاية التى هى عبارة عن الوصول إلى الإسم الذى هو ربه بمدد أسد الله الغالب كرّم الله تعالىٰ وجهه ثم وقع الترقى من ذلك المقام إلى القابلية الأولىٰ التى عبارة عن الحقيقة المحمدية على صاحبها الصلوٰة والسلام والتحية بمدد خواجه نقشبند قدّس سره، ثم وقع الترقى منه إلى المقام هو إجمال تلك القابلية وهو مقام الأقطاب المحمدية بمددالروح المقدسة لسيّدى[4] على صاحبها الصلاة

---

[1] فى الأصل "الريب" [2] (١) مبداء ومعاد ص١٠ (١١) حضرات القدس ٢/١٠٣، المطبوعة بلاهور [3] فى الأصل "توجه" [4] فى الأصل "السيّدى"

والسلام والتحية وأثناء ذلك وقع مدد يسير من خواجه علاؤالدين عطّار خليفة حضرة[١] خواجه نقشبند وكان قطب الإرشاد في زمانه فلما وصلت ذلك المقام العالي أعطيت خلعة القطبية من حضرة النبوة وشرفت بهذا المنصب الجليل ثم جذبتني العناية الإلٰهية فعرجتُ منه إلى المقام الأصل الممتزج بالظل الذي هو فوق مقام الأقطاب ومختص بالأفراد تيسر لي هناك فناء وبقاء ثم أدركني العناية الصمدية فأوصلتني إلى الأصل الخاص وفي هذا العروج وقع من الغوث الأعظم الشيخ عبدالقادر الجيلاني قدّس الله سره الأقدس مدد عظيم وتصرف قوى حتى أوصلني إلى مقام أصل الأصل ثم وقع النزول منه إلى العالم ووقت النزول المعبر بالسير عن الله بالله وقع عبوري على مقامات مشائخ السلاسل الأخر وراء النقشبندية والقادرية مثل الأكابر الچشتية والكبروية فاستقبلوني بالإعزاز والإكرام وألقوا[٢] عليّ من نفائس نسبتهم وخصائص مواجيدهم وانكشف لي حقائق كل منها وتفاوت درجاتهم فيما بينهم وكان حصول العلوم الدينية لي من روح الخضر على نبينا وعليه السلام لكن قبل وصولي إلى مقام الأقطاب المذكور سابقا وبعد الوصول إلى ذلك المقام أخذت[٣] العلوم من حقيقة نفسه ليس لغيره أن يدخل فيما بين العارف والمعروف وكل ذلك بطفيل حضرة

---

[١] في الأصل "حضرت"

[٢] في الأصل "القوى"

[٣] في الأصل "اخذ"

الخاتمية وبوراثته العلية عليه وعلى اٰله الصلوٰة والسلام والتحية[١].

منها قال قدس الله روحه إن الله قد كشف عليّ أسماء من يدخل فى سلسلتنا من الرجال والنساء مع أنسابهم وأماكنهم الى يوم القيامة لو أنى أشاء أذكر كلهم

منها قال رضى الله عنه إن الله قد كشف عليّ مشارق الأرض ومغاربها فجعلها كورق مودع بين يدى الناظر

منها قال قدّس سره إن الله أعطانى قوة عظيمة فى أمر الهداية وإنقاذهم[٢] من الضلالة.

منها قال قدسنا الله بسره الأسنى إن الله مثل لى الشريعة الكبرى بصورة قافلة عظيمة وإنها نزلت فى مكانى هذا ثم ألهمت أن هذه القافلة لاتخرج من بيتك إلى يوم القيامة[٣]

منها قال رضى الله عنه حين دخل مقبرة أبيه وتمنى مغفرتهم نوديت أنى رفعت عذاب هذه المقبرة إلى يوم القيامة بقدومك[٤]

منها قال قدّس سرهٗ ظهريوما إمام الأمة أبوحنيفة الكوفى مع أرباب الإجتهاد من مذهبه وبعض الكبار من أساتذته كالنخعى فدخل نوره وأنوار كل أحد منهم فى باطنى وصارت تلك الأنوار أجزاى ثم ظهر بعد ثلثة أيام الإمام الكبير محمد بن إدريس الشافعى مع

---

[١] مبدأ ومعاد ص٣الى ٧ [٢] فى الأصل "انقلهم" [٣] حضرات القدس ٩/٢

[٤] حضرات القدس ٩٣/٢

مجتهدى مذهبه وأساتذته ودخل أنوار كل منهم فىّ تحققت بأنوارهم جميعا ونوديت أن الحق لم يخرج منها إن تركه أبو حنيفه فى موضوع أخذ الشافعى وان كانت الأربع على صراط[١] مستقيم وكوشف علىّ أن أبا حنيفة فى هذا الأمر صاحب الثلثين والشافعى صاحب الثلث وقال فأنا الحنفى[٢] الشافعى[٣]

منها قال رضى الله عنه بشرنى رسول الله صلى الله عليه واله وسلم أن الله يغفر يوم القيامة من شفاعتك ألوفا من الناس

منها قال قدس سره' لما كتبت رسالة العقائد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فى المعاملة وفى يده المباركة تلك الرسالة وهو يقول هكذا ينبغى أن يعتقد وبشرت من حضرة النبوة إنك المجتهد فى علم الكلام فمن ذاك الزمان لى فى كل مسئلة من مسائل ذلك العلم رأى خاص لكنه يطابق فى كلها أو جُلّها مع العلماء الماتريدية[٤]

منها قال قدس سره' يوما زاد[٥] زيارة الكعبة الحسناء بحد لاحد له فإذا أنا بالكعبة المكرمة المعظمة جاء نى طائفة زائرة

منها قال نوّر الله مرقده' كوشف علىّ أن الرحمة الرحمانية التى هى مائة أجزاء فجزء واحد بسطت فى الدنيا والأجزاء الباقية تبسط يوم القيامة يجعل يومئذ بوراثة النبى الكريم صلى الله عليه

---

[١] فى الأصل "صرط" [٢] فى الأصل "الحنيفى" [٣] حضرات القدس ٢/١٠٠،١٠١

[٤] زبدة المقامات ص٢٣٦ [٥] فى الأصل يوما زاد فى اليوم زيارة الخ وفيه تسامح ظاهر

وسلم فى يدى ويكون تلك الأجزاء فى حوالتى فَتُصْرَفُ هناك إلى ماشاء الله من الأولين والأخرين على يدى وانكشف عليّ أن مخزن تلك الخزائن ومستقر تلك الدفائن حرف الهاء التى هى من المقطعات القرانية ولها عينين[1] فعين واحدة منها معدن الرحمة الدنيوية والثانية مهبط الرحمة الأخروية. وكذلك كوشف لى أسرار سائر المقطعات الفرقانية التى هى لب الكمالات وخلاصة الحقائق والمعارف ليس أصحاب[2] تلك المعاملات إلا أرباب النبوة لكن لكمل من صاحب الولاية نصيب منها بطريق الورالة وهم يسمون بالعلماء الراسخين وهم قليلون بل أقلون[3]

منها قال رضى الله عنه إن لمتابعة النبى صلى الله عليه وسلم على ماألهمنى الله على سبع درجات

الدرجة الأولى إتيان الأحكام الشريعة وإتباع السنة السنية بعد تصديق القلب وقبل اطمئنان النفس المنوط بالولاية فكافة (أهل[4]) الاسلام من علماء الظاهر والعُبَّاد والزُّهَّاد والذين لم يبلغوا مرتبة[5] الإطمئنان مشتركون فى هذه الدرجة وكلهم فى هذه المتابعة الصورية متساوون لأن النفس فى هذا المقام لما لم يتخلص من الكفر والإنكار لاجرم تكون هذه الدرجة مخصوصة بصورة المتابعة والمتابعة الصورية موجبة للفلاح ومنجية عن النار والله

---

[1] فى الأصل "عين" بصيغة الوحدان [2] فى الأصل "اصاحب"

[3] حضرات القدس ١٠٩/٢ [4] هذا اللفظ ليس فى الأصل [5] فى الأصل "مراتبة"

سبحانه بكمال رأفته لم يعتمد بإنكار النفس واكتفى بمجرد تصديق القلب.

الدرجة الثانية من المتابعة إتباع أقواله وأفعاله عليه الصلوٰة والسلام المتعلقه بالباطن من تهذيب الأخلاق ودفع رذائل الصفات وإزالة الأمراض الباطنية والعلل المعنوية وهذه الدرجة متعلقة بمقام الطريقة ومخصوصة بأرباب السلوك الذين يأخذون طريقة الصوفية من الشيخ المقتدى ويقطعون مفاوز وبوادى السيرإلى الله تعالىٰ

الدرجة الثالثة من متابعته إتباع أذواقه ومواجيده صلى الله عليه واله وسلم المنوط بالولاية الخاصة وهذه مخصوصة بصاحب الولاية مجذوبا سالكا أوسالكا مجذوبا.

والدرجة الرابعة مرتبة إطمئنان النفس ومقام الإسلام الحقيقى وفى هذه المرتبة يخرج عن صورة المتابعة إلى حقيقة[1] المتابعة وهو نصيب العلماء الراسخين وفى المرتبة الثانية وإن تحقق حظ من إطمئنان النفس بعد تمكن القلب [2] لكن كمال الإطمئنان يحصل ههنا وهى ثمرة كمالات النبوة ويفوز العارف فى هذه المرتبة بفهم أسرار المقطعات القرانية وبتاويل متشابهات الكتاب والسنة ولاتتخيلن أن ذلك مثل تاويل اليد بالقدرة والوجه بالذات وغير

---

[1] فى الأصل "الى الحقيقة" [2] فى الأصل "القلب القلوب"

ذلك مما للعلم الظاهر فيه مدخل بل هو من الأسرار الخاصة وهو بالإصالة حظ الأنبياء عليهم الصلاة والسلام وبتبعيّتهم يفضل من يشاء من الصديقين والأولياء والوصول إلى هذه الدولة ألبتة بطريق الولاية أقرب من الطريق الأخر وهو[١] التزام السنة السنية والإجتناب عن البدعة الغير المرضية رأسا وبالكلية وذٰلك فى هذا الزمان عسير جدا لغلو البدعة وشيوعها وهجران السنة وندرتها

والدرجة الخامسة من المتابعة إتباعه صلى الله عليه وآله وسلم فى الكمالات التى مدخل فى حصولها للعلم والعمل بل حصولها منوط بمجرد الفضل والإحسان الربانى وهذه الدرجة عالية جدا لامساس بالدرجات السابقة بها وهى بالإصالة نصيب أولى العزم من الأنبياء عليهم الصلوٰة والتسليمات وبطفيلهم حظ لبعض الأولياء.

والدرجة السادسة من المتابعة إتباعه عليه أفضل الصلوٰة والسلام فى كمالاته المخصوصة بمقام محبوبيته الخاصة وإفاضة الكمالات[٢] فى هذه المرتبة منوط بمجرد المحبة التى هى فوق الفضل والإحسان وهذه الدرجة وإن كانت بالإصالة مخصوصة به صلى الله عليه وسلم لكن لاحاد من الأولياء أوأقلين من الصديقين حظ منها بطفيله وتبعيته وهذه[٣] الدرجة غير الدرجات الأولى كلها

---

[١] فى الأصل "هم هو" ولعل لفظ هم زائد. [٢] فى الأصل "الكمالاته"

[٣] فى الأصل "هذه الدرجات غير الدرجة الاولىٰ"

منوطة ومربوطة بالعروج والصعود.

والدرجة السابعة من المتابعة متعلقة بالنزول وهذه الدرجة جامعة لجميع الدرجات السابقة لأن فيها تصديق القلب مع تسكينه واطمئنان النفس وتزكيتها واعتدال أجزاء القالب كأنّ الدرجات السابقة بمنزلة الأجزاء لها وهذه كالكل لها وفى هذه المرتبة يشبه التابع بالمتبوع بحيث يتخيل الناظر من بعيد أنهما إتحدا وزال الإمتيازبينهما والتابع الكامل من يتحلى بهذه[1] المراتب السبع رزقنا الله سبحانه إياكم حقيقة اتباعه صلى الله عليه وسلم وعلى سائر من اتبع الهدى والتزم متابعة المصطفٰى عليه وعلى آله وصحبه من الصلاة أفضلها من التحيات أكملها[2] .

منها قال قدست نفسه صنعت يوماً طعاما ووهبت ثوابه لأولادى الذين ماتوا صغارا فرأيت الملائكة يذهبون بموائد النعم ويجمعونها فى روضة من رياض الجنة فلمّا جمعوها جاء أولادى وتناولوها صارت تلك النعم أجزائهم وحصلت بهم قوة واستعداد وترقوا جنتهم إلى الفوق حتى دخلوا جنة رفيعة عالية أعلى من الأولى بمراتب ثم رأيت أن قدوصل من تلك الموايد لجميع أهل الإسلام فمارأيت قبر مؤمن ولامؤمنة فى المشرق والمغرب إلادخل فيه نصيب منها ولم يبق جنة من الجنان إلاعرجت إليها بحظ من تلك

---

[1] فى الأصل "بهذا" [2] مكتوبات امام ربانى ٢/٥٣

الموايد ورأيت قدرفعت منها إلى الملأ الأعلى وقسمت فيهم كذلک وذلک لأنی قلت أوصل الله ثواب هذا إلى أولادی وإلى جميع المؤمنين والمؤمنات والملائكة العالين [1]

منها قال عطّر الله روحه وقع الأخبار إن روح الميت المديون لايعرج به فوق السماء حتى يؤدى دينه ألهم علىّ أن هذا الحكم مخصوص بمن لم يحصل له عروج فی هذه النشأة أما إذاحصل له ههنا عروج وتخلص من التعلقات الدنية الردية لايمنع من العروج [2]

منها قال رضی الله عنه إن نعمائه الأزلية أحاطتنی بحيث لم يبق طريق من طرق سلوک هذه الطائفة العلية إلاقطعته ولا منزلا من منازل سير هذه الجماعة الكريمة إلادخلته حتى ألهمت أنه لم يبق كمال أعطى لنوع البشر إلا أعطيته غير منصب النبوة

منها قال روّح الله سبحانه روحه ويشرح فی العالمين بركاته وفتوحه عرج الله لی بوراثة النبی الكريم عليه الصلاة والسلام والتحية والتسليم مقاما لايعلم شرفه وقدره إلا الله ومن شان ذلک المقام العظيم أن قدر نقطة من ذلک المقام أعظم وأكبر من تمام دائرة الإمكان ای من عالم الأرواح والعرش والكرسی واللوح والقلم وأقطار السموٰت السبع والأرض السبع وما تحتها جملة واحدة وقال

---

[1] حضرات القدس ٢/١٠٩ [2] حضرات القدس ٢/١١٠

فلما وصلت بتلك المرتبه العليا رأيت فى أعلى المجلس وصدر المقام صاحب قاب قوسين أو أدنى وفى سائر الجوانب الرسل الكرام والأنبياء العظام عليه وعليهم الصلاة والسلام وما وجدت فيه من الأولياء إلا أقل قليل لو ذكر عدد هؤلاء لتحير الناس فأدخلنى الله فى تلك الدرجة العظمى ومكنى فيها فله الحمد كما يليق ويحرى

ولقد علموا لمن اشتراه ماله
ولقد علموا لمن اشتراه ماله في الآخرة

خطاگزار ، ٢٢٥

ألجنة الثامنه
فى
ردالشبهات الواردة على كلامه الشريف

إعلم يأخى أن العوام كالأنعام وقعوا فى الكرام والخاصة من الانام حسدا وجهلا من الأول إلى الأخر وبذلوا هممهم فى إبطال حقائقهم ومعارفهم يريدون ليطفئوا نور الله بأفواههم والله متم نوره ولو كره المشركون [١] . الحاصل التنازع بين العامة والخاصة وبين أرباب الظاهر وأصحاب الباطن كمثل النور والظلمة باق ابدا هؤلاء لايتناهون عن هذا المنكر وتلك الفئة العالية لاينالون من عدو نيلا [٢] ولا يخافون لومة لائم سنة الله التى [٣] قد خلت فى عباده وخسر هنالك المبطلون لكن لما كان نصرة أهل الله فى الحقيقة نصرة الله ونصرة رسوله لابدلكل مسلم صالح أن يسعى فى ذلك فيفوز بذلك فوزاً عظيما لقوله تعالىٰ ولينصرن الله من ينصره، ورسله بالغيب [٤]

وليعلم أن أصحاب المجدد رضى الله عنه أجابوا عن جميع شبهاتهم وردوا عليهم مفاسدهم وإنى لأذكر هنا منها لنيل السعادة

فمن شبهاتهم إنه قدس سره فضل نفسه على النبى الكريم صلى الله عليه وآله وسلم وذلك أنه كتب أن الولاية الأحمدية

---

[١] سورة الصف رقم ٨

[٢] العبارة بين القوسين ليست فى الأصل

[٣] لفظة "قد" ليست فى الأصل

[٤] سورة الحج آية رقم ٤٠

افضل وأقرب إلى الذات من الولاية المحمدية وأراد بالأولى ولاية نفسه والثانية ولايته صلى الله عليه وآله وسلم

قلت سبحانك هذا بهتان عظيم[1] وذلك لأنه أراد بالولايتين ولايتي النبي الكريم لاما قالوا لأنه صرّح في مكاتيبه بأن لنبينا ولايتين أحدهما تناسب الملك والثاني تناسب الملكوت[2] الأولى يسمّى بالمحمدية والثاني بالأحمدية وهو أقرب إلى حضرة القدس من الأولى فثبت أن لبعض كمالاته تفضلا على كمالاته الأخرى فبطل ما قالوا والحمد (لله[3])

ثم اعلم أن من طالع مكاتيبه العلية لايتصور أن ينسب هذه الضربة (اليه[4]) لأنه قدّس سره كتب في غير موضع

منها إن حقيقته[5] عليه السلام كل وحقائق جميع العالمين أجزاء ولاية نبيه

وكتب في المبدأ والمعاد[6] أن ولاية الولي جزء من أجزاء ولاية نبيه كلما ازداد الولي كمالا فذلك الكمال أولاً بالذات ثابت للنبي وهو كما قالوا الكل أعظم من الجزء بديهي لأن الكل عبارة عن جميع الأجزاء فإن أعظم الجزء فهو داخل في الكل[7]

ومنها ما قالوا إنه يقول بتفضيله على سيدنا أبي بكر ن الصديق لأنه كتب أنّي عرجت مقام كذا ثم كذا حتى قال عرجت

---

[1] سورة النور رقم ١٦ [2] في الأصل "المكوت" [3] لفظ "لله" ليس في الأصل

[4] اللفظ بين القوس ليس في الأصل [5] في الأصل "حقيقت" [6] في الأصل "المعاد"

[7] مبدأ ومعاد ص ۴۷ مطبوعه لاهور

مقام أبی بکر الصدیق رضی الله عنه ثم عرجت علی مقام فوق مقام الصدیق ولم ینسب ذلک إلی أحد فدل علی أنه عین ذلک لنفسه فلزم التفضیل [١]

قلت هذا أیضاً بهتان وجهل عن اصطلاح القوم وغفلة عن مقالاتهم فإن السیر فی المقام لایستلزم أن یکون ذلک المقام له فإن الأصاغر یدخلون علی الأکابر ویتنعمون معهم بطفیل ولا یلزم المساواة [٢] أصلا. قال إمام [٣] العرفاء خواجه نقشبند سرت فی مقامات الأولیاء الکرام مثل الشیخ أبی یزید البسطامی والشیخ جنید ثم سرت فی مقامات الأنبیاء علیهم السلام حتی وصلت مقام حضرة [٤] الخاتمیة علی مصدرها السلام والتحیة فتأدبت وما دخلت حتی أدخلونی فیه لأدبی معه صلی الله علیه واله وسلم وذلک بوراثته علیه الصلاة والسلام [٥]

قال رضی الله عنه فی جواب السلطان جهانگیر حین سأله عن هذا أیها السلطان إذا طلبت أحدا من الخدّام [٦] قریبا من حضرتک فوق الأمراء والکبار من معرفتک فقام بین یدیک ما

---

[١] من اراد ان یعلم حقیقة هذا الاعتراض فلینظر الی مکتوب رقم ١١ من الدفتر الاوّل من مکاتیبه الشریفة. تنبیه: کتب المجدد قدس سره هذا المکتوب الی شیخه الخواجه باقی بالله رحمه الله ان کان فیه شائبة تفضیل المجدد نفسه علی الصدیق الاکبر لاصلحه مرشده الکریم ومن الممتنعات ان یکون شیخه ساکتا فی هذا الباب. لانه زندقة بالصراحة. المحقق عفی عنه. [٢] فی الأصل "المساوات" [٣] فی الأصل "الامام"

[٤] فی الأصل "حضرت" [٥] حضرات القدس ج٢ ص١٣٢ [٦] فی الأصل "الخادم"

دمت تخاطبه فإذا فرغت من الأمر ذهب إلى مكانه فكذا أحوال الأولياء يعرجون من مقاماتهم إلى المقام الفوقاني[١] لبعض الأمور فسكت السلطان

ثم ليعلم أن المقام الفوقاني الذى لم ينسبه قدس سره إلى أحد هو مقام النبى فى الحقيقة لأنه كتب فى موضع أخران (ارفع المقامات) [٢] مقام لبينا صلى الله عليه واله وسلم ولايضر عدم التصريح بها فى هذا المكتوب لأنه كان فى صدد ذكر مقام النبى من حيث النبوة فارتفع الشبهات بحذا فيرها والحمد لله

منها مايقولون إنه كتب أن حقيقة الكعبة الحسناء فوق الحقيقة المحمدية وقد انعقد الإجماع أنه عليه السلام أفضل المخلوقات وقوله ذلك يهدم ذلك الإجماع

قلت قد حلّ هذه الشبهة من كلام خلفه المكرم قطب الطريقة والحقيقة الشيخ محمد سعيد مدظله فلا تخفى مافيه قال قدّس سره

الحمد لله العليّ الأعلى والصلاة على رسوله محمد صلى الله عليه وسلم كما يحب ربنا [٣] ويرضى وعلى اله وأصحابه كما يليق بعلو شأنهم ويحرىٰ

أما بعد فقد توّهم بعض الناس من كلام شيخنا وإما منا إمام

---

[١] فى الأصل "الفوقانية" [٢] الالفاظ فى هذا المقام مطموسة غير مقروة لهذا زيدت بين القوسين بالتخمين. المحقق عفى عنه [٣] لفظ ربنا ليس فى الأصل اضيف من المكتوبات السعيدية

المحققين الشيخ أحمد رضى الله تعالىٰ عنه الواقع فى بعض مصنفاته أن حقيقة الكعبة الربانية فوق الحقيقة المحمدية أن الكعبة المعظمة أفضل من نبينا سيّد المرسلين حبيب رب العالمين صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله وسلم والحال أنه عليه الصلوٰة والسلام أفضل المخلوقات وأشرف البريات

قلت وبالله العصمة والتوفيق وبيده أزمة التحقيق إن ذٰلك التوهم إنما نشأ من لفظ الحقيقة على ذات الشي وشخصه وهو مبنى على الجهل عن إصطلاح هذه الطائفة العلية وعدم الإطلاع على حقيقة كلام شيخنا رضى الله تعالىٰ عنه

وكم من عائب قولاصحيحا وآفته من الفهم السقيم[1]

فإن حقيقة الشئ عندهم إسم إلٰهى هو مبدأ تعين ذلك الشئ ووجوده كالظل والعكس لذٰلك الإسم والإسم واسطة الفيوض من حضرة[2] القدسية إلى ذٰلك الشئ كما أن الشان الذاتى واسطة بين ذلك الإسم المقدس وبين الذات المنزه العلىّ جل شانه وعزّ برهانه على ماجرت عليه العادة الإلٰهية من توسط الوسائط ورعاية المناسبات بين المفيض والمستفيض

قال الشيخ بن العربى[3] قدّس سره، فى رسالة القدس إن الأكوان ظلال الأسماء الإلٰهية والأسماء ظلال الشيون الذاتية

---

[1] لفظ السقيم "متروك" فى الأصل [2] فى الأصل "حضرت" [3] قوله بن العربى هكذا فى الأصل والصحيح ابن عربى. المحقق عفى عنه.

فلما تمهد هذا فاعلم أن لنبينا صلى الله عليه وعلى آله وسلم بحسب تقلبه فى أطواره وأنواره كمالات لاتحصى ومقامات لاتستقصى فله عليه السلام بإعتبار هذا الوجود[١] العنصرى وإرشاده لهذا العالم الظلمانى إسم مبارك محمد ناش من حقيقته وإسم إلٰهى يناسب تربية هذا العالم السفلى المسمّى بالحقيقة المحمدية وله صلى الله عليه وسلم بإعتبار وجوده الروحانى المربى لعالم الملكوت النورانى إسم أخر مكرم هو أحمد ناش عن شأن إلٰهى هو مبدأ وأصل الحقيقة المحمدية يناسب تربية ذٰلك العالم العلوى مسمّى بالحقيقة الأحمدية المعبر ة بحقيقة الكعبة الربانية وله عليه أفضل الصلٰوة والتسليمات وراء هذين التعينين اللذين هى كالأجساد الطبعية له عليه السلام عروجات لاتعد وأسرار لاتنفد وإليها يشير قوله عليه السلام لى مع الله وقت لايسعنى فيه ملك مقرب ولانبى مرسل وبها يؤمى قوله تعالٰى فكان قاب قوسين أو أدنى[٢] وهذه ثمرة السر الإصطفائى والمحبوبية الصرفة وهى مناط الفضل ومدار التفوق

فثبت أن التفوق إنما هو لبعض كمالاته عليه السلام على بعض وإن حقيقة الكعبة الحسناء بعض من حقائقه السامية العالية وجزء من حقيقته الجامعة المباركة فبطل توهم التفوق واضمحل

---

[١] فى الأصل "الوجودى"
[٢] سورة النجم آية رقم ٩

حديث الأفضلية هذا الذى ذكرناه نبذ مما حققه [١] شيخنا وإما منا فى جواب سائل عنه هذا السؤال فى المكتوب التاسع بعد المائتين من المجلد الأوّل من مجلدات مكاتيبه الشريفة .

ثم اعلم أن لفظة الحقيقة المحمدية فى عبارات شيخنا وإمامنا الواقعة فى تصانيفه الشريفة على معان مختلفة وأنحاء شتى فمتى قوبلت بالحقيقة الأحمدية والكعبة الربانية يراد بها الإسم الإلٰهى الجامع الذى يناسب تربية العالم السفلى ومتى قوبلت بالحقيقة الإلٰهية يراد بها الشأن الذاتى الجامع الذى يتولى تربية العالم العلوى وهو حاو على جميع الشيونات الذاتية وأصل ومبدأ للإسم الجامع المتضمن بجميع الأشياء فيكون هذا الشأن كُلاّ لسائر الحقائق وهى أبعاضه وأجزاءه وهى المعبرة بحقيقة الحقائق وهى حقيقته التى لا واسطة بينها وبين الذات المقدسة كما ذكره رضى الله تعالى عنه فى اخر مكتوب له قبيل وصاله بأيام أن الحقيقة المحمدية فوق جميع الحقائق وذكر فى مكتوب اخر [٢] أن الحقيقة المحمدية كما تفوق وتفضل على كل الحقائق من حيث الكل كذلك تفوق وتفضل على كل الحقائق من حيث كلّ سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين [٣] .

---

[١] فى الأصل "حقيقه" [٢] المكتوبات السعيدية رقم ٦٨ ومن شاء التفصيل فلينظر الى المكتوب المذكور من مكتوبات امام ربانى قدس سره'. [٣] سورة الصٰفّٰت رقم ١٨٢،١٨١،١٨٠

منها ما يقولون إن قوله حصلت مقام الخلة لنبينا من وساطتى وما كان ذٰلك حاصلاً له قبله

قلت هذا أيضاً كذب لأنه لم يقل هكذا بل تصدى فى الحقيقة لتفسير قوله تعالىٰ يا أيها الذين اٰمنوا صلوا عليه وسلّموا تسليما [۱] وقوله عليه الصلوٰة والسلام إذا صليتم علىّ فقولوا أللهم صل على محمدن النبى وعلىٰ اٰل محمد كما صلّيت على إبراهيم الخ

وحاصل ماقال قدس سرہ إن الله إتخذ إبراهيم خليلاً واتخذ نبينا حبيبا والمحبوبية وإن كانت أفضل من الخلة لكنهما جنسين فأراد سبحانه أن يعطى حبيبه الخلة أيضاً فأمره أن يتبع ملة الخليل وأمر أمته أن يصلوا عليه أى يطلبونه ذلك المقام ويقولوا أللهم صل على محمد مثل صلوٰتك على إبراهيم ورعاية الأسباب من حكمة الله وسنة الله وخلقه ومن هذا القبيل قوله تعالىٰ قل ربّ زدنى علما [۲] وقوله عليه الصلاة والسلام سلوا الله لى الوسيلة فلا يبعد أن يعطيه هذه المنزلة بدعاء أمته أو يزيد فى تلك المرتبة ومثله كمثل أمير أمر لخازنه أن يصرف ماله إلى بعض الأجناس النفيسة والخلعات البهية فجعل كذلك ولبس الأمير من تلك الخلعات العلية فازداد حسناً وأبهة ففى هذا لايقال إن الخازن أعطى السلطان عطاء لم يكن

---

[۱] سورة الاحزاب اية رقم ۵۶ [۲] سورة طه اية رقم ۱۱۴

عنده بل کل ذلک من خزائنه ولا یزید علی أنه خدمه وأحسن خدمته وفی جمیع الأحوال هو خادمه وتابعه ومحتاج إلی حضرته هذا هو الأمر المحقق وما یتوهم خلاف ذلک فیصر إلیه[1]

ولیعلم أن میدان العبارة بنسبة جولان المعانی وسعة الحقائق ضیق وهو مراة[2] الصورة ولإحاطة کمالات الحقیقة قاصرة فیمکن أن یقع فیه تقصیر اوتغییر علی أن أرباب المشاهدة والمعاینة ربما یسکرون ویمثلون من کأس الحبیب فلایمیزون بین کذا وکذا عذرهم سکرحالهم ولا عذر لغیرهم من أهل الصحو وحالهم یشابه بحال الواجد راحلته فی البیداء وهو ماروی قوله علیه الصلوٰة والسلام قال الله أشد فرحاً من الواجد راحلته فیقول اللهم أنت عبدی وأنا ربک فکما هو معذور فی مقاله ذلک فلذلک هؤلاء وذلک لأن المیزان المتمیز سقط من أیدیهم فی غایة السکر الناشی من فرح المشاهدة أو غلبة الشوق الم تر إلی سیدنا موسی حیث قال رب أرنی أنظر إلیک[3] فبعد ماقیل له ماقیل ورجع عن[4] إلی تبت

---

[1] مکتوبات امام ربانی ٢ / ٩٣ [2] فی الأصل "مرات" [3] سورة الاعراف اية رقم ١٤٣

[4] العبارة التی بعد لفظ "عن" ثلاثه سطور تقریبا منها ممحوة ومطموسة وغیر مقروءه فی العکس ماستطعت أن اقراها کاملا مع السعی البلیغ منی. ولهذا ترکت بیاضا فی بعض المقامات ومالی وسیلة ان اصل بها إلی اصل المخطوط الذی محفوظ فی الجامعة الاسلامیة علی گر (الهند) وأفوض هذا المقام إلی المحققین الذین یعملون علی هذا المخطوط بعدی. المحقق عفی عنه.

إليك مطالب قال

إنى كتبت فى رد شبهة الحاسدين رسالة أنيقة

فى هذا الباب

.... بسم الله الرحمٰن الرحيم .... إن من جميع ما ذكروا من عبارته قدس سره فى أسرار المحبة والخلة إما لزوم .... النبى ﷺ من غيره أو لزوم الفضل الجزئى والمفروض الفضل الكلى عبارة .... فتكلم فى جميع ذلك أما لزوم الاولين فلئن سلمناه .... فلا يضر عقلا ونقلا. أما عقلا بأن أحدا من أرباب العقل لايستنكف من خدمة الخادم والغلمان للمولى ولايستبعد إعانة الجنود والعساكر فى المهمات والمهالك للإمراء والسلاطين فى الدنيا وبل لافى الأخرة ألم تران المقربين يمرون عن الصراط بإعانة الضحايا ذكر السيوطى عن الفردوس أنه عليه الصلاة والسلام قال استفرهوا ضحايا كم فإنها مطاياكم على الصراط أما نقلا فلقوله تعالى هو الذى أيدك بنصره وبالمؤمنين [١] وقوله سبحانه وشاورهم فى الأمر [٢] وقوله تبارك وتعاظم ياأيها النبى حسبك الله ومن اتبعك من المؤمنين [٣] نزل حين أسلم عمر رضى الله عنه على ماقالوا وقوله عز من قائل كريمة إن الله وملائكته يصلون على النبى ياأيها الذين امنوا صلّوا عليه وسلموا تسليما [٤] اللهم صل على

---

[١] الأنفال ٦٢ فى الأصل هو الذى بنصره ايدك والمؤمنين وهو غلط [٢] آل عمران ١٥٩ وفى الأصل "فى الامور" وهو غلط [٣] الأنفال ٦٤ [٤] الأحزاب ٥٦

محمد وسلم عليه واله كما تحب وترضى ولقوله عليه الصلاة والسلام لعمر حين استاذن فى العمرة أشركنا يا أخى فى دعائك ولاتنسنا قال فقال كلمة مايسرنى أن لى الدنيا رواه أبو داؤد والترمذى وانتهت روايته عند قوله ولاتنسنا [۱] وقوله صلى الله عليه وسلم سلوا الله لى الوسيلة أعلى درجة فى الجنة لاينا لها الإرجل واحد وأرجو أن أكون أنا هو رواه الترمذى [۲] وقوله صلوات الله وسلامه عليه اذا صلّيتم فقولوا أللهم صل على محمد ن النبى الأمى وعلى ال محمد إلى آخره رواه أحمد وابن حبان والحاكم [۳]

وها أنا لنسمعك من الروايات الصحيحة من الكتب المعتبرة مايفيد فى هذا المقام جدا

منها قال فى الهداية

والطاهر من الذنوب لايستغى عن الدعاء كالنبى والصبى [۴]

منها ما قال فى بحر الرائق

قال وفى منية المصلى وروى عن بعض المشائخ أنه قال ولا يقول ارحم محمد اذكر وأكثر المشائخ على أنه يقوله للتوارث وقال السرخسى لابأس به لان الأثر وردبه من طريق أبى هريرة وابن عباس رضى الله عنهم ولأن أحدا وإن جل قدره لايستغنى عن رحمة الله وصححه الشارح [۵] أى المحقق الزيلعى

---

[۱] مشكوة المصابيح ص ۱۹۵ [۲] (I) ترمذى ج ص (II) شرح معانى الاثار ص ۱۰۸ (III) مشكوة المصابيح ص ۶۴ (IV) جامع صغير مع فيض القدير ج۲ ص ۱۰۹

[۳] (I) مسند احمد (II) ابن حبان (III) المستدرک ج ۱ ص ۲۶۸ (IV) الفتح الربانى ج۴ ص ۲۰

[۴] الهدايه ج ۱ ص ۹۳

[۵] البحر الرائق ج ۱ ص ۳۳۸

ومنها قال العلامة العلقمي في الكواكب المنير شرح الجامع الصغير [1] .

قوله عليه الصلاة والسلام ثم سلوا الله لي الوسيلة قال القرطبي قال ذٰلك قبل أن يوحى إليه أنه صاحبها ومع ذٰلك فلابد من الدعاء بها فإن الله يزيده بكثرة دعاء أمته رفعة كما زاده بصلوٰتهم ثم أنه يرجع ذٰلك عليهم بنيل الأجور ووجوب شفاعته.

منها قال العلامة المذكور في موضع اخر من كتابه المذكور

قال في النهاية معني قوله صلي الله علي محمد عظمه في الدنيا بإعلاء ذكره وإظهار دعوته وإبقاء شريعته وفي الأخرة بتشفيعه في أمته وتضعيف أجره ومثوبته [2] .

فإن قلت أليس الله تعالىٰ قد أوجب هذه الأمور كلها لنبيه صلى الله عليه وسلم فما فائدة دعائنا وسؤ النااله ذٰلك

قلت الجواب من وجوه أحدها أن يكون بعض هذه المذكورات على درجات ومراتب فيجوز إذا صلّى عليه اخر من أمته أن يزداد النبي صلى الله عليه وسلم بذٰلك الدعاء في كل شئ من تلك المراتب والدرجات ولهذا كانت الصلوٰة مما تقصد بها قضاء حقه ويتقرب بأكثرها إلى الله تعالىٰ ولا بعد ولا إستحالة في أن الله تعالىٰ يزيد في درجات النبي ويعاليه بصلوٰة الصالحين وملائكته

---

[1] هكذا في الأصل والصحيح الكوكب المنير شرح الجامع الصغير. هو شرح لشمس الدين محمد بن علقمي تلميذ العلامة السيوطي رحمهما الله في مجلدين. كذا في كشف الظنون ج١ص٤٣٢

[2] النهايه ج ٢ ص ٣٨

ويضاعف بدعائهم وسؤالهم في ثوابه وأعلى مراتبه عليه السلام فإن الصفات الإلٰهية غير متناهية ولا قابلية للنقص والتقلل

منها قال المحقق ابن حجر المكي في شرح على المشكوٰة

وقع خلاف بين المتأخرين من الشافعية هل يسوغ الدعاء له صلى الله عليه وآله وسلم بنحو أللهم اجعل ثواب ما قرأناه زيادة في شرفه فمنعه بعضهم معللا بأنه صلى الله عليه وآله وسلم كامل الشرف فلايحتاج إلى الدعاء له بذلك ولأن طلب الزيادة ربما أوهم النقص وسوغه بعضهم وهو الأصح كما بسطت الكلام عليه وحققته[1] في ألفتاوى [2] طويل ومختصر وهما مستطران في الفتاوى فلينظر هما من أراد تحقيق ذلك وحاصله ماعلل به الأولون ممنوع بل عجيب لأنه صلى الله عليه وآله وسلم لم ينته إلى حد لايزيد عليه بل هو دائم الترقي حتى يوم القيامة وما بعدها بدليل أنه لما يسجد تحت العرش بطلب الشفاعة العظمٰى بفصل القضاء حين تلجأ إليه أهل الموقف بعد يأسهم من المرسلين يلهم الثناء على الله (تعالى الذي [3]) لم يلهمها قبل ذلك كما في الحديث الصحيح وزعم أن طلب الزيادة يوهم النقص باطل كيف والسنة للحجاج عند رؤية الكعبة المشرفة أللهم زد هذا البيت تشريفا وتكريما يؤمونه [4] وقد قال النووي فزاده

---

[1] في الأصل "حقيته"

[2] في الأصل "افتائن"

[3] العبارة التي بين القوسين زيدت بالتخمين لأن العبادة في الأصل ممحوة.

[4] في الأصل "يوميانه"

فضلاً وشرفا لديه وأيضا فكل من أثيب من الله على طاعته يكون لعله مثله وبعلم معلمه مثلها وهكذا مع التضعيف فى كل مرتبة إلى أن ينتهى الأمر إليه صلى الله عليه وسلم من طاعات أمته من زيادة [١] الثواب مالايعلم إلاالله فقول الداعى إجعل ثواب ما قرأنا زيادة فى شرفه موافقا للواقع بحسب ماتقرر فكيف يقال بمنعه إنتهٰى

ويؤيده هذا اللفظ المقال ما قال صاحب الفتوحات فى الباب التاسع والخمسين والخمس ماية نال محمد صلى الله عليه والہٖ وسلم الخلة والوسيلة بدعاء أمته ولذٰلک أمر بالصلوٰة عليه كلما صلى [٢] وأمرهم أن يسألوا الوسيلة انتهى. قلت وناهيک بهٰؤلاء أسوة

أما لزوم [٣] الفضل الجزئى فلو سلمنا فلايضر أيضا لأن الطبع السليم والعقل المستقيم لايستبعد ذٰلک قطعا فإن من البداهة أن لكل صاحب صنعة فضل على غيره من ليست عنده تلک الصنعة من ذٰلک الوجه وإن كان لذٰلک الغير عليه فضل عظيم بوجوه كثيرة وهو كما ترى ثابت لكل حائک وحجام على كل فاضل علامة فإن فضله عند فضائله كالهباء المنثور وكالقطرة من البحور

وأما من حيث النقل فما تقرر فى كتب الأئمة الأربعة وثبت فى مؤلفات عقائدهم من جواز الفضل الجزئى للولى على النبى وإن أردت تبيين المقام وتفصيل الكلام فعليک بمطولات الفن ولنذكر

---

[١] فى الأصل الزيادة [٢] فى الأصل "صلى عليه" [٣] فى الأصل لزم بدون الواو

شیئاً من ذٰلک

قال فی الجواهر المنظومة شرح فقه الأکبر للإمام الأعظم رضی الله عنه سأل رجل عن أبی حنیفة هل یجوز أن یعلم النبی من العلوم والمعارف مالایعلمه الرسل وهل یحصل للولی من المزایا والمعارف مالایحصل للنبی فأجاب عنه رضوان الله علیه ألفضل ثابت للرسل [1] علی الأنبیاء علیهم السلام والأنبیاء علی من سواهم ولایصل أحد من الأنبیاء مرتبة أحد من المرسلین علیهم السلام ولایصل أحد من الأولیاء مرتبة أحد الأنبیاء لکن لامناقشة فی الفضل الجزئی انتهی

منها قال الآمدی فی ابدائع یجوز فضل الجزئ للولی علی النبی

منها قال ابو السعید فی تفسیره یجوز فضل المفضول علی الأفضل جزئیا.

منها قال فی موضع اخر فی تفسیره المذکور وکفی بهم (ای[2])الشهداء شرفاً أن لم یجئ إطلاق الأموات علیهم وقد جاء ذٰلک الإطلاق علی الأنبیاء علیهم الصلٰوت والتسلیمات.

منها قال الطیبی فی شرح قوله صلی الله علیه وسلم المتحابون فی جلالی لهم منابر من نور یغبطهم النبیّون والشهداء یغبطهم من یتحلی به الإنسان من علم أو عمل فإن له عند الله منزلة لایشارک فیها صاحبه احد من لم یتصف ذلک وإن کان له من نوع

---

[1] فی الأصل "للمرسل"

[2] هذا اللفظ لیس فی الأصل

اخر ماهو أخير عنه[1] قدراً أوأعلى[2] شأنا فربما يتمنىٰ ويغبط أن يكون له مثل ذلك مضموما إلى مراتبه الرفيعة[3] .

ولايلزم حينئذ تفضيل المتجابين على الأنبياء

منها ما أشار إليه المحقق الدوانى فى شرح العقائد من جواز فضل للمفضول على الفاضل بالفضل الجزئ

منها ما وقع فى حواشى التجريد نقلا عن الصديق الأكبر رضى الله عنه فى حق الإمام المهدى رضوان الله عليه هو يفضل بعض النبيين أى فضلاً جزئياً وأما إدعاء لزوم الفضل الكلى نعوذ بالله من ذلك فمردود باطل لايتصدى له إلا جاهل لانا نقول[4] هذا المعنىٰ إما مفاد من صريح العبارة أويلزم ذلك منها على زعمهم أما الاوّل فبديهى البطلان لأن الصريح مالايحتمل غيره ليس فليس أما الثانى فذلك أيضاً باطل بوجوه أما الأول فبعد الليتا والتى[5] إحتمال اللفظ ذٰلك وغيره فإذا جاء الإحتمال بطل الإستدال وأما ثانياً فلإظهار المتكلم مراده خلاف ذلك غير مرة تقريرا وتحريرا واستنكافه واستغفاره مما يوهم خلاف الشريعة عن العبارة تواضعا لله

---

[1] فى الأصل "عن" [2] فى الأصل "على" [3] عبارة النسخة المطبوعة فى فيمايلى قوله يغبطهم "كل مايتحلىٰ بالانسان ويتعاطاه من علم وعمل فان له عندالله تعالىٰ منزلة لايشارك فيها صاحبه من لم يتصف بذلك وان كل له من نوع اخر ماهو أقدرو أعز ذخرا فيغبطه بان يتمنى ويحب ان يكون له مثل ذلك مضموما الى ماله من المراتب الرفيعة والمنازل الشريفة الطيبى شرح مشكوٰة المصابيح ج ١٠ص ٣٢٠٢. [4] فى الأصل "لانقول"
[5] قوله بعد الليتا والتى اى بعد المصيبة والمشقة (لغت نامه ده خدا)

ورسوله عليه الصلاة والسلام ووصيته أصحابه وأخلافه طول حياته وحين جاد بنفسه بالشريعة الكبرئ والحث عليها قال خلفه المعظم الشيخ محمد سعيد "أيها الناس ! اخر كلام فارقت والدى عليه أن قال لى ولأخى الشيخ محمد معصوم قدّس سرهم عليكم بالشريعة المطهرة عضوا بالنواجد ولوظهر خلافها مثل فلق الصبح فإنه أظلم من الليل ثم فارق الدنيا على ذلك". فالمتكلم أحق بمرامه ولاعبرة بما يحتمل غيره شرعا وعرفا بل يجب على المفتى حمل الكلام على أحسن الوجوه من غير إظهار المتكلم مراده بل وإن قال المتكلم إنى لم أُرد ذلك الوجه كما ذكره فى الفتاوى فكيف إذا ظهر المتكلم مراده مالا غبار عليه أصلا

قال فى الظهيرية أنه إذا كان فى المسئلة وجوه توجب التكفير ووجه يمنع التكفير فعلى المفتى أن يميل على ذلك الوجه ولايفتى بتكفير تحسينا للظن بالمسلم وقال عليه الصلاة والسلام تظن بكلمة خرجت من أخيك سوء ا وانت تجد لها فى الخير محملا هكذا فى الخلاصة والفصول العمادية .

وأما ثالثا فاعلم أخى أنه قدس سره ذكر العقائد القطعية على وفق[1] مذهب أهل السنة والجماعة وأثبت هناك أفضليته عليه الصلاة والسلام على جميع الكائنات فردا فردا ومن حيث المجموع

---

[1] فى الأصل "وفف"

فلا مساغ إلی مایتوهم من بحث المکاشفات التی غایتها الظن وفقه الکلام أنه لما ثبت عقیدة رجل حسن معاملته وتفرد جلالته وتقواه لایجری علیه مالا ینبغی إفشائه ویصرف عبارة ماصدر عنه مما یوهم خلاف العقائد القطعیة ألم (تر) [1] إلی قول عمر رضی الله عنه إستفهموه أهجر فإن هذه [2] الکلمة لوصدرت من غیره لقیل فیه ماقیل لکن لما صدرت عمن تقرر جلالته واستقامته وکمال حبه لله وتأدبه مع رسوله وجب صرفها عن ظاهرها وتأولت بمالا عیب فیه وما لایلتزم منه سوء الأدب ومثل ذلک فی قصة برخ أسود من موسی علیه السلام فعلیک بهذه النکتة فإنها أصل عظیم فی هذا المقام

ومن هذا القبیل ماصدر من کلمات السکر والفخر عن سید الطائفة جنید البغدادی والشیخ أبی یزید ن البسطامی والنوری والسری السقطی قدس سرهم وما وقع من الشیخ الأجل عبدالقادر الجیلانی نوّر الله مرقده' مما لا یدرک تأویله إلابنور الباطن فإنه بحسب الظاهر یخالف الشریعة کل المخالفة .

منها قوله فی الغوثیة ناقلا عنه سبحانه یاغوث الأعظم خلقت الإنسان مطیئتی [3] ولو عرف الإنسان منزلته عندی یقول [4] فی کل نفس من الأنفاس لمن الملک الیوم أنا الملک لاملک الیوم الا لی [5]

---

[1] اللفظ فی القوسین زیادة من قبل المحقق لیس فی الأصل.

[2] فی الأصل "هذا"

[3] غوث اعظم ۴۷

[4] فی الأصل یقال

[5] فی النسخة المطبوعة "لوعرف الإنسان منزلة عندی لیقول فی کل نفس من الأنفاس إن الملک إلالی غوث اعظم ص ۴۷

ياغوث الأعظم جسم الإنسان وبصره ولسانه ويده ورجله كل ذلك أظهرت بنفسي لنفسي لاهو إلا أنا ولا أنا غيره من أراد العبادة بعد الوصول فقد أشرك بالله العظيم

وقوله في حق مريد كان لايصلي أن راسه دائما في الكعبة في السجود كما في النفحات

ومن هذا القبيل ماذكره قطب بن محي من قول الإمام حجة الإسلام الغزالي من كتابه المصنون والمنقذ أنه قال في بيان المعاد هذه اللذة العقلية لنفس كملت في هذا العالم فيكون مصروف إلى المتخيلات فلا يبعد أن يتخيل صورة[1] اللذة كما في النوم ويتمثل له ما وصف له في الجنة إلى أن قال فمن نظر في كلامه في المنقذ والمصنون وقع (في[2]) بحر من الحيرة لا ساحل له انتهى كلامه [3].

منها قولهم إنه ينكر من إرادة شيخه خواجه محمد باقي قدس سره ويسمّي نفسه أويسيا ويفضل نفسه عليه وعلى سائر المشائخ الكبار كالشيخ الأجل عبدالقادر الجيلاني قدّس سره،

قلت إن المقدمة الأولى كاذبة لأنه قدس سره كتب في مكاتيبه العلية في غير موضع أنه أخذ الطريقة منه وأما قول أنا الأويسي فمعناه إن في وصولي إلى المقامات العاليات مدخلا

---

[1] في الأصل "الصورة" [2] العبارة بين القوسين زيدت من قبل المحقق [3] من اراد بعض تفاصيل الشطحيات للاولياء العظام فلينظر الى نسمات القدس للشيخ محمد هاشم الكشمي (الرجمه الاردية) ص٣٠ الى٣٢

للأرواح المقدسة فلا ينافى لأخذ الطريقة من الشيخ ظاهرا والجواب عن الثانى إنه قدس سره لم يكتب فى مكتوب من المكاتيب إنى أفضل من كذا ومقامى كذا فوق مقام كذا وماكان هذا رأسا نعم إنه كتب فى مواضع عديدة فى شأن بعض المعارف إنه مما خصّنى الله به ولم يتكلم به أحد من الأكابر وأنت خبير بأن هذا القول يدل على اختصاص تلك المعرفة به ولعل غيره مختص بمعرفة نفيسة غير هذه المعرفة تكون مساوية لها أو أشرف ثم إن فرضنا أنه يفضل نفسه على جميع المشائخ من السلاسل وغيرهم لايلزم منه محذور شرعى إنما المحذور تفضيل احد على الأنبياء أوعلى من انعقد الإجماع على فضله ليس فليس

تتميم جاء رجل صالح من الشرفاء الكرام فقال إنى رأيت فى المنام إمام العرفاء خواجه نقشبند فقال لي ما يذكر عن الشيخ أحمد أنه قال لوكان نقشبند حيا لخدمنى لم يقل به أصلاً ولو كان قائلا به لكان صادقا.

منها قولهم انه ينكر مسئلة توحيد الوجود وقداجتمعت الصوفية عليها

قلت أما المقدمة الثانية ممنوع لأن كثيرا من المشائخ لايرون ذلك ذكر الجامى عن الشيخ الأجل علاؤالدولة السمنانى إنه قال فوق عالم الوجود عالم الملك الودود أما المقدمة الأولٰى ففيها تفصيل ينبغى أن تطلع عليه حتى تخرج من ظلمات الشك إلٰى

فاعلم أنه قدس سره' فى هذه المسئلة وفق العلماء وخالف الصوفية العالية بعينية الوجود كتب فى مكاتيبه العلية إنى كنت مع الصوفية الوجودية مدة مديدة وأخذت من معارف التوحيد حظا عظيما وما كنت أظن فوق ذلك مقاما فلما أن أخرجنى الله من ذلك المقام قلب أصل الجمع إلى الفرق ورأيت حقائق الأشياء كما هى قلت[1] أن الحق مع العلماء وقولكم بعينية الوجود خطأ وقال أيضا ان ورود التوحيد خطأ من اهل الإبتداء من الصوفية وقليل نادر على أرباب التوسط وعلى الكمل لايرد مثل هذا إلاأحيانا وذلك ناش من مقام الولاية الظلية المختصة بالأولياء[2] المتلونة بسكر الحال وأما مقام النبوة فلا يتزين بمثلها فإنه متزين بالصحو. ورؤية الأشياء كما هى شتان ما بينهما

فالحاصل أنه رضى الله عنه لاينكر كون وارد التوحيد من الأحوال والمواجيد بل ينكر كونه كمالا ليس فوقه كمال ومقاما[3] ليس فوقه مقام. بل هو حال ربما يرد فى أثناء الطريقة وما ينقل من أرباب الكمال من هذا الباب فمحمول على أوائل أحوالهم

قال الجنيد قدس سره' ألتوحيد إفراد القديم من الحادث وكل حقيقة ردته الشريعة هى زندقة

---

[1] فى الأصل "قلت هى"

[2] فى الأصل "بأولياء"

[3] فى الأصل مقام

فثبت أن التوحید حال من الأحوال قد یرد علی بعض السالکین ولایجوز عقیدته ولا تقلیده لأن صاحب الحال معذور بسکره ولاعذر لغیرهم فثبت لما کان هذا فی مشهود السالک غیر واقع فی نفس الأمر سماه المحققون بالتوحید الشهودی.

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ

ألخاتمة
فى
البشارات بعلوّ شأنه قدس سره

منها قال السيّد العارف الربانى الأمير محمد نعمان إنى بشرت من حضرة[١] النبوة على صاحبها الصلوٰة والسلام والتحية بأن الشيخ أحمد السرهندى صاحب قبول عظيم وأنه صادق القول.

منها ماذكروا فى المقامات إن تاجراً صدوقا أمينا على وجهه أنوار الفلاح ذكر بداية حاله إنى كنت فى حب واعتقاد عظيم من غوث العالم الشيخ عبدالقادر وهو كان يظهر لى أحيانا ويبشّرنى بأمور ويعيننى فى مهماتى فقال لى يوما فى المعاملة إنک أخذت منى الفيض كثيرا لكن لابد من شيخ فى الظاهر فقلت إلى من أراجع قال إلى الشيخ أحمد السرهندى فإنه اليوم جامع بين الظاهر والباطن وهو قطب زمانه قال فرأيت منه عجائب الكرامات وغرائب الكمالات[٢]

منها إن صالحة عابدة ذكرت إنى كنت فى سوق أكبر آباد فسمعت بولى مجذوب يغيب عن نظر الناس مرة ويحضر أخرى فَرُحتُ عنده فقال عليک بملازمة قطب الزمان الشيخ أحمد السرهندى فإنه من رآه بعين العقيدة حرّم الله عليه النار[٣]

منها قال الشيخ الكامل أمير حسام الدهلوى خليفة إمام

---

[١] فى الأصل "حضرت"

[٢] حضرات القدس ٦٠/٢

[٣] حضرات القدس ٥٦/٢، ٥٧

العرفاء خواجه محمد باقى قدس سره' إنى رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فى المنام وهو يمدح ويثنى على أحمد السرهندى بفقرات فصيحة ويقول إنى أباهى وأفتخر بوجوده فى أمتى وإن الله سبحانه جعله مجدد ملّتى

منها جاء رجل من كبار أهل البلخ إلى الهند فدخل بلدة السرهند ورأى المجدد رحكي عن حاله إنى كنت فى بلخ إذا رأيت جنازة حضرت واجتمع عليها أولياء ماوراء النهر من السلف والخلف لاسيما المشائخ من خواجها مثل القطب الربانى خواجه عبدالخالق الغجدوانى وقدوة العارفين خواجه بهاؤالدين نقشبند قدس سرهما منتظرون لقدوم عزيز فسئلت رجلا عن الأمر[١] فقال إن هذه جنازة قطب وإنهم ينتظرون قطب الأقطاب فبينما نحن إذ جاء رجل كبير نورانى فقدموه فأمهم فسئلت بعضهم عن اسمه ومسكنه فقال إسمه الشيخ أحمد ومسكنه السرهند تنقش صورته فى قلبى فلما رأيته عرفته [٢]

منها جاء رجل من أهل فارس وقال كان لنا شيخ عظيم صاحب كمالات عظيمة يسمّى الشيخ صدر الدين وهو من خلفاء الشيخ الأجل مولانا الزاهد البلخى قدس سره' فمات فالتجأت إليه يوما فقلت ذهبتم من هذه الدار بقينا متحيرين بلاشيخ فرأيت كأنه

---

[١] فى الأصل "الامير". [٢] حضرت القدس ٥٨/٢، ٥٩

يقول إنى أرسلك إلى الشيخ أحمد السرهندى فإن اليوم ليس أحد أكمل منه رتبة [١]

منها دخل من أكابر الهند البلخ وتشرف بصحبة قدوة العرفا الأمير مؤمن البلخى قدّس سره‘ فقال سمعته يقول فى أصحابه لو كان سيّد الطائفة جنيد البغدادى وإمام العارفين أبويزيد البسطامى حيين لدخلا فى سلسلة إرادة الشيخ أحمد السرهندى ولصارا من خدمه فمن أدركته السعادة سعى [٢] إليه

ومثل ذلك ينقل عن السيّد الأمجد صاحب المقام الأفخم ميرك شاه بما وراء النهر وعن صاحب الكمالات والمقامات مولانا حسن القياد بانى وقاضى القضاة قاضى تولك البخارى [٣]

قال المؤلف أحسن الله إليه ومثل هذه الروايات والحكايات كثيرة جدا ونحن اكتفينا على هذه الجملة والله أعلم بحقائق الأمور كلها.

حسن الخاتمه

قال مؤلف الكتاب عامله الله بلطفه رأيت سيّد الكونين فى المنام وهو يكرمنى إكراما عظيما وكأنى جالس بين يديه صلى الله عليه واله وسلم وفى يدى كتاب الميزان للشعرانى قدس سره‘ وأقرأ عليه عليه الصلوٰة والسلام وهو يستمع بالعناية فبينما أنا أقرأ إذ خرجت معرفة من معارف القوم فيها تحسين وتصديق لمعارف

---

[١] حضرات القدس ٥٩/٢ [٢] حضرات القدس ٦٤/٢ [٣] حضرات القدس ٦٣/٢

المجدد رضي الله عنه فاستحسنه صلى الله عليه وسلم فقال أكتب هذه اللطيفة لأجلنا وضعه في موضع كذا من بيتنا وكان في ذلك الموضع أشياء نفيسة تختص به عليه السلام وكأني عنده صاحب أسرار وخادم أمور مثل ولد مقبول عند والده أوسبط محبوب عند جده فأردت أن اعرض عليه معرفة من معارف المجدد قيل لي لاحاجة إلى ذاك فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم نزل اليوم على حقائقه ومعارفه خاصة كمثل السلطان ينزل على أمير من أمراءه وقد بنى له بيوتا نفيسة عالية فاعجبته فدخلها واستحسنها ثم خاطبني صلى الله عليه وسلم وذكر من أسرار المتشابهات ماتحير فيه الحاضرون ورأيته عليه الصلوٰة والسلام يقول إني كلما أشفع يوم القيامة لجماعة من المذنبين أستودعهم هذا الشيخ يريدبه المجدد حتى يذهب بهم مطمئنا إلىٰ الجنان بالأمن والأمان ثم يجئ فاستودعه جماعة أخرى فيوديهم إلى الجنة كذلك ثم هكذا هكذا.

اللّٰهم فصل وسلّم وبارك وكرّم على النبي الأكرم الأعلى صاحب قاب قوسين أو أدنىٰ وآله البررة وصحبه النقي ما[1] ضربت الخيام في منىٰ مارقى المروة أرباب الصفاء سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين. هذه الرسالة المسمى بالجنات[2] الثمانية تم.تم.تم

---

[1] في الأصل "اما". [2] في الأصل "بجنات".

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باقیاتِ جہان امام ربانی

جلد دوم......باب پنجم

☆

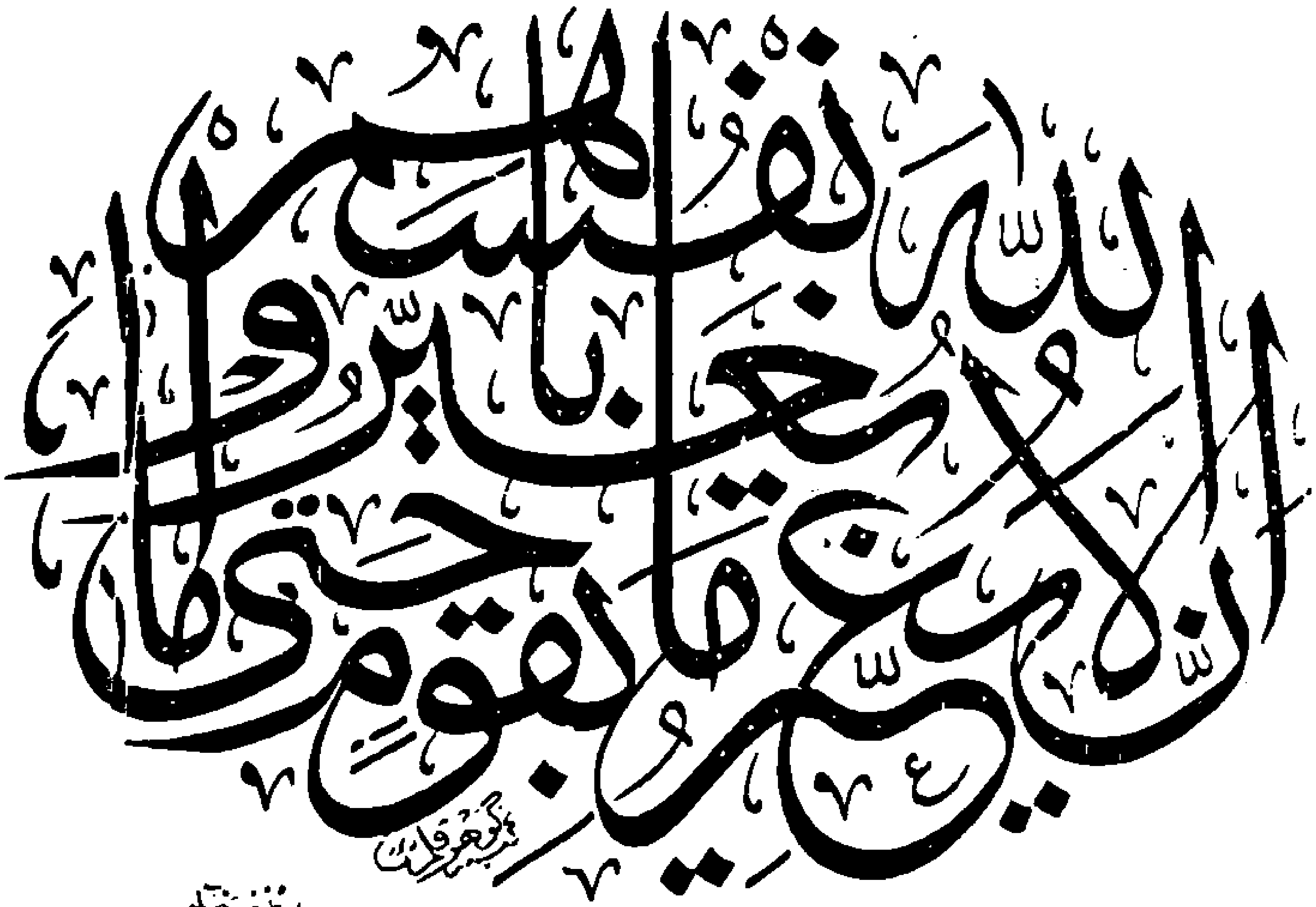

إن الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بأنفسهم [illegible] الحكيم بخط [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

جناتِ ثمانیہ (اردو)

خواجہ عبدالاحد بن خواجہ محمد سعید

ترجمہ اردو: مفتی محمد علیم الدین نقشبندی

☆☆

پاک ہے تیری ذات جس نے اس امت میں ہر صدی کے سرے پر ایسی ہستی کو مبعوث فرمایا جس نے اس کے دین کی تجدید فرمائی۔ نیز ہر آن اور ہر حالت میں ہدایت کے آفتابوں اور شرافت ستاروں کے ذریعہ اس کی روشنی اور پاکیزگی میں اضافہ فرمایا۔

اے رب قدیر! مخلوق کے سردار اور آپ کے معزز صحابہ پر درود وسلام، برکت اور احسان نازل فرما جب تک حجر اسود کے پاس کوئی رکوع کرنے والا رکوع میں مصروف رہے اور مقام ابراہیم علیہ اسلام پر عاجزی کرنے والا اظہار عجز میں مشغول رہے۔

مخلوق میں سب سے کمزور فقیر عبدالاحد بن خازن الرحمۃ شیخ محمد سعید قدس سرہ العزیز عرض گزار ہے کہ جب میں امام العصر قطب زبان حضرت شیخ محمد نقشبند بن قدوۃ العارفین غوث الواصلین حضرت شیخ محمد معصوم قدس سرہ العزیز کی معیت میں حرمین شریفین زادھما اللہ کرامۃ کی زیارت سے مشرف ہوا اور وہاں کے معزز افراد کی صحبت کا اعزاز حاصل کیا تو ان میں ایک جماعت نے مجھ سے خواہش ظاہر کی کہ میں اپنے جدِ امجد قطب ربانی، مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد نقشبندی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات پر مشتمل ایک رسالہ تالیف کروں جو آپ کے احباب کیلئے یادگار اور آپ سے محبت کرنے والوں کیلئے غور وفکر کا ذریعہ بنے۔ لہذا میں نے آپ کے قابل اعتماد اصحاب مثلاً فاضل کامل شیخ بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اور عارف ومحقق حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی برہان پوری رحمۃ اللہ علیہ کی آپ کے حالات پر مشتمل فارسی کتابوں

سے مضامین اخذ کر کے یہ رسالہ تالیف کیا جو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ضروری حالات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب آٹھ جنات یعنی ابواب، ایک خاتمے اور ایک حسن خاتمہ پر حاوی ہے۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

پہلا باب: آپ کے ظہور قدسی سے پہلے آپ کے وجود مسعود کے بارے میں بشارات

دوسرا باب: آپ کی ولادت باسعادت اور نسب مبارک۔

تیسرا باب: مشائخ کرام رضوان اللہ علیہم کے مختلف سلاسل۔

چوتھا باب: آپ کا انتساب اور نبی کریم ﷺ تک آپ کی سند مصافحہ۔

پانچواں باب: حدیث، قرأت اور دیگر علوم میں آپ کی سندات۔

چھٹا باب: آپ کی تصانیف مبارکہ۔

ساتواں باب: آپ کی کرامات کا بیان۔

آٹھواں باب: آپ کے بعض ارشادات جو آپ کے عالی شان مکاشفات پر مشتمل ہیں۔

نواں باب: آپ کے ارشادات مبارکہ پر وارد ہونے والے اعتراضات کی تردید۔

خاتمہ: راہ طریقت کے مسافرین اور متقی لوگوں کی حکایات کے بیان میں جو آپ کے کمالات اور شان رفیع کو ملاحظہ کر کے حیرت زدہ رہ گئے اور جن کو آپ کی مجلس میں حاضری کا حکم دیا گیا۔

حسن خاتمہ: آپ کی شان ارفع کے بارے میں بعض بشارات کا بیان۔

رضی اللہ عنہ وقدس سرہ العزیز۔

الدنیا مزرعۃ الآخرۃ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باب اوّل

آپ کی ولادت باسعادت سے قبل آپ کے بارے میں بشارات

اس بارے میں سب سے اعلیٰ، افضل اور اشرف بشارت عارف باللہ حضرت خواجہ محمد ہاشم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''زبدۃ المقامات'' میں درج کی ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔ کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ ایک شخص میرا دوست تھا۔ ایک دن وہ کہنے لگا۔ تم اپنے شیخ یعنی حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسے فضائل و کمالات بیان کرتے ہو جو دوسرے مشائخ کرام کے حالات میں مذکور نہیں ہیں ان کو سُن کر عقول و افہام حیرت زدہ رہ جاتے ہیں۔ اگر ان کے بارے میں تمہاری باتیں درست ہوتیں تو حضور نبی کریم ﷺ ان کے متعلق ضرور ارشاد فرما جاتے جس طرح کہ آپ نے مخلوق کو حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کے بارے میں خبر دے رکھی ہے۔ میں نے اس سے کہا ممکن ہے کہ آپ نے اس بارے میں کچھ فرمایا ہو اور ہم کو اس کی اطلاع نہ ہو کیوں کہ کسی چیز کے بارے میں معلومات نہ ہونے سے اس چیز کا نہ ہونا تو لازم نہیں آتا۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ میرے پاس امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب جمع الجوامع موجود ہے جس میں نبی پاک ﷺ کی احادیث درج ہیں۔ میں اس میں تلاش کروں گا۔ اگر اس کتاب میں ایسی حدیث ہوئی جو آپ کے حالات کو بیان کر رہی ہو تو میں آپ کا معتقد ہو جاؤں گا۔ اس نے وہ کتاب کھولی۔ تو اچانک اس سے یہ حدیث مبارک نکل آئی۔

وأخرج ابن سعيد عن عبدالرحمن بن يزيد عن جابر بلاغا عنه ﷺ يكون في امتي رجل يقال له صلة يدخل الجنة بشفاعته كذا وكذا۔

ترجمہ: امام ابن سعید رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن یزید رحمۃ اللہ علیہ انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں ایک شخص ہوگا جس

کو "صلہ" کہا جائے گا اس کی شفاعت کی بدولت اتنے اتنے افراد جنت میں داخل ہوں گے۔

اور تم تو جانتے ہو کہ آپ قدس سرہ اپنے حلقہ اصحاب میں اس لقب سے مشہور ہیں۔ کیوں کہ آپ نے اپنے مکتوبات شریفہ میں سے ایک مکتوب میں یوں فرمایا ہے۔

الحمد لله الذی جعلنی صلة بین البحرین ووصلة بین الفتین ۔

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے مجھے دونوں سمندروں کے درمیان صلۃ اور دو گروہوں کے درمیان ملاپ کا ذریعہ بتایا ہے۔ یہ حدیث آپ کی ذات گرامی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ آپ نے صوفیہ عظام رضی اللہ عنہم اور علمائے کرام رحمہم اللہ کے ارشادات کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے نیز آپ شریعت وطریقت کے جامع ہیں۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان صفات سے متصف فرمایا ہے لہذا آپ نے اپنے آپ کو اس نام سے موسوم فرمایا ہے۔

(۲)

فاضل کامل حضرت شیخ بدرالدین سرہندی نے آپ کے حالات کے بارے میں کتاب "حضرات القدس" میں تحریر کیا کہ شیخ الاسلام حضرت احمد جام رحمۃ اللہ علیہ، جو بڑے صاحب کرامات ہوئے ہیں۔ اقطاب واوتاد میں بہت سے کم افراد کی کرامات ان کی عظیم کرامات کی مانند مذکور ہیں جیسا کہ نفحات الانس وغیرہ کتب میں درج ہے، کے حالات پر مشتمل کتاب میں یوں درج ہے کہ آپ قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ میرے بعد اہل اللہ سے ستر افراد ایسے افراد ہوں گے جن کے نام میرے نام کے مطابق "احمد" ہوگا ان میں آخری شخصیت جوان سب سے حسین تر اور عظیم تر ہوگی جو ہزار سال کے آخر میں مبعوث ہوگی۔ اصحاب کشف کی بہت بڑی جماعت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اس سے مراد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ السامی ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام احمد جام رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے حضرت شیخ ظہیر الدین رحمۃ اللہ

علیہ کے حالات میں ایک عجیب وغریب حکایت مذکور ہے جو اس بشارت کی واضح تائید کرتی ہے۔

(۳)

قابل اعتماد حضرات مشہور ولی حضرت خلیل اللہ بدخشی قدس سرہ العزیز سے نقل فرمایا ہے کہ آپ نے کسی رسالہ میں یوں لکھا ہے کہ حضرات خواجگان (نقشبندیہ) کے سلسلہ مبارکہ میں سے ہندوستان میں ایک بہت عظمتوں اور بہت کمالات کی حامل ہستی ظاہر ہوگی۔ زمانہ میں اس کی مثال نہ ہوگی لیکن افسوس میری اس سے ملاقات نہ ہو سکے گی۔ جب اس شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال فرمایا تو یہ چمک دار ستارہ (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ) طلوع ہوا۔

(۴)

قدوۃ الاولیا حضرت خواجگی امکنگی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خلیفہ اکمل امام العرفاء حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ ہندوستان میں تمہارے ہاتھوں سے (تربیت پاکر) ایک ایسی ہستی کا ظہور ہوگا جو اپنے زمانہ کا امام ہوگا اور صاحب اسرار وحقائق ہوگا جلدی سے وہاں پہنچو کیوں کہ اولیائے کرام اس کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔ چناں چہ جب آپ نے بخارا شریف سے ہندوستان کا رخ کیا تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے ملاقات کی اور آپ سے سلسلہ طریقت اخذ فرمایا تو آپ نے حضرت مجدد پاک رحمۃ اللہ علیہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم ہی وہ شخص ہو جس کی بشارت دی گئی ہے۔

نیز آپ نے فرمایا جب میں سرہند شہر میں داخل ہوا (واقعہ میں) تو میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کے بارے میں کہا گیا کہ یہ اپنے زمانہ کے قطب ہیں جب میں نے آپ کو اس حلیہ اور شکل کا پایا جو حالت کشف مجھے دکھائی گئی تھی تو میں نے پہچان لیا۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ ہی کا ارشاد ہے کہ جب میں سرہند میں آیا تو دیکھا کہ وہاں

انتہائی بلند اور عظیم مشعل روشن ہے گویا وہ آسمان تک پہنچی ہوئی ہے۔ اس کے نور سے مشرق و مغرب کی ساری دنیا منور ہے۔ اس کی روشنی میں لحظہ بلحظہ اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ اس سے کئی چراغ ایک ایک کر کے روشن ہو رہے ہیں۔ یہ کشف بھی تمہارے بارے میں ہے۔

(۵)

حضرت امام ربانی قدس سرہ السامی کے احوال میں تالیف شدہ کتابوں میں ہے کہ قدوۃ الکاملین حضرت شاہ کمال کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ نے جن کی کرامات اور خوارق حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں، نے اپنا جبہ مبارک اپنے پوتے عارف ربانی حضرت شاہ اسکندر رحمۃ اللہ علیہ کو عطا فرمایا جو شیخ اکرم غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز سے وراثت میں آپ تک پہنچا تھا۔ جب ان کے وصال کا وقت آیا تو انہیں فرمایا یہ جبہ اس کے مستحق کے ظاہر ہونے تک تمہارے پاس امانت اور ودیعت کے طور پر رہے گا پھر جب حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ظہور کا وقت آیا تو آپ نے انہیں کشف کی حالت میں فرمایا یہ جبہ شیخ احمد سرہندی تک پہنچا دو کیوں کہ وہ اس کے حق دار ہیں۔ لیکن انہوں نے اسے آپ تک نہ پہنچایا دوبارہ عالمِ سر میں ان سے مخاطب ہو کر فرمایا لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا ان کا کہنا تھا کہ میں اس برکت کو خاندان سے کس طرح باہر نکالوں۔ تیسری دفعہ انہوں نے عتاب کا اظہار فرمایا۔ تو وہ اسے لے کر آپ تک تشریف لائے۔ جس پر بہت عظیم اثرات مرتب ہوئے جیسا کہ آپ قدس سرہ کے حالات اور ملفوظات میں تحریر ہے۔

باب دوم

نسب شریف ۔۔اور۔۔ ولادتِ مبارکہ

آپ قدس سرہ کا نسب نامہ یوں ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بن عارف کامل، عالم عامل، غوث زمان حضرت شیخ عبدالاحد سرہندی بن شیخ زین العابدین بن شیخ عبدالحی بن شیخ محمد بن شیخ حبیب اللہ بن قدوۃ الاولیاء الکاملین حضرت امام رفیع الدین بانی قلعہ سرہند بن شیخ نور بن شیخ نصیر الدین بن شیخ سلیمان بن شیخ یوسف بن شیخ اسحاق بن شیخ یوسف بن سلطان فرخ شاہ کابلی یہ بزرگ سلطنت کابل کے بادشاہ تھے۔ معتبر افراد سے روایت ہے کہ آپ اسلام کو رواج دیتے اور بتوں کے پجاریوں کی تذلیل فرمایا کرتے تھے۔ آپ وہاں سے ہندوستان آگئے۔ اسی لئے آپ کی اولاد کابلی نسبت سے معروف ہے۔

بن شیخ نصیر الدین بن شیخ محمود بن شیخ سلیمان بن شیخ مسعود بن شیخ عبداللہ واعظ اصغر بن شیخ عبداللہ واعظ اکبر بن شیخ ابوالفتح بن شیخ اسحاق بن خواجہ ابراہیم بن سیدنا ناصر بن سیدنا و مولانا عبداللہ بن امام العادلین خلیفہ سید العالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام یعنی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہم۔

آپ قدس سرہ ماہ شوال ۹۷۱ھ کو سرہند شریف میں پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اس شہر کو ہر ناپسندیدہ امر سے محفوظ فرمائے۔ لفظ خاشع سے آپ کا سن ولادت استخراج ہوتا ہے۔

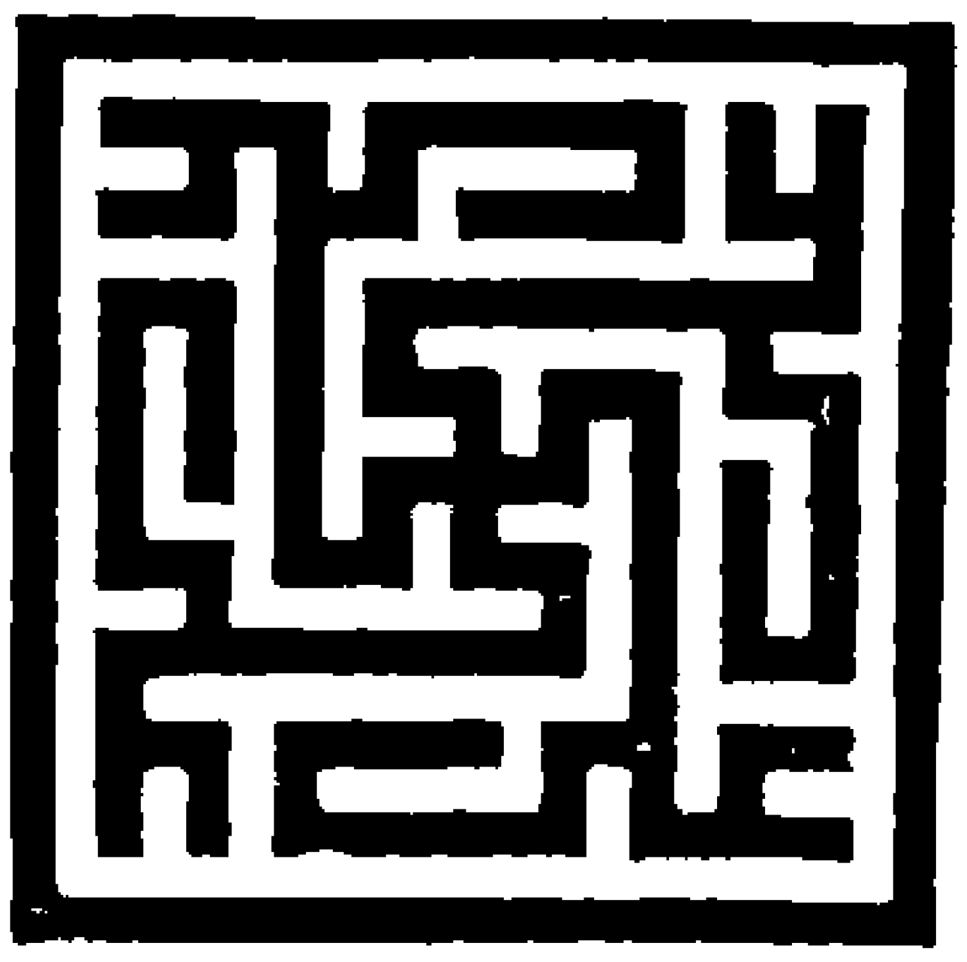

علی چار دفعہ مرتب

باب سوم

سلاسل طریقت

۱۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

قدوۃ العارفین حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ

شیخ کامل واکمل حضرت خواجہ خواجگی امکنگی رحمۃ اللہ علیہ

عارف باللہ حضرت خواجہ محمد درویش امکنگی رحمۃ اللہ علیہ یہ حضرت خواجگی امکنگی رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد تھے۔

حضرت خواجہ محمد زاہد رحمۃ اللہ علیہ یہ حضرت خواجہ محمد درویش رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں جان تھے۔

قطب الکبار حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

عارف باللہ حضرت خواجہ یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ

قطب الاقطاب حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ

قطب ربانی حضرت خواجہ امیر کلاں رحمۃ اللہ علیہ

غوث ربانی حضرت خواجہ بابا محمد سماسی رحمۃ اللہ علیہ

قطب حقانی حضرت خواجہ علی رامیتنی رحمۃ اللہ علیہ

قطب صمدانی حضرت خواجہ محمد انجیر فغنوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجگان خواجہ عارف ایوگری رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت خواجہ ابوعلی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ

سلطان العارفین حضرت خواجہ ابویزید طیفور بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

امام ہمام حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ

سلطان المشائخ حضرت امام قاسم بن محمد بن صدیق اکبر رضی اللہ عنہم

صحابی رسول حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

شیخ المہاجرین والانصار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

سید المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

۲۔ سلسلہ عالیہ قادریہ

امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

ملاذ العرفاء حضرت شاہ اسکندر رحمۃ اللہ علیہ

قدوۃ الکمل حضرت شاہ کمال رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت شاہ فضیل رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت سید گدا رحمان رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت خواجہ شمس الدین عارف رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت سید گدا رحمٰن رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت سید ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت شمس الدین صحرائی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت سید عقیل رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت سید بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت سید عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت سید شرف الدین قتال رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت سید عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ

غوث الثقلین حضرت محی الدین ابومحمد عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

سید السادات حضرت ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت سید موسی جنگی دوست رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت سید عبداللہ مورث رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت سید یحی زاہد رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت شاہ موسیٰ جون رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت شاہ داؤد مورث رحمۃ اللہ علیہ

قطب عالم حضرت سید حسن مثنیٰ رحمۃ اللہ علیہ

امام المومنین حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

آپ نے دو ہستیوں سے فیض پایا

(۱) امام الہدیٰ سید التقی حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

(۲) بضعۃ سید الانبیاء حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا

امام الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واخوانہ واصحابہ اجمعین

۳۔ سلسلہ عالیہ چشتیہ

امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

عارف باللہ حضرت شیخ عبد الاحد رحمۃ اللہ علیہ

شیخ کامل حضرت شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ

واصل باللہ حضرت شیخ عبد القدوس غزنوی حنفی نسباً و مذھباً رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ خواجگان حضرت شیخ محمد عارف رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ خواجگان حضرت شیخ احمد عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ خواجگان حضرت شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ خواجگان حضرت شیخ شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ خواجگان حضرت شیخ علاء الدین علی بن احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ خواجگان حضرت شیخ فرید الحق والدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

قدوۃ الواصلین حضرت شیخ قطب الدین بختیار اوشی کاکی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

زبدۃ العارفین حضرت شیخ معین الدین سنجری اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت خواجہ حاجی شریف زندانی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت خواجہ مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت خواجہ ابو محمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت خواجہ علی دینوری رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت خواجہ ہبیرہ بصری رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت خواجہ حذیفہ مرعشی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت سلطان ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت جمال الدین فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ

امام التابعین حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

امیر المؤمنین حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ

سید المرسلین حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

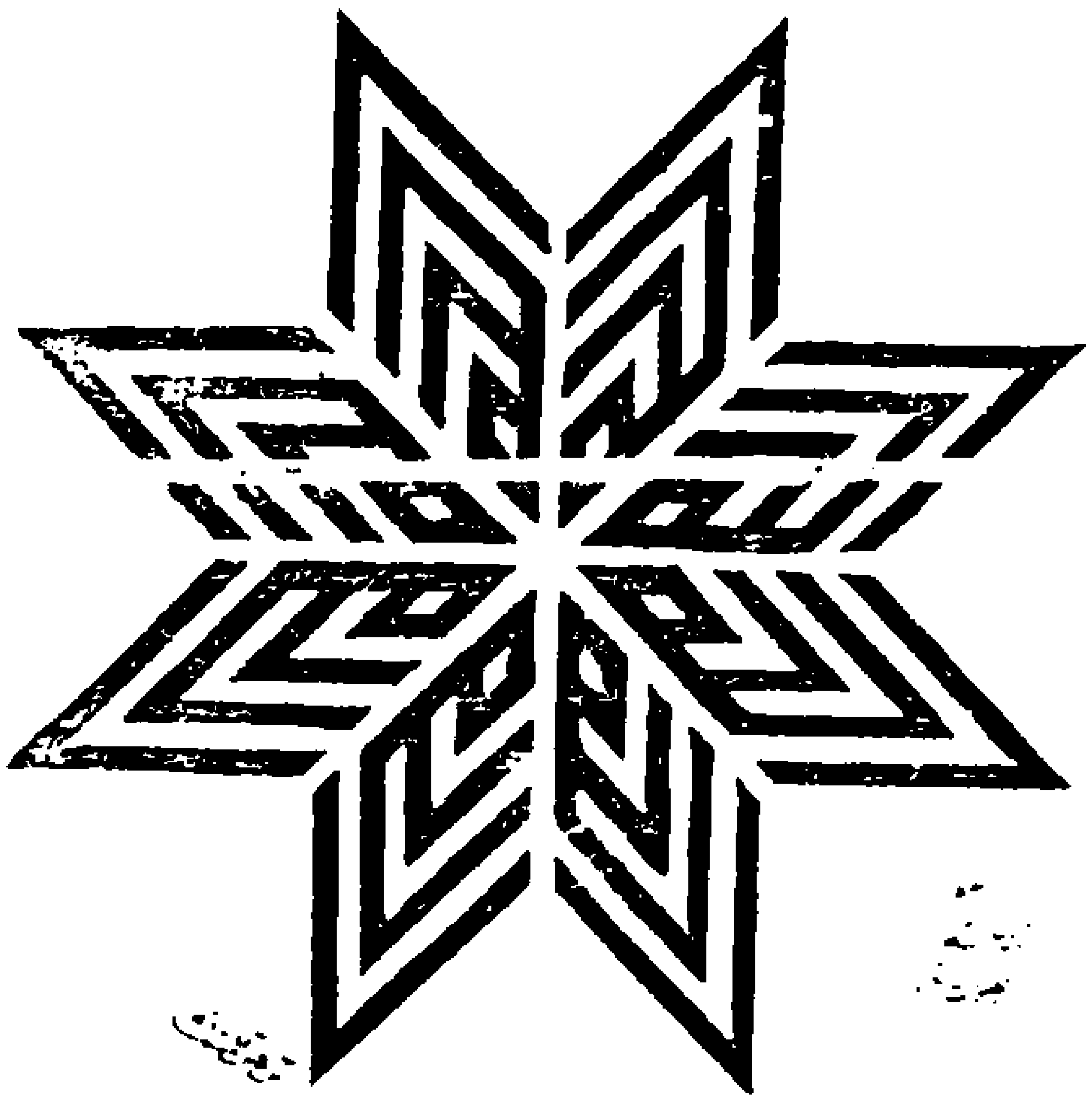

باب چہارم

سند مصافحہ اور اسانید حدیث

امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ معظم حضرت عبد الرحمٰن بدخشی کابلی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ حاجی مشہور برمزی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ حافظ سلطان اوبہی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ محمود اسفراری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ سعید معمر چشتی رضی اللہ عنہ

امام الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

حضرت شیخ سعید رضی اللہ عنہ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عالم ملکوت میں مصافحہ فرمایا تھا نہ کہ عالمِ ناسوت میں۔ لیکن حضرت سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات خلاصۃ المناقب میں ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحابی تھے۔ وہ اپنے صحابہ کے سامنے حضور نبی اکرم ﷺ کے مناقب بیان فرمایا کرتے تھے۔ حضرت شیخ سعید رضی اللہ عنہ نے ان کی خدمت میں عرض کی کہ آپ میرے حق میں دُعا فرمائیں تاکہ میں ان کا زمانہ پاسکوں۔ انہوں نے دُعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی عمر درازی کر دی اور انہیں حضرت نبی پاک ﷺ سے مصافحہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت رسول کریم ﷺ نے ان سے فرمایا جو شخص چھ یا سات واسطوں سے تمہارے ساتھ مصافحہ کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ نیز آپ نے ان کی درازی عمر کی دُعا فرمائی اس طرح انہوں نے بہت لمبی عمر پائی۔

سند حدیث مسلسل بالاوّلیہ

حضرت امام ربانی قدس سرہ نے فرمایا میں نے قدوۃ المحدثین حضرت قاضی بہلول سے سنا اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سماعت کی۔

انہوں نے فرمایا یہ حضرت سیدی شیخ عبدالرحمٰن بن فہد سے سنا اور یہ پہلی حدیث تھی جو میں نے ان سے سماعت کی۔

انہوں نے ارشاد فرمایا میں نے اپنے والد ماجد حضرت عبدالقادر بن عبدالعزیز بن فہد سے سنا نیز میں نے ان کے برادر گرامی اور اپنے چچا حافظ جاراللہ بن فہد سے سنا۔ یہ سب سے پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔

ان دونوں حضرات (والد ماجد اور چچا جان) نے فرمایا ہم نے اپنے والد گرامی حافظ عزالدین بن عبدالعزیز بن فہد سے سنی اور یہ پہلی حدیث ہے جو ہم نے ان سے سنی۔

انہوں نے فرمایا میں نے اپنے سیاحت فرمانے والے جد امجد حضرت تقی الدین محمد بن فہد ہاشمی علوی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔

انہوں نے بیان کیا کہ میرے سامنے محدثین کرام کی ایک جماعت نے روایت کی جن میں سب سے زیادہ جلیل القدر دو محدثین ہیں۔

(۱) حضرت علامہ برہان الدین انباسی ان سے میں نے سماعت کی۔

(۲) قاضی القضاۃ ابو حامد مطری ان کے سامنے میں نے حرم مکہ مکرمہ میں۔

یہ حدیث پڑھی اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان دونوں حضرات سے سنی۔

ان دونوں نے فرمایا ہمارے سامنے حضرت خطیب صدر الدین ابو الفتح مبرد نے روایت بیان

کی۔ علامہ انباسی نے فرمایا میں سب سے پہلے یہ حدیث ان سے سنی۔ اور علامہ مطری نے فرمایا کہ یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے روایت کی۔

انہوں ے فرمایا ہمارے سامنے شیخ نجیب الدین عبداللطیف حرانی نے روایت کی اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔

انہوں نے فرمایا ہمارے سامنے حافظ ابوالفرج بن جوزی نے روایت کی اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سماعت کی۔

آپ نے فرمایا ہمارے سامنے حضرت ابوسعید اسماعیل بن ابی صالح نیشاپوری نے روایت بیان کی اور یہ پہلی حدیث ہے جو ہم نے ان سے سنی۔

انہوں نے فرمایا ہمارے سامنے حضرت ابوصالح احمد بن عبدالملک موذن نے روایت کی اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سماعت کی۔

آپ نے فرمایا ہمارے سامنے حضرت ابوطاہر محمد بن محسن انادی نے روایت بیان کی اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔

انہوں نے فرمایا ہمارے سامنے حضرت ابوحامد بزار رحمۃ اللہ علیہ نے روایت بیان کی اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔

انہوں نے کہا ہمارے سامنے حضرت عبدالرحمٰن بن حکیم غندری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت بیان کی اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔

آپ نے کہا ہمارے سامنے حضرت سفیان بن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔

انہوں نے حضرت عمرو بن دینار سے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

کے آزاد فرمودہ غلام حضرت ابوقابوس سے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضرت رسول کریم ﷺ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا

الراحمون یرحمهم الرحمن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء .

ترجمہ: رحم کرنے والوں پر خدائے رحمان رحم فرمائے گا۔ تم زمین میں موجود مخلوق پر رحم کرو تم پر وہ ذات رحم فرمائے گی جو آسمان میں ہے۔

آپ قدس سرہ العزیز نے علم قرأت اور فقہ اپنے والد ماجد اور استاد محترم حضرت علامہ شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کئے۔

علم فقہ آپ نے حضرت شیخ محقق مولانا کمال کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا۔

اصول حدیث کا علم آپ نے قدوۃ العلماء حضرت شیخ یعقوب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے اخذ فرمایا۔

آپ کو صحاح ستہ، امام بخاری کی تمام تالیفات، علم تفسیر میں امام واحدی کی کتب مثلاً وسیط، بسیط اور اسباب النزول، امام بیضاوی کی تفسیر، اور (ان کی کتب) منہاج الوصول، الغایۃ القصوی اور اسی طرح مشکوٰۃ المصابیح، شمائل ترمذی، جامع صغیر، اور امام سعید بوصیری کے قصیدہ بردہ، کی اجازت امام ربانی قدوہ ارباب کمال حضرت قاضی بہلول بدخشانی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل تھی۔

باب پنجم

تالیفاتِ مبارکہ

آپ کے مکتوبات شریفہ تین جلدوں میں ہیں جو علوم و معارف سے مزین اور حقائق و دقائق کے متعدد ابواب پر مشتمل ہیں۔ ان میں علم شریعت کی تفصیلات اور علم طریقت کی تحقیقات ہیں۔ وہ اس امر کے مستحق ہیں کہ ان کے بارے میں یوں کہا جائے کہ ان کی مانند اور اس قسم کی کوئی تالیف اس سے قبل موجود نہیں تھی۔

شہنشاہ شاہ جہاں کے دربار میں علماء و امراء کے سرپرست جناب میرک شاہ سے پوچھا گیا کہ سلطان روم کے پاس سرزمین ہندوستان میں پایا جانے والا کون سا ایسا تحفہ بھیجا جائے جس کی نظیر اُس علاقہ میں نہ پائی جاتی ہو۔ تو انہوں نے بہت خوب جواب دیا کہ یہ تحفہ حضرت شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات ہیں۔ یہ مقدس عجوبۂ روزگار کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی زمین پر اس کی مثل کوئی اور کتاب نہیں۔

کسی عارف کامل کو یہ کشف ہوا کہ یہ مکتوبات شریفہ حضرت امام مہدی موعود رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔ وہ ان کو پسند فرمائیں گے اور ان کی تعریف کریں گے۔

بیان کیا گیا ہے کہ عارف کامل حضرت میر نعمان رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رسول اکرم ﷺ کی زیارت کی اور عرض کی یا رسول اللہ! میرے مرشد پاک حضرت شیخ احمد نے یوں یوں فرمایا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا شیخ احمد نے جو کچھ کہا ہے وہ حقیقت کے مطابق ہے۔

آپ (حضرت خواجہ میر محمد نعمان رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا کہ ایک روز میرے دل میں حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیب شریفہ کے معارف میں تردد پیدا ہو گیا کہ کیا یہ معارف اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہیں یا نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں القاء فرمایا کہ یہ سب صحیح میرے ہاں پسندیدہ اور

میرے کلام کے پروردہ ہیں۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کی بقیہ تصانیف کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مبدأ و معاد: علم حقائق اور سلوک پر ایک اچھوتا رسالہ ہے۔

معارف لدنیہ: علم تصوف اور وجدانیات کے بیان میں ایک جلیل القدر رسالہ ہے۔

مکاشفات غیبیہ: علم کشف اور عرفان کے بیان میں ہے۔

تحقیق معنی کلمہ طیبہ: کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کے معانی کی تحقیق میں ایک رسالہ ہے۔

اثبات النبوۃ: نبوت کے اثبات اور فلاسفہ کے رد میں ہے۔

شرح رباعیات: اپنے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی رباعیات کی شرح ہے۔ صوفیہ کی اصطلاح کے مطابق علم تصوف کے بیان میں ہے۔

تردید مذاہب شیعہ: فرقہ شیعہ کے مختلف مذاہب کے بیان اور ان کی تردید میں ہے۔

یہ تمام رسائل مفید، مطالعہ کے لائق اور دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ ان رسائل اور کتب کے علاوہ آپ نے متعدد کتابوں کے اوراق پر مشکل مقامات کے حل اور وارد ہونے والے شبہات کے رد کیلئے جلیل القدر حواشی تحریر فرمائے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ شرح مقاصد

۲۔ عضدی

۳۔ شرح مواقف

۴۔ (تفسیر) بیضاوی وغیرہ۔

آپ کے بارے میں حیرت انگیز اور تعجب خیز امر یہ ہے کہ جب آپ کی عمر مبارک صرف سترہ برس تھی۔ آپ علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل سے فارغ ہو کر تدریس وتعلیم، مشکل امور کے حل اور مغلق مقامات

کی تشریح میں مشغول ہو گئے۔ آپ کی شہرت ان معاملات میں آفاق میں پھیل گئی۔ علوم ظاہرہ کے علماء اور علوم باطنہ کے عرفاء حقائق و دقائق کے بارے میں اپنی اپنی مشکلات کیلئے تمام اطراف و جوانب سے آپ کی خدمت میں عرائض ارسال کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جواب میں آپ کے کلام شریف سے اپنے مقاصد اور مطالب کی جانب واضح اور عیاں راہ نمائی پانے لگے۔

باب ششم

کرامات

آپ کی کرامات اتنی کثیر تعداد میں ہیں کہ اس رسالہ میں تمام لکھی نہیں جا سکتیں۔ آپ کے حالات میں قابل اعتماد کتابوں اور دیگر راویوں نے آپ کی کرامات سات سو سے زائد نقل کی ہیں۔ میں ان میں سے انتخاب کر کے صرف چند ایک یہاں ذکر کروں گا کیوں کہ قلیل کثیر کا اور قطرہ تالاب کا پتہ بتاتے ہیں۔

(۱)

حضرت شیخ بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے حالات میں تحریر فرمودہ کتاب (حضرات القدس) میں ذکر کیا کہ آپ کے مریدین میں سے ایک صحیح النسب سید صاحب نے بیان کیا کہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے سرہند شریف سے بھروچ شہر جانے کا حکم دیا تا کہ وہاں میں آپ کے ایک بھائی صاحب کی تلاش کروں۔ چناں وہ خوش دلی سے ایک اونٹنی پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ ان کا بیان ہے کہ ایک دن میں جنگل میں قضائے حاجت کی وجہ سے اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ گیا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ ایک شیر میری طرف رخ کئے ہوئے تھا۔ جب میں نے اسے دیکھا میری عقل زائل ہو گئی اور سخت گھبراہٹ مجھ پر طاری ہو گئی۔ میں نے اس حالت میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو یوں پکار کے عرض کی۔

میرے آقا! آپ نے الوداع کہتے ہوئے مجھ کو فرمایا تھا کہ جب تم کسی ہلاکت میں پڑو تو مجھے یاد کرنا۔ اب میں ہلاکت میں مبتلا ہوں۔ اب میری مدد کا وقت ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے ابھی یہ بات پوری بھی نہ کی تھی کہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ میرے سامنے ظاہر ہو گئے۔ شیر کی طرف توجہ فرمائی

اسے ہاتھ سے چلے جانے کا اشارہ فرمایا۔ تو شیر الٹے پاؤں بھاگ گیا پھر آپ میری نظر سے اوجھل ہو گئے۔ اور میں ساتھیوں کے ساتھ جاملا۔ اپنی کہانی ان کے سامنے بیان کی انہوں نے کہا ہم نے بھی آپ کو دیکھا ہے۔ وہ اس سے تعجب کرنے لگے۔

(۲)

ایک قابل اعتماد سید و صاحب نے بیان کیا کہ میں ہندوستان کے دور دراز علاقے میں تھا۔ مجھے ایک صحراء میں کافروں کا عبادت خانہ نظر آیا۔ جس میں بہت سے بت پڑے تھے۔ مجھے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد یاد آیا کہ بتوں کی عبادت کرنے والوں کی توہین اور بتوں کو توڑنا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد ہے۔ میں نے انہیں توڑنا شروع کر دیا اور اس بت خانے کی دیواروں کو گرانے لگا میں اپنے اس کام میں مصروف تھا کہ کفار کی ایک بہت بڑی جماعت جن کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی اچانک مجھے نظر آنے لگی۔ ان کے ہمراہ آلات جنگ بھی تھے۔ شاید انہیں ہمارے اس عمل کی خبر ہو گئی تھی۔ مجھے اور میرے ساتھیوں کو شدید خوف لاحق ہوا۔ اب بھاگنے کی کوئی جگہ باقی نہ رہی تھی۔ میں نے اس حال میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو یاد کیا۔ اور عرض کی اے میرے آقا! یہ سب کچھ میں نے آپ کے حکم سے کیا ہے۔ اب ان نافرماں کافروں نے ہمارا محاصرہ کر رکھا ہے۔ تو میں نے غیب سے ایک آواز سنی یہ آواز حضرت مجدد پاک قدس سرہ العزیز کی تھی۔ آپ فرما رہے تھے تمہیں خوش خبری ہو ہم نے تمہاری مدد کیلئے مسلمانوں کی ایک فوج ارسال کر دی ہے۔ میں نے یہ بات اپنے ساتھیوں کو بتائی تو وہ سارے کے سارے مطمئن ہو گئے۔ تھوڑی دیر بھی نہ گزری تھی کہ خشکی کی طرف سے چالیس سوار نمودار ہوئے جو جلدی جلدی کفار کی جانب رواں تھے۔ کافر یہ دیکھ کر فرار ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کے شر سے محفوظ رکھا۔ پھر ہم نے اس جماعت کو الوداع کہا اور جہاں اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ روانہ ہو گئے۔

(۳)

جہانگیر بادشاہ نے ایک امیر کو، ایک غلطی کی بنا پر، جو اس سے سرزد ہوئی تھی، جیل خانہ میں قید کر دیا۔ اس پر اسی حالت میں طویل زمانہ گذر گیا۔ ایک رات اس نے اپنی رہائی کی استدعا کے لئے ایک شخص آپ کی خدمت میں روانہ کیا۔ آپ نے اس سے فرمایا وہ عنقریب اللہ تعالیٰ کے حکم سے قید خانہ سے باہر آجائے گا۔ اس شخص نے عرض کی حضور یہ کب ہوگا۔ تو آپ قدس سرہ نے فرمایا کل۔ وہ آپ کی مجلس سے خوش ہو کر روانہ ہوا۔ جب صبح صادق ہوئی تو اس نے امیر کے پاس قید خانے میں جانے کا ارادہ کر لیا۔ رستے میں اس کا گذر ایک قوی الجذبہ مجذوب کے پاس سے ہوا۔ وہ اس سے رہائی کی دُعا کا طلب گار ہوا۔ اور عرض کی اے اللہ تعالیٰ کے عارف ! اس امیر کیلئے دُعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اسے قید سے نجات عطا فرمائے۔ مجذوب جواب میں کہنے لگا۔ خواجگان (نقشبندیہ) کے سلسلہ سے ایک شاہباز نے اسے گذشتہ رات اس طرح اپنی طرف کھینچ لیا ہے جس طرح وہ شکار کو کھینچ لیتا ہے۔ اور اسے رہا کر دیا ہے اب اسے کسی اور کی دُعا کی ضرورت نہیں رہی۔ چناں چہ اسے اسی دن قید سے رہائی ہوگئی اور اس طرح اسے اطمینان نصیب ہوا۔

(۴)

ولی کامل حضرت مولانا یوسف سمرقندی قدس سرہ نے ذکر کیا کہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ ایک دن صحرا میں گھوڑے پر سوار تھے آپ کے ساتھ اہل طریقت میں سے کچھ افراد بھی تھے۔ میں بھی ان میں شامل تھا۔ اچانک گرمی شدید ہوگئی اور زمین سخت غبار آلود ہوگئی۔ آپ کے ہمراہی ازراہِ ادب شکایت نہیں کر رہے تھے لیکن ان کے دلوں میں عرض کرنے کا ارادہ تھا۔ آپ قدس سرہ نے میری طرف دیکھا اور تبسم فرمایا۔ ارشاد فرمایا ہمارے ساتھیوں کو گرمی اور گرد و غبار کے باعث بہت تکلیف اٹھانا پڑی۔ میں نے عرض کی اللہ تعالیٰ نے آپ پر معاملہ کو واضح فرما دیا ہے۔ ہمیں عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ نے

آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور کچھ پڑھا تھوڑی ہی دیر کے بعد افق سے بادل کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا ہمارے سروں پر آ کر ٹھہر گیا۔ زمین کے جس ٹکڑے پر ہم تھے، وہ وہاں سایہ فگن ہو گیا۔ صرف ہماری جماعت کے اوپر بارش برسنے لگی نیز ٹھنڈی اور خوشگوار ہوائیں چلنے لگیں۔ اور لوگوں نے سکون کا سانس لیا۔

(۵)

ساداتِ کرام سے ایک شخص حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے والے صحابہ کرام سے عداوت رکھتا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ ایک رات میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے مکتوبات شریفہ کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اس میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد درج تھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنا حضرات شیخین کریمین کو بُرا بھلا کہنے کے برابر ہے۔ یہ پڑھ کر مجھے غصہ آیا میں نے مکتوبات شریفہ کو زمین پر پھینک دیا اور سو گیا۔

خواب میں مجھے آپ کی زیارت ہوئی آپ فرما رہے تھے اے جوان! تو میرے کلام پر اعتراض کرتا ہے۔ نبی پاک ﷺ کے صحابہ کرام سے عداوت کرتا ہے۔ اگر میرا کلام تمہارے لئے کفایت نہیں کرتا تو میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ آپ نے مجھے کھینچ کر ایک بہت بڑے باغ میں داخل کر دیا۔ وہاں میں نے ایک بہت عظیم شخصیت کو دیکھا ان کے بارے میں بتایا گیا کہ یہ حضرت امیر المؤمنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ہیں۔ آپ نے مجھ پر نگاہ ڈالی اور فرمایا نبی کریم ﷺ کے صحابہ کے بغض سے ہزار مرتبہ پرہیز کرو۔ ہم آپس میں بھائی تھے۔ ہم نے جس طرح چاہا آپس میں معاملات طے کئے۔ اور کسی کو مناسب نہیں کہ ہمارے درمیان دخل دے۔ اس شخص کی اطاعت سے باہر نہ ہونا۔ یہ فرماتے ہوئے آپ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کی طرف اشارہ کیا۔

راوی کا کہنا تھا کہ اس کے باوجود میرے دل سے حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرنے والوں کا بغض نہ نکلا۔ اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ ابھی تک بغض و عداوت کی تاریکی سے

باہر نہیں آسکا۔ لہذا اسے سزا دو۔ اس پر آپ نے میری گردن پر زور سے ضرب لگائی۔ میں جاگا تو مجھے محسوس ہوا کہ میرے دل سے ان حضرات رضی اللہ عنہم کی عداوت خارج ہو چکی تھی۔

(۶)

امیر کبیر ہمت خان سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے کمالات کا انکار کیا کرتا تھا۔ آپ کو برا بھلا کہا کرتا تھا۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ غصہ میں تشریف لائے۔ آپ کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ میں یہ دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ آپ اس وقت فرما رہے تھے کہ میں تمہاری زبان کاٹ دوں گا۔ میں نے عرض کی میں آپ کے انکار سے توبہ کرتا ہوں لیکن آپ نے فرمایا یہ تلوار خالی نیام میں نہ جائے گی۔ آپ نے اس سے میری زبان پر ایک باریک سی لکیر کھینچی جس سے خون نکلنے لگا۔ جب میری آنکھ کھلی تو میری زبان پر کٹاؤ موجود تھا۔ اور اس سے خون جاری تھا۔ میں عذر خواہی کیلئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے طریقہ میں داخل ہو گیا۔

انہوں نے اس قسم کی بہت سی کرامات کا ذکر کیا ہے۔

(۷)

انہوں نے یا ان کے کسی بھائی نے ذکر کیا کہ اس نے ایک شخص کو دیکھا وہ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے عداوت رکھتا تھا۔ جب وہ مرا تو اس کی شکل خنزیر کی مانند ہو گئی۔ کہا گیا کہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کا انکار کرنے والے کی یہی سزا ہے۔ غیب کا علم اللہ کے ہاں ہے۔

(۸)

آپ کی سوانح حیات کے مولف (حضرت بدر الدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ) نے ذکر کیا کہ ایک صبح کو حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے بھائی شیخ مسعود رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں بہت غور و فکر کی ہے۔ جو ایک قافلہ کے ہمراہ قندھار گئے تھے۔ قافلہ میں تلاش کیا وہ نہ ملے پھر میں نے

وہاں شہر کے ایک ایک گھر میں تلاش کیا میں نے ان کو نہ پایا۔ پھر میں نے سرہند سے لے کر قندھار تمام منازل اور ان کے ایک ایک کمرے میں تلاش کیا نہ پایا۔ اس کے بعد پوری زمین کے ایک ایک حصہ میں تلاش کیا نہ پایا۔ شاید ان کا وصال ہو چکا ہے۔ اس کے بعد آپ نے ایک گھڑی تک توجہ فرمائی اور ارشاد فرمایا میرے دل میں القاء کیا گیا ہے کہ وہ فوت ہو چکے ہیں ان کی قبر مسجد کے نزدیک ہے۔ مجلس میں موجود افراد نے وہ تاریخ لکھ لی کچھ عرصہ کے بعد ان کی وفات کی اطلاع آئی جس میں اور حضرت مجدد پاک رحمۃ اللہ علیہ کے بیان میں کوئی فرق نہ تھا۔

(۹)

آپ کے سوانح نگار یعنی حضرت شیخ بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ میرے چچا شیخ محمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اصفہان کی جانب ایک سفر میں تھے۔ انہوں نے بتایا کہ میں ایک روز کسی ضرورت کی وجہ سے قافلے سے پیچھے رہ گیا۔ قافلہ میری نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ میں پریشان حال بیابان میں اکیلا رہ گیا تھا ایک چشمے پر آیا وضو کیا اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کی بارگاہ میں کچھ وقت تک عاجزی کرتا رہا۔ میں نے آپ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک عراقی نسل کے گھوڑے پر سوار ہیں۔ میرے پاس تشریف لائے فرمایا اپنا ہاتھ مجھے تھماؤ۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا مجھے اپنے پیچھے سوار کر لیا اور جلدی سے چل پڑے۔ جب قافلہ کے پاس پہنچے تو مجھے اتارا اور فرمایا قافلہ میں شامل ہو جاؤ۔ اور خود نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ میں اللہ تعالیٰ مجدہ کا شکر کرتے ہوئے قافلہ میں شامل ہو گیا۔

(۱۰)

آپ کے معتبر مریدین کی ایک جماعت نے بیان کیا اور پھر آپ کے سوانح نگار (حضرت شیخ بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ) نے تحریر کیا کہ اجین شہر کے سادات کرام میں سے ایک متقی شخص نے کہا کہ میں ایک دکان پر بیٹھا تھا کہ اچانک ایک پرہیزگار آدمی جس کے چہرے سے ریاضت کے آثار اور

ہدایت کے انوار عیاں تھے میری طرف متوجہ ہوا۔ مجھے سلام کیا اور میرے قریب بیٹھ گیا۔ کہنے لگا میں پہاڑ کی چوٹی پر ایک خلوت نشین آدمی ہوں۔ میں وہاں سے نیچے نہیں آتا اور نہ ہی خلوت خانہ سے کبھی باہر نکلا ہوں۔ لیکن آج میں اپنے شیخ اور پیشوا حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی خوشبو پا کر وہاں سے نکلا ہوں۔ جب میں تمہارے پاس پہنچا اس خوشبو میں اضافہ ہو گیا۔ تو میں نے پہچان لیا کہ یہ خوشبو تمہاری وجہ سے تھی۔ شاید تم بھی آپ کے دست گرفتہ افراد میں شامل ہو۔ میں نے کہا ہاں میں بھی آپ کے مریدین میں شامل ہوں۔ ہم آپ کے کمالات اور سیرت طیبہ کا آپس میں تذکرہ کرتے رہے۔ وہ کہنے لگا میں نے آپ سے ایک عجیب بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ میں ایک رات عشاء کے بعد آپ کے دروازے پر کھڑا تھا۔ وہاں آپ کے رشتہ داروں سے ایک شخص بھی موجود تھا۔ وہ کہنے لگا میرے ساتھ میرے گھر تک چلو اور رات کے کھانے میں میرے ساتھ شرکت کرو۔ میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ اس نے آپ قدس سرہ کے بارے میں شکایتیں کرنا شروع کر دیں۔ آپ کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا اور آپ کی طرف نامناسب باتوں کی نسبت کرنے لگا۔ مجھے اس سے بہت شدید تکلیف ہوئی۔ کھانا ہمارے سامنے پڑا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہونا شروع ہو گیا اور اس کا ایک ایک عضو الگ الگ ہو گیا۔ مجھ پر دہشت طاری ہو گئی اور وہاں سے بھاگ پڑا۔ حضرت قطب الانام رضی اللہ عنہ کے دروازے پر آیا۔ آپ دروازے سے باہر نکلے۔ مجھے ہاتھ سے پکڑا اور اس شخص کے گھر میں خود اندر تشریف لے گئے اور مجھے گھر سے باہر کھڑا کیا۔ آپ ایک گھڑی وہاں رک کے پھر دروازے سے باہر تشریف لائے۔ وہ شخص صحیح سالم اپنے گھر سے نکل کر آپ کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ آپ اپنے گھر تشریف لے آئے اور مجھے حکم دیا کہ راز اجنبی لوگوں پر ظاہر نہ کرنا۔

(۱۱)

شیخ بہاء الدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ میں نے بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا تھا۔ حافظ قرآن کا لفظ مجھ پر باقی رہ گیا لیکن میں قرآن مجید بھول چکا تھا۔ رمضان المبارک میں ایک رات میں

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا حافظ صاحب! ہمیں تراویح میں قرآن مجید سناؤ۔ میں نے عرض کی حضور مجھے تو وہ یاد نہیں رہا۔ میں اس سے ایک حرف بھی الا ماشاء اللہ نہیں سنا سکوں گا۔ آپ نے فرمایا تم سنا سکتے ہو۔ محراب میں کھڑے ہو جاؤ۔ میں نے عرض کی جناب یہ کام میری استطاعت سے باہر ہے۔ آپ نے پھر فرمایا یہ تمہاری استطاعت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کھڑے ہو جاؤ۔ میں آپ کے حکم کی بجا آوری کیلئے کھڑا ہو گیا۔ آپ کے ارشاد کی برکت سے میں نے اپنے کو ایک سمندر کی طرح محسوس کیا۔ میں نے کھڑے کھڑے دو رکعتوں میں بیس پاروں سے زیادہ پڑھا۔ حضرت مجدد پاک کے علاوہ باقی لوگ بیٹھ گئے آپ نے کھڑے ہو کر یہ رکعتیں ادا فرمائیں۔

(۱۲)

حلب کے رہنے والے ایک شخص نے آپ سے گذارش کی کہ اسے سلسلہ عالیہ قادریہ کی نسبت القاء کی جائے۔ آپ نے اس کی گذارش کو قبول فرمالیا۔ اور اس سے کہا چند دن تک ہمارے پاس آیا کرو اور ہماری مجلس میں شامل ہوا کرو تاکہ تمہاری مراد پوری ہو سکے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ ان ایام میں مریدین، جن کا سلوک طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں تھا، کی ترقیات معطل ہو گئیں۔ اور ان کے باطنی حالات پر قبض کی حالت طاری ہو گئی جب کہ پہلے ان پر بسط کی کیفیت طاری تھی۔ انہوں نے اپنے حالات حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیے تو آپ ان کی باتیں سن کر مسکرا دیئے اور فرمایا میں ان ایام میں اس سالک کی تربیت کی غرض سے نسبت قادریہ کی طرف سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی نسبت سے زیادہ متوجہ ہوں۔ میں خود بھی ان کی نسبت عالیہ کے رنگ میں رنگا گیا ہوں۔ اسی کی بدولت تمہارا معاملہ اس طرح ہے جس طرح کہ تم خود دیکھ رہے ہو۔ اس کے بعد آپ اپنی پہلی حالت پر واپس آ گئے اور نقشبندی نسبت کی خلعت کو دوبارہ اوڑھ لیا۔ ان کے حال کی طرف توجہ فرمائی تو ان پر اس سلسلہ عالیہ کے اسرار کا فیضان ہونے لگا۔ اور اس عالی مرتبت نسبت کے انوار کے سمندروں میں غرق ہو گئے۔

(۱۳)

اسی شخص کا بیان ہے کہ مجھے بخار ہو گیا۔ وہ اتنا شدید ہو گیا کہ لوگ میری زندگی سے مایوس ہو گئے۔ راتوں کو جاگ جاگ کر میری موت کا انتظار کرنے لگے۔ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کی بارگاہ میں متوجہ ہوا۔ اور اپنی حاجت پیش کی۔ اچانک ایک بزرگ شخصیت میرے سامنے ظاہر ہوئی اس کے جسم پر ایک لمبی سفید رنگ کی چادر تھی۔ وہ فرمانے لگے یہ چادر حضرت رسول کریم ﷺ نے قطبِ وقت حضرت شیخ احمد فاروقی نقشبندی کو ارسال کی ہے اور انہوں نے تمہاری طرف بھیجی ہے تاکہ تم کو اس چادر کے طفیل شفا نصیب ہو جائے۔ انہوں نے وہ چادر میرے دیکھتے دیکھتے مجھ پر ڈال دی۔ میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا میرے ہاتھ تو کچھ نہ لگا لیکن بخار اتر گیا جسم ٹھنڈا ہو گیا۔ میرے بارے میں گمان کیا جانے لگا کہ موت کا وقت آن پہنچا ہے وہ رونے دھونے لگے لیکن میں نے کہا ٹھہر جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کے کرم سے مجھے شفا ہو گئی ہے۔ میں صحت یاب تندرست ہو کر اٹھ بیٹھا۔

(۱۴)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے سوانح نگاروں نے بیان کیا کہ بادشاہوں کے استاد حضرت شیخ میرک رحمۃ اللہ علیہ نے بادشاہ کے سامنے بیان فرمایا کہ جب میں ہندوستان میں آیا تو میرے دل میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے بارے میں غبار اور عداوت تھی۔ کیوں کہ میں نے سن رکھا تھا کہ آپ نے اپنے مکتوبات میں ایسی عبارت لکھ رکھی ہے جس سے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر آپ کی فضیلت لازم آتی ہے۔ اور اس قبیل کی اور عبارت بھی ان مکتوبات میں ہیں۔ جب میں سرہند شہر میں آیا تو میری ملاقات ایسے شخص سے ہوئی جس کے ساتھ میری قدیمی جان پہچان تھی۔ میں نے اسے صلاح وتقویٰ سے آراستہ دیکھا جب کہ اس سے پہلے وہ فسادی لوگوں سے تھا۔ میں نے اس تبدیلی کے بارے میں اس سے دریافت کیا تو وہ کہنے لگا یہ سب کچھ میرے مرشد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ

اللہ علیہ کی صحبت کی برکت ہے۔ میں کہنے لگا کہ اس شخص کی صحبت سے اس چیز کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے وہ تو ایسا ایسا ہے۔ اس نے کہا اللہ آپ پر رحم فرمائے ان کے دیکھے بغیر ان کا انکار مت کرو۔ وہ دور حاضر میں اپنے زمانہ کے قطب اور امام ہیں۔ میں نے جواباً کہا میں اس سے ملاقات نہیں کروں گا کیوں کہ میرے دل میں اس کے بارے میں غبار ہے۔ وہ کہنے لگا آپ کا ان سے ملنا ضروری ہے۔ اس پر اس نے اصرار کیا۔ میں نے کہا جب میں ان کے پاس جاؤں گا تو اپنے دل میں تین راز چھپا کر رکھوں گا۔ ایک یہ کہ وہ مجھے میرا نام لے کر پکاریں۔ اور میرے آباؤ اجداد کے نام لیں۔ دوسرا یہ کہ مجھے اس شبہ کے بارے میں خود بتائیں جو ان کے متعلق میرے دل میں جما ہوا ہے۔ تیسرا یہ کہ دورِ حاضر کے فلاں شیخ، جن کا نام انہوں نے بتایا، کے احوال بیان کریں۔ (یہ تینوں باتیں اپنے دل میں ٹھان کر) میں ان کے گھر آیا جب آپ کے پاس آیا تو میرے دل میں بہت زیادہ ہیبت پیدا ہوگئی۔ مجھ پر رعشہ اور دہشت طاری ہوگئی۔ آپ نے مجھے بیٹھنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ جب میں بیٹھا تو تکیہ کے نیچے سے آپ نے ایک کاغذ نکالا۔ میرے سپرد کر دیا۔ اور فرمایا اسے پڑھو۔ میں نے دیکھا کہ یہ وہی مکتوب ہے جس میں وہ شبہ تھا جس نے مجھے آپ کے انکار پر برانگیختہ کیا تھا۔ میں نے اس مکتوب کا اوّل سے لے کر آخر تک کئی بار مطالعہ کیا میں نے اس میں عقاید کے خلاف کوئی چیز نہ پائی۔ پھر آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور میرا نام لے کر مجھے پکارا فرمایا تم فلاں ہو تمہارے باپ کا نام فلاں تھا اور دادا فلاں تھا۔ ان سب کے نام ذکر فرمائے۔ ان کے بہت سے حالات اور خصائل بیان فرمائے۔ پھر اس شیخ کے احوال بھی بیان فرمائے۔ اس سے میں آپ کے کمال اور اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کے مقام کا معترف ہوگیا۔ آپ کے ارادت مندوں اور ماننے والوں میں شامل ہوگیا۔

(۱۵)

آپ کی حالات زندگی کی کتابوں میں ہے کہ ایک صاحب حال و وجد سالک نے بیان کیا کہ جب دنیا میں آپ کے ارشاد اور عالی مرتبت ہونے کی خبریں مشہور ہوئیں تو میں آپ کے شہر میں ایک تہائی

رات گذرنے کے بعد آیا۔ میں نے ایک مسجد میں ڈیرا ڈال لیا۔ محلہ والوں میں سے ایک شخص نے مجھے دیکھا تو وہ مجھے اپنے گھر لے گیا۔ اس نے میرا حال پوچھا میں نے اسے (آنے کا سبب) بتایا جونہی اس نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی سنا اس نے طعن و تشنیع شروع کر دی میرا دل اس سے تنگ ہوا لیکن وہ اسی حال میں مگن رہا۔ اچانک آپ قدس سرہ العزیز ظاہر ہوئے آپ کے دست اقدس میں ننگی تلوار تھی۔ آپ نے اسے قتل کر دیا اور نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ میرا دل خوف سے بھر گیا۔ اور جلدی سے وہاں سے نکل آیا۔ صبح ہوئی تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے از راہِ کشف مجھے پہچان لیا۔ مجھے آپ گلے سے ملے اور فرمایا جو بات رات کو گذری اس کو دن میں ذکر نہ کرنا۔

(۱۶)

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح نگاروں نے نقل کیا کہ آپ کے مریدین سے ایک نے کہا کہ فرونج کے علاقہ میں مجھے جانے کا اتفاق ہوا۔ میں ایک دن جنگل میں تھا ایک شخص نے دور سے مجھے دیکھا جلدی جلدی چل کر میرے پاس آیا۔ اور کہنے لگا مجھے آپ سے اپنے شیخ کی خوشبو آ رہی ہے تم کون ہو اور تمہارے شیخ کون ہیں۔ میں نے اسے بتایا کہ میرے شیخ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ وہ کہنے لگا میرے مرشد اور شیخ بھی وہی ہیں۔ میں نے اس سے پوچھا تمہیں یہ کرامت کہاں سے حاصل ہوئی۔ اس نے جواب دیا ان کی صحبت کی برکت اور ان کے فیض کے اثر سے مجھے یہ نعمت حاصل ہوئی۔ پھر وہ بتانے لگا میں ایک رات آپ کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ نے فرمایا شاہی باغ میں جاؤ وہ باغ شہر سے باہر ایک میل کے فاصلہ پر تھا۔ آپ نے ایک مقرر جگہ کے بارے میں فرمایا وہاں فلاں فلاں قسم کے درخت ہیں۔ ان درختوں کے آس پاس کچھ فقراء ہوں گے اور فلاں درخت کے نیچے اللہ تعالیٰ کا ایک ولی ہوگا۔ آپ نے اس کا حلیہ مجھے بتایا۔ اور فرمایا اسے میری طرف سے سلام کہنا۔ اور اسے کہنا کہ میرے پاس آئے۔ میں باغ کی طرف گیا بیان فرمودہ جگہ میں پہنچا وہاں فقراء بیٹھے تھے۔ وہ آدمی جس کو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بلا بھیجا تھا وہ

درخت سے ٹیک لگائے ہوئے تھا جس طرح کہ آپ نے بتایا تھا۔ اس کی شکل وصورت بھی ویسی تھی جیسی کہ آپ نے بیان فرمائی تھی۔ جب اس نے مجھے دور سے دیکھا تو پوچھنے لگا کیا قطب الاقطاب حضرت شیخ احمد نے مجھے بلایا ہے۔ وہ میرے کہنے کے مطابق میرے ساتھ چل پڑا۔ ہم آپ کے پاس پہنچے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے قہوہ اور چائے کا حکم دیا میں وہ لے آیا۔ اور پیالی حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو پیش کی۔ آپ نے فرمایا مہمان کے پاس جاؤ۔ میں نے اسے بھی پیالی پیش کی وہ دوسری طرف بیٹھا تھا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اس پر مجھے حیرت ہوئی۔ پھر میں ایک اور پیالی لایا اور اسے لے کر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گیا تو وہ آنے والا مہمان تھا اس کے بعد میں ایک اور لایا تو فرش کے دونوں جانب حضرت مجدد پاک قدس سرہ تھے۔ وہاں وہ شخص نہ تھا۔ میں پھر ایک اور لایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ فرش کے دونوں جانب وہی شخص تھا وہاں ہمارے حضرت نہ تھے۔ اس مہمان نے آپ کے حضور میرے بارے میں گفتگو کی اور کہا اس شخص نے آپ سے طریقہ قادریہ اخذ کیا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ سلسلہ عالیہ کے امام حضرت شیخ عبدالقادر کی اسے زیارت کرادیں اس پر آپ مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا آسمان پر قطب شمالی کی طرف دیکھو۔ میں نے سر کی اپنی ان آنکھوں سے دیکھا کہ ایک نہایت ہی حسین اور جمیل شخص وہاں سے نکلا ہے۔ اتر کر ہمارے پاس پہنچا ہے۔ اس نے آپ رحمۃ اللہ علیہ سے معانقہ فرمایا آپ نے مجھ سے فرمایا یہ شیخ معظم حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اس کی خدمت میں حاضر ہو۔ میں نے ان کے قدموں کا بوسہ لیا اس کے بعد وہ اپنی جگہ تشریف لے گئے۔ سوانح حیات میں اس کے قریب قریب ایک اور حکایت بھی ہے۔

(۱۷)

آپ قدس سرہ نے ایک روز کسی ضرورت کی بنا پر منقی کے دانے بازار سے منگوائے۔ وہ دانے بولنے لگے اور انہوں نے کہا اے حضرت مجدد الف ثانی! اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر شفا ودیعت فرمادی

ہے۔ آپ نے ان کو حفاظت سے رکھنے اور بیماروں کو عطا کرنے کا حکم دیا۔ خدام نے ان کو بیماروں کیلئے محفوظ کر لیا جس نے بھی ان سے کچھ کھایا اللہ تعالیٰ نے اسے شفا بخش دی۔ بالآخر وہ ختم ہو گئے۔

(۱۸)

حضرت سید سعد الدین رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے خلفائے کرام کے امام حضرت میر نعمان رحمۃ اللہ علیہ کے بھائیوں میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی صحبت کی برکت سے ان پر علم لدنی کا دروازہ کھول رکھا تھا۔ ملکوت کے اسرار ان پر عیاں تھے۔ دیواروں کی دوسری اطراف سے آپ کو نظر آیا کرتا تھا۔ آپ شہر کے لوگوں کے حالات الا ماشاء اللہ بیان کیا کرتے تھے۔ ایک دن دوران نماز ان کو خیال گذرا کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اگرچہ اپنے زمانہ کے قطب ہیں لیکن میں نے ان سے اس طرح کی کرامات نہیں دیکھیں جس طرح متقدین کی کرامات بیان کی جاتی ہیں۔ اس قبیح خیال کے آتے ہی آپ کے تمام کشفوں پر پردہ چھا گیا۔ سینہ سے پیارا علم سلب ہو گیا۔ اس وجہ سے وہ حیران رہ گئے اور بہت غمگین ہوئے۔ کہنے لگے مجھے اس قبیح خیال پر مواخذہ ہوا ہے۔ نماز مکمل کی اور حضرت مجدد پاک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں معافی کے لئے حاضر ہوا۔ آپ نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا لوگو! یہ سید صاحب کرامت کے طلب گار ہیں۔ جب کہ ہمارے ہاں استقامت کا اعتبار ہے۔ جو کہ کرامت کا طالب ہو اسے چاہیے کہ کوئی اور شیخ تلاش کرے۔ سید صاحب نے توبہ کی اور نادم ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان پر پہلے کی طرح کی حالت کھول دی۔

(۱۹)

حضرت میر نعمان رحمۃ اللہ علیہ کے ایک اور بھائی نے اپنے شہر میں خواب میں دیکھا کہ حضرات مشائخ نقشبندیہ ایک جگہ جمع ہیں۔ نماز کا وقت آیا تو انہوں نے بڑے غور و فکر کے بعد ایک باعظمت شخص کو آگے بڑھایا اس نے ان کی امامت کی میں نے ان کی پہچان کر لی۔ ان کی صورت میرے دل میں آ گئی۔

جب میں ہندوستان میں آیا اور مشائخ کرام کی زیارت کی اور تلاش کیا تو جو صورت میرے دل میں تھی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی شکل وصورت بعینہ اسی طرح کی تھی۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ آپ وہی ہیں۔

(۲۰)

مذکورہ بالا کرامت سے بھی بہتر خواب وہ ہے جو حضرت امیر کبیر حضرت محمد نعمان رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا۔ آپ نے خواب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ان کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے فرمایا اے ابوبکر! میرے بیٹے محمد نعمان کو کہہ دو کہ جو شیخ احمد سرہندی کا مقبول ہے وہ میرے ہاں مقبول ہے اور جو میرے ہاں مقبول ہے وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں مقبول ہے۔ اور جو شخص شیخ احمد کا مردود ہے وہ میرا مردود ہے اور جو میرا مردود ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی مردود ہے۔

حضرت میر نعمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دل میں کہا خدا کی حمد ہے کہ میں اپنے شیخ کے ہاں مقبول ہوں۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر مذکور کو فرمایا تم ایسے ہی ہو۔

(۲۱)

آپ نے فرمایا میں نے خواب میں ایک بہت بڑا باغ دیکھا جو بہت بلندی پر واقع تھا۔ دنیا میں اس جیسا باغ دکھائی نہیں دیتا۔ گویا تمام جہاں اس میں سمائے ہوئے ہیں۔ سب لوگ اوپر کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ اوپر ایک امیر ہے جو لوگوں کو جو چاہے کرنے کا حکم دیتا ہے اور جس سے چاہے منع کرتا ہے۔ غرض مند لوگ اس کا انتظار کر رہے ہیں اور اس کی طرف جھانک رہے ہیں۔ وہ امیر صرف ایک کلمہ کہتا ہے ساری مخلوق اس سے مطالب اخذ کرتی ہے اور سارے مقاصد کو سمجھتی ہے۔ میں نے کہا یہ کون ہے۔ اوپر دیکھا تو مجھ پر عیاں کیا گیا کہ یہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

(۲۲)

ہم نے اپنی کتاب ''البرہان الجلی فی الذکر الخفی'' میں لکھا کہ آپ حضرت امیر مرتضیٰ خان بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر تشریف لائے۔ بہت دیر تک اس کے پاس تشریف فرما رہے۔ جب آپ وہاں سے اٹھے تو آپ سے ان کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا ان کی روح محبوس، زیر محاسبہ اور عتاب زدہ تھی۔ میں نے اس حالت کو دور کرنے کیلئے توجہ کی۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عاجزی کی۔ یہاں تک وہ آزاد ہوگئی اور اسے رہا کر دیا گیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے سنگیوں میں ایک امیر لاہور آیا وہاں اس کی ملاقات ایک نیکوکار قابل اعتماد شخص سے ہوئی جو حضرت مرتضیٰ خان رحمۃ اللہ علیہ کی سرگذشت یوں سنا رہا تھا کہ میں جناب نواب مرتضیٰ خان رحمۃ اللہ علیہ کا ساتھی تھا۔ ہم دونوں کے درمیان ایک معاہدہ تھا کہ ہم میں جو پہلے وفات پائے گا وہ دوسرے کو خواب میں اپنا حال بتائے گا۔ وہ مجھ سے پہلے چل بسے میں ہر رات کو طہارت کرتا ان کے ایصالِ ثواب کیلئے نماز نفل پڑھتا اور استغفار کیا کرتا تھا لیکن خواب میں مجھے کچھ نظر نہ آتا۔ دو سال کے بعد ایک رات میں سو رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ وہ فرحاں وشاداں میرے پاس آئے ان کی حالت ایسی تھی گویا بہت بڑی قید سے رہائی پا کر آئے ہوں۔ میں نے دریافت کیا تمہارا کیا حال رہا۔ اس وعدہ کے باوجود آپ کیوں اس سے پہلے نہ آسکے۔ اس نے کہا بھائی! میں آج تک قید میں زیر محاسبہ تھا۔ جونہی میں نے رہائی پائی میں جلدی سے تمہارے پاس آگیا ہوں۔ میری رہائی کا باعث یہ ہوا کہ حضرت شیخ احمد سرہندی آج میرے پاس (قبر پر) تشریف لائے۔ وہ مسلسل اللہ تعالیٰ کے دربار میں عاجزی سے دُعا مانگتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رہا فرما دیا اب میں تمہارے پاس آیا ہوں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے سنگی نے کہا میں نے اس سے اس خواب کی تاریخ دریافت کی تو وہ وہی دن تھا جب آپ رحمۃ علیہ نواب مرتضیٰ خان رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر تشریف فرما ہوئے تھے۔ میں (حضرت شیخ عبدالاحد وحدت صاحب البرحان الجلی رحمۃ اللہ علیہ) اس وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھا۔ سچی بات کے بارے میں اللہ تعالیٰ

بہتر جانتا ہے۔ تمام احوال میں اسی سے بخشش طلب کی جاتی ہے۔ درود وسلام مخلوق میں سب سے افضل ہستی پر ہو۔

(۲۳)

آپ قدس سرہ العزیز کی سوانح حیات میں ہے کہ آپ نے ایک روز فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ میری عمر کے سال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے سالوں جتنے ہوں گے۔ جب وہ وقت قریب آیا تو آپ کی اللہ تعالیٰ کی جانب توجہ اور مخلوق سے قطع تعلقی پہلے کی نسبت زیادہ ہوگئی۔ آپ نے خلوت اختیار کرلی۔

(۲۴)

شب برات میں آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا یہ وہ رات ہے جب کہ بعض لوگوں کے نام زندہ لوگوں کے رجسٹر سے مٹا دیئے جائیں گے اور دوسرے لوگوں کے نام وہاں لکھ دیئے جائیں گے۔ تو آپ قدس سرہ نے جواب میں فرمایا اس شخص کا کیا حال ہوگا جو لوح محفوظ کو دیکھ رہا ہے۔ اور اسے نظر آرہا ہے کہ میرا نام زندہ لوگوں کے رجسٹر سے مٹا دیا گیا ہے۔ اس سے آپ اپنی ذات والاصفات مراد لے رہے تھے۔ اگلی شب برات کی آمد سے قبل ہی آپ نے وصال فرمایا۔

اس کے بعد آپ نے اس کی صراحت بھی فرمادی۔ اور فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گہربار سے مجھے بہت بڑی بشارات دی گئیں۔ بہت عظیم عنایات عطا ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وراثت میں مجھے مقام شفاعت سے مشرف کیا گیا۔ میرے لئے خوشنودی کا شاہی فرمان اور پروانہ تحریر کردیا گیا جس میں بہت سے اعزازات اور کرامات مندرج ہیں۔ اس شاہانہ پروانہ کا تعلق آخرت سے ہے جو دنیوی شاہی فرمان کے بدلے میں ہے۔ اس پر آپ نے اپنے سنگیوں اور گھر والوں کو الوداع کہہ دیا۔ اپنی اولادِ کرام کو شریعت مطہرہ اور اتباع نبوی کو لازم پکڑنے کی وصیت فرمائی۔ انہیں ایسے امور کی وصیت فرمائی

جو متقی لوگوں کے لائق اور مناسبِ حال ہوتے ہیں ان میں سب سے آخری وصیت وہ ہے جو آپ نے اپنے ہر دو سجادہ نشین حضرات یعنی امت کے افراد کے سردار خازن الرحمۃ حضرت شیخ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ اور قطب العالمین امام العارفین حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کو فرمائی۔ حضرت خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کے حالات پر ایک کتاب کا نام اللطائف المدنیہ ہے اور حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل وکمالات پر یواقیت الحرمین ہے۔ آپ نے ان دونوں کو وصیت فرمائی کہ اگر تم پر کوئی ایسا راز عیاں کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ کے مطابق ہو تو وہ نور اور ہدایت ہے۔ اگر ان دونوں کے خلاف ہو تو وہ تاریکی اور گمراہی ہے۔ اس کے قریب جانے کا قصد بھی نہ کرو۔ اگر چہ وہ صبح تاباں کی مانند ہو۔

میں کہتا ہوں آپ قدس سرہ العزیز کا یہ ارشاد شریعت مطہرہ کے ادب اور حکم الٰہی کے سامنے عاجزی اختیار کرنے کیلئے ہے۔ ورنہ ان حضرات گرامی قدر کے مکاشفات کا کتاب وسنت کے مخالف ہونا ممکن ہی نہیں۔

آپ کا انتقال تریسٹھ برس کی عمر میں منگل کے روز اٹھائیس صفر المظفر ۱۰۳۴ھ ہجری کو ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر مبارک کو منور رکھے۔ لوگوں نے آپ کے انتقال کے وقت اس سے پہلے اور بعد میں بہت سی عظیم نشانیاں اور کرامات دیکھیں۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

(۱)

آپ قدس سرہ العزیز نے ایک روز گھر کے ایک کونے کی طرف اشارہ کرکے فرمایا میں نے اس جگہ کعبہ معظمہ کے نور کی مانند ایک بہت عظیم الشان چمکتا ہوا نور دیکھا ہے۔ جس کے باعث مجھے حیرانی ہوئی۔ اس پر ندا آئی کہ یہ آپ کے قلب مبارک کے انوار سے ہے یہاں اس لئے ودیعت کیا ہے تاکہ تمہاری قبر اس جگہ میں ہو۔ جب آپ کا وصال مبارک ہوا لوگ جمع ہوئے اور آپ کی قبر انور کی جگہ کے

بارے میں بات چیت کرنے لگے۔ اس بات پر اتفاق ہوا کہ آپ کی قبر مسجد کے قریب ہو چناں چہ ایسا ہی ہوا اتفاق سے یہ جگہ وہی تھی جو آپ نے اپنے وصال مبارک سے دس سال قبل متعین فرمائی تھی۔

(۲)

جب آپ کو دفن کیا جا چکا تو اس روز آسمان کے اطراف انتہائی سرخ رنگت کے ہو گئے۔

(۳)

آپ رضی اللہ عنہ کبھی کبھی صبح کے وقت یا رات کو اپنی قبر سے باہر تشریف لے آتے۔ بعض لوگ آپ کی زیارت کرتے، اور انتہائی تعجب کی بات یہ ہے کہ کبھی آپ نماز کی صف میں شامل ہو جاتے۔ لوگوں کے ذہنوں سے یہ بات محو ہو جاتی کہ آپ کا انتقال ہو چکا ہے۔ جب جماعت ہو چکتی لوگ متنبہ ہوتے آپ کی طرف جلدی جلدی آتے لیکن آپ رحمۃ اللہ علیہ نظروں سے غائب ہو چکے ہوتے۔

(۴)

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کے بڑے صاحب زادے خازن الرحمۃ حضرت شیخ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں رات کو آپ کے مزار شریف کے قریب ایک حجرہ میں رہا کرتا تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کئی راتوں کو اپنی قبر انور سے باہر تشریف لاتے۔ گھر کے صحن میں چکر لگاتے۔ قرآن مجید باآوازِ بلند تلاوت فرماتے۔ میں ادب کے باعث آپ سے تعرض نہ کرتا۔

ایک رات میں وہیں تھا۔ آپ اپنے مزار اقدس سے باہر آئے۔ میری طرف رخ فرمایا میرے حجرہ میں تشریف لے آئے میں آپ کو وہاں پا کر کھڑا ہو گیا آپ نے مجھے اپنی گود میں لیا۔ مجھے کھینچا اور بھینچا پھر آپ چلے گئے۔ اور اپنی جگہ پر تشریف لے گئے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت میر نعمان رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے۔

آپ کے وصال پر آپ مریدین اور سنگیوں نے فارسی اور عربی نظم اور نثر میں دو سو سے زیادہ

تاریخی مادے استخراج کئے ہیں۔ جن میں سے دس درج ذیل ہیں۔

۱۔ مرآت جمال اللہ

۲۔ اکبر آیۃ من آیات ربہ

۳۔ رفیع المناقب

۴۔ باعث نجات ابد

۵۔ اکمل الافاضل

۶۔ ہواشرف العالمین

۷۔ الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب

۸۔ العارف الذی وہب لہ ربہ

۹۔ وارث الرسول

۱۰۔ خیر المناقب

باب ہفتم

چند ارشادات مبارکہ

ان ارشادات میں سے بعض کو (فارسی سے عربی زبان میں ترجمہ کئے بغیر) اپنی اصلی حالت میں درج کیا ہے۔ جب کہ بعض کا عربی میں ترجمہ کر کے شامل کتاب کیا ہے۔

(۱)

پہلے عنایت الہیہ نے مجھے مراد افراد کی مانند اپنی طرف کھینچا۔ پھر سلوک کی منازل میرے لئے آسان کیں۔ پہلے پہل میں نے اللہ تعالیٰ کو اشیاء کا عین پایا۔ پھر اسے اشیاء میں حلول اور سریان کے بغیر پایا۔ اس کے بعد اشیاء کے ساتھ معیت ذاتیہ سے متصف پایا۔ زاں بعد اشیاء کے بعد پھر ان سے پہلے پایا۔ پھر میں نے اللہ تعالیٰ کو (بصیرت کی آنکھ سے) دیکھا اور کسی شے کو نہ دیکھا۔ توحید شہودی کا یہی مفہوم ہے۔ اس کیفیت کو فنا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور یہ ولایت کے میدان میں رکھا جانے والا پہلا قدم ہے۔ اور سب سے پہلا کمال ہے جو آغاز میں حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ رویت، مراتب مذکور سے کسی مرتبہ میں ہو پہلے آفاق میں پھر نفس میں حاصل ہوتی ہے۔

پھر میں نے بقا کی جانب ترقی کی جو ولایت کے میدان میں دوسرا قدم ہے۔ پھر میں نے اشیاء کو ثابت پایا اللہ تعالیٰ کو ان کا عین بلکہ اپنی ذات کا عین پایا۔ پھر میں نے اللہ تعالیٰ کو اشیا میں بلکہ اپنی ذات میں پایا۔ اس کے بعد میں نے اسے اشیاء کے بعد بلکہ اپنے نفس کے بعد پایا۔ زاں بعد میں نے اشیاء کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ کو بالکل نہ دیکھا یہ وہ نہایت ہے جہاں سے بدایت کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ اور عوام کے مرتبہ کی جانب واپسی ہوتی ہے۔ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کا یہ سب سے کامل مقام ارشاد تکمیل کی سب سے کامل منزل اور مخلوق کے ساتھ کامل ترین مناسبت ہے جو کمال افادہ اور استفادہ کا تقاضا

کرتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے وہ اس سے نوازتا ہے اللہ تعالیٰ بڑا احسان فرمانے والا ہے۔ تمام مذکور احوال اور اوپر درج تمام کمالات مجھے حاصل ہیں۔ بلکہ ہر حال اور ہر کمال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل مجھ تک پہنچا ہے۔

(۲)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

ان اللہ یبعث علی راس کل مائۃ سنۃ من ھذہ الامۃ من یجدد لھا دینھا۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہر سو سال کے سرے پر اس امت میں ایسی شخصیت کو مبعوث فرماتا ہے جو اس کیلئے اس کے دین کی تجدید کرتا ہے۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے الہام فرمایا ہے کہ تم گیارہویں صدی میں مبعوث ہونے والے مجدد ہو۔ اور مجھ پر یہ بات عیاں کی گئی ہے کہ تم مجدد الف ثانی ہو۔ یعنی تم ایسی شخصیت ہو کہ قیامت تک جو آئے گا اس کو بارگاہ صمدیت سے فیض تمہارے واسطے سے پہنچے گا۔ اگرچہ وہ قطب ہوں، اوتاد ہوں یا ابدال ہوں۔ انہیں اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ دو شخصوں کے علاوہ ہر کوئی اسی کے وسیلہ سے واصل باللہ ہوگا۔ اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مہدی موعود علیہ الرضوان ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو صاحب نبوت ہیں اور طریق نبوت میں واسطہ نہیں ہوتا۔ اور حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کا وصول بھی نبوت کی راہ سے ہوگا نہ کہ ولایت کی راہ سے۔ جیسا کہ اپنے مقام پر تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

(۳)

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام نازل ہو۔

اسے سچے دوست! یہ جان لو کہ کسی بشر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کلام کبھی روبرو ہوتا ہے کلام کی یہ کیفیت انبیائے کرام علیہم السلام کے لئے ہوتی ہے۔ اور کبھی یہ کلام ان کے کامل متبعین کے ساتھ تبعیت اور

وراثت کے باعث بھی ہوتا ہے۔ جب کسی سے اس قسم کا کلام کثرت سے ہو تو اسے مُحَدَّث کہتے ہیں جیسا کہ امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ہوتا تھا۔ یہ کلام، الہام اور دل میں القاء کرنے اور فرشتے کے ساتھ کلام کے علاوہ ہوتا ہے۔ اس کلام سے صرف کسی کامل انسان کو مخاطب کیا جاتا ہے جو عالم امر و خلق، روح و نفس اور عقل و خیال کا جامع ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جسے چاہے مختص فرمالیتا ہے اللہ تعالیٰ بڑا احسان فرمانے والا ہے۔

روبرو کلام سے یہ لازم نہیں آتا کہ کلام کرنے والا، کلام سننے والے کو دکھائی بھی دے کیوں کہ ممکن ہے اس کی نظر کمزور ہو۔ جو اس کے انوار کے حسن کی تاب نہ رکھتی ہو۔ جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رویت باری تعالیٰ کے متعلق سوال کے جواب میں فرمایا ایک نور ہے جو میں دیکھتا ہوں۔ نیز روبرو ہونے کی صورت میں شہودی حجابات اٹھ جاتے ہیں نہ کہ وجودی پردے۔ اسے سمجھ لو۔ کیوں کہ یہ بہت عظیم الشان معرفت ہے۔ شاذ و نادر ہی کسی نے اس کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ ہدایت کی اتباع کرنے والوں پر سلام ہو۔

(۴)

حضرت شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مشائخ کرام میں سے ہر کسی کے آئینہ کی دو جہتیں ہیں۔ لیکن میرے آئینہ کی چھ جہتیں ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد مبارک کی وضاحت اس خاندان عالیہ کے خلفاء میں کسی نے یقیناً نہیں کی۔ بلکہ رمز اور اشارہ سے بھی اس بارے میں گفتگو نہیں کی۔ اس فقیر کو کیا حق پہنچتا ہے کہ اس کی شرح کرے یا اس کی توضیح میں زبان کھول سکے۔ لیکن چوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے محض اپنے کرم سے اس معما کو اس فقیر حقیر پر واضح کیا ہے اور اس کی حقیقت کو کماحقہ ظاہر کیا ہے۔ اس پاک ذات نے میرے دل میں القاء کیا کہ اس چھپے ہوئے موتی کو وضاحت کے پوروں سے تحریر کی لڑی میں پرودے۔ اور ترجمانی کی زبان کے ساتھ اس کی تقریر کرے۔ استخارہ کرنے کے بعد میں نے اسے

شروع کیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے عصمت اور توفیق کا سوال ہے۔

جاننا چاہیے کہ آئینہ سے مراد عارف کا قلب ہے جو روح اور نفس کے درمیان برزخ ہے اور دو جہتوں سے مراد روح اور نفس کی جہتیں ہیں۔ مقام قلب تک رسائی کے وقت باقی مشائخ کرام پر یہ دونوں جہتیں منکشف ہو جاتی ہیں اور ان پر دو مقامات کے علوم و معارف جو قلب کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں ان پر نازل ہونے لگتے ہیں۔ اس کے برعکس حضرت شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے جس طریقہ سے ممتاز فرمایا ہے۔ ان کے اس مقام میں نہایت ہدایت میں شامل ہے۔ اس طریقہ میں قلب کے آئینہ میں چھ جہات ظاہر ہو جاتی ہیں۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ اس سلسلہ عالیہ کے بزرگوں پر اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت عیاں فرما دی ہے کہ انسانوں کے تمام افراد ہیں جو چھ لطائف یعنی نفس، قلب، روح، سر، خفی اور اخفی پائے جاتے ہیں۔ اکیلے قلب میں بھی پائے جاتے ہیں۔ چھ جہات سے آپ کی مراد یہ چھ لطائف ہیں۔ باقی مشائخ کرام کی سیر قلب کے ظاہر ہوتی ہے لیکن ہمارے ان مشائخ کرام کی سیر قلب کے باطن میں ہوتی ہے۔ اس سیر کے باعث وہ ابطن بطون تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔ ان چھ لطائف کے علوم و معارف ان پر مقام قلب میں ہی ظاہر ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ علوم صرف وہ ہوتے ہیں جن کو مقام قلب سے مناسبت ہوتی ہے۔ حضرت شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد مبارکہ کی وضاحت یہ تھی۔

اس فقیر پر مشائخ کرام کی برکت سے بہت زیادہ انکشاف ہوئے اور تحقیق کے بعد تدقیق کا مرتبہ حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

واما بنعمة ربک فحدث۔

ترجمہ: رب تعالیٰ کی نعمتوں کو بیان کرو۔

اس آیت مبارکہ کے حکم کے مطابق اس مزید انکشاف سے ایک رمز اور اس تدقیق سے ایک

اشارہ کا ذکر کرتا ہوں۔ حفاظت اور توفیق اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ جس طرح قلب پر چھ لطائف کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہوتا ہے اسی طرح قلب قلب بھی ان لطائف کو متضمن ہوتا ہے۔ لیکن قلبِ قلب میں دائرہ کی تنگی یا کسی دوسرے راز کی بدولت ان چھ لطائف میں دو لطیفے یعنی لطیفۂ نفس اور لطیفہ اخفی جزئیت کے انداز میں ظاہر نہیں ہوتے۔ مرتبہ ثالثہ میں بھی قلب کا یہی حال ہوتا ہے لیکن اس مرتبہ میں لطیفہ خفی بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ مرتبہ رابعہ میں بھی قلب کا یہی حال ہوتا ہے لیکن اس مرتبہ میں لطیفہ سر ظاہر نہیں ہوتا۔ مرتبہ خاصہ میں لطیفہ روح بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ اس مرتبہ میں قلب محض اور بسیط رہ جاتا ہے۔ اس میں کسی اور شے کا اعتبار نہیں ہوتا۔ یہاں بعض معارف عالیہ کو جاننا ضروری ہے تاکہ ان معارف کی بدولت النہایت انہایت اور غایۃ الغایۃ تک رسائی حاصل کی جا سکے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عطا فرمودہ توفیق سے میں کہتا ہوں کہ جو کچھ عالم کبیر میں تفصیل کے ساتھ ظاہر ہے وہ سب کچھ عالم صغیر مین اجمالی انداز میں ظاہر ہے۔ عالم صغیر سے مراد انسان ہے۔ لہذا جب عالم صغیر کا زنگ اتار کر اسے روشن اور پرنور کر دیا جائے تو اس میں آئینہ کی مانند وہ تمام اشیاء عیاں ہو جاتی ہیں جو عالم کبیر میں تفصیل کے ساتھ پائی جاتی ہیں کیوں کہ زنگ اترنے اور پرنور ہو جانے کے باعث اس کا ظرف وسیع ہو جاتا ہے۔ اور اس کے کوتاہ ہونے کا حکم زائل ہو جاتا ہے۔ یہی کیفیت قلب کی ہے۔ جس کی نسبت عالم صغیر سے اس جیسی ہے جیسی عالم صغیر کہ جمال اور تفصیل میں عالم کبیر کے ساتھ ہے۔ لہذا جب عالمِ اصغر یعنی عالمِ قلب صیقل ہو جاتا ہے۔ تو اس پر چھائی ہوئی تاریکی چھٹ جاتی ہے اس میں آئینہ کی طرح تمام چیزیں جو عالم صغیر میں تفصیل کے ساتھ موجود ہوتی ہیں عیاں ہو جاتی ہیں۔ قلب کی نسبت قلب القلب میں بھی جمال اور تفصیل کے اعتبار سے یہی حال ہے۔ اس میں تفصیل کا ظہور ہو جاتا ہے اگرچہ یہ مجمل ہوتا ہے۔ اجمال اور تفصیل میں تیسرے مرتبے اور چوتھے مرتبہ میں اسی قیاس کے مطابق ہوتا ہے۔ (یعنی درجہ سوم میں تفصیل اور اس سے اگلے درجہ یعنی چوتھے درجہ میں اجمال ہوتا ہے) مراتب

سابقہ میں موجود تفصیل کا ظہور ان دو مراتب میں صقالت اور نورانیت کے باعث ہوتا ہے۔ اسی طرح قلب کا پانچواں درجہ بسیط ہوتا ہے اور اس میں کسی اور چیز کا اعتبار نہیں ہوتا اس میں بھی کامل تصفیہ کے بعد وہ تمام اشیاء ظاہر ہو جاتی ہیں جو تمام عوالم یعنی عالم کبیر، عالم صغیر اور عالم اصغر میں ظاہر ہوتی ہیں۔ جیسا کہ اوپر گذر چکا۔ لہذا اس پانچویں درجے میں قلب تنگ ہونے کے باوجود وسعت رکھتا ہے۔ وسیع ہونے کے ساتھ مزید وسعتوں کا حامل ہوتا ہے۔ قلیل تر ہونے کے باوجود کثیر تر ہوتا ہے۔ چیزوں میں کوئی اور چیز اس کیفیت کے ساتھ پیدا نہیں ہوئی۔ اس عجیب وغریب لطیفہ کے علاوہ کوئی اور شے ایسی موجود نہیں جو اس کے خالق جل وعلا کے ساتھ اس سے بڑھ کر مناسبت رکھتی ہو۔ اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ اس میں اس کے خالق سبحانہ وتعالیٰ کی عجیب وغریب نشانیاں ظاہر ہیں جو اس کی کسی اور مخلوق میں نہیں۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے اس حدیث قدسی میں فرمایا۔

لایسعنی أرضی ولاسمائی لکن یسعنی قلب العبد لمومن۔

ترجمہ: میں نہ اپنی زمین میں سماتا ہوں اور نہ اپنے آسمان میں۔ لیکن میں صاحبِ ایمان بندے کے دل میں سما جاتا ہوں۔

عالم کبیر اگرچہ ظہور کے اعتبار سے آئینوں میں سب سے وسیع آئینہ ہے۔ لیکن اسے اپنی کثرت اور تفصیل کی بدولت ذات باری تعالیٰ سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ جس میں نہ کوئی کثرت پائی جاتی ہے اور نہ ہی کوئی تفصیل۔ اس کی ذات کی مناسبت کے لائق جیسا کہ عیاں ہے وہی شے ہو سکتی ہے جو تنگ ہونے کے باوجود وسیع تر ہو۔ بسیط ہوتے ہوئے اس میں بہت زیادہ وسعت ہو۔ قلیل تر ہونے کے باوجود اس میں بہت زیادہ کثرت بھی موجود ہو۔ جب کوئی عارف جس کو کامل تر معرفت حاصل ہو اور جس کا شہود مکمل تر ہو اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جس کا وجود بہت نادر اور جس کا مرتبہ بہت شرافت وعظمت والا ہے تو وہ عارف سارے جہانوں اور تمام ظہورات کا قلب بن جاتا ہے۔ ایسا عارف ہی ولایت محمدیہ سے متحقق اور دعوت

مصطفویہ سے مشرف ہوتا ہے چناں چہ (باقی اولیائے کرام یعنی) اقطاب، ابدال اور اوتاد اس کی ولایت کے دائرہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اور افراد، امناد اور اولیائے کرام کے باقی گروہ اس کی ہدایت کے انوار کے تحت داخل ہوتے ہیں۔ کیوں کہ وہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب اور اللہ تعالیٰ کے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے مزین ہوتا ہے۔ اس عظیم نسبت کا وجود بہت نادر ہے مرادین سے کسی کسی کے ساتھ یہ مخصوص ہوتی ہے۔ مریدین کیلئے اس کمال سے کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ یہ عظمت والی غایت اور سب سے آخری انتہا ہے جس سے بالاتر کوئی اور کمال نہیں اور نہ اس سے بڑھ کر اور کوئی عطیہ ہے۔ اگر ان صفات کا حامل کوئی عارف ہزاروں سال کے بعد بھی پایا جائے تو اس کا وجود غنیمت شمار ہوگا۔ اس کی برکتیں طویل زمانوں اور دراز مدتوں تک جاری وساری رہتی ہیں۔ ایسی ہستی کا کلام دوا اور نظر شفا ہوتی ہے۔ اس بہترین امت سے حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ اسی نسبت شریفہ سے مزین ہو کر عنقریب موجود ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا احسان فرمانے والا ہے۔

اس سب سے بڑی نعمت کا حصول، جذبہ اور سلوک ہر دو طریق کی تفصیل یعنی ایک ایک کر کے تمام مراتب کی تکمیل اور ایک ایک کر کے تمام درجات کی بقائے اکمل اور فنائے اکمل کے اکمال سے تعلق رکھتا ہے۔ اور یہ (مراتب ومقامات کی تکمیل) حضرت سید المرسلین اور محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کے بغیر میسر نہیں آسکتی۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے ہم کو ان کی اتباع کرنے والوں سے بنایا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں آپ کی کامل اتباع، اس پر ثابت قدمی اور آپ کی شریعت مطہرہ پر استقامت نصیب کرے۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے جو ہماری اس دُعا پر آمین کہے۔ یہ معارف ایسے دقیق اسرار اور خاص اشارات سے ہیں جن کے بارے میں اکابر اولیائے کرام میں کسی نے لب کشائی نہیں فرمائی اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں کسی نے ان کی طرف اشارہ تک نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بندے کو ان اسرار اور ان کے اظہار کیلئے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل منتخب فرما

لیا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

اگر پادشہ بر در پیر زن
بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

ترجمہ

اگر بڑھیا کے دروازے پر آئے سلطاں
تو اے حاکم نہ ہو ہرگز پریشاں

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کسی علت یا کسی سبب سے وابستہ اور متعلق نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے اور جیسا چاہتا ہے حکم فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اپنی رحمت سے خاص کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ اس کی بہترین مخلوق حضرت محمد مصطفیٰ اور آپ کی آل پاک، تمام انبیاء و مرسلین، ملائکہ مقربین اور اللہ تعالیٰ کے تمام بندگانِ صالحین پر درود و سلام اور برکت کا نزول ہوتا رہے۔ ہدایت کی اتباع کرنے والے اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو پختہ طریقہ سے اپنانے والے پر سلام ہو۔

(۵)

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر عیاں فرمایا ہے کہ ہندوستان میں انبیاء و رسل مبعوث ہوئے ہیں اس نے مجھے ان کے اسمائے گرامی، مقامات اور دیہات جن میں ان کی بعثت ہوئی اور ان کی قبروں کا علم عطا کیا ہے۔ مجھے ان کی قبروں پر چمکتے نور دکھائی دیتے ہیں۔ جن لوگوں نے ان پر ایمان قبول کیا، ان کے مقامات اور درجات مجھ پر منکشف کر دیئے گئے ہیں۔ اگر میں چاہوں تو ان سب چیزوں کو ذکر کروں۔ جتنے نبی یہاں مبعوث ہوئے ان میں سے کوئی نبی ایسا نہیں جس پر تین سے زیادہ لوگ ایمان لائے ہوں۔ کچھ نبی ایسے ہیں جن پر ایک شخص ایمان لایا کچھ رسول ایسے ہیں جن پر دو، کچھ ایسے ہیں جن پر تین اور کچھ ایسے ہیں جن

پر ان کے وصال فرما جانے تک کوئی شخص ایمان نہ لایا۔

(٦)

ان دنوں عرش مجید سے اوپر عروج کثرت سے وقوع پذیر ہوتا ہے۔ پہلے پہل جب عرش سے اوپر عروج حاصل ہوا اور میں نے یہ سفر طے کیا تو جنتِ خلد کو اس کے نیچے دیکھا۔ دل میں آیا کہ وہاں میں لوگوں کے مقامات تو دیکھ لوں۔ بعض لوگوں کے مقامات مجھ پر منکشف ہوئے۔ میں نے ذوق اور شوق کے اعتبار سے نیز مرتبے اور جگہ کے لحاظ سے ان کو مختلف مقامات پر دیکھا ایک اور مرتبہ مجھ پر مشائخ کرام، اہل بیت عظام، خلفائے راشدین، حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامات وہاں یعنی عرش مجید سے اوپر منکشف ہوئے۔ اسی طرح تمام انبیائے کرام اور ملاءِ اعلیٰ کے مقامات اس کے اوپر، ان کے درجات کے لحاظ سے مجھ پر عیاں ہوئے۔ جب عرش مجید سے اوپر مجھے عروج نصیب ہوا اور میں نے زمین کے مرکز سے لے کر عرش تک مسافت کر لی تو میں نے وہاں حضرت خواجہ شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کا مقام دیکھا آپ کے مقام سے تھوڑا سا اوپر بعض مشائخ کے مقامات ملاحظہ کیے ان میں حضرت شیخ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ ابوسعید خزار رحمۃ اللہ علیہ شامل تھے۔ بعض مشائخ کرام کو آپ کے مقام میں دیکھا باقی مشائخ کرام کے مقامات اس سے نیچے اور بعض کے اسی مقام پر تھے۔ اس مقام کے نیچے حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ اور شیخ علاؤ الدولہ رحمۃ اللہ علیہما تھے۔ اس مقام سے اوپر حضرات ائمہ اہل بیت کا مقام تھا۔ اس سے بلندی پر حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا مقام تھا۔ تمام انبیائے کرام علیہم اسلام کے مقامات اور ان سے اوپر ایک جانب ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تھا۔ اسی طرح عالی مرتبت فرشتوں کے مقامات دوسری جہتوں میں تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام سب سے ارفع و اعلیٰ تھا۔ جب کبھی میں اس عروج کی خواہش کرتا ہوں تو یہ مجھے میسر آ جاتا ہے اور کبھی یہ ارادے کے بغیر بھی نصیب ہو جاتا ہے۔

(۷)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

واما بنعمة ربک فحدث (والضحیٰ ۔۱۱)

ترجمہ: اپنے رب کی نعمت کا چرچا کرو۔

ایک روز میں اپنے احباب طریقت کے حلقہ میں تھا۔ میرے دل پر کوتاہی اور نقص کا اس حد تک غلبہ تھا کہ میں گمان کرنے لگا کہ اہل کمال اور ارباب حال کے ساتھ مجھے کچھ مناسبت حاصل نہیں۔ میں اسی حال میں تھا کہ میرے باطن میں آواز دی گئی کہ میں نے آپ کو بخش دیا اور قیامت تک ہونے والے ان لوگوں کو بھی بخشش سے نواز دیا جنہوں نے میری بارگاہ میں آپ کا وسیلہ کسی واسطہ سے یا کسی واسطہ کے بغیر اختیار کیا۔ اس نداء کو تکرار کے ساتھ اتنی بار دہرایا گیا کہ شک کی کوئی مجال نہ رہی۔ اس انعام ربانی کے حصول پر اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ حمد ہے۔ ایسی حمد جو پاکیزہ اور برکت والی ہو جیسی ہمارا پروردگار پسند کرتا ہے اور راضی ہوتا ہے۔ اور ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کی آل پر درود و سلام ہو جیسا کہ مناسب ہے۔ پھر مجھے حکم دیا گیا کہ اس مکاشفہ کا اظہار کروں۔ بیشک اللہ تعالیٰ وسیع بخشش والا ہے۔

(۸)

جب میں سلسلہ مشائخ نقشبندیہ قدست ارواحہم میں اپنے شیخ (حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ) کی صحبت سے مشرف ہوا آپ کی توجہ کی برکت سے وہ جذبہ جو صفت قیومت میں فنا کے بعد حاصل ہوتا ہے، مجھے حاصل ہو گیا۔ اندراج النہایت فی البدایت سے شرف یاب ہوا جو اس سلسلہ عالیہ کے خصائص میں سے ہے۔ پھر یہ جذبہ پختہ ہو گیا اور مجھے سلوک کی منزلیں حاصل ہوئیں۔ میں نہایت تک پہنچ گیا یعنی حضرت شیر خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مدد سے اس اسم سے واصل ہو گیا جو اس کا مربی یعنی پرورش کنندہ ہے۔ اس مقام سے پھر قابلیت اولیٰ تک ترقی نصیب ہوئی۔ جس سے مراد حقیقت محمدیہ ہے۔

یہ ترقی حضرت شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی مدد سے حاصل ہوئی۔ پھر اس مقام سے اُس مقام تک ترقی نصیب ہوئی جو اس قابلیت کا اجمال ہے۔ یہ اقطاب محمدیہ کا مقام ہے۔ یہ عروج اور ترقی حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی مدد سے نصیب ہوئے اس دوران حضرت خواجہ شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت خواجہ علاؤالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی تھوڑی سی مدد بھی شامل حال رہی۔ جو اپنے زمانہ کے قطب ارشاد تھے۔ جب میں اس عالی مقام پر پہنچا تو بارگاہ نبوی سے مجھے قطب ہونے کی خلعت عطا کی گئی۔ اور اس منصب سے میں شرف یاب ہوا۔ اس کے بعد مجھے عنایت الہیہ نے اپنی طرف کھینچا تو مجھے مقامِ اصل تک عروج حاصل ہوا جو ظل سے ملا ہوا تھا۔ یہ مقام اقطاب کے مقام سے بالا ہے اور افراد کے ساتھ مختص ہے یہاں پر مجھے فنا اور بقا حاصل ہوئی۔ پھر عنایت صمدی میرے شامل حال ہوئی۔ اس نے مجھے خاص اصل تک پہنچادیا۔ اس عروج کے دوران غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی جانب سے بہت زیادہ مدد اور قوی تصرف نصیب ہوا جس کی بدولت میں اصل الاصل کے مقام تک پہنچا۔ وہاں سے دنیا کی طرف نزول ہوا۔ نزول کے وقت جسے سیر عن اللہ باللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے میرا گذر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اور قادریہ کے علاوہ دوسرے سلاسل جیسے کہ سلاسل چشتیہ اور کبرویہ کے مشائخ کرام کے مقامات پر بھی ہوا۔ انہوں نے بڑے اعزاز اور اکرام سے میرا استقبال فرمایا۔ اور اپنی نسبتوں کی نفاستیں نیز اپنے احوال کے خصائص مجھ کو القا کئے۔ ان کے حقائق اور ان کے درجات کا آپس میں فرق مجھ پر منکشف ہوا۔ مذکورہ بالا اقطاب کے مقام تک وصول سے قبل حضرت خضر علیہ السلام کی روحانیت سے مجھے دینی علوم حاصل ہوئے۔ اس مقام پر رسائی کے بعد ان علوم کا حصول مجھے اپنی ذات سے ہوا کسی اور کی مجال نہ تھی کہ عارف اور معروف کے درمیان دخل دے۔ یہ سب کچھ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور ان کی وراثت کی بدولت ہوا۔

(۹)

آپ قدس سرہ العزیز نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر ہمارے سلسلہ میں قیامت تک داخل ہونے والے مردوں عورتوں کے نام، ان کے نسب اور ان کی رہائش کے مقامات منکشف فرما دیئے ہیں اگر میں چاہوں تو ان سب کا ذکر کر سکتا ہوں۔

(۱۰)

آپ قدس سرہ العزیز نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین کے مشارق و مغارب مجھ پر یوں منکشف فرما دیئے ہیں جیسا کہ دیکھنے والے کے سامنے پڑا ہوا ایک ورق ہوتا ہے۔

(۱۱)

فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے لوگوں کی ہدایت اور گمراہی سے ان کو بچانے کی بہت بڑی قوت عطا فرمائی ہے۔

(۱۲)

فرمایا اللہ تعالیٰ نے شریعت مطہرہ کو میرے سامنے ایک کاروان کی صورت میں پیش فرمایا جو میرے مکان میں داخل ہو گیا۔ پھر مجھے الہام کیا گیا کہ یہ کاروان قیامت تک تمہارے گھر سے نہ نکلے گا۔

(۱۳)

جب آپ قدس سرہ العزیز اپنے والد ماجد کے قبرستان میں تشریف لے گئے تو وہاں تمام مردوں کی مغفرت کی تمنا کی۔ فرمایا مجھے آواز دی گئی کہ میں نے تمہاری آمد کی بدولت اس قبرستان سے قیامت تک کیلئے عذاب اٹھا دیا ہے۔

(۱۴)

فرمایا ایک روز حضرت امام اعظم امام ابو حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مذہب کے مجتہدین اور بعض

باعظمت اساتذہ مثلاً امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ سمیت ظاہر ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اور ان تمام حاضرین کے انوار میرے باطن میں داخل ہوگئے۔ اور وہ انوار میرے اجزاء بن گئے۔ اس کے تین دن بعد امام کبیر حضرت محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مذہب کے مجتہدین اور اساتذہ کے ہمراہ ظاہر ہوئے۔ ان سب کے انوار میرے اندر داخل ہوئے اور ان کے انوار کو میں نے اپنے اندر یقینی طور پر معلوم کرلیا۔ مجھے آواز دی گئی کہ حق ان سے باہر نہیں ہے۔ اگر کسی مسئلہ میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے چھوڑا ہے تو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اپنالیا ہے۔ اگرچہ چاروں مسالک فقہ حق پر ہیں۔ مجھ پر عیاں ہوا کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس معاملہ میں دو تہائی کے مالک ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک تہائی کے آپ نے فرمایا میں حنفی شافعی ہوں۔

(۱۵)

فرمایا حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بشارت دی ہے کہ قیامت کے روز تمہاری شفاعت سے ہزاروں لوگوں کو اللہ تعالیٰ بخش دے گا۔

(۱۶)

فرمایا میں نے عقائد پر مشتمل ایک رسالہ تحریر کیا۔ معاملہ میں نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کے دست اقدس میں وہ رسالہ موجود ہے۔ اور فرما رہے ہیں اس طرح کا عقیدہ ہونا چاہیے۔ بارگاہ نبوی سے مجھے بشارت دی گئی کہ تم علم کلام میں مجتہد ہو۔ اس وقت سے اس علم کے ہر مسئلہ میں میری ایک خاص رائے ہے لیکن وہ رائے تمام مسائل یا اکثر میں علمائے ماتریدیہ کے مطابق ہے۔

(۱۷)

فرمایا ایک دن کعبہ شریفہ کی زیارت کے شوق میں بہت اضافہ ہوگیا۔ میں نے اچانک اپنے آپ کو کعبہ معظمہ کے اندر پایا ایک گروہ آیا اور میرا دیدار کرنے لگا۔

(۱۸)

فرمایا مجھ پر منکشف ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت جس کے سو اجزاء ہیں ایک جز و کو دنیا میں پھیلا دیا گیا ہے۔ باقی اجزاء کو قیامت کے دن پھیلایا جائے گا۔ یہ سب اجزاء نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کے باعث اس روز میرے ہاتھ میں ہوں گے اور میرے حوالہ ہوں گے۔ ان کو اولین و آخرین پر جس طرح اللہ تعالیٰ چاہے گا میرے ہاتھوں سے صرف کیا جائے گا۔

مجھ پر منکشف کیا گیا کہ ان خزانوں کا مخزن اور ان چھپائے ہوئے احوال کی جگہ حرف ہا ہے جو قرآن مجید کے حروف مقطعات میں سے ہے۔ اس کی دو آنکھیں ہیں۔ ایک آنکھ دنیوی رحمت کا معدن ہے تو دوسری آنکھ میں کام آنے والی رحمت کا مرکز۔

مجھ پر قرآن مجید کے تمام حروف مقطعات کے اسرار بھی عیاں کئے گئے ہیں جو کمالات کا مغز اور حقائق و معارف کا خلاصہ ہیں۔ ان معاملات کے مالک صرف انبیائے کرام علیہم السلام ہیں۔ لیکن اصحاب ولایت میں سے باکمال لوگوں کیلئے وراثت کے انداز میں حصہ ہے جن کو علمائے راسخین کہا جاتا ہے اور ایسے لوگ کم بلکہ بہت ہی کم ہوتے ہیں۔

(۱۹)

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے الہام فرمایا ہے کہ نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے سات درجے ہیں

۱۔ پہلا درجہ: دل کی تصدیق کے بعد اطمینان قلب سے پہلے، جس کا تعلق ولایت کے ساتھ ہوتا ہے، شریعت مطہرہ کے احکام پر عمل کرنا اور سنتِ مبارکہ پر عمل کرنا۔ علمائے ظاہر عبادت گذار زاہد لوگ جو اطمینان کے مرتبہ تک نہیں پہنچے تمام اہل اسلام متابعت کے اس درجہ میں شریک ہیں۔ اور یہ سب متابعت صوری کے اس درجہ میں برابر ہیں۔ یوں کہ نفس نے اس مقام میں ابھی تک کفر و انکار سے خلاصی نہیں پائی

ہوتی اس لئے یہ درجہ صورت کے اعتبار سے متابعت کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے۔ اور صورت کی متابعت بھی کامیابی کا باعث اور دوزخ کے عذاب سے نجات دلانے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کامل مہربانی کے باعث نفس کے انکار کا اعتبار نہیں رکھا صرف دل کی تصدیق کو کافی شمار فرمایا ہے۔

۲۔ دوسرا درجہ: اس درجہ کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات اور افعال کی اتباع سے ہے جن کا تعلق حقیقی بیماریوں، باطنی مرضوں کے ازالہ، بری عادات کے دور کرنے اور اخلاق کے درست کرنے جیسے باطنی امور کے ساتھ ہے۔ اس درجہ کا تعلق طریقت کے مقام سے ہے۔ اور یہ ان سالکین کے ساتھ مخصوص ہے جو شیخ مقتدا سے صوفیہ کا طریقہ اخذ کرتے ہیں۔ اور سیر الی اللہ کے میدانوں اور جنگلوں کی مسافت کو طے کرتے ہیں۔

۳۔ تیسرا درجہ: اس درجے کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اذواق اور مواجیدہ کی پیروی سے ہے جو ولایت خاصہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں یہ درجہ صاحبِ ولایت کے ساتھ مخصوص ہے خواہ وہ مجذوب سالک ہو یا سالک مجذوب۔

۴۔ چوتھا درجہ: یہ اطمینان نفس اور حقیقی اسلام کا درجہ ہے۔ اس درجہ میں انسان متابعت کی صورت سے نکل آتا ہے اور حقیقی متابعت کے دائرہ میں آجاتا ہے یہ علمائے راسخین کا حصہ ہوتا ہے۔ دوسرے درجہ میں اگرچہ تمکن قلب کے بعد اطمینانِ نفس کا ایک حصہ متحقق ہو جاتا ہے لیکن کمالِ اطمینان اس درجہ میں حاصل ہوتا ہے۔ یہ کمالاتِ نبوت کا ثمرہ ہے۔ اس مرتبہ پر فائز ہونے والا عارف قرآن مجید کے حروف مقطعات کے اسرار اور کتاب وسنت کے متشابہات کی تاویل کو سمجھنے سے بہرہ ور ہو جاتا ہے۔ یہ گمان ہرگز نہ کریں کہ یہ "ید" کی قدرت کے ساتھ، "وجہ" کی ذات کے ساتھ وغیرہ تاویلات کی مانند ہے جس میں علم ظاہر کا عمل دخل ہے۔ بلکہ یہ خاص اسرار ہیں۔ جو اصل میں تو حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کا حصہ ہے لیکن انکی اتباع کے باعث اللہ تعالیٰ صدیقین اور اولیائے کرام میں سے جس پر چاہتا ہے احسان فرما دیتا ہے۔

ولایت کے طریقہ سے اس دولت تک رسائی کسی بھی دوسرے طریقہ کی نسبت زیادہ قریب ہے اور یہ طریق سنت مبارکہ کو لازم پکڑنا اور شریعت مین ناپسندیدہ بدعت سے مکمل اور کلی طور پر پرہیز کرنا ہے۔ اور یہ اس زمانہ میں بہت ہی مشکل ہے کیوں کہ بدعت عام ہو چکی ہے اور لوگ اس میں غلو کرتے ہیں سنت مبارکہ کو چھوڑ چکے ہیں اور اس کا وجود بہت کم پایا جاتا ہے۔

۵۔ پانچواں درجہ: اس درجہ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کمالات میں اتباع ہے جن کے حصول میں علم اور عمل کو کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ ان کا حصول صرف رب تعالیٰ کے فضل واحسان کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ یہ درجہ بہت اعلیٰ ہے۔ اس درجہ کا ماقبل درجات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اصل میں یہ درجہ اولوالعزم رسل کرام علیہم السلام کا حصہ ہے اور ان کے طفیل بعض اولیائے کرام کا حصہ ہے۔

۶۔ چھٹا درجہ: یہ درجہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کمالات میں اتباع کا ہے جو آپ کے مقام محبوبیت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اس مرتبہ میں کمالات کے اضافہ کا تعلق صرف محبت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جو فضل اور احسان سے بالاتر ہے۔ یہ درجہ اگرچہ دراصل حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے لیکن اولیائے کرام میں سے کسی کسی کو اور صدیقین میں سے بہت کم افراد کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور تبعیت سے اس سے نصیب ہو جاتا ہے۔ یہ درجہ اوپر ذکر شدہ درجات سے جدا ہے جن کا تعلق عروج اور بلندی سے ہے۔

۷۔ ساتواں درجہ: متابعت کا یہ درجہ نزول سے تعلق رکھتا ہے۔ اور یہ تمام سابقہ درجات کا جامع ہے۔ کیوں کہ اس درجہ میں قلب کی تصدیق، اس کی تسکین، نفس کے اطمینان، اس کے تزکیہ اور جسم کے اجزاء کے اعتدال کے ساتھ ہوتی ہے۔ سابقہ تمام د۔جات اس درجہ کے اجزاء کی مانند ہیں۔ اور یہ ان تمام کا مجموعہ ہے۔ اس مرتبہ پر فائز ہو کر تابع مقبوع کے یوں مشابہ ہو جاتا ہے کہ دور سے دیکھنے والا خیال کرتا ہے کہ دونوں متحد ہو گئے ہیں۔ ان کے مابین فرق زائل ہو گیا ہے۔

کامل تابع وہ ہے جو ان تمام سات مراتب سے مزین ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی اتباع نصیب فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی پاک اور تمام ان لوگوں پر درود نازل فرمائے جو ہدایت کی اتباع کریں۔ آپ ﷺ کی اتباع کو مضبوطی سے تھام لیں۔

(۲۰)

فرمایا میں نے ایک دن کھانا تیار کرایا اس کا ثواب اپنے ان بچوں کو ہبہ کیا جن کا بچپن میں انتقال ہوگیا۔ میں نے دیکھا کہ فرشتے نعمتوں کے دستر خواں لئے جا رہے ہیں۔ انہیں جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں جمع کر رہے ہیں۔ جب وہ ان کو جمع کر چکے تو میرے بچے آئے۔ انہوں نے ان نعمتوں کو حاصل کیا۔ وہ نعمتیں ان کے اجزاء بن گئیں۔ جن سے ان کو قوت اور استعداد حاصل ہوگئی۔ اپنی جنت سے وہ بلندی کی جانب ترقی کرنے لگے۔ اور وہ پہلی جنت کی نسبت کئی مراتب بلند اور اعلیٰ جنت میں داخل ہوگئے۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ دستر خوان تمام اہل اسلام تک پہنچے۔ میں دیکھا کہ مشرق ومغرب میں کسی اہل ایمان مرد اور عورت کی قبر باقی نہ رہی جہاں اس کا حصہ نہ پہنچا ہو۔ اور کوئی جنت ایسی نہ بچی جسے ان دستر خوانوں کے حصہ کے باعث رفعت نہ ملی ہو۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ ان کا کچھ حصہ ملاءِ اعلیٰ تک پہنچا اور ان میں بھی اسی طرح تقسیم ہوا۔ کیوں کہ میں نے دُعا کے وقت کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کھانے کا ثواب تمام اہل ایمان مردوں، عورتوں اور بلند مرتبت فرشتوں کو پہنچائے۔

(۲۱)

فرمایا احادیث میں وارد ہے کہ قرض دار میت کی روح اس وقت تک آسمانوں کی طرف پرواز نہیں کرتی جب تک کہ اس کے ذمہ قرض ادا نہ کر دیا جائے۔ مجھے الہام ہوا کہ یہ حکم ان لوگوں کیلئے مخصوص ہے جن کو اس دنیا میں (روحانی) عروج حاصل نہ ہوا ہو۔ لیکن جس شخص کو یہاں عروج نصیب ہوا ہو اور وہ حقیر اور ناکارہ (دنیوی) تعلقات سے رہائی حاصل کر چکا ہو۔ اسے عروج سے کوئی ممانعت پیش نہیں آتی۔

(۲۲)

آپ قدس سرہ العزیز نے فرمایا

اللہ رب العزت کی ازلی نعمتوں نے مجھے اپنے حصار میں اس طرح لے لیا کہ اس عالی مرتبت گروہ (اولیاء) کے سلوک کے طریقوں سے کوئی طریقہ اوران کی منازل سے کوئی منزل ایسی نہ رہی جس میں میں داخل نہ ہوا۔ مجھے الہام کیا گیا کہ نبوت کے منصب کے بغیر نوعِ انسانی کا کوئی کمال ایسا نہیں جو مجھے عطا نہ کیا گیا ہو۔

(۲۳)

اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے، آپ کی فتوحات اور برکات سارے جہانوں پر عام ہوں نے فرمایا

وراثت نبوی کے طفیل اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسے مقام تک عروج نصیب فرمایا جس کی عظمت ومنزلت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔ اس مقام کی یہ شان ہے کہ اس کے ایک نقطہ کا مقام تمام دائرہ امکان، یعنی عالم ارواح، عرش، کرسی، لوح، قلم، ساتوں آسمانوں اور زمینوں کے تمام اطراف وجوانب اور ان کے نیچے جو کچھ ہے، سے بڑا اور عظیم تر ہے۔ فرمایا جب اس مرتبہ پر میں پہنچا تو دیکھا تو اس مجلس کے بالائی اور صدر کے مقام پر صاحب قاب قوسین اوادنی حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ آپ کے اطراف وجوانب میں حضرات انبیائے کرام اور رسلِ عظام رونق افروز ہیں میں نے وہاں بہت ہی کم اولیائے کرام کہ پایا۔ اگر ان کی تعداد بیان کروں تو لوگ حیران رہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس عظیم درجہ میں داخل کیا اور وہاں مجھے قرار عطا کیا۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جیسی کہ اس کی شان کے مناسب اور لائق ہوں۔

آٹھواں باب

آپ کے مبارک کلام پر وارد ہونے والے اعتراضات کے جواب

عام لوگ بے سمجھ ہوتے ہیں وہ اوّل سے لے کر آخر تک جہالت اور حسد کے باعث معزز لوگوں اور مخلوق میں سے خاص افراد کے عیب نکالا کرتے ہیں۔ ان کے حقائق اور معارف کو باطل ٹھہرانے میں اپنی کوششیں صرف کرتے ہیں۔ ایسے لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنے مونہوں کی پھونکوں سے بجھا دیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نور کو کامل فرماتا ہے اگرچہ یہ امر مشرکین کو ناپسند معلوم ہو۔

خلاصہ یہ کہ عام اور خاص نیز سطحی نظر والوں اور اصحاب باطن کے درمیان اختلاف نور اور ظلمت کی مانند ہمیشہ تک باقی رہے گا۔ یہ عوام الناس اور ارباب ظاہر اس برائی سے نہیں رکتے اور وہ عالی مرتبت گروہ اپنے دشمنوں سے نہ تو بدلہ لیتے ہیں اور نہ ہی کسی ملامت کرنے والے کی طعن و تشنیع سے خوف زدہ ہوتے ہیں۔ ایسا اللہ تعالیٰ کے بندوں کے درمیان سنت الٰہیہ کے مطابق ہے لیکن باطل کی طرف داری کرنے والے لوگ نقصان اٹھاتے ہیں۔ اہل اللہ کی مدد چوں کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و مدد ہے لہذا ہر نیکوکار اہل ایمان کو چاہیے کہ اس سلسلہ میں کوشاں رہے اور اس عمل کے ذریعہ سے بڑی کامیابی سے سرفراز ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

ولینصرن اللہ من ینصرہ ورسلہ بالغیب

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بالضرور اس شخص کی مدد فرمائے گا جو اس (کے دین) اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔

واضح رہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے مریدین نے ایسے لوگوں کے تمام شبہات کا جواب دے دیا ہے اور ان کے مقاصد کا رد فرمایا ہے۔ حصولِ سعادت کے لئے میں اس میں سے کچھ یہاں بیان کرتا ہوں۔

شبہ اوّل اور اس کا جواب

معترضین کا کہنا ہے کہ آپ قدس سرہ نے اپنی ذات کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل قرار دیا ہے۔ کیوں کہ آپ نے لکھا ہے کہ

”ولایتِ محمدیہ سے ولایت احمدیہ ذاتِ باری تعالیٰ کے زیادہ قریب اور افضل ہے۔“

پہلی ولایت (ولایت محمدیہ) سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت اور دوسری ولایت (ولایت احمدیہ) سے اپنی ذات کی ولایت انہوں نے مراد لی ہے۔

میں کہتا ہوں سبحان اللہ! یہ آپ کی ذات بابرکات پر بہت بڑا بہتان ہے۔ آپ نے دونوں ولایتوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایتیں مراد لی ہیں۔ حقیقت حال وہ نہیں جیسا کہ معترضین نے کہا ہے۔ آپ نے اپنے مکتوبات شریفہ میں صراحت فرمادی ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو ولایتیں ہیں۔ ایک ولایت ملک کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے جب کہ دوسری ملکوت کے ساتھ۔ پہلی کا نام ولایت محمدیہ ہے اور دوسری کا ولایتِ احمدیہ۔ یہ دوسری بارگاہِ اقدس میں پہلی ولایت کی نسبت سے زیادہ قریب ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے تو صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض کمالات کو بعض دوسرے کمالات پر فضیلت حاصل ہے۔ لہذا جو کچھ معترضین نے آپ کے متعلق اس سلسلہ میں کہا ہے باطل ہے۔ والحمد للہ تعالیٰ

واضح رہے کہ جو شخص آپ کے عظیم الشان مکتوبات مبارکہ کا مطالعہ کرتا ہے وہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ آپ کی جانب اس فساد کی نسبت کر سکے۔ آپ قدس سرہ نے متعدد مقامات پر اس امر کی تصریح فرمائی ہے۔ ایک مقام پر فرمایا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت مبارکہ کل ہے اور تمام جہانوں کے حقائق اللہ تعالیٰ کے نبی

صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت کے اجزاء ہیں۔

مبدأ و معاد میں فرمایا

ہر ولی کی ولایت اس کے نبی کی ولایت کے اجزاء میں ایک جزو ہوتی ہے۔ ولی کے کمال میں جتنا اضافہ بھی ہو وہ کمال پہلے اور بالذات نبی کیلئے ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے۔ بدیہی امر ہے کہ کل جزو سے بڑا ہوتا ہے کیوں کہ کل تمام اجزاء کا مجموعہ ہوتا ہے۔ بڑا سے بڑا جزو بھی کل میں داخل ہوتا ہے۔

شبہ ثانی اور اس کا جواب

معترضین کا کہنا ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل قرار دیا ہے کیوں کہ آپ نے لکھا

مجھے فلاں فلاں مقام تک عروج نصیب ہوا۔ حتی کہ مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقام پر بھی عروج عطا ہوا۔ اس کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقام سے بالا مقام پر بھی عروج نصیب ہوا۔ اس عروج کو آپ نے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا۔ اس سے پتہ چلا کہ آپ نے اس مقام کو اپنی ذات کیلئے معین کرلیا ہے۔ جس سے آپ کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر افضلیت لازم آتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بھی حضرت امام ربانی قدس سرہ السامی کی ذات بابرکات پر بہتان ہے اور یہ اولیائے کرام کی اصطلاحات سے جہالت اور ان کے ارشادات سے غفلت کا نتیجہ ہے۔ کیوں کہ کسی مقام سے گذر کا معنے یہ نہیں ہے کہ اس مقام پر اسے استقرار حاصل ہے۔ کیوں کہ کم مرتبہ لوگ اکابر کے پاس جاتے ہیں۔ ان کے ساتھ ان کے طفیل نعمتوں سے سرفراز ہوتے ہیں۔ اس سے ان کے درمیان مساوات

قطعاً لازم نہیں آتی۔ عارفوں کے امام حضرت خواجہ شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

میں اولیائے کرام رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ کے مقامات سے گذرا پھر میں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے مقامات پر سے گذرا یہاں تک حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام تک پہنچا۔ میں از راہِ ادب اس مقام میں داخل نہ ہوا۔ لیکن میرے ادب بجالانے کی وجہ سے مجھے اس مقام میں داخل کیا گیا۔ اور یہ سب نعمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت میں مجھے عطا ہوئی۔

جہانگیر بادشاہ نے جب آپ رحمۃ اللہ علیہ سے اسی کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔ اے بادشاہ! جب آپ کسی خادم کو اپنی بارگاہ میں اپنے قریب طلب فرماتے ہیں اور یہ مقام آپ کی جان پہچان والے امراء اور اکابر کے مقامات سے برتر ہے وہ خادم آ کر آپ کے سامنے اس وقت تک کھڑا رہتا ہے جب تک آپ اس سے مخاطب رہتے ہیں۔ جب آپ بات چیت سے فارغ ہو جاتے ہیں وہ اپنی جگہ واپس چلا جاتا ہے۔ یہی احوال اولیائے کرام کے ہوتے ہیں۔ وہ بھی کسی کام کی غرض سے اپنے مقامات سے بالاتر مقام تک عروج پاتے ہیں۔ اس جواب پر بادشاہ خاموش ہو گیا۔

واضح رہے کہ یہ برتر مقام جسے آپ نے کسی طرف منسوب نہ فرمایا یہ درحقیقت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہے۔ کیوں کہ آپ نے ایک اور مقام پر فرمایا کہ تمام مقامات میں سب سے بلند مقام حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اس مکتوب شریف میں اس امر کی صراحت نہ ہونے سے نقصان لازم نہیں آتا۔ کیوں کہ آپ کا ارادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام نبوت کو بیان فرمانے کا ہے۔ اس تقریر سے الحمد للہ تمام شبہات جڑ سے اکھڑ گئے۔

شبہ سوم اور اس کا جواب

معترض حضرات کا کہنا ہے کہ آپ نے لکھا ہے کہ حقیقتِ کعبہ حقیقتِ محمدیہ سے برتر ہے۔ حالاں کہ امت کا اجماع ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے افضل ہیں۔ آپ کے اس قول سے اجماع کی نفی ہوتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے قطبِ طریقت وحقیقت حضرت شیخ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے یہ شبہ حل ہو چکا ہے۔ اور اس اعتراض کا بوداپن عیاں ہو چکا ہے۔ آپ نے فرمایا:

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو برتر وبالا ہے۔ درود وسلام اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جس طرح ہمارا پروردگار محبوب اور پسند فرماتا ہے۔ نیز آپ کی آل پاک اور صحابہ کرام پر جس طرح کہ ان کی بلند شان کے لائق اور مناسب ہے۔

امابعد ہمارے شیخ اور امام امام المحققین حضرت شیخ احمد رضی اللہ عنہ کی ایک تصنیف میں آپ نے فرمایا:

”کعبہ ربانیہ کی حقیقت، حقیقت محمدیہ سے برتر ہے“

اس عبارت سے بعض لوگوں کو وہم ہوا کہ آپ نے کعبہ معظمہ کو رسولوں کے سردار، اللہ تعالیٰ کے محبوب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل قرار دیا ہے جب کہ آپ مخلوق میں سب سے افضل اور اشرف ہیں۔

میں کہتا ہوں حفاظت اور توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور تحقیق کی لگامیں اسی کے دست قدرت میں ہیں، کہ یہ وہم لفظ حقیقت سے کسی شے کی ذات اور اس کی شخصیت مراد لینے کی بنا پر پیدا ہوا

ہے۔ اور حقیقت کا یہ معنی مراد لینا صوفیہ کرام کے برتر گروہ کی اصطلاح سے واقفیت نہ ہونے اور ہمارے شیخ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی حقیقت پر مطلع نہ ہونے پر مبنی ہے۔

وکم من عائب قولا صحیحا

وآفته من الفهم السقیم

ترجمہ: کتنے ہی لوگ درست بات میں عیب نکالتے ہیں جس کا باعث ان کی بیمار ذہنیت ہوتی ہے۔

صوفیہ کرام کے نزدیک کسی شے کی حقیقت سے مراد ایسا اسمِ الٰہی ہے جو اس کی تعین کی مبدأ ہوتا ہے۔ اس چیز کا وجود اس اسمِ الٰہی کے ظل اور عکس کی مانند ہوتا ہے۔ اور وہ اسم اس بارگاہِ اقدس سے اس شے تک فیوض کا واسطہ ہوتا ہے۔ جس طرح کہ شان ذاتی، اس اسم مقدس اور ذات برتر و پاک جل شانہ کے مابین واسطہ ہے۔ عادت الٰہیہ یہی جاری ہے کہ مفیض اور مستفیض کے درمیان واسطہ موجود ہو اور دونوں کے درمیان مناسبات پائے جاتے ہوں۔

حضرت شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ ''قدس'' میں فرمایا موجودات اسمائے الٰہیہ کے ظلال اور اسماء شیونِ ذاتیہ کے ظلال ہیں۔

ان تمہیدی کلمات کے بعد واضح ہو کہ ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے اطوار اور انوار میں تقلب کے اعتبار سے بے شمار کمالات اور بے حساب مقامات ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وجود عنصری اور اس عالم ظلمانی کی ہدایت کے اعتبار سے اسم مبارک محمد ہے جو آپ کی حقیقت سے پیدا ہے۔ نیز ایک اسم الٰہی ہے جو اس عالم سفلی کی تربیت سے مناسبت رکھتا ہے جسے حقیقت محمدیہ کہا جاتا ہے۔ اور آپ کے روحانی وجود جو نورانی عالم ملکوت کا مربی ہے ایک اور باعظمت اسم ''احمد'' ہے جو اس شان الٰہی سے پیدا ہے جو حقیقت محمدیہ کی اصل اور اس کا مبدا ہے وہ اس عالم علوی کی تربیت سے مناسبت رکھتا ہے اسے حقیقت احمدیہ کہا جاتا ہے اور اسے حقیقت کعبہ نورانیہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان دو تعینات کے علاوہ جو

آپ کیلئے اجسادِ طبعیہ کی مانند ہیں آپ کے بے حساب عروج دور بے شمار اسرار ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کی جانب اپنے اس ارشاد مبارک میں اشارہ فرمایا ہے۔

لی مع اللہ وقت لایسعنی فیہ ملک مقرب ولانبی مرسل۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے ساتھ میرا ایسا وقت ہوتا ہے جس میں نہ کوئی مقرب فرشتہ سما سکتا ہے اور نہ ہی کوئی نبی اور رسول۔

اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے اس ارشاد میں اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

فکان قاب قوسین او ادنی۔

ترجمہ: پس دو کمانوں یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ یہ سب کمالات و اسرار سرِ اصطفائی اور محبوبیت صرفہ کا نتیجہ ہیں جن کا تعلق فضل سے ہے اور تفوق کا مدار بھی یہی ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ (حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض کمالات کی بعض دوسرے کمالات پر فوقیت کا بیان ہے۔ اور حقیقت کعبہ مبارکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقائق میں ایک حقیقت اور آپ کی جامع اور بابرکت حقیقت کا ایک جزو ہے۔ لہذا یہاں کسی اور کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت دینے کا وہم باطل ہوگیا اور آپ سے کسی اور کے افضل ہونے کی بات نیست و نابود ہوگئی۔

حضرت امام ربانی شیخ حقانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی سوال کے جواب میں اپنے مکتوبات مبارکہ کے دفتر اوّل اور مکتوب نمبر ۲۰۹ میں جو تحقیق بیان فرمائی ہماری درج بالا عرضداشت اس کا ایک حصہ ہے۔

واضح رہے کہ ہمارے شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات میں حقیقت محمدیہ کا لفظ مختلف معانی اور متعدد مطالب میں مستعمل ہوا ہے۔ جب اس لفظ کے مقابلہ میں حقیقت احمدیہ اور حقیقت کعبہ

ربانیہ واقع ہو تو اس سے مراد وہ جامع اسم الٰہی ہے جو سفلی عالم کی تربیت کے مناسب ہے۔ اور جب اس کے مقابلہ میں حقیقت الٰہیہ ہو تو اس سے مراد وہ جامع شانِ ذاتی ہے جو عالمِ علوی کی تربیت کی ذمہ دار ہے۔ وہ تمام شیونات ذاتیہ پر حاوی ہے۔ اور اس جامع اسم کا اصل اور مبدا ہے جو تمام اشیاء کو اپنے من میں لئے ہوئے ہے۔ اس طرح یہ شان سارے حقائق کا کل ہے اور باقی حقائق اس کے حصے اور ٹکڑے ہیں۔ اس کو حقیقۃ الحقائق کہا جاتا ہے۔ اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی حقیقت ہے کہ اس کے اور مقدس ذات باری تعالیٰ کے درمیان کوئی اور واسطہ نہیں ہے، جیسا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے اپنے وصال سے چند روز پہلے ایک اور مکتوب مبارک میں فرمایا کہ حقیقت محمدیہ پر ہر حقیقت سے (انفرادی طور پر) برتر اور فائق ہے اسی طرح یہ تمام حقائق سے مجموعی طور پر بھی فائق اور برتر ہے۔ تمہارا پروردگار جو کہ عزت کا رب ہے ان تمام نامناسب امور سے پاک ہے جو گمراہ لوگ اس کیلئے بیان کرتے ہیں۔ رسولوں پر سلام نازل ہو۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو سب جہانوں کا رب ہے۔

شبہ چہارم اور اس کا رد

معترض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ خلت کا مقام ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے واسطہ سے حاصل ہوا۔ اس سے پہلے آپ کو یہ مقام حاصل نہ تھا۔

میں کہتا ہوں یہ بھی ایک جھوٹ ہے۔ کیوں کہ آپ نے ایسا نہیں کہا بلکہ آپ نے درج ذیل آیت اور حدیث کی وضاحت کا قصد فرمایا ہے۔

۱۔ یاایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔

ترجمہ: اے ایمان والو! آپ درود و سلام پیش کیا کرو۔

۲۔ اذا صلیتم علیّ فقولوا اللھم صلی علی محمد النبی وعلی آل محمد کی صلیت علی ابراھیم الخ۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد مبارک کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حبیب قرار دیا۔ محبوبیت اگرچہ خلت سے افضل ہے لیکن یہ دونوں الگ الگ جنسیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خلت کا مقام بھی عطا فرمائے تو اس نے آپ کو ملتِ ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا اور آپ کی امت کو آپ پر درود پاک بھیجنے کا حکم دیا یعنی آپ کیلئے یہ مقام طلب کرنے کا حکم دیا اور یوں کہنے کا امر فرمایا:

اللھم صل علی محمد مثل صلوتک علی ابراھیم۔

ترجمہ: اے اللہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح درود نازل فرما۔

اسباب کی رعایت اللہ تعالیٰ کی حکمت، اس کی سنت اور اس کی تخلیق ہے۔ ارشاد ربانی

قل رب زدنی علما۔

ترجمہ: اے محبوب! کہو کہ اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔

نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد:

سلوا لی الوسیلۃ۔

ترجمہ: میرے لئے مقامِ وسیلہ کی دُعا کیا کرو۔

اسی قبیل سے ہے۔ تو کوئی بعید نہیں کہ وہ ذات پاک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی دُعا کے باعث آپ کو یہ مقام مرحمت فرما دے۔ یا آپ کے اس مرتبہ میں مزید ترقی عطا کر دے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ کوئی امیر اپنے خزانچی کو حکم دے کہ وہ اس کا مال بعض نفیس اشیاء اور خوبصورت خلعتیں بنانے پر خرچ کرے۔ وہ خزانچی اس کے حکم کی تعمیل کر دے امیر وہ عالی شان خلعتیں زیب تن کرے جس سے اس کے حسن اور عظمت میں اضافہ ہو جائے۔ ایسی صورت میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ خزانچی نے بادشاہ کو ایسا عطیہ دیا

ہے جو پہلے اس کے پاس نہ تھا۔ بلکہ سب کچھ اس خزانوں سے تیار کیا گیا معاملہ اس سے زیادہ نہیں کہ اس نے بادشاہ کی خدمت کی اور بہتر انداز میں کی۔ تمام احوال میں وہ خزانچی اس کا خادم، تابع اور اس کے دربار کا محتاج ہے۔ پختہ اور ثابت شدہ امر یہی ہے۔ اور جو کچھ اس کے خلاف وہم وگمان میں آئے اس کو ایسی مفہوم کی طرف لوٹایا جائے گا۔

واضح رہے کہ معانی کی رفعت اور حقائق کی وسعت کی نسبت سے عبارت کا میدان تنگ ہوت ہے۔ یہ عبارت صورت کا ایک آئینہ ہے اور حقیقت کے کمالات کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ لہذا ممکن ہے کہ اس میں بیان حقیقت کے سلسلہ میں کوئی کوتاہی یا تبدیلی واقع ہوگئی ہو۔ علاوہ ازیں اربابِ مشاہدہ اور اصحاب معائنہ پر کبھی حالت سکر طاری ہو جاتی ہے۔ محبوب حقیقی کی محبت کا پیالہ پی کر وہ مدہوش ہو جاتے ہیں پھر اِس اور اُس میں تمیز نہیں کر سکتے۔ ان کے سکر کی یہ حالت ان کے عذر ہوتی ہے لیکن دیگر اہل صحو کیلئے کوئی عذر نہیں ہوتا۔ ان کا حال صحراء میں اچانک اس سواری پانے والے شخص کی مانند ہوتا ہے جس کا ذکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بندے کے توبہ کرنے پر اس شخص کی مانند بے حد خوشی ہوتی ہے جو صحراء میں اچانک اپنی سواری پالے اور کہے اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ جس طرح یہ شخص اپنے اس کلام میں معذور ہے اسی طرح ارباب مشاہدہ کا حال ہوتا ہے۔ کیوں کہ سکر کی حالت میں تمیز کرنے والی ترازو ان کے ہاتھ سے گر چکی ہوتی ہے۔ سکر کی یہ غیر معمولی حالت مشاہدہ کی خوشی یا غلبہ اشتیاق کے باعث پیدا ہوتی ہے کیا تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حال نہیں دیکھتے کہ آپ نے عرض کی

رب ارنی انظر الیک

ترجمہ: اے پروردگار! مجھے اپنی زیارت کرایئے میں تیرا دیدار کرنا چاہتا ہوں۔

جب آپ کو اس کا مناسب جواب دے دیا گیا تو آپ نے یہ کہتے ہوئے اپنی عرض داشت سے

رجوع کرلیا۔[1]

انی تبت الیک

ترجمہ: اے پروردگار! میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔

--------میں نے حاسدین کے شبہات کے رد میں ایک عجیب رسالہ تحریر کیا ہے----------(مفضول کی فاضل پر فضیلت جزئی) نہ عقلا نقصان دہ ہے نہ نقلا۔ عقلی طور پر اس کے عدم نقصان کی وضاحت یوں ہے کہ خادم اور غلام مالک کی خدمت کرتے ہیں کوئی بھی صاحب عقل اس خدمت سے نفرت نہیں کرتا۔ اور مہمات اور مہلکات میں لشکر اور افواج امراء اور سلاطین کی دنیا بلکہ آخرت میں مدد کرنے کو بعید شمار نہیں کرتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب لوگ پل صراط سے اپنی قربانی کے جانوروں کی مدد سے گذریں گے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے مسند الفردوس کے حوالہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے:

استفرهوا ضحایاکم فانها عطایاکم علی الصراط۔

ترجمہ: قربانی کے لئے عمدہ جانوروں کا انتخاب کیا کرو کیوں کہ یہ پل صراط پر تمہاری سواریاں ہوں گی۔

نقلی طور پر اس امر کی وضاحت یوں ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هو الذی أیدک بنصره وبالمؤمنین۔

ترجمہ: اس ذات نے اپنی مدد اور مومنوں کے ساتھ تمہاری تائید کی۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] اس کے بعد مخطوطہ کی فوٹوسٹیٹ کی تین چار سطور کے بیشتر الفاظ مٹے ہوئے اور مدہم ہیں۔ جس کے باعث حضرت محقق مدظلہ العالی کے لئے ان کا پڑھنا دشوار تھا۔ انہوں نے اس حقیقت حال کو واضح طور پر بیان کردیا۔ لہذا ان کا صحیح اور یقینی ترجمہ سے مترجم عفی عنہ معذور ہے۔

وشاورھم فی الامر۔

ترجمہ: اے محبوب! ان سے معاملہ میں مشورہ کیجئے۔

نیز فرمایا:

یاایھا النبی حسبک اللہ ومن اتبعک من المؤمنین۔

ترجمہ: اے پیارے نبی! اللہ تعالیٰ اور آپ کی اتباع کرنے اہل ایمان آپ کیلئے کافی ہیں۔

نیز فرمایا:

ان اللہ وملائکۃ یصلون علی النبی یا ایھاالذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی پر درود پاک بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی ان پر خوب درود و سلام بھیجا کرو۔

اللھم صل علی (سیدنا) محمد وسلم علیہ وآلہ کما تحب وترضی۔

نیز حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ پر جانے کی اجازت چاہی تو آپ نے ان سے فرمایا:

اشرکنا یا اخی فی دعائک ولا تنسنا۔

ترجمہ: اے بھائی! ہمیں اپنی دعا میں شریک رکھنا اور ہمیں بھول نہ جانا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ ایسی بات ہے کہ اگر اس کی بجائے ساری دنیا مجھے مل جاتی تو مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی۔ اسے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت فرمایا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ''ولاتنسنا'' کے الفاظ پر ختم ہو جاتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

سلوا اللہ لی الوسیلۃ اعلی درجۃ فی الجنۃ لاینالھا الارجل واحد وارجو ان اکون انا ھو۔

ترجمہ: میرے لئے وسیلہ کی دُعا مانگا کرو یہ جنت میں ایک اعلیٰ درجہ کا نام ہے۔ اسے صرف ایک شخص حاصل کر سکے گا۔ مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں گا۔

اس حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اذا صلیتم فقولوا اللھم صلی علی محمد النبی الامی وعلی آل محمد الی آخرہ۔

ترجمہ: جب تم درود پاک بھیجنے لگو تو یوں کہا کرو اے اللہ! امی نبی حضرت محمد مصطفیٰ اور آپ کی آل پاک پر درود نازل فرما۔

اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

اور اب ہم تمہیں معتبر کتابوں سے صحیح حوالہ جات سناتے ہیں جو اس مقام پر بہت ہی مفید ہیں۔

ہدایہ میں ہے:

الطاھر من الذنوب لایستغنی عن الدعا کالنبی والصبی۔

ترجمہ: گناہوں سے پاک شخص بھی دُعا سے مستغنی نہیں اس کی مثال نبی اور نابالغ بچہ ہے۔

البحر الرائق میں ہے:

وفی منیۃ المصلی وروی عن بعض المشائخ انہ قال لایقول ارحم محمدا ذکر واکثر المشائخ علی انہ یقولہ للتوارث وقال السرخی لاباس بہ لان الاثر وردبہ من

طریق ابی ھریرۃ وابن عباس رضی اللہ عنھم ولان احدا وان جل قدرہ لایستغنی عن رحمۃ اللہ وصححہ الشارح۔

ترجمہ: منیۃ المصلی میں ہے بعض مشائخ سے مروی ہے کہ ارحم محمدا (اے اللہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم فرما) نہ کہے اور اکثر مشائخ کا قول ہے کہ یہ کہے کیوں کہ یہ الفاظ تو ارث سے ثابت ہیں۔ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ان الفاظ کے کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیوں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ الفاظ مروی ہیں۔ نیز کوئی شخص اس کا مرتبہ خواہ کتنا بلند ہو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ شارح کنز یعنی امام محقق زیلعی رحمۃ اللہ علیہ اسے صحیح قرار دیا ہے۔

علامہ علقمی رحمۃ اللہ علیہ نے الکوکب المنیر شرح جامع صغیر میں فرمایا:

قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ثم سلوا اللہ لی الوسیلۃ قال القرطبی قال ذلک قبل ان یوحی الیہ أنہ صاحبھا ومع ذلک فلابد من الدعا بھا فان اللہ یزیدہ بکثرۃ دعاء أمتہ رفعۃ کما زادہ بصلوتھم ثم أنہ یرجع علیھم بنیل الاجور ووجوب شفاعتہ۔

ترجمہ: ارشاد نبوی ہے۔ میرے لئے وسیلہ کی دُعا کیا کرو۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد آپ پر نازل ہونے والی اس وحی سے پہلے فرمایا تھا کہ آپ اس مقام کے مالک ہیں۔ اس کے باوجود آپ کیلئے ان الفاظ کے ساتھ دُعا مانگنا ضروری ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کی دُعاؤں کی کثرت سے آپ کے درجات میں رفعت عطا فرماتا ہے۔ جس طرح ان کے درود پاک بھیجنے سے آپ کے درجات میں اضافہ فرماتا ہے۔ پھر یہ دعا اور درود پاک امتیوں کی جانب ثواب کے حصول اور آپ کی شفاعت کے وجوب کے ساتھ لوٹ جاتے ہیں۔

علامہ مذکور نے اسی کتاب میں ایک اور مقام پر فرمایا:

قال فی النهایة معنی قوله صلی الله علی محمد عظمه فی الدنیا باعلاء ذکره واظهار دعوته وابقاء شریعته وفی الاخرة بتشفیعه فی أمته وتضعیف أجره ومثوبته.

فان قلت ألیس الله تعالیٰ قد أوجب هذه الأمور کلها لنبیه صلی الله علیه وسلم فما فائدة دعائنا وسوالنا ذلک.

قلت الجواب من وجوه أحدها أن یکون بعض هذه المذکورات علی درجات ومراتب فیجوز اذا صلی علیه آخر من أمته أن یزداد النبی صلی الله علیه وسلم بذلک الدعاء فی کل شیٔ من تلک المراتب والدرجات ولهذا کانت الصلوٰة مماتقصد بها قضاء حقه ویتقرب بأکثرها الی الله تعالیٰ ولا بعد ولااستحالة فی ان الله تعالیٰ یزید فی درجات النبی ویعالیه بصلوٰة الصالحین وملائکته ویضاعف بدعائهم وسوالهم فی ثوابه واعلی مراتبه علیه السلام فان الصفات الالهیة غیر متناهیة ولا قابلة للنقص والتقلل۔

ترجمہ: النہایہ میں فرمایا کہ "صلی الله علی محمد" کا معنے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں آپ کے ذکر کی رفعت، دعوت کے پھیلاؤ اور آپ کی شریعت کی بقاء کے ساتھ اور آخرت میں آپ کی امت کے حق میں آپ کی شفاعت کی قبولیت اور آپ کے اجر وثواب میں کئی گنا اضافہ کے ساتھ آپ کو عظمتیں عطا فرمائے۔

اعتراض: کیا یہ تمام امور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا نہیں فرما رکھے تو آپ کیلئے ہماری دُعا اور اللہ تعالیٰ سے سوال کا کیا فائدہ ہے۔

جواب: اس اعتراض کے کئی جواب ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ مذکورہ بالا امور کے متعدد درجات اور مراتب ہیں۔ تو جب آپ کی امت سے آپ کے علاوہ کوئی اور آپ پر درود پاک بھیجے گا تو ممکن

ہے کہ اس دُعا کے طفیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تمام درجات اور مراتب میں اضافہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ درود پاک ان امور سے ہے کہ جن کی بجا آوری سے آپ کے حق کی ادائیگی کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ اس کی کثرت اللہ تعالیٰ صالحین اور فرشتوں کے درود پاک بھیجنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات میں اضافہ اور ترقی عطا فرماتا ہو۔ اور ان کی دُعا اور سوال کے باعث آپ اور اعلیٰ مراتب میں کئی گنا اضافہ فرماتا ہو۔ کیوں کہ صفات الٰہیہ غیر متناہیہ ہیں نہ وہ نقص کو قبول کرتی ہیں نہ ہی کمی کو۔

علامہ محقق ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوٰۃ کی شرح میں فرمایا

مذہب شافعیہ کی علمائے متاخرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یوں دُعا کرنا جائز ہے یا نہیں کہ اے اللہ! جو کچھ ہم نے پڑھا اس کے ثواب کے باعث آپ کے شرف و بزرگی میں اضافہ فرما۔ بعض علماء اس دُعا کو اس بنا پر منع فرمایا ہے کہ آپ شرف و عظمت کے لحاظ سے کامل ہیں۔ اس کیلئے دُعا کی آپ کو ضرورت نہیں ہے۔ نیز اضافہ کے طلب سے بعض اوقات نقص اور کمی کا وہم پڑتا ہے۔ بعض علمائے کرام اسے جائز قرار دیا ہے۔ اور یہی اصح ہے۔ جیسا کہ میں نے اس موضوع مبسوط کلام اور تحقیق اپنے فتاویٰ میں کی ہے۔ جو طویل بھی ہے اور مختصر بھی۔ اور یہ دونوں قسم کی تحریریں فتاویٰ میں مندرج ہیں۔ جو تحقیق کرنا چاہے وہ وہاں ان کو ملاحظہ کرے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ممانعت کی علت جو پہلے فریق نے بیان کی ہے وہ ممنوع بلکہ عجیب ہے۔ کیوں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم درجات کسی ایک حد پر جا کر نہیں رکے کہ اس سے اضافہ نہ ہو سکے بلکہ آپ کے درجات میں ہمیشہ سے ترقی ہو رہی ہے اور یہ ترقی قیامت کے دن بلکہ اس دن کے بعد بھی جاری رہے گی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حشر میں جمع ہونے والے تمام لوگ جب انبیائے کرام علیہم السلام سے مایوس ہو کر آپ کی جانب رجوع کریں گے تو آپ ان کے فیصلہ کیلئے شفاعت عظمیٰ کا مطالبہ کرتے ہوئے عرش کے نیچے سجدہ ریز ہوں گے۔ اس وقت آپ کو اللہ تعالیٰ کی ایسی ثناء کا الہام ہوگا جس کا الہام اس

سے پہلے نہیں ہوا تھا۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے۔

اور یہ دعویٰ کرنا کہ ثواب اور درجات کے اضافے کی دُعا کرنے سے نقص کا وہم پڑتا ہے باطل ہے۔ یہ دعویٰ کس طرح درست ہو سکتا ہے جب کہ حجاج کرام کیلئے سنت ہے کہ جب خانہ کعبہ شریفہ کا دیدار کریں تو اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ دُعا مانگیں۔ اے اللہ اس گھر کی عزت و تکریم میں اضافہ فرما۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی عزت و تعظیم میں اضافہ کر دیا ہے۔

مزید براں جس شخص کو بھی اس کی طاعت پر ثواب دیا جائے گا اسے اپنی نیکی کی مانند اجر ملے گا۔ اور اسے وہ نیکی سکھانے والے استاذ کو بھی اس کے سکھانے کے باعث اس کی مانند اجر عطا ہوگا۔ اور اس طرح ہر مرتبہ میں اس ثواب میں کئی گنا اضافہ ہوتا جائے گا اس معاملہ کی انتہا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر ہوگی۔ جن کو آپ کی امت کے افراد کی طاعات پر اتنا زیادہ ثواب عطا ہوگا جس علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دُعا مانگنے والے شخص کا یہ کہنا کہ ہم نے جو کچھ تلاوت کیا اس کے باعث آپ کے شرف و عظمت میں اضافہ فرما ثابت شدہ تحقیق کی رو سے حقیقت کے مطابق ہے لہذا اس کی ممانعت کا قول کس طرح کیا جا سکتا ہے۔

(درج بالا) اس قول کی تائید امام ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے جو آپ نے فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۵۵۹ پر یوں درج فرمایا ہے۔

نال محمد صلى الله عليه وآله وسلم الخلة والوسيلة بدعاء أمته ولذلك أمر بالصلوة عليه كما صلى وأمرهم أن يسئلوا الوسيلة. انتهىٰ۔

ترجمہ: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلت اور وسیلہ کا مقام اپنی امت کی دُعا کے باعث حاصل فرمایا اسی لئے جب کبھی نماز ادا کی جائے آپ پر درود پاک بھیجنے کا حکم دیا گیا نیز آپ کی امت کو آپ کیلئے وسیلہ کے حصول کی دُعا کا حکم دیا گیا۔

میں کہتا ہوں کہ تمہاری تسلی کیلئے درج بالا اکابر کے ارشادات کافی ہیں۔

اب باقی جزوی فضیلت کا لازم آنے کی صورت باقی رہ گئی۔ اگر ہم اس کو تسلیم کرلیں تو اس سے بھی کوئی نقصان لازم نہیں آتا۔ کیونکہ صحیح عقل اور سلیم طبیعت اسے بالکل بعید قرار نہیں دیتی۔ کیوں کہ بدیہی امر ہے کہ ہر صناعت کے جاننے والے کو اس کی بدولت پر اس شخص پر فضیلت حاصل ہے جو اس صناعت کو نہیں جانتا۔ اگرچہ دوسرے اس شخص کو پہلے آدمی پر متعدد وجوہ کی بنا فضیلت حاصل ہو۔ ایسی فضیلت تو ہر جولاہے اور حجام کو ہر فاضل اور علامہ شخص پر حاصل ہے۔ اس کی یہ ادنیٰ سی فضیلت علامہ اور فاضل کی فضیلتوں کے سامنے اڑتے ہوئے غبار اور کئی سمندروں کے بالمقابل ایک قطرہ کی سی ہے۔

نقل کی رو سے اس کے دلائل ائمہ اربعہ کی کتابوں اور ان کے عقائد کی تالیفات میں درج ہیں کہ ولی کیلئے نبی پر جزوی فضیلت ممکن ہے۔ اگر اس مقام کی وضاحت اور مفصل حوالہ درکار ہوں تو اس فن کی بڑی بڑی کتابوں کی جانب رجوع کریں۔ ہم ان میں کچھ یہاں درج کرتے ہیں۔

جواہر منظومہ شرح فقہ اکبر میں ہے۔ واضح رہے کہ فقہ اکبر حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔

سئل رجل عن أبی حنیفة هل یجوز أن یعلم النبی من العلوم والمعارف مالایعلم الرسل وهل یحصل للولی من المزایا والمعارف مالایحصل للنبی فأجاب عنه رضوان الله علیه الفضل ثابت للرسل علی الأنبیاء علیهم السلام والأنبیاء علی ماسواهم ولایصل أحد من الأولیاء مرتبة احد الأنبیاء ولکن لامناقشة فی الفضل الجزئی۔

ترجمہ: ایک شخص نے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا ممکن ہے کہ کوئی نبی ایسے علوم ومعارف کو جانتا ہو جو کسی رسول کے علم میں نہ ہوں۔ نیز کیا کسی ولی کو ایسی فضیلتیں اور معارف حاصل ہو سکتے

ہیں جو نبی کو حاصل نہ ہوں۔ تو آپ نے جواب دیا۔ (کلی) فضیلت رسل کرام کو انبیائے عظام پر اور انبیائے عظام علیہم السلام کو ان کے سوا باقی مخلوق پر ثابت ہے۔ انبیائے کرام میں کوئی نبی کسی رسول کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا اور کوئی ولی کسی نبی کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا لیکن جزوی فضیلت کے پائے جانے میں کوئی اختلاف نہیں۔

علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ نے بدائع میں لکھا

یجوز فضل الجزئی للولی علی النبی

ترجمہ: ولی کیلئے جزئی فضیلت نبی پر جائز ہے۔

علامہ ابوالسعید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں تحریر کیا

یجوز فضل المفضول علی الأفضل جزئیا۔

ترجمہ: مفضول کی جزئی فضیلت افضل پر جائز ہے۔

امام ابوالسعید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ایک اور مقام پر لکھا۔

وکفی بھم ای الشھداء شرفا ان لم یجئی اطلاق الاموات علیھم وقد جاء ذلک الاطلاق علی الانبیاء علیھم الصلوات والتسلیمات۔

ترجمہ: شہداء کیلئے یہی شرف کافی ہے کہ ان پر میت کا اطلاق وارد نہیں ہوا جب کہ یہ اطلاق انبیائے کرام علیہم السلام پر آیا ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ارشاد نبوی

المتحابون فی جلالی لھم منابر من نور یغبطھم النبیون والشھداء۔

ترجمہ: میری عظمت کی خاطر آپس میں محبت کرنے والوں کے لئے قیامت کے دن نور کے منبر ہوں گے جن پر انبیاء اور شہداء رشک کریں گے۔

يغبطهم من يتحلى به الانسان من علم وعمل فان له عند الله منزلة لايشارك فيها صاحبه أحد من لم يتصف ذلك وان كان له من نوع آخر ماهوا خير عنه قدرا وأعلى شانا فربما يتمنى ويغبط أن يكون له مثل ذلك مضمونا الى مراتبه الرفيعة۔

ترجمہ: ان پر رشک کریں گے یعنی اس انسان پر جو کسی علم اور عمل سے مزین ہوگا۔ کیوں کہ اللہ تعالٰی کے ہاں اسے ایسا درجہ عطا ہوگا جس میں اس درجہ والے کے سوا کوئی اور ایسا آدمی شریک نہ ہوگا جو اس علم اور عمل سے متصف نہ ہو۔ اگرچہ اس دوسرے شخص کو کسی دوسری قسم کی ایسی فضیلت اور بزرگی حاصل ہو جو پہلے شخص کی فضیلت سے درجے میں افضل اور شان میں اعلیٰ ہو۔ تو وہ شخص کبھی تمنا اور رشک کرے گا کہ کاش اس کے پاس ان بلند مراتب کے ساتھ ساتھ اس طرح کی فضیلت بھی موجود ہوتی۔

حضرت محقق جلال الدین دوانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح عقائد میں مفضول کیلئے افضل پر جزوی فضیلت کے امکان کی طرف اشارہ کیا ہے۔

حواشی تجرید میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے حضرت امام مہدی کے بارے میں یہ روایت درج ہے کہ آپ کو بعض انبیائے کرام علیہم السلام پر فضیلت حاصل ہوگی۔ اس سے مراد جزوی فضیلت ہے۔

کلی فضیلت کا دعویٰ اللہ اس سے اپنی پناہ رکھے مردود اور باطل ہے۔ جاہل کے سوا کوئی اور اس دعویٰ کی جانب توجہ نہیں کرتا۔ کیوں کہ ہم کہتے ہیں کہ یہ معنی یا تو آپ عبارت سے صراحت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے یا ان معترضین کے گمان کے مطابق آپ کی عبارت سے لازم آتا ہے۔ پہلی صورت بدیہی طور پر باطل ہے۔ کیوں کہ صریح وہ معنے ہوتا ہے جس میں اس کے سوا کسی اور معنے کا احتمال نہ ہو۔ جب ایسا نہیں تو ان کا دعویٰ بھی ثابت نہیں ہوسکتا۔ باقی رہی دوسری صورت کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے یہ مفہوم لازم آتا ہے) تو یہ کئی وجوہ سے باطل ہے۔

۱۔ کھینچ تان کر اگر یہ کہا جائے کہ (آپ کی عبارت سے فضیلت کلی لازم آتی ہے کیوں کہ) الفاظ اس مفہوم کا احتمال رکھتے ہیں تو اس کے علاوہ مفہوم کا احتمال بھی ان میں پایا جائے گا۔ جب صرف احتمال پایا جاتا ہے تو استدلال باطل ٹھہرتا ہے۔

۲۔ متکلم نے خود بارہا بار اپنی مراد کا اظہار اس کے خلاف تقریری اور تحریری طور پر فرما دیا ہے۔

عبارت سے خلاف شریعت جس معنے کا وہم ہوتا ہے آپ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر تواضع اختیار فرماتے ہوئے اس سے نفرت کا اظہار اور اس سے استغفار فرمایا ہے۔ نیز اپنے سنگیوں اور اولاد کو عمر بھر اور اپنے وصال مبارک کے وقت شریعت مطہرہ پر عمل اور اس کا شوق دلایا ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے باعظمت صاحب زادے حضرت خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اے لوگو! آخری بات، جس کے بعد میرا اپنے والد ماجد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے فراق ہو گیا، یہ تھی کہ آپ نے مجھے اور میرے برادر عزیز شیخ محمد معصوم سے فرمایا شریعت مطہرہ کو لازم پکڑو اسے مضبوطی سے تھامے رکھو۔ اگر اس کے خلاف کوئی کشف والہام صبح کی روشنی کی مانند واضح ہو تو وہ رات سے زیادہ تاریک ہوتا ہے۔ اس گفتگو فرمانے کے بعد آپ نے اس دار فانی سے کوچ فرمایا۔

کلام کرنے والا اپنی گفتگو کے مفہوم کو بیان کرنے کا زیادہ حق رکھتا ہے۔ اس کے بیان کے خلاف جو احتمال ہوگا شرعی اور عرفی لحاظ سے اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ بلکہ مفتی پر واجب ہے متکلم کے اظہار کے بغیر کلام کو اس کے بہتر معنے پر محمول کرے جیسا کہ فتاویٰ میں مذکور ہے تو اس صورت میں اس کی تاکید کتنی ہوگی جب کہ متکلم اپنی مراد ظاہر کر دے جس پر کوئی غبار نہ ہو۔

فتاویٰ ظہیریہ میں ہے

اذا کان فی المسئلة وجوه توجب التکفیر ووجه یمنع التکفیر فعلی المفتی أن یمیل علی ذلک الوجه ولا یفتی بتکفیر تحسینا للظن بالمسلم وقال علیه الصلوٰة

والسلام تظن بكلمة خرجت من أخيک سوء ا وانت تجد لها فی الخير محملا. هكذا فی الخلاصة والفصول العمادية۔

ترجمہ: جب کسی مسئلہ میں کلام کے متعدد معانی اس کے متکلم کو کافر ٹھہرانے کو لازم کرتے ہوں اور ایک معنے کافر قرار دینے سے روکتا ہو تو مفتی پر لازم ہے کہ اس معنے کی جانب مائل ہو اور اس کے متکلم مسلمان سے حسن ظن برقرار رکھتے ہوئے کافر قرار نہ دے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک بات جو تیرے بھائی سے صادر ہوئی تم اسے برا خیال کرتے ہو حالاں کہ تم اس کا بہتر مصداق بھی پاتے ہو۔ خلاصہ اور فصول عمادیہ میں اسی طرح ہے۔

۳۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے قطعی عقائد اہل سنت و جماعت کے مطابق ذکر فرمائے ہیں۔ وہاں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تمام مخلوقات پر فرداً فرداً اور مجموعی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کا اثبات فرمایا ہے۔ لہٰذا مکاشفات جن کا انتہائی درجہ ظن ہے کی بحث سے جو وہم پیدا ہوتا ہے اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ کلام کے سمجھنے کا تقاضا یہ ہے وہ جب کسی ایسے شخص کا عقیدہ ثابت ہو جائے جو معاملات میں اچھا، بزرگی اور تقوی میں منفرد ہو تو اس کے جانب ایسی بات منسوب نہ کی جائے جس کا اظہار مناسب نہ ہو۔ اور اس سے صادر ہونے والی عبارت کو اس مفہوم سے پھیر دیا جائے گا جس کی وجہ سے قطعی عقاید کے خلاف کسی عقیدے کا وہم ہوتا ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کسی کے اس ارشاد پر نظر ڈالو۔

استفهموه اهجر

یہ بات اگر آپ رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور شخص سے صادر ہوتی تو اسے بہت برا بھلا کہا جاتا۔ لیکن جب یہ ایسے شخص سے صادر ہوئی جس کی عظمت وجلالت اور دین میں استقامت، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کامل محبت اور ادب کا انداز ثابت ہے تو ظاہری معنٰی سے دوسرے معنٰی کی جانب اس کا پھیرنا اور اس کی ایسی تاویل کرنا جس میں کوئی عیب نہ ہو، اور بے ادبی لازم نہ آئے،

واجب ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت سے برخ اسود کا قصہ بھی اسی طرح کا ہے۔ اس نکتہ کو خوب یاد رکھو کیوں کہ اس مقام پر اصل عظیم ہے۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ نوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فخریہ انداز اور حالت سکر میں صادر ہونے والے کلمات اسی قبیل سے ہیں۔ حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے نکلنے والے کلمات کی تاویل صرف باطن کے نور سے ہو سکتی کیوں کہ ظاہر کے اعتبار سے وہ کلمات شریعت مطہرہ کے کامل طور پر مخالف ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے صادر ہونے والے اس قسم کے کلمات میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو الہام فرمایا۔

یا غوث الاعظم خلقت الانسان مطیتی لو عرف الانسان منزلته عندی یقول فی کل نفس من الانفاس لمن الملک الیوم انا الملک لاملک الیوم الالی۔

ترجمہ: اے غوث اعظم! میں نے انسان کو اپنی سواری بنایا ہے۔ اگر انسان کو میرے ہاں اپنے مقام کا علم ہو جائے تو وہ ہر گھڑی کہنا شروع کر دے۔ آج کس کی حکومت ہے۔ میں بادشاہ ہوں آج میری حکومت ہے۔

یاغوث الاعظم جسم الانسان وبصرہ ولسانه ویدہ ورجله کل ذلک اظهرت بنفسی لنفسی لاهو الاانا ولا انا غیرہ من أراد العبادة بعد الوصول فقد أشرک بالله العظیم۔

ترجمہ: اے غوث اعظم! انسان کا جسم، آنکھ، زبان، ہاتھ اور پاؤں سب کو میں نے خود اپنے لئے ظاہر کیا ہے۔ وہ خود میں ہوں اور میں اس کا غیر نہیں ہوں۔ جس نے وصول کے بعد عبادت کا ارادہ کیا اس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا جو برتر و باعظمت ہے۔

نیز آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرید کے حق میں جو نماز ادا نہ کرتا تھا، فرمایا اس کا سر ہمیشہ، کعبہ میں سجدہ کے اندر ہوتا ہے۔

حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں المصنون اور المنقذ سے علامہ قطب بن محی نے آخرت کے بارے میں یہ قول نقل کیا ہے۔ کہ یہ (آخرت کا ثواب) عقلی لذت ہے جو کامل نفوس کو اس دنیا میں حاصل ہو جاتی ہے۔ تو (ثواب) خیالی نعمتوں کی جانب پھیرا ہوا ہوگا۔ (یعنی ثواب جسمانی طور پر نعمتوں کی صورت میں نہ ہوگا)۔ لذت کی صورت کا خیالی ہونا بعید نہیں جیسا کہ نیند میں ہوتا ہے۔ جنت میں جس جس نعمت کے موجود ہونے کا بیان ہے وہ بندے لئے مثالی ہوں گی۔ آخر کار حضرت علامہ قطب بن محی کہہ اٹھے کہ جو شخص المنقذ اور المصنون میں آپ کے اس کلام پر نظر ڈالتا ہے وہ حیرت کے ایسے سمندر میں گر جاتا ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں ہے۔

شبہ پنجم اور اس کا حل

معترض حضرات کہتے ہیں کہ آپ نے اپنے شیخ حضرت خواجہ محمد باقی رحمۃ اللہ علیہ مرید ہونے سے انکار کیا ہے۔ وہ اپنے آپ کو اویسی کہتے ہیں۔ اپنے آپ کو ان سے اور باقی سارے مشائخ کرام مثلاً حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے افضل قرار دیتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اعتراض کا پہلا حصہ جھوٹ ہے۔ کیوں کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں بہت سے مقامات پر لکھا کہ آپ نے طریقت آپ رحمۃ اللہ علیہ سے اخذ کی ہے۔ رہی یہ بات کہ میں اویسی ہوں اس کا معنیٰ یہ ہے کہ عالی درجات تک میرے پہنچنے میں مقدس ارواح کا عمل دخل ہے۔ تو امر ظاہر شیخ سے طریقت اخذ کرنے کے منافی نہیں ہے۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں

سے کسی مکتوب میں یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ میں فلاں سے افضل ہوں۔ اور میرا مقام فلاں مقام سے برتر ہے۔ ایسی باتیں مکتوبات میں بالکل نہیں ہیں۔ ہاں آپ نے اپنے بعض معارف کے بارے میں متعدد مقامات پر فرمایا کہ یہ معرفت ان معارف میں شامل ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مخصوص فرمایا ہے۔ اکابر اولیاء میں سے کسی نے اس بارے میں کلام نہیں فرمایا۔ تمہیں علم ہے کہ آپ کے اس ارشاد سے صرف یہ علم ہوتا ہے کہ وہ معرفت آپ کے ساتھ خاص ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی اور ایسی نفیس معرفت سے مخصوص ہو جو اس معرفت کے مساوی یا اس سے افضل ہو۔

اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آپ کو تمام سلاسل کے مشائخ سے افضل قرار دیا ہے تو اس سے کوئی شرعی عیب لازم نہیں آتا۔ عیب اس صورت میں لازم آتا ہے جب کسی کو انبیائے کرام علیہم السلام یا ان افراد سے افضل قرار دے جن کے افضل ہونے پر امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ جب ایسی بات آپ کے مکتوبات میں موجود نہیں تو عیب بھی نہیں ہے۔

تمتہ: سادات کرام میں ایک متقی شخص آیا اور کہنے لگا میں نے خواب میں امام العرفاء حضرت خواجہ شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی ہے اور آپ نے مجھے فرمایا مجھے فرمایا کہ شیخ احمد کے بارے میں یہ جو کہا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ اگر خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ زندہ ہوتے تو میری خدمت کرتے انہوں نے بالکل ایسا نہیں کہا اور اگر آپ نے ایسا کہا بھی ہوتا تو آپ اپنے اس دعویٰ میں سچے تھے۔

شبہ ششم اور اس کا حل

معترض حضرات کا کہنا ہے کہ

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ توحیدی وجودی کا انکار کرتے ہیں حالاں کہ صوفیہ کرام کا اس پر اجماع ہے۔

میں کہتا ہوں دعویٰ کی دوسری جز و درست نہیں۔ کیوں کہ بہت سے مشائخ کرام کا یہ مذہب نہیں ہے۔ علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ اجل حضرت علاء الدولۃ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے۔ عالم وجود سے برتر ملک ودود کا عالم ہے۔

باقی رہ گئی دعویٰ کی پہلی جز و تو اس بارے میں تفصیل ہے۔ مناسب یہ ہے کہ تم کو اس تفصیل کا علم ہوتا کہ شک کے اندھیروں سے نکل کر یقین کے نور میں آجاؤ۔

اس بارے میں آپ رحمۃ اللہ علیہ علمائے کرام کے موافق اور ان صوفیہ عظام کے مخالف ہیں جو وحدت الوجودی مسلک رکھنے والے ہیں۔ آپ نے اپنے بلند مرتبت مکتوبات میں فرمایا کہ میں عرصہ دراز تک وحدت الوجودی صوفیہ کا ہموار ہا۔ اور توحید کے معارف سے بہت بڑا حصہ حاصل کیا۔ میں گمان بھی نہ کرتا تھا کہ اس سے برتر کوئی اور مقام ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مقام سے نکالا تو اصل جمع فرق میں تبدیل ہوگئی۔ اشیاء کے حقائق کو دیکھا جیسا کہ میں وہ ہیں اور میں کہنے لگا کہ حق علماء کے ساتھ ہے۔ اور عینیتِ وجود کا تمہارا قول مبنی بر خطا ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ توحید وجودی کا ورود مبتدی صوفیہ کی خطا ہے متوسط صوفیہ پر یہ کیفیت بہت کم اور نادر طاری ہوتی ہے۔ اور کامل صوفیہ پر اس طرح کی کیفیت کبھی ہی طاری ہوتی ہے۔ یہ کیفیت ظلی ولایت کے مقام سے پیدا ہوتی ہے جو سکر حال سے متلون اولیاء کے ساتھ مخصوص ہے۔ نبوت اور زویت الاشیاء کماہی کا مقام اس کیفیت سے متزین نہیں ہوتا کیوں کہ وہ مقام تو صحو سے مزین ہوتا ہے۔ ہر دو مقامات کے درمیان بہت زیادہ فرق ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آپ قدس سرہ العزیز اس امر سے انکار نہیں فرماتے کہ وحدت وجود کی کیفیت احوال اور مواجید میں شامل ہے۔ لیکن آپ اس کے ایسا کمال اور مقام ہونے سے انکار فرماتے ہیں جس سے بڑھ کر نہ کوئی اور کمال ہے اور نہ کوئی مقام۔ بلکہ یہ ایسا حال ہے جو سلوک کے دوران طاری ہوتا ہے۔ اصحاب کمال سے منقول ایسے احوال ان کے ابتدائی احوال پر محمول ہیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ توحید یہ ہے کہ قدیم ذات کو حادث سے الگ جانا جائے۔ اور ہر وہ حقیقت جس کو شریعت رد کر دے، زندقہ ہوتی ہے۔

درج بالا وضاحت سے ثابت ہوا کہ وحدت وجود صوفیہ کرام کے احوال سے ایک حال ہے جو بعض سالکین پر وارد ہوتا ہے۔ نہ اس کا عقیدہ رکھنا درست ہے اور نہ ہی تقلید۔ کیوں کہ صاحب حال تو اپنے سکر کے باعث معذور ہے اوروں کے پاس تو کوئی عذر نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ چوں کہ یہ سالک کا مشہود ہوتا ہے حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا لہذا محقق صوفیہ نے اسے توحید شہودی کا نام دیا ہے۔

آپ کی رفیع خاتمہ کے بارے میں بشارات

۱۔ عارف ربانی حضرت امیر محمد نعمان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بارگاہِ نبوی سے مجھے بشارت ہوئی کہ حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ صاحب قبول عظیم اور بات کے سچے ہیں۔

۲۔ آپ قدس سرہ کی سوانح میں ہے کہ ایک امین اور راست گو تاجر، جس کے چہرے پر کامیابی کے آثار تھے، نے اپنا ابتدائی حال یوں بیان کیا کہ مجھے حضرت سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے بہت محبت اور عقیدت تھی۔ آپ کبھی کبھی میرے سامنے ظاہر ہوتے اور بعض معاملات کے بارے میں بشارتیں دیا کرتے تھے۔ نیز اہم موڑ میں میری مدد فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز آپ نے مکاشفہ میں مجھے فرمایا کہ تم نے مجھ سے بہت سا فیض حاصل کیا ہے۔ لیکن ظاہری شیخ کا ہونا بھی ضروری ہے۔ میں نے عرض کی میں کس کی طرف رجوع کروں۔ فرمایا شیخ احمد سرہندی کی جانب کیوں کہ دور حاضر میں وہ ظاہر و باطن کے جامع ہیں۔ اپنے زمانہ کے قطب ہیں۔ اس نے بتایا کہ پھر میں نے آپ کی عجیب کرامات اور نادر کمالات دیکھے۔

۳۔ ایک صالح، عبادت گذار عورت۔ نے بیان کیا کہ میں اکبر آباد کی ایک گلی میں رہتی تھی۔ میں

نے ایک مجذوب ولی کے بارے میں سنا جو کبھی لوگوں کی نظروں سے غائب ہو جاتا اور کبھی ان میں آموجود ہوگا۔ میں اس کی خدمت میں حاضر ہوئی اس نے مجھے کہا کہ قطب زمان حضرت شیخ احمد سرہندی کا دامن مضبوطی سے تھام لو۔ کیوں کہ جس نے آپ کو عقیدت کی نظر سے دیکھا اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ حرام فرما دیتا ہے۔

۴۔ شیخ کامل حضرت امیر حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ جو امام العارفین حضرت خواجہ محمد باقی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے نے فرمایا میں نے خواب میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ فصیح کلام میں شیخ احمد سرہندی کی مدح وثنا فرما رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ مجھے ان (یعنی حضرت امام ربانی قدس سرہ) کے میری امت میں ہونے پر فخر ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں میری امت کا مجدد بنایا ہے۔

۵۔ بلخ کے امراء میں ایک شخص ہندوستان آیا۔ وہ سرہند شہر گیا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی۔ اس نے اپنا حال یوں بیان کیا۔ کہ میں بلخ میں تھا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ ایک جنازہ آیا علاقہ ماوراء النہر کے اگلے پچھلے اولیائے کرام اس جنازہ کے پاس جمع ہو گئے۔ سلسلہ نقشبندیہ کے مشائخ مثلاً حضرت قطب ربانی خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت قدوۃ العارفین حضرت شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ خصوصیت کے ساتھ وہاں موجود تھے۔ یہ سب ایک عزیز الوجود ہستی کا انتظار کر رہے تھے۔ میں نے اس معاملہ میں ایک شخص سے پوچھا تو اس۔ نے کہا یہ ایک قطب کا جنازہ ہے یہ سب اولیائے کرام قطب الاقطاب کا انتظار کر رہے ہیں۔ اسی دوران ایک بہت باعظمت نورانی شخص آیا۔ انہوں نے اسے امام بنایا میں نے ان میں سے ایک سے اس کے نام اور سکونت کے مقام کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ ان کا نام شیخ احمد ہے اور ان کی رہائش سرہند میں ہے ان کی شکل وصورت میرے دل میں نقش ہو گئی جب میں نے آپ کو دیکھا تو پہچان لیا۔

۶۔ ایران سے ایک شخص آیا اس کا کہنا تھا کہ ہمارے شیخ بہت باعظمت اور عظیم کمالات کے حامل

تھے۔ ان کا نام صدر الدین تھا جو شیخ اجل حضرت شیخ محمد زاہد بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا سے تھے۔ ان کا وصال ہو گیا۔ ایک دن میں نے ان کی بارگاہ میں التجا کی آپ تو اس دار فانی سے چل بسے ہم شیخ کے بغیر حیران و پریشان باقی رہ گئے ہیں۔ میں دیکھا کہ گویا آپ فرمار ہے ہیں میں تمہیں شیخ احمد سرہندی کے پاس بھیجتا ہوں دور حاضر میں ان سے بڑھ کر کامل رتبہ والا کوئی ولی نہیں ہے۔

۷۔ ہندوستان کے اکابر سے ایک شخص بلخ گیا وہاں حضرت قدوۃ العارفین شیخ مومن بلخی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے شرف یاب ہوا۔ اس نے بیان کیا میں نے آپ کو اپنے سنگیوں سے یہ کہتے ہوئے سنا آج اگر سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور امام العارفین حضرت ابو یزید بسطامی زندہ ہوتے تو حضرت شیخ احمد سرہندی کے سلسلہ ارادت میں داخل ہوتے اور ان کے خدام بن جاتے۔ جسے سعادت نصیب ہو ان کی جانب پہنچنے کی کوشش کرے۔

۸۔ اسی واقعہ کی مانند ماوراء النہر کے حضرت سید میرک شاہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ حسن قیادبانی رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی القضاۃ حضرت لولک بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت مروی ہیں۔

فقیر مولف احسن اللہ الیہ کہتا ہے کہ اس قبیل کی حکایات اور روایات بہت ہی کثرت ہیں۔ ہم انہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ معاملات کی حقیقتوں کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

حسن خاتمہ

مولف کتاب ہذا، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ رکھے، کہتا ہے کہ میں نے خواب میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ مجھ پر بے حد مہربان ہیں۔ میں گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور بیٹھا ہوں۔ میرے ہاتھوں میں امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میزان الشریعہ ہے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کتاب پڑھ کر سنا رہا ہوں اور آپ نہایت توجہ سے اسے سماعت فرما رہے ہیں۔ میرے پڑھنے کے دوران صوفیائے کرام کے معارف سے ایک معرفت نکل آئی جس میں حضرت مجدد الف

ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے معارف کی تصدیق اور تحسین تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بہت اچھی لگی۔ فرمایا اس لطیف معرفت کو ہماری خاطر لکھ اور ہمارے گھر میں فلاں جگہ رکھ دو۔ اس جگہ میں بہت نفیس اشیاء رکھی ہوئی تھیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھیں۔ دربار نبوی میں میری حیثیت راز دار خادم کی سی تھی جیسا کہ والد کے ہاں مقبول بیٹے یا دادا کے ہاں محبوب پوتے کی ہوتی ہے۔ میں نے چاہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے معارف میں ایک معرفت پیش کروں۔ مجھ سے کہا گیا کہ اس کی ضرورت نہیں کیوں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آج ان کے مخصوص معارف اور حقائق پر نزول فرمایا ہے جس طرح کہ بادشاہ اپنے امراء میں سے کسی امیر کے ہاں جائے جس کی خاطر عمدہ گھر تعمیر کئے گئے ہوں ان کو اس نے پسند کیا ہو ان کے اندر گیا ہو اور پسندیدگی کا اظہار کیا ہو۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے خطاب فرمایا اور متشابہات کے ایسے اسرار بیان فرمائے جس سے حاضرین حیرت زدہ رہ گئے۔ میں نے دیکھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ قیامت کے دن جب میں گناہ گاروں کی جماعت کی شفاعت کروں گا تو انہیں اس شیخ کے سپرد کردوں گا۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مجدد الف ثانی مراد لے رہے ہیں۔ تا کہ یہ ان کو امن، امان اور اطمینان کے ساتھ جنت میں لے جائیں۔ وہ دوبارہ واپس آئیں گے میں ایک اور جماعت ان کے حوالے کروں گا وہ ان کو جنت میں چھوڑ کر آئیں گے اس طرح بار بار ہوگا۔

بار الہا! درود، سلام، برکت اور کرم سب سے معزز اور سب سے برتر نبی پر، جو دو کمانوں بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ کے مقام پر فائز ہیں، آپ کے نیک سیرت صحابہ کرام اور آپ کی پاک آل پر نازل فرما تارہ جب تک منیٰ میں حجاج کے لئے خیمے نصب ہوتے رہیں اور ارباب صفا مروہ پر چڑھتے رہیں۔ پاک ہے تمہارا رب جو عزت کا مالک ہے ان اوصاف ذمیمہ سے جو کافر اس کیلئے بیان کرتے ہیں۔ رسولوں پر سلام ہو اور سب تعریف اللہ تعالیٰ کیلئے جو سارے جہانوں کا مالک ہے۔

۱۹ د

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

مرقعات

☆

۱۱۹۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

شیخ عبدالاحد سرہندی (م۔ ۱۱۲۷ھ/ ۱۷۱۴ء)، مخطوطہ مجموعۃ الرسائل، نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ عربیہ کلیکشن نمبر ۷۲/۶۵، لٹن لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ (بھارت)

☆☆

۱......رسالہ فیض عام

۲......الجنات الثمانیہ

۳......رسالہ بدائع شرائع

۴......رسالہ خیر الکلام

۵......رسالہ اسرار جمعہ

۶......رسالہ البرہان الجلی فی فضل ذکر خفی

۷......رسالہ نفی الاشارۃ فی الصلوٰۃ

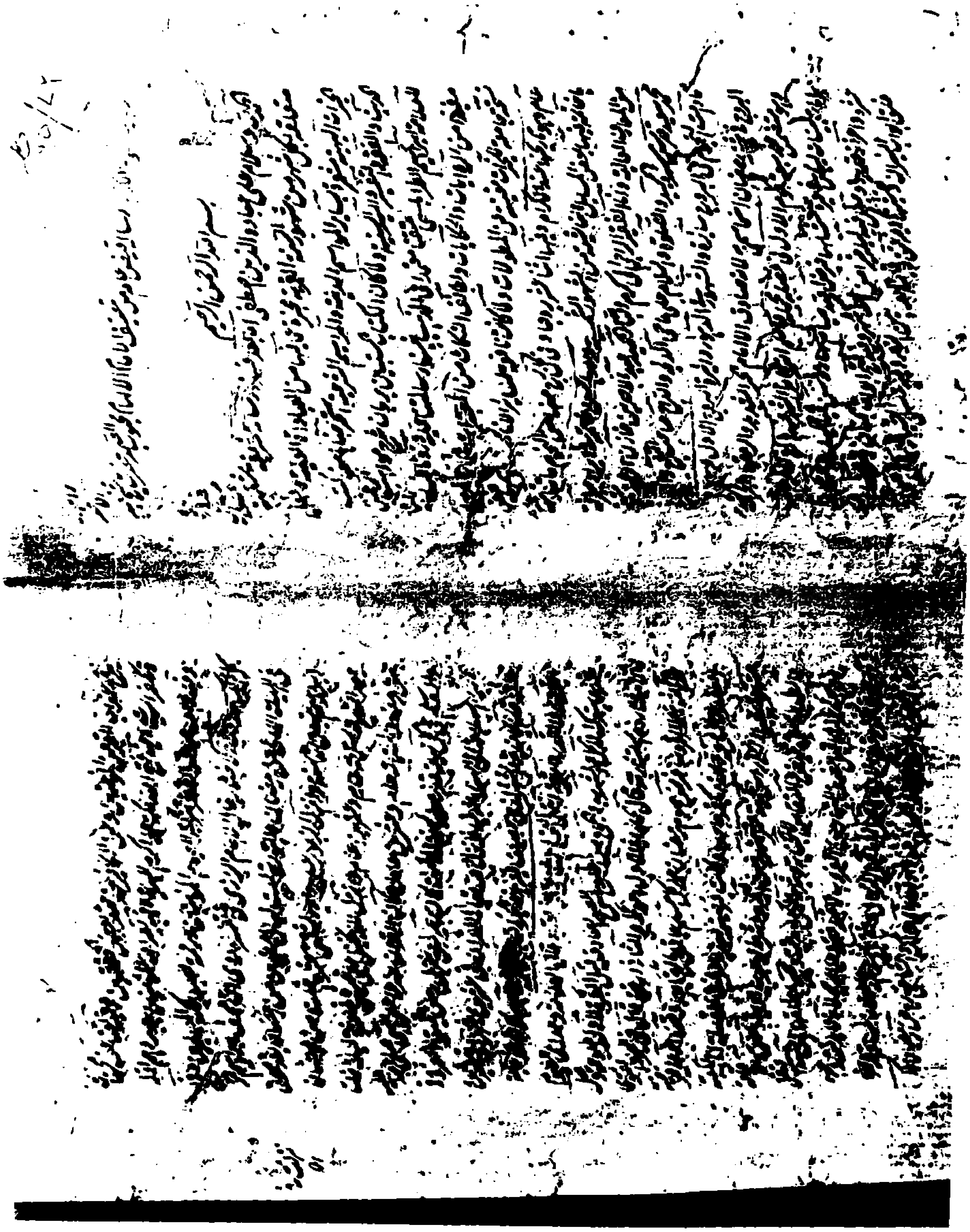

(رسالہ فیض عام، خواجہ عبدالاحد علیہ الرحمۃ، صفحہ اول و آخر مخطوطہ، مجموعۃ الرسائل نمبر ۶۵/۲۷، لٹن لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، بھارت)

[illegible] كتاب [illegible] سيدي [illegible] وقال عليه الصلوة والسلام وهو [illegible]
[illegible] اذا خرجت سفينة من [illegible] القوم فيها حسين و[illegible] معارف
[illegible] تحسنت [illegible] عليه وسلم [illegible] الى كتب هذه [illegible] لا يجلس و[illegible]
[illegible] وكان في ذلك الموضع اشياء نفيسة تختص عليه السلام وكان عنده [illegible]
وبخادم اموره مثل ولد مقبول عند والده او سبط محبوب عند جده ف[illegible] ان يخفى
عليه مخفية بين معارف محمد وقيل لم الاحاجة اذاك فان رسول الله صلى الله عليه [illegible] لهم
نزل اليوم على حقايقه ومعارفه خاصة كمثل السلطان ينزل على امرائه [illegible] وقال
بني بيوت نفيسة عالية فالحجة فدخلها واسكنها ثم خاطبني صلى الله عليه [illegible] بامور
من اسرار متشابهات ما تحير فيه الحاضرون ورايته عليه الصلوة والسلام يقول اني كما
اشفع يوم القيمة لجماعة من المذنبين اسود وجوههم هذا الشيخ يريد به محمد حتى [illegible] وجوههم
الى الجنان بالامن والامان ثم يجئ باسود جماعة اخرى فيقوم [illegible] لهم
ثم هكذا وهكذا اللهم فصل وسلم وبارك واكرم على النبي الاكرم الذي [illegible]

قاب قوسين او ادنى وآله البررة وصحبه المتقي
[illegible] قربت الجناب فهمي هو فارق المروة
ارباب الصفا سبحان ربك رب
العزة عما يصفون وسلام
على المرسلين والحمد لله
رب العالمين
[illegible] رسالة
[illegible]
احمد [illegible]
تم تم تم
تم

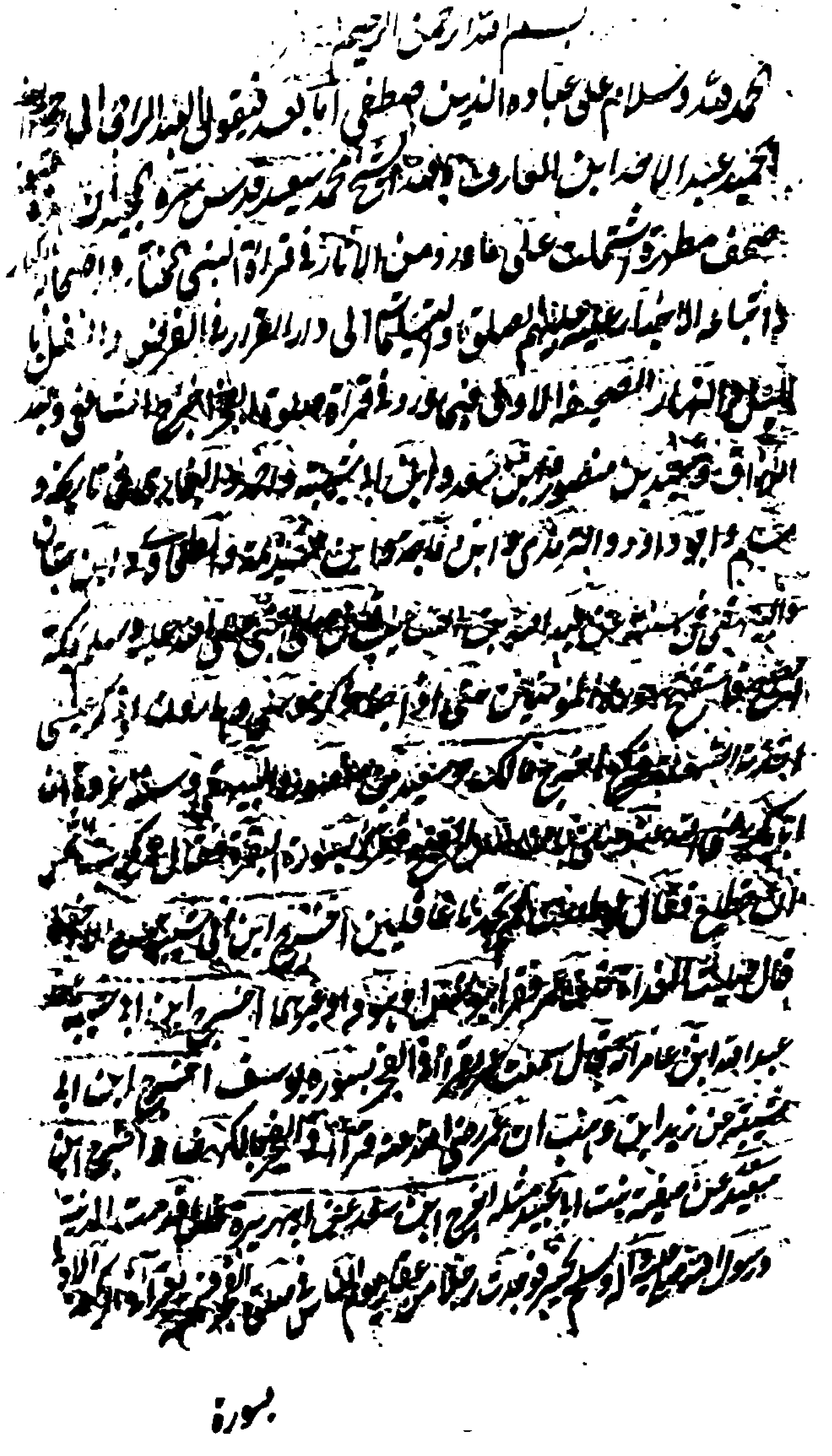

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده ونسلم على عباده الذين اصطفى اما بعد فيقول العبد الراجي الى رحمة الحميد عبد الاحد ابن العارف بالله الشيخ محمد سعيد قدس سره هذه صحف مطهرة مشتملة على ما ورد من الآثار في قراءة النبي صلى الله عليه وسلم واصحابه واتباعه الاخيار عليهم الصلوة والتسليمات الى دار القرار في الفرض والنفل

(رسالہ الجنات الثمانیہ، خواجہ عبدالاحد علیہ الرحمۃ، صفحہ اول و آخر مخطوطہ، مجموعۃ الرسائل نمبر ۶۵/۲۷، لٹن لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، بھارت)

المفصل [illegible] سبع قيل مبدؤه الاكثر من سورة الحجرات وقيل من سورة محمد
[illegible] ومن ق الى البروج وبس و[illegible] والوسا
اوساطه منها الى لم يكن وبين في المغرب قصاره الى [illegible]
الى عبس واوساط من كورت الى الضحى والباقية قصاره ذكره في شرح [illegible]
فيه كتب عمر الى ابى موسى الاشعرى ان اقرا في المغرب بقصار المفصل وفي العشاء بوسط
المفصل وفي الصبح بطوال المفصل رواه عبد الرزاق في مصنفه والطحاوي [illegible]
سعة الوقت وقال في الاصل او دونه لما روى عن عمر انه كتب الى ابى موسى ان اقرا في
العشاء باوساط المفصل ولان وقتها وان كان متسعا لكنه وقت اشتغال الناس
بمهماتهم بخلاف الصبح والعصر كالعشاء في استحباب التاخير فيستحق بها في التاخير [illegible] طولت
القراءة ربما افضت الى الوقوع في الوقت المكروه فكان اوسطه في [illegible] واما
المغرب فمبناها على العجلة وكراهة التاخير فكان قصاره بما اليه [illegible] في الفجر
في الحضر باربعين آية وخمسين او ما بين الستين الى المائة لما في الصحيحين عن ابي برزة

السنين

ابي برزة كان صلى الله عليه وسلم يقرا في الفجر ما بين الستين الى المائة آية ولفظ ابن
حبان بالستين الى المائة واخرج عن ابن عمر ان النبي صلى الله عليه وسلم [illegible]
في الفجر بالصافات وفي مسلم انه صلى الله عليه وسلم كان يقرا في الفجر بق ونحوها ووجه
التوفيق انه يقرا بالراغبين مائة وبالكسالى اربعين وبالاوساط ما بين خمسين
ستين وقيل ينظر الى طول الليالي وقصارها والى كثرة الاشتغال وقلتها ويعمل في
والضرورة تجعل بقدر الحال من العجلة والاقامة اذ قد روى انه صلى الله عليه وسلم
قرا المعوذتين في الفجر ولان السفر موثر في اسقاط شطر الصلوة فلان يوثر في تخفيف
القراءة اولى انتهى كلامه وليعلم ان هذا الذي ذكرت من كلام الفقهاء لا يعارض
لما ذكرت من الآثار لانهم جمعهم [illegible] ما كان عليه اكثر [illegible] الصلوة [illegible]

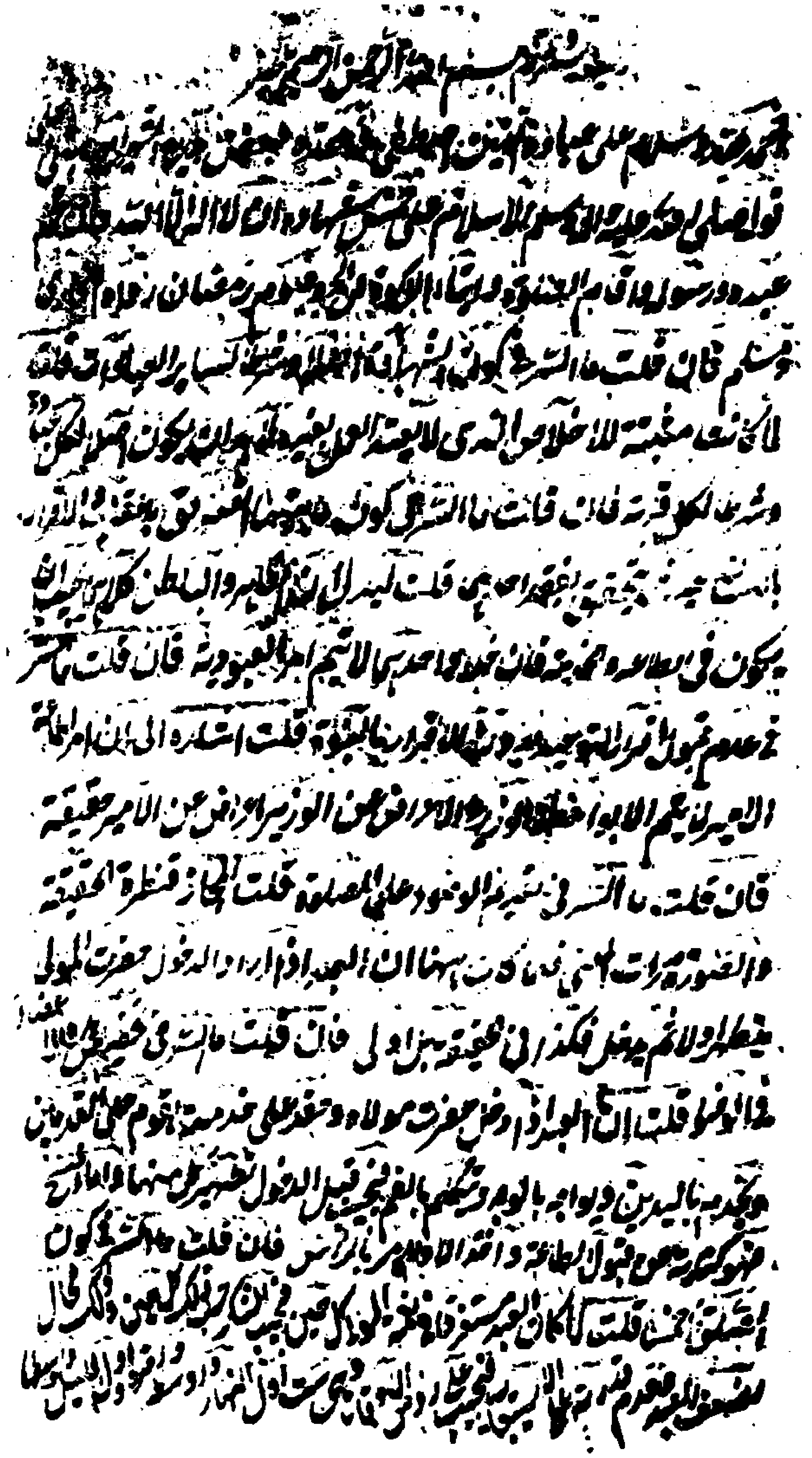

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى خصوصا [illegible]

وافضل [illegible] بني الاسلام على خمس شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا

عبده ورسوله واقام الصلوة وايتاء الزكوة والحج وصوم رمضان رواه البخاري

ومسلم فان قلت ما السر في كون [illegible] مقدمة على سائر العبادات [illegible]

[illegible] مقدمة للاخلاص [illegible]

[illegible] فان قلت ما السر في كون [illegible]

[illegible] قلت [illegible]

يكون في [illegible] فان قلت ما السر

في عدم [illegible] قلت اشاره الى [illegible]

[illegible] عن الوزير [illegible] عن الامير حقيقة

فان قلت ما السر في تقديم الوضوء على الصلوة قلت المجاز قنطرة الحقيقة

والصورة [illegible] ان العبد اذا اراد الدخول حضرت المولى

[illegible] فان قلت ما السر في [illegible]

[illegible] قلت ان العبد اذا دخل حضرت مولاه و[illegible] على خدمته [illegible]

[illegible] قبل الدخول [illegible] منها [illegible]

[illegible] قبول الطاعة [illegible] فان قلت ما السر في كون

[illegible] قلت لما كان العبد [illegible]

[illegible]

(رسالہ بدائع شرائع، خواجہ عبدالاحد علیہ الرحمۃ، صفحہ اول و آخر مخطوط، مجموعۃ الرسائل نمبر ۲/۶۵، ۷، لٹن لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، بھارت)

گشته‌اند و در شهود توحید مستهلک گشته [illegible] اند اما احوالی که در آخرت خواهند بود
در جمعیات آن مشهود گشته‌اند چون [illegible] برابرین رو افتد که گذشته بود تفصیل
الحالات [illegible] نگرد که بر حافظ خود [illegible] استنباط [illegible]
که انجالست [illegible] حضرت پیغمبر [illegible] زائل شده بود و مشهود [illegible] حضرت
و دیگر [illegible] اند اگر انجالت بطریق تبعیت دست [illegible] مقصود
جز روح [illegible] بعثت [illegible] ورقات [illegible] [illegible]
ایشان [illegible] بالکلیه [illegible] علیه وعلی آله الصلوات والتسلیمات الی انتهاء
[illegible] مراتب المعاد [illegible] مولف احسن الله الیه [illegible] قوله رضی الله عنه
الحالات [illegible] آخره فتعبیر [illegible] جسد [illegible]
الروح [illegible] وحکم [illegible] قبلا جرم [illegible] کون ذلک فانه مخلوق من نور
المنزه من [illegible] [illegible] [illegible] ان [illegible]
لم یکن [illegible] الاعیان جمال [illegible] بنور [illegible] وجود [illegible]
[illegible] حسن نور [illegible]
[illegible] هذا النسخ [illegible] هذا المقام والصلوة علی سیدنا محمد وآله
قدمت هذه النسخة [illegible] العالم [illegible] حضرت [illegible] الکرام
الهمام حجة الله علی الانام محبوب الصمد
سیدنا ومولانا الشیخ عبد الاحد
[illegible] عفو [illegible]

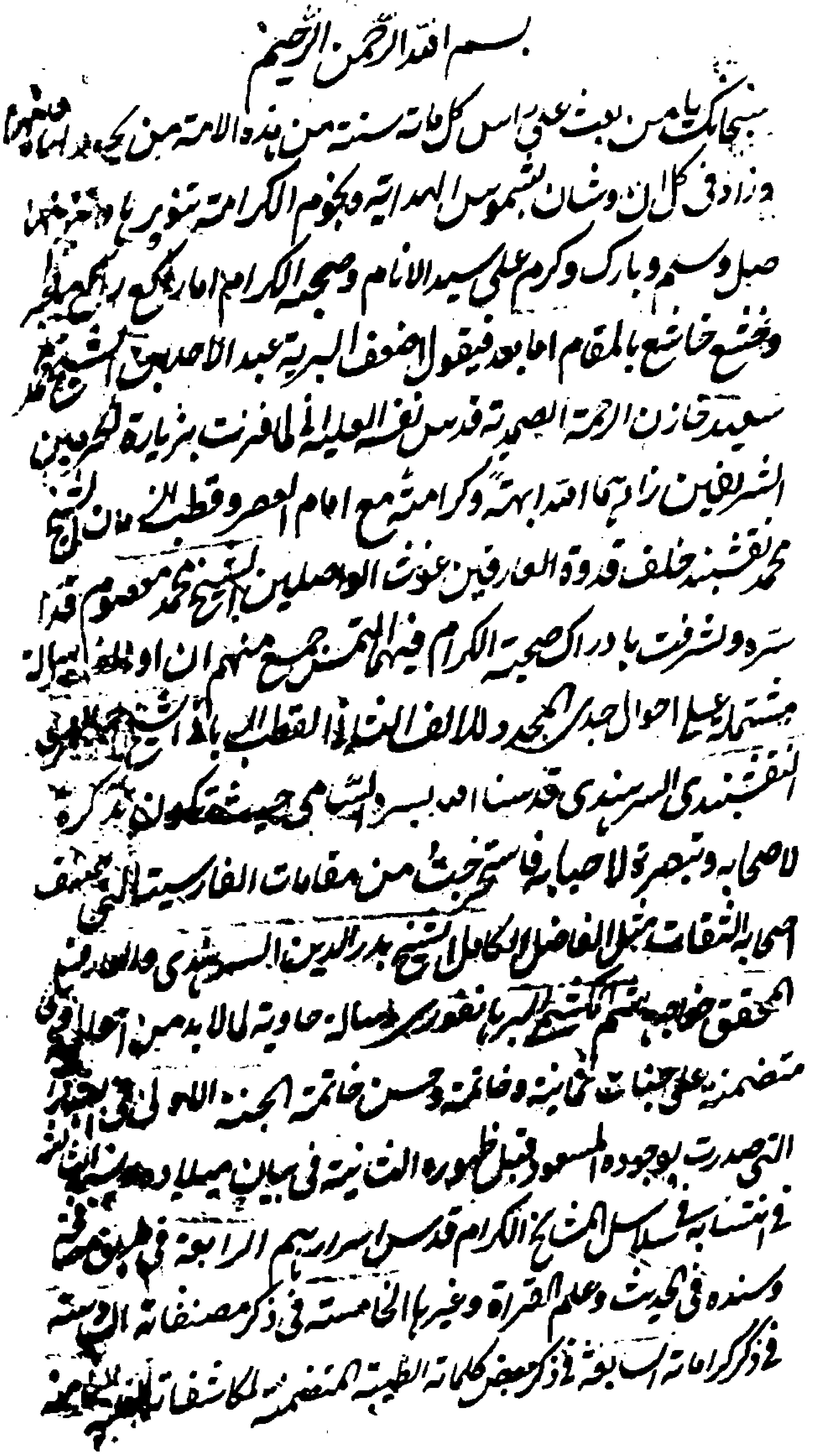

بسم الله الرحمن الرحيم

سبحانك يا من بعث على راس كل مائة سنة من هذه الامة من يجدد لها دينها وزاد في كل آن وشان بشموس الهداية ونجوم الكرامة تنويرها وتجديدها صل وسلم وبارك وكرم على سيد الانام وصحبه الكرام ما ركع راكع وسجد ساجد وخشع خاشع بالمقام اما بعد فيقول اضعف البرية عبد الاحد بن الشيخ محمد سعيد خازن الرحمة الصمدية قدس نفسه العلية لما فزت بزيارة الحرمين الشريفين زادهما الله ابهة وكرامة مع امام العصر وقطب الزمان الشيخ محمد نقشبند خلف قدوة العارفين غوث الواصلين الشيخ محمد معصوم قدس سره وتشرفت بادراك صحبة الكرام فيهما التمس جمع منهم ان اولف رسالة مشتملة على احوال جدي المجدد للالف الثاني القطب الرباني الشيخ احمد الفاروقي النقشبندي السرهندي قدسنا الله بسره السامي حيث تكون تذكرة لاصحابه وتبصرة لاحبابه فاستخرجت من مقامات الفارسية التي صنف احد اصحابه الثقات مثل الفاضل الكامل الشيخ بدر الدين السرهندي والعالم المحقق خواجه هاشم الكشمي البرهانپوري رسالة حاوية لما لا بد منه من احواله متضمنة على جنات ثمانية وخاتمة وحسن خاتمة الجنة الاولى في تجدده التي صدرت بوجوده المسعود قبل ظهوره الثانية في بيان ميلاده ونسبه الثالثة في انتسابه بسلاسل المشائخ الكرام قدس اسرارهم الرابعة في طلبه العلم وسنده في الحديث وعلم القراءة وغيرها الخامسة في ذكر مصنفاته السادسة في ذكر كراماته السابعة في ذكر بعض كلماته الطيبة المتضمنة لمكاشفاته الثامنة

(رسالہ خیر الکلام، خواجہ عبدالاحد علیہ الرحمۃ، صفحہ اول و آخر مخطوطہ، مجموعۃ الرسائل نمبر ۶۵/۲۷، لٹن لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، بھارت)

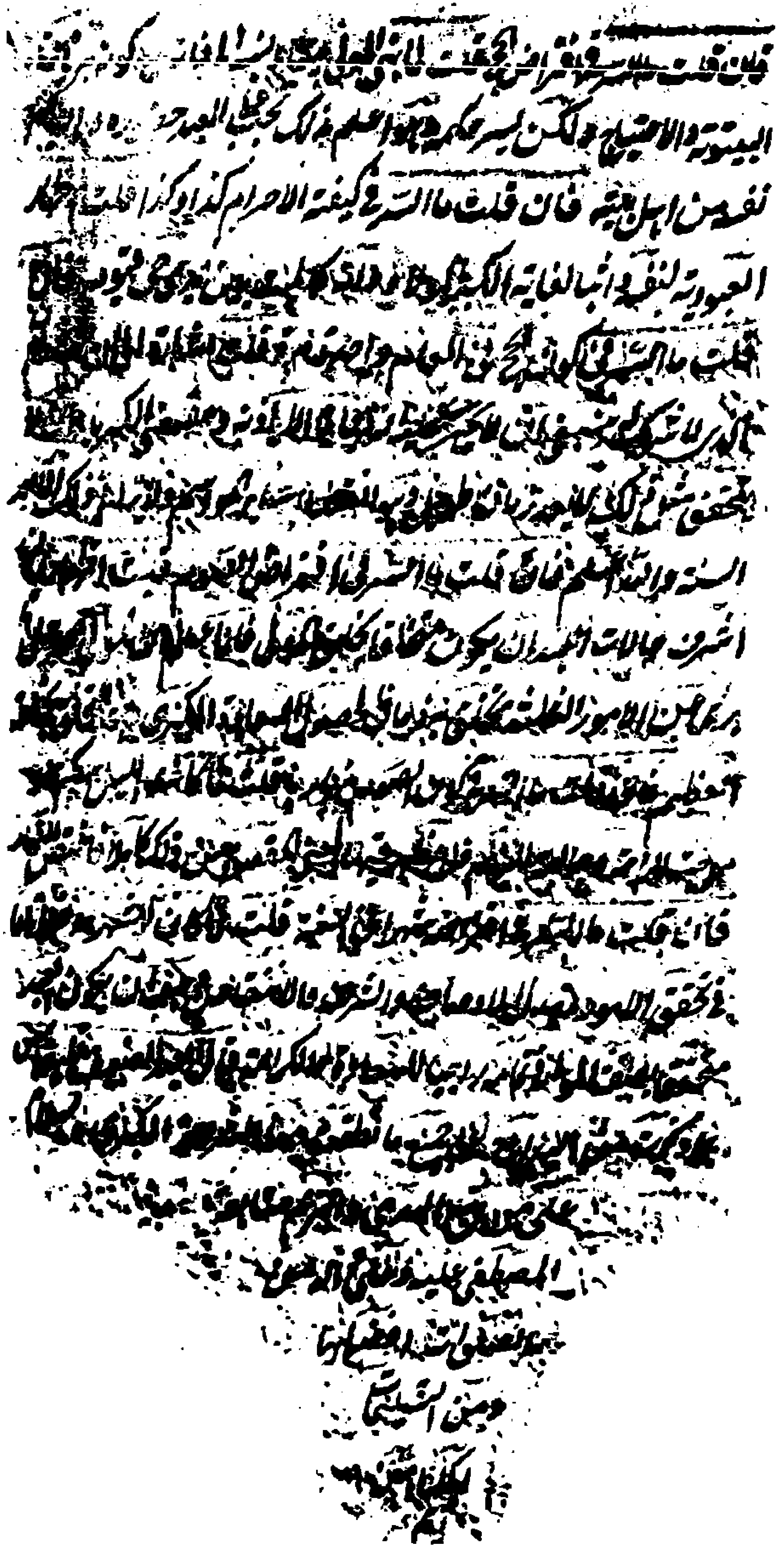

فان قلت [illegible] الحقيقة [illegible]

البيتوتة والاحتياج ولكن بسر حكمه وهو اعلم بذلك تحجب العبد [illegible]

نفسه من اهل بيته فان قلت ما السر في كيفية الاحرام كذا وكذا قلت [illegible]

العبودية لنفسه واثبات الغاية الكبرى [illegible]

قلت ما السر في كون [illegible]

[illegible]

[illegible]

السنة والله اعلم فان قلت ما السر [illegible]

اشرف [illegible] ان يكون [illegible]

[illegible] الامور الثلثة [illegible] السعادة الكبرى [illegible]

[illegible]

[illegible]

فان قلت ما السر [illegible] قلت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] الكبرى [illegible]

[illegible]

المصطفى عليه [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

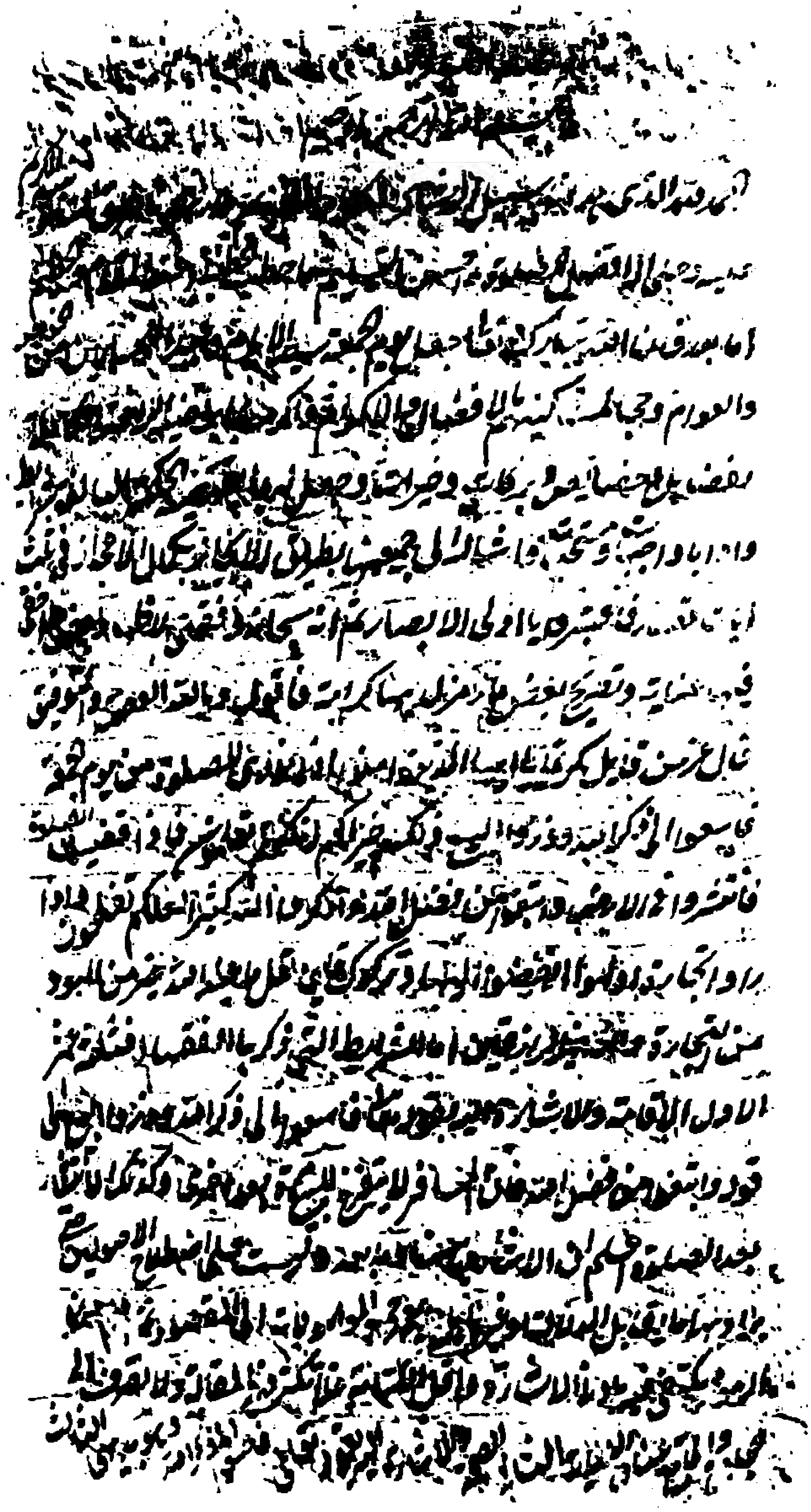

(رسالہ اسرار جمعہ، خواجہ عبدالاحد علیہ الرحمۃ، صفحہ اول و آخر مخطوطہ، مجموعۃ الرسائل نمبر ۶۵/۲۷، لٹن لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، بھارت)

ه صلى الله عليه وسلم ومحاربته البيضاء بهم يرزقون وبهم يمطرون وهم الذين إذا رؤوا ذكر الله
قال اي فلا السبطة ومقام النهاية وان طريق الجنيد واتباعه طريق معلوم اقول كان في
الصحيفة العلية ومما اخرج ابو داود عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان من
عباد الله لاناسا ما هم بانبياء ولا شهداء يغبطهم الانبياء والشهداء يوم القيمة بمكانهم من الله
قالوا يا رسول الله تخبرنا من هم قال هم قوم تحابوا بروح الله على غير ارحام بينهم ولا اموال
يتعاطونها فوالله ان وجوههم لنور وانهم لعلى نور لا يخافون اذا خاف الناس ولا يحزنون
اذا حزن الناس وقرا هذه الآية الا ان اولياء الله لا خوف عليهم ولا هم يحزنون وفي رواية
ان لله عبادا ليسوا بانبياء ولا شهداء [illegible] على مجالسهم وقربهم من الله يوم
القيمة فقال اعرابي انعتهم لنا يا رسول الله [illegible] هم من عباد الله من بلدان شتى و
قبائل شتى لم يكن بينهم ارحام يتواصلون [illegible] يتباذلون بها يتحابون بروح الله
يجعل الله وجوههم نورا ويجعل لهم منابر من لؤلؤ [illegible] عرش الرحمن يفزع الناس ولا يفزعون
ويخاف الناس ولا يخافون ثم لما كانت الرسالة حاوية لاسرار الحجة [illegible]
والشكر [illegible] سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله
رب العالمين ۱۲
آمين ۱۲
تم م

٦٥/٧

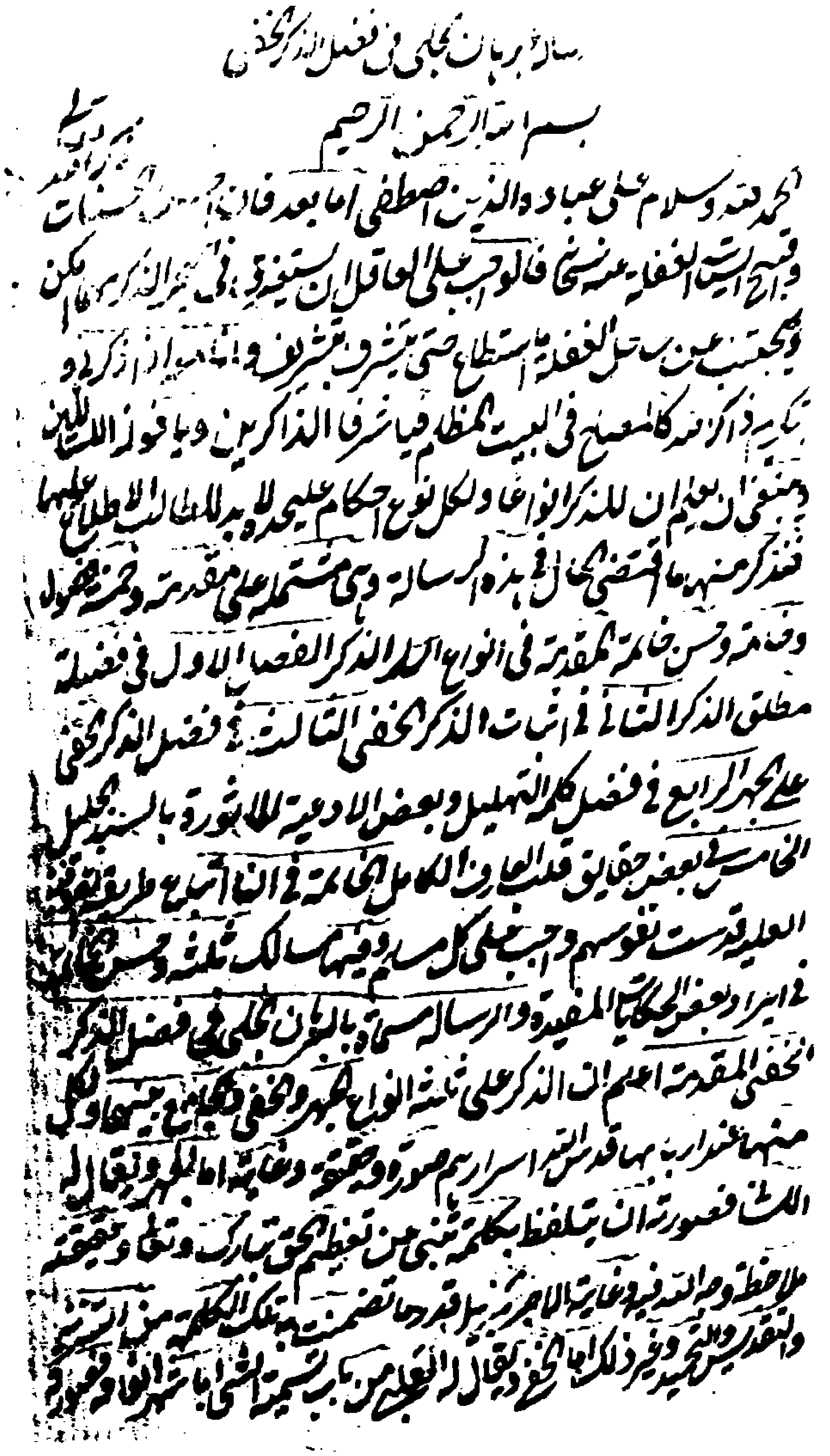

رسالہ برہان الجلی فی فضل الذکر الخفی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد فان [illegible] الحسنات
وتبیح سیئات الغفلة عنه سبحانه فالواجب على العاقل ان يستغرق في ذكر الله مهما امكن
ويجتنب عن ساحل الغفلة ما استطاع حتى يتشرف بتشريفه [illegible] از ذكر ده
[illegible] ذاكر الله كالمصباح في البيت المظلم فيا شرف الذاكرين ويا فوز اللذين
ينبغي ان يعلم ان للذكر انواعا ولكل نوع احكام على حده لا بد للطالب الاطلاع عليها
فنذكر منها ما اقتضى الحال في هذه الرسالة وهي مشتملة على مقدمة وخمسة فصول
وخاتمة وحسن خاتمة المقدمة في انواع الذكر الفصل الاول في فضيلة
مطلق الذكر الثاني في اثبات الذكر الخفي الثالث في فضل الذكر الخفي
على الجهر الرابع في فضل كلمة التهليل وبعض الادعية الماثورة بالسند الجليل
الخامس في بعض حقائق قلب العارف الكامل الخاتمة في ان اتباع طريقة النقشبندية
العلية قدست نفوسهم واجب على كل مسلم وفيها مسالك ثلثة وحسن الخاتمة
في ايراد بعض الحكايات المفيدة والرسالة مسماة بالبرهان الجلي في فضل الذكر
الخفي المقدمة اعلم ان الذكر على ثلثة انواع الجهر والخفي والجامع بينهما ولكل
منها عند اربابها قدس الله اسرارهم صورة وحقيقة وغاية اما الجهر [illegible]
[illegible] فصورته ان يتلفظ بكلمة تنبئ عن تعظيم الحق تبارك وتعالى وحقيقته
ملاحظة [illegible] فيه وغايته الاجر بقدر ما تضمنت تلك الكلمة من التسبيح
والتقديس والتحميد وغير ذلك اما الخفي فقال العلماء من باب تسمية الشيء باسم [illegible]

(رسالہ البرہان الجلی فی فضل ذکر خفی، خواجہ عبدالاحد علیہ الرحمۃ، صفحہ اول و آخر مخطوط، مجموعۃ الرسائل نمبر ۶۵/۲، ۷، لٹن لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، بھارت)

طرد الغفلة عن القلب [illegible]
شبهة التمويه والتكلف [illegible]
[illegible] بالتعبد و تقريبا للوصول الى المذكور [illegible]
انه دام السالكين [illegible] و شهود العالم [illegible]
على قدر شرف المعلوم ولكل منهما ظهر و بطن [illegible]
[illegible] هذا التفصيل ما روي عنه انه صلى الله عليه وسلم قال [illegible] الذكر [illegible]
تفصيل اهل برهان او علانية فقال البجائي [illegible] الفرد [illegible]
[illegible] او استعداد الموت قبل [illegible] وقد علم من حد الخفي والجهر [illegible]
قالوا قدس الله اسرارهم [illegible] على [illegible] الذكر و حقيقة [illegible]
هذا احمل الشارح المحقق علي القاري ما روى البخاري عن ابي هريرة رضي قال قال
رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله تعالى يقول انا مع عبدي اذا ذكرني و تحركت
شفتاه [illegible] ولا ريب ان الجمع بينهما اكمل وفي تحصيل المثوبة
افضل وقال الامام الرازي [illegible] في تفسير قوله تعالى يذكرون الله قياما وقعودا
الاية يحتمل ان يكون المراد بهذا الذكر هو الذكر باللسان وان يكون المراد منه الذكر بالقلب
والاكمل ان يكون المراد الجمع بينهما انتهى واعلم ان الجهر المشتهر اليوم فيما بين الناس [illegible]
بينهما فانه برفع الصوت بالذكر وذلك مختلف بين الائمة اما عند علمائنا الحنفية
فممنوع [illegible] الاشعري ومنهم النقشبندية [illegible]
للمتبعين مشايخ چشتیه وكتب الامام الرباني [illegible] النقشبندية رسالة [illegible]
بالنصوص القطعية والاخبار الصحيحة والروايات المعتبرة [illegible] السالكين و مستند العارفين
[illegible] في فضيلت مطلق الذكر اعلم [illegible] الذكر [illegible] الاخبار و
[illegible] الاجماع [illegible]

[illegible] والمريد فقال [illegible] فيه وكان له مريد
[illegible] لرفع ذلك وتضرعت الى حضرت القدس [illegible]
[illegible] وقال بعض الكبراء عن اصحابه قدس سره [illegible]
[illegible] القصة التي جرت عليه اني كنت رفيق [illegible]
مدة [illegible] بيني وبينه عهد ان السابق منا الى الموت يذكر حاله عند الآخر [illegible]
نسيته فلبثت كل ليلة بعد التطهر واصلي واستغفر له وما رايته [illegible] ومضى
حولين حتى انكنت ليلة من ليالي نائما اذ رايت انه دخل علي وهو در
غاية من الحزن عظيم قلت ما شانك ولم استطعت على [illegible] ذلك العهد
قال يا اخي اني كنت محبوسا محاسبا الى هذا اليوم فلما خلصت منه اسرعت
اليك وكان سبب خلاصي عنه انه نزل علي اليوم الشيخ احمد المرشدي فما
زال متضرعا الى الله حتى خلصني فجئت عندك قال المجدد رضي الله تعالى عنه صاحب
فاستفسرت عن تاريخ ذلك المنام فاذا هو ذلك اليوم الذي نزل فيه المجدد رضي
الله تعالى عنه على قبره وكنت اذ ذاك معه

والله سبحانه اعلم بصدق المقال وهو
المستغفر في سائر الاحوال والصلوة
والتحية على افضل البرية
والسلام تمت
الرسالة البهية
[illegible] في
تفضيل
ذكر الخفي
بالجهر

رسالة نفي الاشارة في الصلوة

بسم الله الرحمن الرحيم

سبحان من خشيت الاشارات في جبروته وتاهت العبارات في ملكوته والسلام على من تقدم [illegible] حق لقائه
وشرع كمال الخشوع في صلوته وعلى آله واصحابه من اتصف بصفاته اما بعد [illegible] حضرت المجدد للالف الثاني

الم

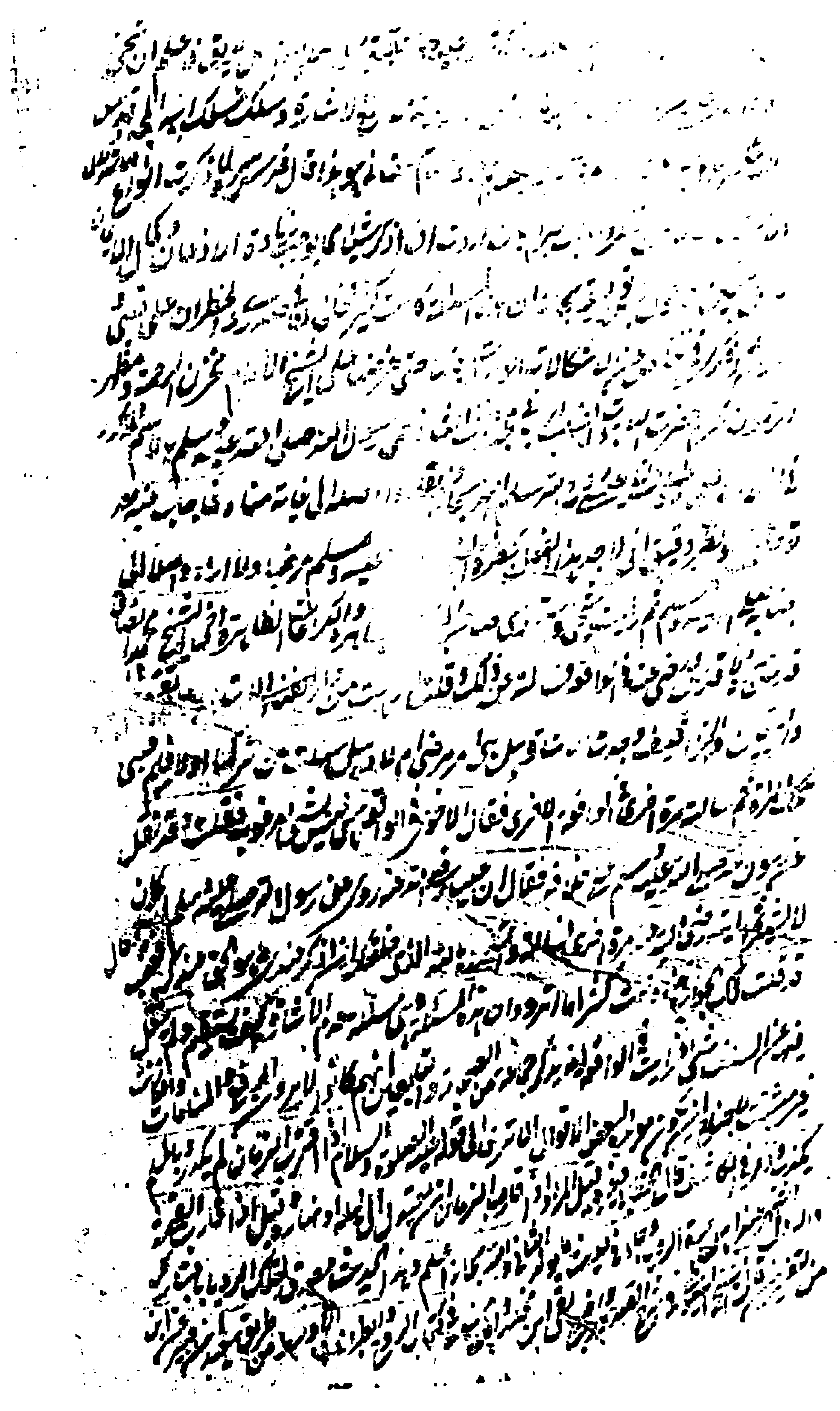

(رسالہ نفی اشارہ فی الصلوۃ، خواجہ عبدالاحد علیہ الرحمۃ، صفحہ اول و آخر مخطوط، مجموعۃ الرسائل نمبر ۶۵/۲۷، لٹن لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، بھارت)

[illegible] الصلوة [illegible] والكرخي [illegible]

[illegible]

[illegible]

انتهى [illegible] اثبات الاشارة [illegible] شرح [illegible]

[illegible] مولانا عبد الحكيم [illegible] رحمه [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

وسميتها [illegible] خاتم الالوف [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] بالاتفاق [illegible]

[illegible]

[illegible] الاشارة [illegible]

[illegible]

[illegible] الرواية [illegible]

[illegible]

[illegible]

صلى الله عليه وآله

يا سيد السادات جئتك قاصدا
ارجو رضاك واحتمي بحماك
انت الذي لولاك ما خلق امرؤ
كلا ولا خلق الورى لولاك
انا طامع بالجود منك ولم يكن
لابي حنيفة في الانام سواك

صلى الله عليك وعلى آلك واصحابك وسلم دائما ابدا